پاکستان

میں

فارسی ادب

جلد اوّل

(۴۰۰ تا ۱۰۰۰ ہجری)

ڈاکٹر ظہور الدین احمد
شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور

یونیورسٹی بک ایجنسی
۱۹۴ - انارکلی - لاہور

بار اول

تعداد ۱۰۰۰

قیمت ۱۵/- روپے

مطبع استقلال پریس لاہور

ناشر یونیورسٹی بک ایجنسی

۱۹۴۔ انارکلی لاہور

فہرست مطالب

مقدمہ ۱۱–۲۳

ایران و پاکستان قدیم کے تعلقات ۱۱ ۱۳
پاکستان قدیم پر عربوں کا تسلط ۱۴
دوبارہ ایرانیوں کا تسلط ۱۴
فارسی زبان کا رواج ۱۵
فارسی ادب کا رواج ۱۶، ۲۰

شعراء ۲۰
مؤرخین ۲۰
نثر نگار ۲۱
متفرق ۲۲
تذکرے ۲۲

○

مرکز ادب لاہور

خانوادہ ہائے سلطنتی لاہور ۲۷
نائب السلطنت یا سالار لاہور ۲۸
حکمرانان لاہور ۲۹
خلجی، تغلق ۳۰
سیّد ۳۱
لودی، مغل ۳۲
افغان، مغل ۳۳
صوبیداران لاہور ۳۴

لاہور
عہد غزنوی ۳۵–۳۷
فارسی زبان وادب ۳۷–۳۸
عہد غوری اور سلطانان دہلی ۳۸–۴۰
فارسی ادب ۴۰
خلجی اور تغلق ۴۰–۴۱
فارسی ادب ۴۱
سید خاندان اور فارسی ادب ۴۱–۴۳

لودھی، مغل، افغان	۴۳ - ۴۴
عہد اکبر	۴۴ - ۴۵
زبان و ادب	۴۵ - ۴۷
ابوالفرج رونی	۴۸ - ۶۲
ممدوحین رونی	۵۰ - ۵۳
رونی اور مسعود سلمان	۵۳ - ۵۵
دیوان	۵۵
رونی اور دیگر شعراء	۵۶
شاعری	۵۷ - ۶۰
غزلیات	۶۱
رباعیات	۶۱ - ۶۲
مسعود سعد سلمان	۶۳ - ۸۳
سوانح زندگی	۶۳ - ۷۰
اولاد	۷۰
شعرائے معاصرین سے تعلقات	۷۰ - ۷۱
اخلاق و عادات	۷۲ - ۷۴
دیوان	۷۴ - ۷۵
شاعری	۷۵ - ۷۷
حبسیات	۷۷ - ۷۹
نظریہ شاعری	۷۹ - ۸۰
احساسِ لذّت	۸۰ - ۸۱
بیانیہ شاعری	۸۲
ہزل و ہجو	۸۲
غزلیات و رباعیات	۸۳
سعادت	۸۳ - ۸۴
ابوعبداللہ روزبہ نکتی	۸۵ - ۸۷
سراج الدین منہاج لاہوری	۸۸ - ۹۰
ابوجعفر عمر بن اسحاق	۹۱ - ۹۲
حمید الدین مسعود شالی کوب	۹۳
یوسف بن محمد دربندی	۹۴ - ۹۶
شیری	۹۷ - ۱۰۲
محمود لاہوری	۱۰۳ - ۱۰۴
حمید لاہوری۔ طوطی نامہ	۱۰۵ - ۱۱۸
سیّد علی ہجویری	۱۱۹ - ۱۵۳
سوانح زندگی	۱۱۹ - ۱۲۴
ازدواجی زندگی	۱۲۴
تاریخ وفات	۱۲۴
عقاید مذہبی	۱۲۵
تصانیف	۱۲۵ - ۱۲۶
کشف المحجوب	۱۲۶ - ۱۲۸
ماخذ	۱۲۹
اسلوب بیان	۱۳۰ - ۱۳۵
تنقید	۱۳۵ - ۱۵۳
کشف الاسرار	۱۵۴ - ۱۶۰
فخر مدبّر	۱۶۱ - ۱۶۲
آداب الحرب و الشجاعت	۱۶۲ - ۱۶۹

بحرالانساب ۱۷۲-۱۶۹
فتاویٰ برہنہ ۱۷۵-۱۷۳
نظام الدین احمد ۱۷۸-۱۷۶
طبقاتِ اکبری ۱۸۱-۱۷۸

مرکزِ ادب، سندھ

خانوادہائے سلطنت ۔ سومرہ ۱۸۵
سمہ ۱۸۶
ارغون ۔ ترخان ۱۸۷
تاریخی پس منظر ۱۸۹-۱۸۸
فارسی زبان و ادب ۱۹۰-۱۸۹
رابعہ بنت کعب ۱۹۳-۱۹۰
سندھ میں نجی حکومت سومرہ اور سمہ ۱۹۷-۱۹۵
حماد جمالی ۱۹۷
اثیرالدین ابہری ۱۹۷
ارغون اور ترخان ۱۹۹-۱۹۸
آہی ۱۹۹
باقی ۲۰۰
سپاہی ۲۰۳-۲۰۰
میرک ۲۰۳
شاہ حسین نکداری ۲۰۵-۲۰۴
مصلح الدین لاری ۲۰۵
عبداللہ متقی ۲۰۵
جانی بیگ حلیمی ۲۰۶-۲۰۵
داعی ۲۰۷
ذہنی ۲۰۷
دانش ۲۰۸
علی ثانی شیرازی ۲۰۸
حسین صفائی ۲۰۹-۲۰۸
محمد الکاتب البلخی ۲۱۰
فضلی بخارائی ۲۱۱-۲۱۰
ضیاء الدین سجزی ۲۱۱
عثمان مرقندی ۲۱۸-۲۱۲
جہانگیر ہاشمی ۲۱۹
مظہر الآثار ۲۲۵-۲۲۰
دیوان ۲۲۹-۲۲۵
حمیدالدین حاکم ۲۳۷-۲۳۰
مخدوم محمد الحسنی الجیلانی ۲۳۹-۲۳۸
حیدر کلوچ ۲۴۶-۲۴۰
نیازی ۲۴۸-۲۴۶
میر معصوم ۲۵۲-۲۴۹

تاریخ سندھ ۲۵۲ - ۲۵۴
شاعری ۲۵۴ - ۲۵۹

فخری ہروی ۲۶۰ - ۲۶۱
لطائف نامہ ۲۶۱ - ۲۶۴
جواہر العجائب ۲۶۴ - ۲۶۸
تحفۃ الحبیب فخری ۲۶۸ - ۲۷۲
بوستان خیال ۲۷۲ - ۲۷۶
صنائع الحسن ۲۷۶ - ۲۷۷
روضۃ السلاطین ۲۷۷ - ۲۷۹
ہفت کشور ۲۷۹
شاعر ۲۸۰ - ۲۸۴

چچنامہ، نام،
تاریخ تالیف ۲۸۵
مترجم ۲۸۶
خصوصیات ۲۸۶ - ۲۸۸
تنقید ۲۸۸ - ۲۹۰
اسلوب بیان ۲۹۱ - ۲۹۲
مترجم اور شاعر ۲۹۳

محمد عوفی، احوال ۲۹۴ - ۲۹۷
لباب الالباب ۲۹۷ - ۳۰۱
جوامع الحکایات ۳۰۲ - ۳۰۴
الفرج بعد الشدۃ ۳۰۵
مدائح السلطان ۳۰۵

فرید الدین مسعود شکر گنج
سوانح ۳۰۶ - ۳۱۲
تصانیف و تالیفات
راحت القلوب ۳۱۳ - ۳۱۸
اسرار الاولیاء ۳۱۸ - ۳۲۲
فوائد السالکین ۳۲۲ - ۳۲۴
گنج اسرار ۳۲۴ - ۳۲۵
جوگی نامہ ۳۲۵ - ۳۲۶
رسالہ وجودیہ ۳۲۶ - ۳۲۹
شاعری ۳۳۰ - ۳۳۱
کتاب الاوراد ۳۳۲ - ۳۳۶
تذکرہ حمیدیہ ۳۳۷ - ۳۳۸
تذکرۂ قطبیہ ۳۳۹ - ۳۴۴

جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں
سوانح ۳۴۵ - ۳۴۷
ملفوظات ۳۴۷ - ۳۵۱
سراج الہدایہ ۳۵۲ - ۳۶۰
شاعری ۳۶۰ - ۳۶۱
خزانہ جلالی ۳۶۲ - ۳۶۳
جواہر جلالی ۳۶۳ - ۳۶۴
مظہر جلالی ۳۶۴
ترجمہ فارسی رسالہ مکیہ ۳۶۴
مکتوبات ۳۶۴ - ۳۶۷

مسافر نامہ ۳۶۸ - ۳۷۰
عین الملک ماہرو ۳۷۱ - ۳۷۷
منشات ماہرو ۳۷۷ - ۳۸۰
خلاصہ جواہر القرآن ۳۸۱ - ۳۸۳
ملا احمد ٹھٹھوی ۳۸۴ - ۳۸۵
تالیفات
تاریخ الفی ۳۸۶ - ۳۸۸
خلاصۃ الحیوٰۃ ۳۸۸ - ۳۸۹

مرکزِ ادب کشمیر

خانوادہ ہائے سلطنتی ۳۹۳
خاندان چک و مغل ۳۹۴
کشمیر میں اسلام ۳۹۵
فارسی زبان و ادب ۳۹۶ - ۴۰۰

سیّد علی ہمدانی

سوانح ۴۰۱ - ۴۰۶
تصانیف ۴۰۶ - ۴۰۷
تعلیمات ۴۰۷ - ۴۰۹
ذخیرۃ الملوک ۴۱۰ - ۴۲۶
چہل اسرار ۴۲۶ - ۴۲۹
ہمدانیہ ۴۲۹ - ۴۳۱
ملا احمد ۴۳۲ - ۴۳۳
بابا میر اویسی ۴۳۴ - ۴۴۰

شیخ یعقوب صرفی

سوانح ۴۴۱
تعلیم ۴۴۲ - ۴۴۶
تصانیف ۴۴۷
معماگوئی ۴۴۷ - ۴۴۸
مذہب ۴۴۸
شاعر ۴۴۹ - ۴۵۲
مسلک الاخیار ۴۵۲ - ۴۵۷
وامق و عذرا ۴۵۸ - ۴۶۹
لیلیٰ و مجنوں ۴۶۹ - ۴۷۹
مغازی النبی ۴۷۹ - ۴۸۲
مقامات مرشد ۴۸۳ - ۴۸۸
رسالہ در تصوف ۴۸۹ - ۴۹۳
روائح ۴۹۴ - ۵۰۰
داؤد خاکی ۵۰۱ - ۵۰۸
ورد المریدین ۵۰۹ - ۵۱۸
حبیب اللہ حبی ۵۱۹ - ۵۲۲
مظہری کشمیری ۵۲۳ - ۵۳۲
محمد امین مستغنی ۵۳۲ - ۵۳۳

میر علی	۵۳۴	کفایہ منصوری	۵۳۸-۵۳۶
مولانا نامی	۵۳۴	تاریخ رشیدی	۵۴۵-۵۳۹
ملا نامی ثانی	۵۳۵	حاجی محمد کشمیری	۵۴۶
مولانا مہری	۵۳۵	حصن حصین	۵۴۹-۵۴۷

مرکز ادب وادی پشاور

وادی پشاور	۵۵۶-۵۵۲	شخصیت و کردار	۵۷۴-۵۷۲
فارسی زبان و ادب کا رواج	۵۵۷-۵۵۶	افکار و عقاید	۵۷۹-۵۷۵
بایزید انصاری - خاندان	۵۵۹-۵۵۸	مخالفین کے اعتراضات	۵۸۴-۵۷۹
پیدائش اور بچپن	۵۶۱-۵۵۹	تصانیف	
تعلیم	۵۶۲-۵۶۱	صراط التوحید	۵۸۹-۵۸۵
جوانی	۵۶۳-۵۶۲	خیر البیان	۵۹۵-۵۸۹
تلاش حقیقت	۵۶۶-۵۶۳	مقصود المومنین	۵۹۷-۵۹۵
تبلیغ اور مخالفت	۵۷۰-۵۶۶	حالنامہ	۵۹۹-۵۹۷
مغلوں سے جھڑپ	۵۷۲-۵۷۰		

مرکز ادب بنگال

امراء و سلاطین بنگالہ		بنگال	
حکام بنگال	۶۰۲	تاریخی پس منظر	۶۰۹-۶۰۸
سلاطین بنگال	۶۰۴	زبان فارسی کا رواج	۶۱۱-۶۰۹
خاندان الیاس	۶۰۵-۶۰۴	شمس دبیر	۶۱۶-۶۱۲
خاندان راجہ کانس	۶۰۵	نور قطب عالم	۶۱۹-۶۱۷
خاندان الیاس (دوبارہ)	۶۰۵	ملفوظات	۶۲۰-۶۱۹
سلاطین حبشی	۶۰۶	مکاتیب	۶۲۴-۶۲۰
خاندان حسین شاہ	۶۰۶	انیس الغربا	۶۲۹-۶۲۴
خاندان سور	۶۰۶	ہدایۃ الرّامی	۶۳۵-۶۳۰
خاندان سلیمان قرارانی	۶۰۷	مسائل المشائخ	۶۳۸-۶۳۶

تعارف

۱ــــ ہندوپاک کی وسیع سرزمین میں فارسی زبان وادب کی تاریخ اس قدر وسیع ہے اور مصنفات ومؤلفات کے مخطوطات اس قدر زیادہ ہیں کہ پاکستان میں رہنے والے اور محدود ذرائع رکھنے والے شخص کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی۔ ان تمام کتابوں کے مائیکروفیلم یا روٹوگراف حاصل کرنا اور مطالعہ کرنا ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ صرف پاکستان کی الگ تاریخ مرتب کرلی جائے اور جو کتابیں میسر آسکیں، انہی کی مدد سے یہ کام انجام دیا جائے اور اگر ایک آدھ کتاب باہر سے منگوانا پڑے تو اس کو فراہم کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲ــــ یہ کتاب عہد غزنوی سے عہد اکبر یعنی ۴۰۰ ہجری سے ۱۰۰۰ ہجری تک کے ادب پر مشتمل ہے۔

۳ــــ اس کتاب میں ان ادبا و مصنفین کو شامل کیا گیا ہے جو اس سرزمین میں پیدا ہوئے یا باہر سے آئے پھر یہیں کے ہو رہے اور آخر میں یہیں مدفون ہوئے۔ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو کافی عرصہ اسی خطۂ ارض میں رہے۔ اور انہوں نے یہیں تالیف و تصنیف کا کام کیا۔

۴ــــ اس قسم کی کتاب لکھنے کے لئے بڑے ضبط اور حوصلے کی ضرورت ہے

میں اپنے تدریسی اوقات اور گھر کی دوسری مصروفیات کے علاوہ اس کام کو انجام دیتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کا کام ایسے شخص کے سپرد ہونا چاہیئے جو اپنا تمام وقت اسی کام کے لئے وقف کرے۔ فکر معیشت سے اس کو بے نیاز کر دیا جائے اور فراہمی کتب کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ میں نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے۔ ملتان، بہاولپور، حیدرآباد، کراچی اور پشاور کے کتب خانے دیکھنے گیا ہوں جو کتابیں وہاں موجود ہیں ان کا مطالعہ وہیں بیٹھ کر کیا جا سکتا ہے۔ مخطوطات کا مستعار لینا بڑا مشکل کام ہے اور کس کے پاس اتنا وقت کہ وہیں بیٹھے اور مطالعہ کرے اور نوٹ لکھے لیکن کچھ کتابوں کے لئے مجھے ایسا ہی کرنا پڑا۔ بعض نجی کتاب خانوں تک میری رسائی نہیں ہو سکی۔ جب میں وہاں پہنچا تو صاحب کتاب خانہ موجود نہیں تھے۔ بعض صاحبان خط کا جواب تک نہیں دیتے۔ اس لئے استفادہ کی صورتیں اور بھی محدود ہو جاتی ہیں۔ ہندوستان سے دو مخطوطات کے مائیکرو فلم حاصل کرنے کے لئے آٹھ آٹھ مہینے صرف ہو گئے۔ ان دشواریوں کے باوجود میں نے وقت بھی صرف کیا اور پیسے بھی۔ یہ کام اتنا وسیع ہے کہ اگر ناکام رہ جائے تو مؤلف کو معذور سمجھنا چاہیئے۔ تکمیل کی صورت یہ ہے کہ جوں جوں مخطوطات میسر آتے جائیں اضافہ ہوتا جائے۔ بہرحال یہ حقیر کوشش پیش خدمت ہے۔

۵ — پرانی تقسیم کے مطابق سرزمین پاکستان کو پانچ مراکز ادب میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی لاہور (پنجاب) سندھ، کشمیر، وادی پشاور اور بنگال۔ پہلے ہر حلقے میں فارسی زبان و ادب کے رواج پانے کا حال بیان کیا ہے اور مختلف شاہی خاندانوں کے تحت ان کی ترقی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے

بعد ہر عہد کے مصنفین اور شعراء کے بارے میں تحقیق و تنقید سے حالات جمع کیے ہیں۔

۶—اس کتاب میں اکثر ایسے مصنفین شامل ہیں جن کے متعلق اس سے پہلے اس قدر تفصیل سے نہیں لکھا گیا۔ بعض ایسے اشخاص اور بعض ایسی کتابوں سے متعارف کرایا گیا ہے جن کے متعلق اس سے پہلے کبھی نہیں لکھا گیا۔ مثلاً خلاصہ جواہر القرآن فی بیان معانی لغت القرآن۔ روائح صرفی۔ رسالۂ اذکار، شرح حصن حصین، ہدایت الرامی، انیس الغرباء، خیر البیان، مقصود المومنین، کشف الاسرار، رسالۂ وجودیہ، رسالہ ہمدانیہ، لیلیٰ و مجنوں اور مقالات مرشد۔ از صرفی۔ کفایہ منصوری، دیوان محمود لاہوری، دیوان حیدر ککوچ، مسافر نامہ، بوستانِ خیال، تحفۃ الحبیب، میر اویسی، ذخیرۃ الملوک، چہل اسرار، سراج الہدایہ۔ وغیرہ

(مؤلف)

۱۹۶۴ء

اسی مصنف کی دوسری کتابیں

"نیا ایرانی ادب"

"جدید ایرانی ادب کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور بصیرت افروز کتاب ہے۔"

اس کتاب میں ۱۹۰۰ سے لے کر آخری پچاس سالوں کے ایرانی ادب یعنی شاعری، ڈراما، نثر، افسانہ، ناول وغیرہ کے متعلق مختصر لیکن جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔

"یہ کتاب یقیناً ایرانی ادب کے مطالعہ کے لئے بہت ہی مفید معلومات مہیا کرتی ہے"

صفحات ۱۱۴، بڑا سائز۔ مجلّد قیمت چھ روپے

"ایرانشناسی"

"ایران کے جغرافیہ، عادات و رسوم، ثقافت، قدیم تاریخ، ایرانی مذاہب، زبانیں، رسم الخط اور فنون کے بارے میں بیش بہا معلومات پیش کی ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہر موضوع سے خوب انصاف کیا ہے۔" نوائے وقت

"فاضل مصنف نے ایران اور وہاں کی قدیم و جدید زندگی کے ہر پہلو پر خاص محققانہ انداز میں مستند معلومات بہم پہنچائی ہیں۔" قندیل

"مصنف کی محنت نے اس کتاب کو پاکستان کی ایک مفید اور قابل فخر علمی کاوش بنا دیا ہے۔" چٹان

"دستور زبان فارسی"

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی گرامر ہے جو ایرانی مدارس میں مروجہ دستور کے مطابق مرتب کی گئی ہے

"مصنف نے جامعیت کو ملحوظ رکھا ہے اور زبان آسان استعمال کی ہے۔" لیل و نہار

مقدمہ

ایران و پاکستان قدیم کے تعلقات

ایران اور پاکستان قدیم کے تعلقات کا آغاز داریوش بزرگ (۵۲۰ - ۴۸۶ ق م) کے زمانے سے ہوا۔ نقش رستم میں اس اولوالعزم بادشاہ نے اپنے مفتوحہ علاقوں کا ذکر کیا ہے جن میں ہندوس یعنی سندھ، گاندرا یعنی وادی کابل و پشاور اور ثتاگوش یعنی پنجاب کا کچھ حصہ شامل ہے[1]۔ تخت جمشید میں قصر اپادانا کی مشرقی سیڑھیوں کی دیوار پر مختلف اقوام کے نمائندے قطار اندر قطار تحائف ہاتھ میں لئے شہنشاہ کے حضور میں جا رہے ہیں۔ ان میں ہندوستان کا نمائندہ بھی نظر آتا ہے جو دو ٹوکروں میں اپنے تحائف کو ڈال کر ایک بانس کے ذریعے کندھے پر رکھے ہوئے ہے[2]۔ ہیرودوت قدیم یونانی مؤرخ (۴۸۴ - بعد از ۴۳۱ ق م) نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ ہندوستان ۳۶۰ ٹالنٹ[3] جزیہ کے طور پر ادا کرتا تھا[4]۔ دارا نے اس تحقیق کی غرض سے کہ دریائے

---

[1] جغرافیائی مفصل ایران سیاسی۔ مسعود کیہان۔ تہران ۱۳۱۱، ص ۱۵

[2] تخت جمشید۔ محمد تقی مصطفوی و علی سامی، شیراز، ۱۳۳۴، ص ۲۸

[3] Talent قدیم یونانیوں کا ایک وزن

[4] Ancient India, J.W. Mccrindle, Westminister 1901, P. 1.

سندھ کس مقام پر جاکر سمندر میں مل جاتا ہے۔ جہاز بھیجے اور دوسرے معتبر اشخاص کے ہمراہ یونانی سکائلکس (Scylax) کو بھی روانہ کیا تاکہ وہ صحیح نقشہ پیش کر سکیں۔ یہ لوگ پکٹائس (Pactyice ¹) کے مقام پر دریا میں اترے اور سمندر کی طرف چل پڑے۔ تیس مہینوں کے بعد وہ سمندر کا سارا سفر طے کر کے واپس گئے۔ اس کے بعد دارا نے ہندوستانیوں کو مغلوب کیا اور سمندر میں آمدورفت جاری کی۔ ہیرودت نے لکھا ہے کہ دریائے سندھ دوسرا دریا ہے جس میں مگرمچھ ملتے ہیں۔ دارا کے بعد خشایارشا (۴۸۶ - ۴۶۵ ق م) کے عہد میں گندھاریوں کا ذکر ملتا ہے۔ جب اس نے یونانیوں کے خلاف ایک جنگ میں افرادِ گندھارا کا ایک دستہ لڑائی میں شامل کیا۔

سکندر یونانی نے ۳۳۰ ق م میں ہخامنشیوں کی بساط الٹ دی اور ایران کے ساتھ پاکستان کا کچھ حصہ یونانیوں کے تسلط میں آگیا۔ ستر اسی سال کے بعد اشکانیوں نے پھر اپنا آپ سنبھالا اور ۲۲۴ عیسوی تک حکمران رہے۔

عہدِ اشکانیاں میں قبائل ساکا نے علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی اور سکستان (موجودہ سیستان کا کچھ حصہ) کا نیا صوبہ بنایا تھا۔ پہلی صدی قبل مسیح میں ان کے بادشاہ مادیس اور اس کے بیٹے آذیس نے اپنی حدودِ سلطنت میں پنجاب بھی شامل کر لیا تھا۔ اس مملکت ساکا میں پارتھی خاندان کا ایک بادشاہ گندوفارنیس یا گندوفار (۴۰ عیسوی) بھی پنجاب پر قابض تھا۔ اس کے سکے ہرات، قندھار اور پنجاب سے دستیاب ہوئے ہیں ²۔ گندوفارنیس کا ایک سکہ لاہور کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔

---

¹ ڈاکٹر ایم اے سٹائن نے اپنی کتاب Memoirs on maps illustrating the ancient Geography of Kasmir, 1899 میں لکھا ہے کہ پکٹائس اصل میں گندھارا یعنی موجودہ پشاور ہے۔

² ایران بعہدِ ساسانیاں از کرسٹن سین مترجمہ محمد اقبال دہلی، ۱۹۴۱ء، ص ۲۷

شاہ گندوفار نیس کی وفات کے بعد پنجاب، نژاد ساکا کے ایک خاندان کوشان کے تصرف میں آگیا۔ کنشکا اس خاندان کا ایک بادشاہ تھا جس نے ۱۲۵ء میں ایک پائدار سلطنت قائم کی۔ پُرشپورا (پشاور) اس کا دارالسلطنت تھا۔

اشکانیوں کے بعد ساسانی شاہنشاہیت نے صحیح معنوں میں ایرانی سلطنت کو وسیع کیا اور اپنی پہلی حدود تک فتوحات کو جا پہنچایا۔ بہرام پنجم (۴۲۰ — ۴۳۸ء) نے ہیاطلہ سے جنگ آزما ہو کر ان کے خطرے کو مٹا دیا۔ ہندوستان بھی ان سے خائف رہتا تھا جب بہرام گور ہندوستان پہنچا تو بادشاہ ہند نے اس خطرے سے مدافعت کی خاطر سندھ اور مکران کا علاقہ اس کو دے دیا۔ گویا اس زمانے سے پھر ہندوستان کے ساتھ تعلقات استوار ہو گئے۔ اس کے بعد خسرو اوّل انوشیروان کے زمانے میں (۵۳۱ — ۵۷۹ء) میں سندھ، پنجاب اور کوہ ہمالیہ تک کے علاقے اس کی حدود سلطنت میں شامل تھے۔[۱] ہمیں معلوم ہے کہ ہند و پاک کا سفیر شطرنج کا تحفہ لے کر ایرانی دربار میں پہنچا۔ اور ایرانی دربار کا حکیم برزویہ کلیلہ و دمنہ جیسی بے نظیر کتاب ہندوستان سے لے کر گیا اور وہاں اس نے پہلوی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ انہیں روابط کی بنا پر خیال ہوتا ہے۔۔۔ کہ پاکستان قدیم اس زمانے میں بھی ایرانی تمدن سے اثر پذیر رہا ہے۔ سوات میں کھدائی کرتے کرتے قلعہ کے زینہ ہائے سنگی کا ایک انکشاف ہوا ہے۔ ڈاکٹر ٹچی کا خیال ہے کہ یہ ساسانی عہد کے تعمیری آثار ہیں۔[۲]

ایران میں عربوں کے تسلط سے قدیم پاکستان کی مملکت ساسانیوں کے تسلط سے آزاد ہو گئی۔ محمد بن قاسمؒ نے ۹۳ ہجری میں سندھ پر حملہ کر کے اس حصے کو مسخر کر لیا۔

---

[۱] جغرافیائی مفصل ایران سیاسی، مسعود کیہان، تہران ۱۳۱۱ ش، ص ۱۸،

[۲] Archeolgical excamations in Swat by Dr. Giuseppe Tucci, an artical in The Daily Pakistan Times dated 14, Aug. 1958

پاکستان قدیم پر عربوں کا تسلّط

سب سے پہلے سرزمین پاکستان میں مسلمانوں کے قدم اس وقت پہنچے جب حجاج بن یوسف کے حکم سے محمد بن قاسمؒ ۹۲ ہجری میں سندھ پر حملہ آور ہوا اور گویا اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء کی طرف سے یہاں گورنر نامزد ہو کر آتے رہے اور فتوحات وسیع ہوتی رہیں۔ عربوں کے کئی خاندان یہیں آکر آباد ہو گئے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ملتان میں ایک خاندان رہتا ہے جس کا خیال ہے کہ وہ سامہ بن لوی کی شاخ بنو منبہ سے تعلق رکھتا ہے آج کل یہی خاندان حکمران ہے اور خلیفہ عباسی بغداد کا خطبہ پڑھتا ہے۔[1]

مصر کے فاطمی خلفاء کی تبلیغی سرگرمیاں سندھ تک پہنچ چکی تھیں اور مبلغ اندرون ملک میں پھیل رہے تھے۔ چنانچہ خلیفہ عزیز باللہ کے عہد حکومت میں حلم بن شیبان نے فوجی مدد کے ساتھ ۳۷۲ھ میں ملتان پر قبضہ کر لیا۔

دوبارہ ایرانیوں کا تسلّط

خلیفہ معتمد عباسی (۲۵۶ – ۲۷۹ھ) نے یعقوب بن لیث صفاری (۲۵۴ – ۲۶۵ھ) کو سندھ کا حاکم مقرر کیا۔ یعقوب کی وفات کے بعد سندھ اس کے بھائی عمرو بن لیث کے تصرف میں رہا چنانچہ مسعودی کے بیان کے مطابق اس نے خلیفہ معتضد باللہ (۲۷۹ – ۲۸۹ھ) کے دربار میں تحائف پیش کیے جو اس نے سندھ اور اس کے ملحقہ شہروں کی فتوحات کے بعد حاصل کیے تھے۔[2]

---

[1] ابن حوقل، صورۃ الارض۔ طبع ثانی۔ قسم ثانی۔ لیدن ۱۹۳۹، ص ۳۲۲

[2] مروج الذہب و معادن الجواہر طبع دوم، مصر، جلد ۴، ص ۳۲۷

سبکتگین حاکم غزنہ نے ۳۷۶ھ میں پاکستان کی شمالی سرحدوں پر حملہ کیا اور ۳۷۸ھ میں لمغان کے مقام پر جے پال اور اس کے ہمراہیوں کو شکست دی اور دوسرے حملے یعنی ۳۹۰ ہجری میں پشاور کے قریب انند پال کو مقابلے میں ہرا دیا اور سارے علاقے پر قابض ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی ؒ نے ۳۹۶ھ میں ملتان پر حملہ کیا اور اسماعیلی حاکم ابوالفتوح داؤد بن نصر دو لاکھ درہم خراج دینے پر مجبور ہوا۔ محمودؒ نے ۴۰۱ھ میں ملتان پر کامل قبضہ کر لیا اور داؤد کو قید کر کے غزنہ لے گیا۔ غزنویوں نے ۴۱۷ھ میں منصورہ فتح کر کے اپنے قدم جما لئے۔ ۴۱۸ھ میں جاٹوں کے ساتھ خوفناک جنگ کے بعد پورا سندھ فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد بحیرہ عرب سے لے کر ہمالیہ تک اور مشرق میں قنوج سے غزنہ تک تمام ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا۔ اس زمانے سے ایران و پاکستان کے تعلقات حاکم و محکوم کے ہو گئے۔ اہل پاکستان نے اسلام قبول کیا اور ایرانی تہذیب و تمدن کو بھی اپنایا۔

غزنویوں کے بعد عہد اکبری تک (۱۰۱۴ھ) پاکستان کے مختلف علاقوں میں جو سیاسی تحولات ہوئے ان کی مختصر تاریخ مراکز ادب کے ضمن میں بیان ہو گی۔

فارسی زبان کا رواج

عرب حکمران اور ان کے امرا سندھ میں آئے تو لازمی طور پر انہوں نے عربی زبان کو ہی رواج دیا اور یہاں کی زبان سندھی سیکھی۔ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ منصورہ میں (سندھ کا آباد شہر) حکمران طبقہ اور خواص عربی اور سندھی بولتے تھے[1]۔

۳۶۷ھ میں ابن حوقل نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ منصورہ اور ملتان

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ۔ص ۳۷۷

والوں کی زبان عربی اور سندھی ہے اور مکران والوں کی مکرانی اور فارسی [1]
چوتھی صدی کے اواخر میں سندھ میں فارسی کا رواج ہو چلا تھا۔ بشاری نے لکھا ہے کہ ملتان میں فارسی سمجھی جاتی ہے [2]
غزنویوں کے تسلط سے لاہور فارسی زبان و ادب کا مرکز بن گیا۔
شمالی سرحدوں میں پشتو یا پختو کا رواج تھا جو مشرقی ایرانی زبانوں کی ایک شاخ تھی جس کی اصل اوستا تک پہنچتی ہے۔ پشتو میں ہندوستانی زبانوں کا اثر بھی موجود ہے۔ جب فرمانروایان غزنہ نے ہندو شاہیہ کو تہ و بالا کیا تو اس علاقے میں بھی فارسی پہنچ گئی۔

فارسی ادب کا رواج

غزنوی فاتحین جب قدیم پاکستان میں داخل ہوئے اور انہوں نے مراکز حکومت قائم کیے تو ان علاقوں میں حکام کی زبان کا رواج پانا یقینی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے درباریوں میں شعراء و فضلاء کا جمع ہونا بھی لازم و ملزوم ٹھہرا۔ کیونکہ شاعر، دبیر، طبیب اور منجم وہ عناصر اربعہ ہیں جن سے دربار شاہی اور شکوہ خسروی کی تشکیل ہوتی تھی۔ چنانچہ غزنوی آئے تو اپنے ساتھ شاعر اور ادیب بھی لائے۔ بعد میں جب اسی سرزمین میں ایرانی قبائل سکونت پذیر ہوئے تو ان کی درسگاہوں میں تربیت پانے والے مقامی دانشمندوں نے بھی ان کی زبان میں لکھنا شروع کیا۔ ابتدا میں مرکز حکومت لاہور رہا۔ اس لیے جن شعراء و مصنفین کے نام ہم تک پہنچے ہیں وہ یا تو درباروں سے وابستہ تھے یا شاہی افواج کی پناہ میں یہاں آ گئے تھے۔ شعراء میں سے مسعود سعد سلمان

---

[1] ابن حوقل، صورۃ الارض، طبع ثانی۔ قسم ثانی۔ لیدن ۱۹۳۹، ص ۳۲۵،

[2] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔ طبع ثانی، لیدن، ص ۴۸۰،

ابوالفرج رونی۔ حمیدالدین شالی کوب، یوسف درہندی وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں جو درباروں سے وابستہ تھے ان کا تفصیلی ذکر مرکز ادب کے ضمن میں آئے گا نثر نگاروں میں حضرت علی ہجویریؒ سرفہرست ہیں جنہوں نے لاہور میں آ کر اپنی بے مثال کتاب تصوف کشف المحجوب مکمل کی۔

غزنویوں کے بعد سلطنت کا مرکز حکومت پاکستان کی سرحد سے باہر نکل کر دہلی میں قائم ہو گیا۔ اس لئے درباروں کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والا ادب بھی وہیں وجود میں آنا شروع ہوا لیکن اکا دکا حاکم جو قدیم پاکستان کی سرزمین میں سرکاری خدمات کے لئے متعین ہوتا وہ اپنے درباری بھی ساتھ لاتا اور اپنی فیاضیوں اور ادب نوازیوں سے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اسی قسم کا حاکم ناصر الدین قباچہ تھا جو اچ میں حکمران تھا محمد عوفی یہاں آ کر اس کے دربار سے متوسل ہوا اور اس نے لباب الالباب کے عنوان سے تذکرہ شعرا لکھا اور جوامع الحکایات مرتب کی۔ ملتان میں محمد بن غیاث الدین بلبن کا دربار لگتا تھا۔ جہاں میر خسروؒ دہلوی، حسن سجزیؒ جیسے نامور صوفی شاعر محفلوں کو گرماتے تھے۔ ایران کے مشہور صوفی شاعر اور خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے مرید و داماد عراقی بھی ملتان میں ہی مقیم تھے۔ محمد بختیار خلجی نے ۵۹۴ھ میں بنگال فتح کر کے مسلم حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی، چنانچہ قدیم پاکستان مشرقی بھی فارسی زبان و ادب کا مرکز بن گیا تھا وہاں کے بادشاہ بھی علم و ادب کے مربی تھے۔ چنانچہ ان میں سے غیاث الدین اعظم شاہ (۷۶۸ - ۷۷۵ھ) نے حافظ شیرازی کو بنگال آنے کی دعوت بھیجی تھی۔

ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں صوفیہ اور اولیاء اللہ کے توسط سے اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ اسی دوران میں تصوف کی شاعری کو بھی فروغ ہوا اور تصوف پر رسائل بھی لکھے گئے اور مریدوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال و ملفوظات بھی مرتب کیے۔ ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ خواجہ بختیار کاکیؒ۔ اور نظام الدین اولیا اور پاکستان میں

بہاؤالدین زکریاؒ، صدرالدین عارفؒ اور رکن عالم ملتان ہیں، سید جلال الدین بخاری، قتال اور مخدوم جہانیاں، اوچہ میں مسعود شکر گنج "پاکپتن میں اور نور قطب عالمؒ بنگال میں، عثمان مروندی اور جہاں گیر ہاشمی سندھ میں اور سید علی ہمدانی اور سید محمد کشمیر میں نامور ہوئے۔ ان بزرگوں کی تالیفات و تصنیفات اس دور کی ادبی نثر کا سرمایہ ہیں۔

چنگیز اور اس کے جانشینوں نے جہاں ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی وہاں پاکستان قدیم میں بھی ان کی طوفانی آندھیاں پہنچیں۔ لاہور برباد ہو کر ملبے کا ڈھیر رہ گیا بعد میں تیمور نے بھی کچھ کم تباہی نہیں مچائی۔ جہاں اس نے ایران میں بے دریغ خون بہایا وہاں اس خطہ زمین میں بھی اس کے سپاہی مار دھاڑ کرتے پہنچے اور ملتان نہب و غارت کا نشانہ بنا۔ محمد خاں حاکم ملتان مارا گیا اور امیر خسروؒ اسیر ہوئے۔ ایران میں لوگ گھر سے بے گھر ہو گئے۔ ارباب علم و فضل جائے پناہ کی تلاش میں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ بہت سے صاحبان فضل و کمال نے ہندوستان و پاکستان کی طرف رخ کیا اور سندھ اور کشمیر میں آکر مقیم ہوئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔ ان بزرگوں کی آمد سے بھی فارسی ادب کو فروغ ہوا۔

نویں دسویں صدی ہجری میں فارسی ادب کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔ پاکستان غربی میں سندھ اور کشمیر دو ایسے صوبے تھے جہاں حکومتوں کو استواری نصیب ہوئی۔ اور حکام نے علم و ادب کی ترویج کے لئے بھی ہر ممکن کوششیں کیں۔ کشمیر میں سلطان زین العابدینؒ کا شاندار زمانہ اور بعد میں چکوں کا عہد بھی بڑا حاصل خیز زمانہ رہا — بلند پایہ تذکرہ نگار، مؤرخ اور شاعر پیدا ہوئے۔ سندھ میں جام ارغونی اور ترخان خود بھی فضل و کمال رکھتے تھے اور علماء و فضلاء کے قدردان بھی تھے۔ اس لیے ان کے دم قدم سے بھی فارسی ادب کو رونق ملی۔

۹۳۲ھ میں تیموری حکومت کے بانی بابر کے آنے سے حکومت کا پایۂ تخت آگرہ

رہا یا دہلی۔ اس کے بعد ہمایوں اور اکبر کے عہد سلطنت میں آگرہ مرکز حکومت رہا۔ اور مرکز حکومت کے ساتھ علم و ادب کا مرکز بھی وہی شہر بن گیا۔ اکبر کے عہد میں (۹۶۳ — ۱۰۱۴ھ) حکومت کو مرکزیت حاصل ہوئی، تمام مخالف قوتیں پسپا ہوئیں۔ پاکستان کے تمام تر صوبے مرکز کے تابع ہوئے۔ صوبیداروں نے بھی اپنے دربار سجائے اور شعراء و علماء کی قدر افزائی کی۔ اسی زمانے میں فارسی زبان صحیح معنوں میں سرکاری زبان شمار ہوئی۔ ملک کے باشندوں نے حصول ملازمت، حصول معاش، ترویج تجارت اور تحصیل علوم کے لئے فارسی سیکھنا لازم سمجھا۔ اس لئے ایرانیوں کے علاوہ مقامی باشندوں میں سے نامی گرامی علماء و شعراء پیدا ہوئے۔ اگرچہ بادشاہ اور امراء کے درباروں سے پیوستگی ان کی شہرت اور معیشت کی ضامن ہوا کرتی تھی۔ لیکن بعض اشخاص درباروں سے علیحدہ رہ کر بھی تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتے رہے۔ اکبر کا عہد فارسی ادب کے لئے عروج کا زمانہ شمار ہوتا ہے۔ ایرانی شعراء و فضلاء کے علاوہ پاک و ہند کی سرزمین سے بھی بے نظیر شعراء و علماء پیدا ہوئے لیکن ان میں سے اکثر ان علاقوں سے متعلق تھے جو اس وقت ہندوستان میں شامل ہیں۔ اگرچہ پاکستان کے موجودہ خطوں سے ایسی نامی گرامی شخصیتیں ابھریں جنہوں نے علم و ادب کی شاندار خدمات انجام دیں لیکن ہندوستان کے ان برآوردہ اشخاص کے مقابلے میں ان کے نام نہ جگمگا سکے۔ ہندوستان میں بیرونی شعراء میں سے عرفی، نظیری، غزالی — ہندی شعراء میں سے فیضی۔ علماء اور مورخین میں سے ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی اور نظام الدین احمد . . . . . . مشہور و معروف ہوئے۔ پاکستان میں مؤرخین میں سے احمد ٹھٹھوی اور میر محمد معصوم۔ شعراء میں سے محمود لاہوری ملا شیری لاہوری۔ یعقوب صرفی اور مظہری کشمیری نامور ہوئے۔

غزنویوں سے لے کر جلال الدین اکبر کے زمانہ سلطنت یعنی تقریباً ۵۰۰ سو سے کم

۱۰۱۴ھ تک جن مصنفین کی تصانیف و تالیفات ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں اور بھی بہت سے مصنفین و مؤلفین ہیں جن کے نام تذکروں اور تاریخوں میں مذکور ہیں اور ان کی مصنفات اور مؤلفات کے نام بھی آتے ہیں لیکن اب وہ دستیاب نہیں۔ جن مصنفین کو یا جن کی مصنفات کو ہم اپنی کتاب میں شامل کر سکے ہیں ان کی فہرست یہ ہے۔

شعراء

ابوالفرج رونی، مسعود سعد سلمان، ابو عبداللہ روزبہ نکتی لاہوری، سعادت، سراج منہاج لاہوری، ابوجعفر عمرالواشی، حمیدالدین شالی کوب، یوسف بن محمد دربندی، ملا شیری لاہوری، محمود لاہوری، عبدالباقی باقی، میرزا شاہ حسن سپاہی، سید محمود میرک، میرزا جانی بیگ حلیمی، عثمان مرندی جہانگیر ہاشمی، حمیدالدین حاکم، حیدر کلوچ، نیازی، محمد معصوم نامی، فخری ہروی، سید علی ہمدانی، بابا میر اویسی، شیخ یعقوب صرفی، بابا داؤد خاکی، حبیب اللہ حبی، مظہری کشمیری، شمس دبیر، محمد الحسینی

مؤرخین

علی کوفی	مترجم تچ نامہ
محمد معصوم نامی	تاریخ معصومی
احمد ٹھٹوی	تاریخ الفی
میرزا حیدر چغتائی	تاریخ رشیدی
نظام الدین احمد	طبقات اکبری

نثر نگار

کتب تصوّف

سیّد علی ہمدانی رح	ذخیرۃ الملوک اور دوسرے رسائل
سیّد علی ہجویری رح	کشف المحجوب
شیخ مسعود شکر گنج رح	اسرار الاولیا، راحۃ القلوب، رسالہ وجودیہ
شیخ یعقوب صرفی رح	رسالہ در تصوف۔ روایح
بایزید انصاری رح	صراط التوحید، خیر البیان، حالنامہ
نور قطب عالم رح	انیس الغرباء اور مکتوبات
مخدوم جہانیاں رح	ملفوظات
شہر اللہ رح	تذکرہ حمیدیہ
جمال الدین ابا بکر رح	تذکرہ قطبیہ
فخر مدبّر رح	آداب الحرب والشجاعت

کتاب لغت

ابوبکر ملتانی رح	خلاصہ جواہر القرآن فی بیان معانی لغات الفرقان۔

کتاب طب

منصور	کفایہ منصوری

متفرق

محمد بدھؒ ، ہدایت الرّامی ، منشآت ماہرو
نصیرالدین فتاوی برہنہ

تذکرے

جواہرالعجائب ، تحفۃ الحبیب ، بوستانِ خیال (مجموعہ غزلیات)

لباب الالباب : محمد عوفی

شعراء نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے ۔ انواعِ سخن کے اعتبار سے شعراء مندرجہ ذیل طبقات میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں ۔ مثلاً

۱ :۔ وہ شعراء جنہوں نے اکثر قصیدہ سرائی کی ہے مثلاً ابوالفرج رونی ۔ مسعود سعد سلمان ، مظہری کشمیری ۔

۲ :۔ وہ شعراء جنہوں نے زیادہ تر غزلیات لکھی ہیں ۔ محمود لاہوری ، حیدر کلوچ ملاّ شیری (موخرالذکر دونے قصائد بھی لکھے ہیں)

۳ :۔ وہ شعراء جنہوں نے صرف تصوف و عرفان کے موضوعات پر غزلیات لکھی ہیں :۔ عثمان مروندی ، حمیدالدین حاکم ، سید علی ہمدانی ، یعقوب صرفی حبیب اللہ جُتی ۔

۴ :۔ وہ شعراء جنہوں نے تصوف و اخلاق پر مبنی مثنویاں لکھی ہیں :۔ محمد معصوم نامی جہانگیر ہاشمی ، یعقوب صرفی ۔

۵۔ وہ شعراء جنہوں نے نظامی کے تتبع میں خمسہ کا جواب لکھا ہے۔ یعقوب صرفی اور محمد معصوم نامی۔

ان تمام شعراء کی انفرادی خصوصیات کا ذکر ان کے مفصل تذکروں کے ضمن میں آئے گا۔ مجموعی طور پر ان کے موضوعات وہی ہیں جو ایرانی شعراء کی روائتی شاعری میں موجود ہیں۔ قصیدہ، غزل، مثنوی کا تقریباً وہی رنگ ہے جو اس زمانے میں ایران اور ہندوستان کے دوسرے شعراء کا رہا ہے۔ کسی شاعر نے موضوع کے اعتبار سے یا اسلوب نگارش کے اعتبار سے انفرادیت پیدا نہیں کی۔ خاص مقامی رنگ بھی کسی میں ممیز ہوکر نہیں جھلکتا۔ ان تمام شعراء میں سے صرف شیری اور مظہری میں سبک ہندی کا اثر نمایاں ہے۔ مظہری عرفی کی مانند نخوت پسند اور خود آرا ہے اور ساتھ ہی دقت گوئی اور مضامین آفرینی کا بھی دلدادہ ہے۔

اس دور کی نثری مؤلفات اور مصنفات کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ کریں گے اور ہر ایک کے اسلوب نگارش کا جائزہ لیں گے۔ ان کتابوں میں ایرانی اور غیر ایرانی مصنفین کے خدوخال نمایاں نظر آتے ہیں۔ بعض مقامی مصنفین کی تحریروں میں مقامی محاورے کی آمیزش نظر آتی ہے۔ مقابلتاً یہاں کے مصنفین کا طرز بیان سادہ واضح اور بے تکلف ہے۔

مرکزِ ادب

لاہور

خانوادہائے سلطنتی در لاہور[1]

غزنوی ۴۰۵ - ۵۸۲ ہجری[2]

سلطان محمود غزنویؒ	۴۰۵ - ۴۲۱ "
محمد جلال الدولہ	۴۲۱
مسعود ناصر الدین	۴۲۱ - ۴۳۳
مودود شہاب الدولہ	۴۳۳ - ۴۴۱
مسعود دوم	۴۴۱
علی ابوالحسن، بہاؤالدولہ	۴۴۱ - ۴۴۳
عبدالرشید عزالدولہ	۴۴۳ - ۴۴۴
طغرل (غاصب)	۴۴۴
فرخ زاد، جمال الدولہ	۴۴۴ - ۴۵۱
ابراہیم، ظہیر الدولہ	۴۵۱ - ۴۹۲
مسعود سوم، علاؤالدولہ	۴۹۲ ۵۰۸
شیرزاد، کمال الدولہ	۵۰۸ - ۵۰۹
ارسلان، سلطان الدولہ	۵۰۹ - ۵۱۲
بہرام شاہ، یمین الدولہ	۵۱۲ - ۵۴۷
خسرو شاہ، ظہیر الدولہ	۵۴۷ - ۵۵۵
خسرو ملک، تاج الدولہ	۵۵۵ - ۵۸۲

---

[1] Lahore-Past & Present M. Baqir Lahore. 1952

[2] ہجری سال سے عیسوی سال دریافت کرنے کا قاعدہ
سال ہجری ـ (سال ہجری / ۳۳) + ۶۲۱

نائب السلطنت یا سالار لاہور

ساروغ	۴۰۵		ہجری
ایک امیر	۴۱۲		
عبداللہ قراتگین			
ابوالفتح دامغانی			
ابوالفرج کرمانی			
ادیارق	۴۲۲		
احمد نیالتگین	۴۲۲ -	۴۲۵	"
مجدود اور ایاز	۴۲۷ -	۴۳۳	"
؟	۴۳۳ -	۴۴۰	"
ابوالقاسم محمود	۴۴۰ -	۴۴۱	"
علی بن ربیع	۴۴۱ -	۴۴۳	"

غوری اور خاندان غلاماں

محمد غوری ۔ شہاب الدین	۵۸۲ -	۶۰۲	"
قطب الدین ایبک	۶۰۲ -	۶۰۷	"
آرام شاہ	۶۰۷		
شمس الدین التتمش	۶۰۷ -	۶۳۳	"
رکن الدین، فیروز شاہ	۶۳۳ -	۶۳۴	"
رضیہ سلطانہ	۶۳۴	۶۳۷	"

بہرام شاہ معز الدین	۶۳۷	۶۳۹	ہجری
مسعود شاہ، علاؤ الدین	۶۳۹ -	۶۴۴	"
محمود شاہ، ناصر الدین	۶۴۴ -	۶۶۴	"
بلبن، غیاث الدین	۶۶۴ -	۶۸۵	"
کیقباد، معز الدین	۶۸۵ -	۶۸۹	"
کیومرث (کیکاؤس)، شمس الدین	۶۸۹		

حکمرانان لاہور

علی کرماج	۵۸۲		
قطب الدین ایبک	۵۹۰ -	۶۰۲	"
محمد	۶۰۲ -	۶۰۳	"
ناصر الدین قباچہ	۶۰۳ -	۶۱۴	"
ناصر الدین محمود شاہ	۶۱۴		
ملک علاؤ الدین شیر خانی	۶۳۴		
ملک اعز الدین کبیر خانی	۶۳۴ -	۶۳۷	"
ملک اختیار الدین قراقش	۶۳۷ -	۶۳۹	"
معظم خاں شیر خان	۶۳۹	۶۵۱	"
ارسلان خاں	۶۵۱		"
معظم خاں شیر خان	-	۶۶۸	"
قانون الملک محمد	۶۶۸ -	۶۸۵	"
ملک تمرکی	۶۸۵ -		

خلجی

فیروز شاہ دوم، جلال الدین	۶۸۹ - ۶۹۵	ہجری
ابراہیم شاہ، رکن الدین	۶۹۵	
محمد شاہ اوّل، علاؤ الدین	۶۹۵ - ۷۱۵	"
عمر شاہ، شہاب الدین	۷۱۵ - ۷۱۶	"
مبارک شاہ، قطب الدین	۷۱۶ ۷۲۱	"
خسرو شاہ، ناصر الدین	۷۲۱	

تغلق

تغلق شاہ اوّل، غیاث الدین	۷۲۱ - ۷۲۵	"
محمد تغلق	۷۲۵ - ۷۵۲	"
فیروز شاہ	۷۵۲ - ۷۹۰	"
تغلق شاہ دوم	۷۹۰ - ۷۹۱	"
ابوبکر شاہ	۷۹۱ - ۷۹۲	"
محمد شاہ	۷۹۲ - ۷۹۶	"
سکندر شاہ	۷۹۶	
محمود شاہ	۷۹۶ ۷۹۷	"
نصرت شاہ	۷۹۷ ۸۰۲	"
حملہ تیمور	۸۰۱	
محمود شاہ	۸۰۲ ۸۱۵	"

دولت خاں لودھی ۸۱۵ - ۸۱۷ ہجری

حکمرانان لاہور

ارسلی خاں	۶۹۰		
غازی ملک	۷۰۴	۷۲۱	〃
ملک تاتار خورد	۷۴۳		〃
شیخا گکھڑ	۷۹۶		
نصرت گکھڑ	۷۹۶		
عادل خاں (ملک کندھو)	۷۹۹	۸۰۱	〃
شیخا گکھڑ	۸۰۱		
خضر خاں	۸۰۱	۸۱۷	〃

سیّد

خضر خاں	۸۱۷	۸۲۴	〃
مبارک شاہ	۸۲۴	۸۳۷	〃
محمد شاہ	۸۳۷	۸۴۹	〃
علاؤ الدین	۸۴۹	۸۵۲	〃

حاکمان لاہور

ملک رجب	۸۲۴
ملک محمود حسن	۸۲۵

ملک سکندر تحفہ	۸۳۵		ہجری
نصرت خاں گورگ انداز	۸۳۵	۸۳۶	〃
شیخ علی	۸۳۶		
شمس الملک	۸۳۶		
عماد الملک	۸۳۶	۸۴۵	〃
بہلول خاں لودی	۸۴۵	۸۵۲	〃

لودی

بہلول	۸۵۲	۸۹۴	〃
سکندر	۸۹۴	۹۲۳	〃
ابراہیم	۹۲۳	۹۳۲	〃
حملہ بابر	۹۳۲		〃

حاکمان لاہور

دولت خاں		۹۳۰	〃
میر عبدالعزیز	۹۳۰ -	۹۳۱	〃

مغل

بابر، ظہیر الدین	۹۳۲	۹۳۷	〃
ہمایوں، نصیر الدین	۹۳۷	۹۴۷	〃

حاکمان لاہور

میر یونس علی	۹۳۷		ہجری
میرزا کامران	۹۳۷	۹۴۷	؍
حیدر میرزا	۹۴۷		؍

افغان

شیر شاہ	۹۴۷	۹۵۲	؍
اسلام شاہ	۹۵۲	۹۶۰	؍
محمد شاہ	۹۶۰	۹۶۱	؍
ابراہیم	۹۶۱	۹۶۲	؍
سکندر شاہ	۹۶۲		

حاکمان لاہور

خواص خاں	۹۴۷	۹۵۰	؍
ہیبت خاں نیازی	۹۵۰	۹۵۴	؍
تاتار خاں کوسی	۹۵۴	۹۶۲	؍

مغل

ہمایوں نصیر الدین	۹۶۲	۹۶۳	؍
اکبر جلال الدین	۹۶۳	۱۰۱۴	؍

صوبیداران لاہور

شاہ ابوالمعالی	۹۶۲	۹۶۳	ہجری
خضر خواجہ خاں	۹۶۳	۹۶۵	"
حسین خاں	۹۶۵	۹۶۷	"
شمس الدین محمد خاں تکہ	۹۶۷	۹۶۹	"
	۹۶۹	۹۷۲	"
خان جہان حسین قلی خاں	۹۷۶	۹۸۳	"
شاہ قلی خاں محرم	۹۸۳	۹۸۶	"
سعید خاں	۹۸۶	۹۹۱	"
راجہ بھگوان داس	۹۹۱	۹۹۴	"
عصمت قلی	۹۹۴		
راجہ بھگوان داس	۹۹۴	۹۹۸	"
قلیج خان	۹۹۸	۱۰۰۰	"
خواجہ شمس الدین خوانی	۱۰۰۰	۱۰۰۸	"
مومن	۱۰۰۸		"
قلیج خان	۱۰۰۸	۱۰۱۴	"

لاہور[1]

در عہدِ غزنوی

غزنویوں سے پہلے لاہور کی سیاسی اور عسکری حیثیت بہت کم تھی۔ ہندوشاہیہ کا دارالحکومت "ویہنڈ" قدیم شمال مغربی سرحدی صوبے میں واقع تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۰۵ھ ہجری میں راجہ ترلوچن پال کو قلعہ نندنہ پر ایسی شکست دی کہ پھر اس کے پاؤں جمنے نہ پائے۔ ترلوچن پال کو اپنے ہی کسی آدمی نے ۴۱۲ھ میں قتل کر دیا۔ اس کا بیٹا بھیم پال بھی ۴۱۷ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد قدیم پنجاب سے سلطنت ہندوشاہیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے بھی اور اگلی منزلوں پر جانے سے پہلے سستانے کے لئے بھی لاہور ایک اچھی جگہ شمار ہونے لگی تھی۔ شروع شروع میں سلطان غزنہ کی طرف سے نائب یا سپہ سالار متعین ہونے لگے۔ اولیں سالاروں میں سے عبداللہ قراتگین، ایارق، احمد نیالتگین اور ہندو تلک حجام کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں۔ ۴۲۸ھ میں سلطان مسعود نے اپنے بیٹے مجدود کو سالار ایاز کی سربراہی میں لاہور کا نائب السلطنت بنا کر بھیجا۔ مجدود کے عہد میں اور اس کی وفات کے بعد اس کے جانشین مودود کے عہد حکومت میں اس کے سالاران مفتوحہ علاقوں کی حفاظت و نگرانی کے لئے مامور ہوتے رہے۔ لاہور کے غزنوی حکمرانوں میں سب سے نامور

---

[1] مآثر لاہور۔ فرید ہاشمی لاہور ۱۹۵۶ء

Lahore Past and -

Present by Muhammad Baqir LHR. 1952.

شہزادہ سیف الدولہ محمود بن ابراہیم ہے جو ۴۶۹ھ میں لاہور آیا۔ اس نے جہاں ہندوستان میں اور فتوحات کرکے غزنوی سلطنت کو استحکام بخشا وہاں اس کے عہد میں لاہور کو بھی رونق نصیب ہوئی۔ دربار جمے اور شعرا نے قصائد لکھے۔ ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد اس کی مدح میں موجود ہیں۔ سیف الدولہ سیاسی الزام کی بنا پر محبوس ہوا اور اس کا بھائی علاؤ الدولہ مسعود اس کے بجائے متعین ہوا۔ اس کے عہد میں لاہور کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوا۔ امراء نے اپنے محل بنائے۔ وزراء اور ارکان سلطنت نہ صرف خود فاضل تھے بلکہ مربی علم و فضل بھی تھے۔ ان میں خواجہ عبدالحمید احمد۔ عبدالصمد۔ بہروز احمد۔ منصور بن سعید بن احمد۔ ثقۃ الملک طاہر بن علی۔ ہبۃ اللہ ابونصر فارسی۔ ابوالفرج بن رستم وہ امراء ہیں جن کے نام شعراء کے قصاید میں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

۴۹۳ھ میں سلطان مسعود بن ابراہیم کا بیٹا شیرزاد لاہور کا نائب السلطنت ہو کر آیا۔ مسعود سعد سلمان نے اپنے ایک قصیدہ میں بزم شیرزاد کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے شیرزاد کے دربار کی تصویر سامنے آتی ہے، اور ضمناً امراء، ندماء اور ارباب طرب کا بھی ذکر آیا ہے۔ مسعود سعد سلمان کی ایک اور نظم 'شہر آشوب' سے لاہور کے اہل حرفت اور ارباب علم و فن پر روشنی پڑتی ہے۔ ارباب طرب میں نے نواز، رقاص، طبال، بربطی اور نقاش، صناعوں میں سے دیبا باف، تجار میں سے عنبر فروش، فیروزہ فروش، اور علماء میں سے ہندسی، نجومی، شاعر، فلسفی اور صوفیہ کا ذکر موجود ہے۔ جس سے اس زمانے کے لاہور کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

سلطان ارسلان کے عہد سلطنت میں شیبانی امراء میں سے ربیع اور محمد شیبانی ممتاز ہوئے۔ جنہوں نے وفاداری سے بادشاہ کی نیابت کا حق ادا کیا۔ غزنوی بادشاہوں میں سے یمین الدولہ بہرام شاہ بھی نامی گرامی ہوا جو خود بھی صاحب

ذوق تھا اور فضلاء کا قدردان بھی۔ ابو المعالی نصر اللہ کی کتاب کلیلہ و دمنہ بہرام شاہی اسی بادشاہ سے منسوب ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس بادشاہ کے عہد تک لاہور کا نام غزنہ کے مقابل لیا جاتا تھا۔ غزنہ کے بہت سے خاندان یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ گویا ہندوستان میں ایک اور غزنہ وجود میں آچکا تھا۔ علاؤالدین غوری نے جب غزنہ کو تہس نہس کیا تو ظہیر الدولہ خسرو شاہ غزنوی کو اپنا وطن چھوڑ کر لاہور آنا پڑا۔ خسرو نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا سراج الدولہ خسرو ملک آخری بادشاہ ہے جو لاہور میں حکمران رہا۔ اس کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ اس کے خمر و خمار نے رہی سہی عظمت کو بھی دم واپسین تک پہنچا دیا۔ لیکن اس کا دربار سجتا تھا اور اہل علم و فضل متوسل ہو کر کچھ نہ کچھ انعام پاتے تھے۔ لباب الالباب کی برکت سے ان علماء و صدور کے نام باقی رہ گئے ہیں جو شعر بھی کہتے تھے مثلاً ۱۔ افصح العجم اعجوبۃ الزمان سراج الدین منہاج ۲۔ ثقۃ الدین جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد دربندی۔ ۳۔ شہاب الدین محمد بن رشید محتاج۔ ۴۔ ضیاء الدین عبدالرافع طبیب۔ ۵۔ علی بن عمر اور ابوبکر خسروی خاص درباری شعراء تھے۔

فارسی زبان و ادب

یہ ظاہر ہے کہ جونہی لاہور حکومت کا مرکز بنا اور فارسی زبان بولنے والوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو لاہور اور اس کے گرد و نواح میں فارسی زبان کا رواج ہوا۔ ہندو جو قید ہو کر غزنہ گئے اور لشکریوں کے لئے خدمات انجام دیتے رہے وہ بھی فارسی الفاظ سے آشنا ہوتے رہے۔ ہندو منجم، طبیب اور تلک حجام جیسے سالار جنہوں نے دربار کا قرب حاصل کیا۔ انہوں نے بھی رابطہ و پیام کے لئے ضرور زبان سیکھی ہو گی۔ جب لاہور میں ایرانی خاندان آباد ہوئے تو انہوں نے بچوں کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کئے۔ مساجد تعمیر کیں۔ عدالتیں مقرر ہوئیں حکام کو فرامین جاری کرنے پڑے۔ رعایا کو اپنی حاجات پیش کرنی پڑیں اس لیے سرکاری زبان سیکھنا لازم ہو گیا۔ علماء و صوفیہ جو اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے اس

ملک میں تشریف لائے۔ ان کی کوششیں بھی فارسی زبان کے رواج دینے میں معاون ہوئی ہوں گی۔ شیخ اسماعیلؒ ۳۹۵ھ میں بخارا سے لاہور آئے۔ شیخ علی ہجویریؒ معروف بہ داتا گنج بخش ۴۳۱ھ کے بعد تشریف لائے۔ ان بزرگان دین کی برکت سے لوگوں نے نہ صرف دین اسلام قبول کیا بلکہ ارکان دین کی تعلیم بھی حاصل کی اور پیرومرشد کی زبان بھی سیکھی۔ چنانچہ قیاس یہی ہے کہ لاہور فارسی زبان بولنے والوں اور لکھنے والوں کا سب سے بڑا مرکز شمار ہونے لگا تھا۔ لاہور میں تصوف کی بلند پایہ علمی کتاب کشف المحجوب مکمل ہوئی اور یقیناً مقبول عام و خاص ہوئی۔ اس دور میں نثر کی یہی ایک کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔

ابتدا میں شعراء چونکہ بادشاہ وزراء اور امراء کے درباروں سے وابستہ رہتے تھے اس لئے جب سے لاہور میں دربار جمنے شروع ہوئے ایران سے شعراء بھی ہمراہ آئے جو شعراء اپنے آپ کو لاہوری لکھتے ہیں یا جن کے نام کے ساتھ لاہوری لکھا جاتا ہے۔ وہ عموماً ان ایرانی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو یہاں آکر بس گئے۔ مثلاً لاہور کے سب سے قدیم شعراء ابو عبداللہ روزبہ بن عبداللہ نکہتی لاہوری، ابوالفرج رونی (رونہ لاہور کا ایک قریہ) مسعود سعد سلمان لاہوری، سراج الدین بن منہاج لاہوری ہیں۔ دوسرے نامور شعراء میں سے ابوجعفر محمد بن اسحق الواشی، حمیدالدین مسعود بن سعد شالی کوب۔ ثقۃ الدین یوسف بن محمد دربندی۔ (از امرائے دربار خسرو ملک) سدیدالدین ابوالمحاسن یوسف بن نصر (دربار خسرو ملک) ان میں سے صرف ابوالفرج اور مسعود کے دیوان موجود ہیں لیکن دوسرے شعراء کے کلام کے نمونے لباب الالباب میں محفوظ رہ گئے ہیں۔

عہد غوری اور سلطانان دہلی

معزالدین غوری نے ۵۸۲ھ میں لاہور کو فتح کر کے خسرو ملک اور اس کے بڑے بیٹے کو قید کر کے خراسان بھیج دیا۔ معزالدین نے لاہور سے ہی ہندوستان میں دوسری

فتوحات کے لئے جھنڈے گھڑے کیے۔ اپنے بھائی غیاث الدین غوری کی وفات کے بعد ۵۹۹ھ میں وہ خود مختار بادشاہ بن گیا لیکن ۶۰۰ھ میں قتل ہوا۔ اس کی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے اس کا بھتیجا سلطان محمود بن غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے چچا کے منہ بولے بیٹے اور غلام قطب الدین ایبک کو خطاب سلطانی اور چترِ شاہی مرحمت فرمایا۔ ایبک نے لاہور میں ۶۰۲ھ میں جشن تاجپوشی منایا۔ اگرچہ نیا دارالحکومت دہلی بن گیا لیکن ایبک زیادہ عرصہ نہیں رہا۔ ایک دن چوگان کھیلتا ہوا گھوڑے سے ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ اس کی وفات کے بعد آرام شاہ لاہور میں تخت نشین ہوا مگر بعض امراء نے شمس الدین التمش کو دہلی میں اپنا بادشاہ مان لیا۔ آرام شاہ اس کے مقابلے کے لئے آیا لیکن میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ تاج الدین یلدز حاکم غزنین نے لاہور خالی دیکھ کر فوج بھیجی اور لاہور پر قبضہ جما لیا۔ لیکن آخر وہ بھی التمش کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا گرفتار ہو کر بدایوں پہنچا اور وہیں پیوندِ خاک ہوا (۶۱۲ھ) ناصر الدین قباچہ جو سندھ، ملتان پر قابض تھا اور لاہور کا بھی دعویدار تھا وہ بھی ۶۱۴ھ میں شکست کھا کر پسپا ہوا۔ اس واقعہ سے لاہور کی مرکزی حیثیت ختم ہو گئی اور دہلی پایۂ تخت مقرر ہوا۔ اس کے بعد وہیں سے لاہور کے لئے صوبیدار متعین ہو کر آتے رہے۔ ان میں سے چند مشہور صوبیداروں کے نام یہ ہیں۔ نصیر الدین ایتمر (غالباً ۶۱۹ھ) علاؤ الدین جانی (۶۲۳ھ) عز الدین ایاز کبیر خانی (۶۳۴ھ) ملک اختیار الدین قراقش۔

ساتویں صدی کے اوائل میں لاہور اپنے شکوہ و جلال میں کھڑا تھا۔ فخر مدبر نے ۶۰۲ میں لاہور کو "مرکزِ اسلام ہند اور ثانی دار الملک غزنین" لکھا ہے[1]۔ ۶۳۹ میں مغلوں کے ہاتھوں لاہور کی تباہی بڑی دردناک ہے وہ اس قدر ویران و

---

[1] تاریخ فخر الدین مبارک شاہی، لندن، ۱۹۲۷، ص ۳۰۔

برباد ہو گیا کہ آئندہ شاہان دہلی کی طرف سے جو صوبیدار مقرر ہو کر آتے وہ بھٹنڈہ کے قلعے میں ٹھہرتے۔ آخر غیاث الدین بلبن کے عہد میں لاہور کی قسمت نے پلٹا کھایا وہ خود ۶۶۹ھ میں یہاں آیا۔ اس نے لوگوں کو دوبارہ بسایا، شکستہ عمارات کی مرمت کرائی شہر پناہ استوار کی اور تیس سال کے بعد پھر کہیں آبادی کی صورت نکلی۔

فارسی ادب

اس دور کا ایک مصنف ہمارے پیش نظر ہے جس نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ لاہور میں بھی گزارا۔ وہ ہے محمد منصور مبارک شاہ معروف بہ فخر مدبر۔ وہ ۵۸۲ھ میں لاہور ہی میں تھا جب سلطان محمد سام غوری، خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنہ لے گیا تو وہ بھی ان کے ساتھ گیا۔ اس کی دو کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ ایک آداب الحرب والشجاعۃ اور دوسری بحر الانساب۔ اس کا تفصیلی ذکر اپنے موقع پر ہو گا۔ ضیاء الدین بن ابوالفتوح ہروی شاعر دربار خسرو ملک تھا۔ بعد میں سیف الدین محمد سام کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس سرزمین سے ایک تو غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ دوسرے جب لہلہاتا ہوا لاہور ہی تباہ ہو گیا تو اس کے بسنے والے ایسے منتشر ہوئے یا مٹ گئے کہ علم و ادب کا نام ہی مٹ گیا۔ نثر و نظم کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

خلجی اور تغلق

خلجیوں اور تغلقوں کے عہد سلطنت میں بھی دہلی دار الحکومت تھا۔ اس لئے لاہور میں بادشاہ کے نائب ہی حکمران رہے۔ جلال الدین خلجی نے اپنے بیٹے ارقلی خاں کو لاہور، ملتان اور سندھ کا والی مقرر کیا۔ علاؤالدین خلجی کے عہد میں غازی ملک دیپالپور اور لاہور میں نائب السلطنت تھا۔ اسی بہادر نے مغلوں کو پے در پے پچھاڑ کر ان کے حملوں کی پوری طرح روک تھام کر دی۔ محمد تغلق کے زمانے میں تاتار خورد اس علاقے کا حاکم تھا جس کو ۷۴۳ھ میں گکھڑوں نے پنجاب پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر خواجہ جہاں نے آ کر گکھڑوں کا سر کچلا۔

۷۹۶ میں شیخا گھکھڑ لاہور پر قابض ہو چکا تھا لیکن سارنگ خان نے اس کو شکست دی اور اپنے بھائی عادل خان کو لاہور میں چھوڑا۔

۸۰۱ میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا لیکن لاہور اس کی تباہی سے بچ گیا۔ شیخا نے اطاعت قبول کر لی لیکن جب تیمور کے حسب منشا لاہور سے خراج وصول نہ ہوا تو شیخا کی گرفتاری اور لاہور میں لوٹ کا حکم دیا چنانچہ شہزادہ پیر محمد جہانگیر، شاہزادہ رستم۔ امیر سلیمان اور امیر جہانشاہ لاہور سے مال و دولت لے کر واپس ہوئے۔ آخر خضر خان کو ملتان، دیپالپور اور لاہور کا گورنر بنا کر تیمور خود سمرقند کو واپس ہو لیا۔ سلطان محمود تغلق کی وفات سے ہی (۸۱۵ھ) گویا تغلق خاندان کی سلطنت ختم ہو گئی۔ خضر خان نے موقع غنیمت جان کر ۸۱۷ھ میں دہلی پر حملہ کر کے اپنا تسلط جما لیا اور سید خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔

فارسی ادب

خلجیوں اور تغلقوں کا زمانہ علم و ادب کی ترقی کا عہد رہا ہے مگر چونکہ دہلی تھا۔ اس لئے تمام اہل قلم دہلی میں جمع ہو گئے۔ ملتان، سندھ، بنگالہ میں بھی ارباب تالیف و تصنیف کا ذکر ملتا ہے۔ اس عہد میں بھی لاہور کی سرزمین سے کوئی بزرگ نہیں اٹھے جن کا نام ان کی تصنیف کی وجہ سے مشہور ہوا ہو۔ شعرائے عہد خلجی میں دو شاعروں کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ احمد لاہوری اور حمید الدین لاہوری لیکن ان کی شخصیتوں کے بارے میں ابھی تحقیق نہیں ہو سکی۔

سید خاندان

سید مبارک بن خضر خاں کے عہد سلطنت میں ملک رجب لاہور کا گورنر مقرر ہوا۔ علی شاہ کشمیری اور جسرت گکھڑ نے لاہور اور جالندھر فتح کر کے دہلی پر چڑھائی کی ٹھانی لیکن سید مبارک کی منظم فوجوں کے سامنے پسپا ہو گئے بادشاہ ۸۲۵ھ میں پھر لاہور میں داخل ہوا۔ ٹوٹے قلعے مرمت کرائے اور شہر کو پھر سے آباد کیا ایک مہینہ قیام کے بعد ملک الشرق ملک محمد حسن کو کچھ فوج دیکر لاہور کا گورنر بنایا اور

خود دہلی چلا گیا۔ لیکن جسرت چین سے نہیں بیٹھا۔ اپنی شکستہ قوتوں کو جمع کر کے بار بار لاہور پر چڑھتا۔ دہلی سے امیر سکندر تحفہ کمک لے کر لاہور پہنچا ملک محمود حسن جالندھر کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ اور سکندر نے لاہور سنبھالا لیکن جسرت نے اس کو بھی آرام نہ لینے دیا۔ اس نے جالندھر پر حملہ کیا۔ سکندر ادھر گیا مگر شکست کھائی اور قید ہوا۔ بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے نصرت خاں گرگ انداز کو فوج دے کر بھیجا۔ جسرت جو اب قلعہ لاہور کا محاصرہ کر کے بیٹھا تھا واپس ہوا۔ ۸۳۶ھ میں بادشاہ نے نصرت خاں کو ہٹا کر لاہور اور جالندھر کی صوبہ داری ملک الہ داد کاکا لودھی کو سونپ دی۔ جسرت نے اسے بھی جالندھر کے مقام پر شکست دی اور وہ پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ اسی سال شیخ علی گورنر کابل نے موقع پا کر تبر ہند پر لشکر کشی کی اور میدان میں اتر کر لاہور پر چڑھ آیا۔ قلعہ بندوں نے مقابلہ کیا لیکن آخر فوج کے سردار قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ شیخ علی نے شہر کے بیشمار مردوں عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر بے تاب ہوا اور لشکر اکٹھا کر کے غنیم کو مارنے کے لئے پایہ تخت سے نکل کھڑا ہوا۔ پہلے قلعہ شور فتح کیا۔ پھر لاہور خالی کرایا۔ اس کے بعد خود لوٹ گیا اور عماد الملک کو اپنا جانشین چھوڑ گیا۔

۸۴۵ھ میں سلطان محمد شاہ نے بہلول خاں لودھی کو دیپالپور اور لاہور کی سالاری عطا کی۔ اس نے ملک کے افغانوں کو جمع کر کے خود مختاری کے منصوبے باندھے جسرت گکھڑ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ فوجیں اکٹھی کر کے دہلی پر چڑھ دوڑا۔ مگر ناکامیاب ہوا۔ ۸۴۹ھ میں بادشاہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا علاء الدین تخت پر بیٹھا۔ یہ شخص غافل سا تھا۔ خود بدایوں گیا تو امرا نے خانہ جنگی شروع کر دی۔ بادشاہ کے نسبتی بھائی بھی آپس میں جنگ آزما ہوئے اور مارے گئے۔ حالات کی یہ افراتفری دیکھ کر قوی بہلول خاں نے جرأت مندانہ قدم اٹھا کر لباس شاہی زیب تن کیا۔ (۸۵۲ھ)

فارسی ادب

ایسی گیرودار اور ناامنی کے دور میں علم وادب کیا پروان چڑھتا۔ جو شہر اغیار کی آماجگاہِ ہوس بنا رہے اور جس سرزمین کو دشمنوں کے گھوڑے روندتے رہیں بھلا وہاں ادب جیسی لطیف چیز کا کیا نام ۔ جنگ کے گرد وغبار میں شاعری بھی دھول ہو کر اڑ گئی ۔

لودھی

معاصر تاریخوں میں پہلے لودھیوں کے زمانۂ سلطنت میں لاہور کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد میں لاہور کا نام پھر ابھرا ہے ۔ سلطان اس تاک میں تھا کہ امیروں ، جاگیرداروں اور صوبیداروں کا زور کم کر کے اپنے اقتدار کو استحکام کرے اس نے دولت خاں لودھی لاہور کے نائب السلطنت کو آگرہ میں بلا بھیجا جو خود نہ گیا بلکہ اس نے اپنے بیٹے دلاور خاں کو بھیجدیا جو بادشاہ کی نیت دیکھ کر چپکے سے اپنے باپ کے پاس واپس آگیا۔ اس اثناء میں بادشاہ سے ہراساں ہو کر دولت خاں اور غازی خاں نے عالم خاں لودھی کو کابل میں بابر کے پاس بھیجا اور ہندوستان پر حملہ کرنے کا راستہ دکھایا۔ بابر ۹۲۳ھ میں آیا۔ سلطان ابراہیم کے باوفا افغانوں نے بیرونی غنیم کو لاہور میں روکا — مگر شکست کھائی ۔ دشمن نے خشمگیں ہو کر لاہور کے بازاروں کو لوٹا اور جلدیا ۔ بابر نے میر عبدالعزیز کو لاہور کا سالار مقرر کیا اور خود واپس ہوا۔ آخر ۹۳۲ھ میں پانی پت کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی ۔ سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا اور دہلی کے پایۂ تخت پر تیموریوں کا قبضہ ہوا ۔

مغل اور افغان

بابر کی وفات کے بعد ۹۳۷ھ میں اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا لیکن اپنے بھائیوں کی ناچاقی کے سبب سے وہ سلطنت کو استوار نہ کر سکا ۔ میرزا کامران اس کے بھائی نے کابل اور قندھار سے آکر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں شیر شاہ سوری کی بلند ہمتیوں اور جوانمردیوں نے مغلیہ فوج کو اکھاڑ پھینکا ۔ میرزا کامران کابل کھسک گیا اور ہمایوں کو ہندوستان چھوڑ کر

ایران جانا پڑا۔ (۹۴۷ھ) شیر شاہ نے پنجاب فتح کرکے خواص خاں کو متعین کیا تھا۔ بعد میں امراء کے اختلاف کے سبب اس کو بلا لیا اور ہیبت خان نیازی کو اس کے بجائے نامزد کیا۔ جس نے ملتان اور اس کے مضافات کو بھی بلوچیوں کے تصرف سے آزاد کیا اور اعظم ہمایوں کے لقب سے سرفراز ہوا۔ اسلام شاہ کے عہد میں یہ شخص اتنی قوت پکڑ چکا تھا کہ ۹۵۳ھ میں لاہور میں اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ بادشاہ نے فوجیں بھیجیں اور بغاوت کو فرو کرنا چاہا لیکن اس کو پوری کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ خود آیا۔ اور اس نے نیازیوں کی قوت کو توڑ ڈالا۔ اسلام شاہ دو سال تک پنجاب میں ٹھہرا اور انتظام درست کرکے گوالیار واپس آگیا۔ ۹۶۲ھ میں ہمایوں پوری تیاریوں کے ساتھ ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے آیا۔ کسی مزاحمت کے بغیر وہ لاہور میں داخل ہوا۔ سوری امراء قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سکندر شاہ سور آخری افغان بادشاہ بھی سرہند پر شکست کھا کر سوالک پہاڑیوں میں بھاگ گیا۔ شاہ ابوالمعالی کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ہمایوں دہلی میں تخت نشین ہوا لیکن ۹۶۳ھ یعنی لاہور میں داخل ہونے سے ایک سال بعد ہی قضا نے اس کو آلیا اور وہ دہلی میں زینے سے گر کر مر گیا۔

عہدِ اکبر

۹۶۳ھ میں اکبر کلانور میں تخت نشین ہوا۔ سکندر سور سوالک کی پہاڑیوں میں سرگرم عمل تھا۔ ادھر لاہور کا گورنر شاہ ابوالمعالی بھی اپنی بے جا حرکات کی وجہ سے کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ آخر اکبر نے سکندر کی قوت توڑ کر اسکو اپنا مطیع بنایا۔ پھر ابوالمعالی کو گرفتار کرکے ٹھکانے لگا دیا۔ اس دوران میں وہ چار مہینے چودہ دن لاہور میں ٹھہر کر دہلی کی طرف چلا گیا۔ لاہور کی حکومت حسین خاں کے سپرد کی۔ ۹۷۴ھ میں محمد حکیم مرزا پنجاب پر تصرف کی خاطر کابل سے لاہور تک پہنچ گیا تھا۔ اس لئے اکبر لاہور آیا اور محمد حکیم مرزا کو پسپا ہو کر واپس جانا پڑا۔ ۹۷۶ھ میں پنجاب کی حکومت خان جہاں حسین قلی خاں کو عطا ہوئی اور اتکہ خیل کے امراء ہندوستان

کے دوسرے صوبوں میں منتقل کر دیئے گئے۔ اکبر شوال ۹۷۸ میں شیخ فرید شکر گنج ؒ کے مزار پر اظہار عقیدت کے لئے پاک پٹن میں حاضر ہوا۔ ماہ ذوالحجہ میں چند دن کے لئے لاہور میں بھی ٹھہرا۔

۹۸۳ھ میں حسین قلی خاں بنگال کی مہم پر بھیجا گیا اور شاہ قلی خاں محرم کو پنجاب کی حکومت عطا ہوئی۔ ۹۸۶ میں اکبر لاہور کی طرف آیا۔ کلانور میں اپنے باغ تخت نشین میں ٹھہرا۔ شاہ قلی خاں کے خلاف شکایات سن کر اس کو معزول کیا اور سعید خاں کو حاکم لاہور نامزد کیا۔ ۹۸۹ میں مرزا حکیم پھر کابل سے پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ اس نے لاہور پہنچکر قلعے کا محاصرہ کیا لیکن اکبر کے آنے کی خبر پاکر پچھلے پاؤں بھاگ گیا۔ ۹۹۱ میں راجہ بھگوانداس پنجاب میں نایب السلطنت ہوا۔ اس وقت لاہور کو ایسی عسکری حیثیت حاصل ہوچکی تھی کہ اکبر کے لئے لاہور کو مرکز بنانا ناگزیر ہوگیا۔ اس لئے ۹۹۳ میں وہ پھر لاہور آیا کیونکہ افغانستان کے امرا مطیع نہیں تھے۔ یوسف زئیوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ 'روشنی' بھی مخالفت پر آمادہ تھے۔ تھٹہ کو بھی ٹھیک کرنا تھا اور کشمیر کو بھی اپنے تصرف میں لانا تھا اس لئے اکبر نے ۱۰۰۷ تک مہمات ملکی اور عسکری کارروائیوں کے لئے لاہور کو ہی اپنا مرکز بنا لیا۔ اسی دوران میں راجہ بھگوان داس کی وفات پر قلیج خاں نامزد ہوا اور مادھو سنگھ کو تنظیم مالیات کے لئے اس کا معاون مقرر کیا۔ ۱۰۰۰ھ میں نئے انتظامات کے تحت پنجاب، ملتان، کابل اور کشمیر کی حکومت شمس الدین خوافی کو ملی جو ۱۰۰۸ تک حکمران رہا۔ ۱۰۱۰ھ میں قلیج خاں پھر سالار پنجاب ہوا اور اکبر کی وفات یعنی ۱۰۱۴ھ تک اس عہدہ پر فائز رہا۔

زبان و ادب

اکبر کے عہد میں لاہور اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ شہر میں امرا نے اپنے رہنے کے لئے محلات اور حویلیاں بنائیں۔ ہر جگہ خوب چہل پہل ہوئی۔ سارا دربار اٹھ کر یہاں آگیا۔ خوب محفلیں جمیں۔ تصنیف و تالیف کا کام

بھی ہوتا رہا۔ نامی گرامی اشخاص لاہور کو شرفِ اقامت بخشتے تھے۔ ابوالفضل و فیضی کے والد شیخ مبارک یہیں وفات پاگئے۔ نظام الدین احمد مؤلف طبقات اکبری نے یہیں انتقال کیا۔ عرفی یہیں مرا۔ ملا احمد مؤلف تاریخ الفی یہیں قتل ہوا۔ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں علماء فضلا اور شیوخ کی جو فہرست دی ہے اس پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کس قدر مردم خیز خطہ تھا اور یہاں آبادی و خوشحالی کے زمانے میں درس و تدریس کی طرف کس قدر توجہ دی جاتی تھی۔ لاہور میں حضرت شاہ کاکو کا مدرسہ کیسے کیسے جواہر آبدار کی تربیت کر رہا تھا۔ لاہور کے چند علماء کے نام یہ ہیں:۔

قاضی صدرالدین لاہوری، ملا اسحاق کاکو لاہوری، ملا سعداللہ لاہوری ملا الہ داد دستگرخوانی لاہوری۔ قاضی صوفی۔ ملا جمال لاہوری، ملا ابوالفتح لاہوری ملا عبدالجلیل لاہوری۔ ملا عبدالرحمٰن لاہوری۔ ملا امام الدین لاہوری۔ سید نعمت اللہ لاہوری۔ شیخ نورالدین کمبوہ لاہوری۔ شمس خاں کمبوہ لاہوری۔ ملا عبدالسلام لاہوری۔ ملا حسام الدین سرخ لاہوری۔ شیخ ابواسحاق مزنگ لاہوری شیخ حاجی صمد لاہوری۔ شیخ حبیب لاہوری۔ مولانا شیخ منور۔

ان علماء میں سے جو صاحب تصانیف بھی تھے۔ ان میں سے بعض کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ مولانا شیخ منور نے شرح مشارق الانوار، شرح بدیع البیان اور ارشاد قاضی لکھیں۔ انہوں نے ملا احمد اور قاسم بیگ کی معیت میں معجم البلدان کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ شیخ سعداللہ بنی اسرائیل نے جواہر القرآن مصنفہ امام غزالی کی شرح لکھی۔ (مرآۃ العالم، آئین اکبری)

عبدالستار ولد محمد قاسم فرشتہ لاہوری نے اکبر کے حکم سے پرتگیزی زبان پڑھی۔ اور ثمرات الفلاسفہ احوال فرنگستان لکھی جس میں یونان اور روم کے فلسفیوں کے حالات درج ہیں۔ مرآۃ القدس یا داستان مسیح پادری جیروم مصنفہ ۱۰۱۶ھ نے

تالیف کی اور عبدالستار کی اعانت سے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا۔ داستان احوال حواریان یا وقائع حواریان دوازدہ گانہ بھی پرتگیزی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔

شعراء میں سے دو نام سرفہرست ہیں۔ محمود لاہوری اور ملا شیری لاہوری اور شعراء بھی ہوں گے۔ بلکن دربار اکبری کے درخشاں شعراء کے سامنے ان کا ستارہ نہیں چمکا۔

اس تاریخی پس منظر اور مختصر جائزہ کے بعد اب ہم مصنفین کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہیں۔

ابُوالفرج رونی[1]

ابوالفرج بن مسعود رونہ کا رہنے والا تھا جو ضلع لاہور کا ایک قصبہ تھا۔ یہ رونہ کہاں واقع تھا اور کب تک اس کا وجود قائم رہا۔ اس کے متعلق ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں۔ عوفی نے لباب الالباب (مولفہ ۶۱۷ھ) میں لکھا ہے کہ مولد و منشاء او خطہ لوہور بود[2]۔ تاریخ گزیدہ اور آتشکدہ میں لکھا ہے کہ رونہ دشت خاوران خراسان کا ایک قصبہ ہے اور مجمع الفصحاء میں لکھا ہے کہ رونہ نیشاپور کا ایک قریہ ہے مرزا محمد قزوینی نے تعلیقات چہار مقالہ میں لکھا تھا کہ یہ دونوں بیان غلط ہیں[3]۔ محمد علی ناصح نے مرزا محمد کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رونہ نیشاپور کی ایک بستی ہے اور اس کا محل وقوع معلوم ہے لیکن ایران کے متعلق جو مفصل جغرافیے مرتب کئے گئے ہیں ان میں رونہ کا کہیں ذکر نہیں۔ جغرافیای مفصل ایران مؤلفہ مسعود گیہان ۲ جلدوں میں اور فرہنگ جغرافیای ایران نو جلدوں میں ہے۔ ان میں ایک ایک بستی کا ذکر ہے۔ موخرالذکر کتاب میں ضلع مشہد میں رَونک اور رونج دو بستیوں کا ذکر ہے

---

[1] دیوان استاد ابوالفرج رونی مرتبہ پروفیسر چایکین، تہران، ۱۳۰۴ ش، شرح احوال از محمد علی ناصح۔ چہار مقالہ بتصحیح جدید از دکتر محمد معین تہران، ۱۳۳۵ ش، تعلیقات ص ۱۱۵-۱۱۹، ناشر لاہور سید ہاشمی فرید آبادی لاہور ۱۹۵۶ + [2] لباب الالباب مرتبہ براؤن، ج ۲، ص ۲۴۱-۲۴۵

ممکن ہے رونہ ان میں سے ایک کا مخفف ہو لیکن اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ رُونہ کا تلفظ رَونہ اور رونی دراصل رَونی ہے اور پھر یہ تو حتمی طور پر ماننا پڑے گا کہ اگرچہ ابوالفرج ایران میں پیدا ہوا لیکن اس کی زندگی کا اکثر حصہ لاہور میں گزرا جیسا کہ اس کے دیوان کے بالتفصیل مطالعہ سے واضح ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔

لباب الالباب باب، دہم یعنی شعرای آل سلجوقی (عراق ونواحی آن) میں العمید الاجل کافی ابوالفرج الرونی کا بھی ذکر ہے۔ یہ شاعر ابوالفرج بن مسعود الرونی سے مختلف ہے۔ کافی یہاں صفت نہیں بلکہ ممکن ہے اس کے بیٹے کا نام ہو—

عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ ابوالفرج رونہ کا نہیں بلکہ روین کا رہنے والا تھا اور روین نام دیہی است از توابع لاہور ودرین روزگار گویا خرابست واثری ازو باقی نمانده[1] بدایونی کو اصل نام سے اطلاع نہیں۔ گاؤں کا نام رون یا رونہ ہو سکتا ہے جس کی نسبت سے لفظ رونی بنا کیونکہ مسعود سلمان نے خود ابوالفرج کو اس نسبت سے رونی مخاطب کیا ہے ؎

ای رونی! ای طرفہ بغدادی دار دنشستگاہ تو بغداد من

ابوالفرج کی زندگی کے تفصیلی حالات تو کہیں نہیں ملتے البتہ اتنا تو یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزرا۔ معلوم ہوتا ہے زمانہ اس کے ساتھ سازگار نہیں تھا۔ اس نے تنگی معیشت کا ذکر کیا ہے اور ثقۃ الملک طاہر بن علی کی مدح کے بعد درخواست کی ہے ؎

سزد از ہمت تو گر شب او روز گردد بہ شغلی از اشغال

سلطان ابراہیم کی مدح میں ایک قصیدہ ہے جس میں کسی ملازمت سے برطرفی کا ذکر موجود ہے ؎

---

[1] منتخب التواریخ، نولکشور ایڈیشن، ص ۱۸

بے عمل عزل دید بر بالین بی گناہ سنگ یافت در قندیل

سیف الدولہ محمود کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کرتے ہوئے اس سے التجا کی ہے کہ وہ سلطان سے سفارش کرے تاکہ مسعودی کی تنخواہ اس کو مل جائے ؎

گر و جوہی کہ داشت مسعودی کند اورا ملک بدان تمکین

سید ہاشمی صاحب کا خیال ہے کہ مسعودی سے مراد مسعود سعد سلمان ہے لیکن یہ بات مشتبہ ہے کیونکہ ایک اور شاعر مسعود رازی بھی گذرے ہیں جس پر ناراض ہو کر سلطان مسعود نے ۴۳۰ھ میں اس کو ہندوستان بھیجدیا۔ شاید مسعودی سے مراد یہی مسعود رازی نہ ہو۔ دیکھئے تعلیقات چہار مقالہ ص ۱۰۵ - ۱۰۶

ابوالفرج جن برگزیدہ اشخاص سے وابستہ رہا اور جن کی مدح میں اس نے قصاید لکھے ہیں ان میں مشہور و معروف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ظہیر الدولہ ابوالمظفر رضی الدین ابراہیم بن مسعود شاہ غزنہ (۴۵۱-۴۹۲ھ)

یہ بادشاہ سیف الدولہ محمود اپنے بیٹے کی برطرفی (۴۸۰ھ) اور اپنے دوسرے بیٹے علاؤ الدولہ مسعود کی لاہور میں جانشینی کے بعد، لاہور میں آیا۔ فتح قنوج کا سہرا اس کے سر رہا۔ وہ فیاضی میں نامور تھا۔ اس نے اجناس کی بھی ارزانی کی۔ محمد علی ناصح نے ابن اثیر اور روضۃ الصفا کی سند پر لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم کا عہد سلطنت ۴۵۱ھ سے ۴۸۱ھ تک ہے۔ مرزا محمد قزوینی نے مزید تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ اکثر مستند مورخین کے بیان کے مطابق ابراہیم کی تاریخ وفات ۴۹۲ھ ہی صحیح ہے۔ ڈاکٹر محمد معین نے چہار مقالہ کی نئی اشاعت میں جن تعلیقات کا اضافہ کیا ہے ان میں بھی محمد علی ناصح کے اس بیان کی تردید کی ہے۔ مرزا محمد اور عوفی نے بھی لکھا ہے کہ ابوالفرج کے اکثر قصاید اسی بادشاہ کی مدح میں ہیں لیکن مطبوعہ دیوان میں اس کی ستائش میں صرف پانچ قصاید ہیں۔

(۲) سیف الدولہ محمود ابراہیم۔ سلطان ابراہیم کا چہیتا فرزند تھا۔ بہادر، جانباز، صاحب شان و شوکت بادشاہ کی طرف سے ۴۶۹ھ میں نائب السلطنت ہو کر لاہور آیا۔ خلیفہ بغداد کی طرف سے صنیع امیر المومنین کا خطاب بھی ملا۔ اس نے آگرہ پر چڑھائی کر کے وہاں کے راجہ کو شکست دی۔ ۴۸۰ھ میں سیف الدولہ کو گرفتار کر کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ وہ سلاجقہ عراق سے ساز باز کر کے شہنشاہ غزنہ کو الٹنا چاہتا ہے۔ اس قید کے بعد اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ رونی کے دیوان میں اس کی مدح میں تیرہ قصاید موجود ہیں۔

(۳) علاء الدولہ ابو سعد مسعود بن ابراہیم بن مسعود۔ سیف الدولہ محمود کی معزولی پر لاہور میں نایب السلطنت مقرر ہوا۔ باپ کی وفات پر (۴۹۲ھ) غزنہ میں شاہنشاہ بنا۔ مسعود سعد کے قصاید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہزادے کے عہد امارت میں غزوات ہند کا زور رہا اور بہت سی فتوحات ہوئیں جن میں قنوج کی مہم خاص طور پر مشہور ہے وہ شکار کا بڑا دلدادہ تھا۔ اس کی فیاضی اور حلم و تحمل کی بڑی تعریفیں ہوئی ہیں مصنفوں نے اس کو "کریم" کا لقب دیا ہے۔ رونی کے دیوان میں اس کی مدح میں پندرہ سولہ قصاید ہیں۔

(۴) خواجہ عبد الحمید احمد بن عبد الصمد حسن میمندی کی اولاد میں سے تھا سلطان ابراہیم اور سلطان مسعود ثانی کے وزرا میں اس کا ذکر آتا ہے۔ ۳۸ سال کے قریب اس منصب پر فائز رہا۔ ۲۲ سال سلطان ابراہیم کا اور ۱۶ سال سلطان مسعود کا وزیر رہا۔ بڑا فاضل عاقل اور عادل شخص تھا۔ سلطان بہرام شاہ کے آغاز عہد میں شہید ہوا۔

(۵) ابو الرشید رشید محتاج سلطان ابراہیم کا ندیم خاص تھا۔ لاہور میں دستور یا وزیر کے عہدے پر سرفراز تھا۔ اس کے محل بنانے پر رونی نے قصیدہ لکھا۔

(۶) بہروز احمد خواجہ حسن میمندی کے خاندان کا ایک فرد تھا۔ لاہور میں وزارت کا

عہدہ سنبھالے ہوئے تھا۔ رونی نے ایک قصیدے میں اس کے فضائل بیان کئے ہیں۔

(۷) منصور بن سعید بن احمد ۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی کا پوتا تھا۔ غزنہ میں دیوان عرض تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے لاہور میں عہدہ صدارت پہ فائز تھا۔ اس کی مدح میں چھ قصیدے ہیں۔

(۸) ثقۃ الملک طاہر بن علی مشکان ۔ یہ شخص سلطان محمود غزنوی کے دبیر ابوالنصر منصور بن مشکان کا بھتیجا تھا اور سلطان ابراہیم کا ندیم اور خازن تھا۔ سیف الدولہ محمود کی معزولی اور علاء الدولہ مسعود کی جانشینی پہ موخر الذکر کا صدر دیوان یا وزیر اعظم مقرر ہوا۔

(۹) ابو سعید بابو ۔ لاہور کا ایک امیر تھا جو "دیوان رسایل" کے منصب پر فائز تھا رونی نے اسے عمید مملکت لکھا ہے۔

(۱۰) ہبتہ اللہ ابو منصور فارسی ۔ علاؤالدولہ مسعود ثانی کی تخت نشینی کے وقت (۴۹۲ھ) شہزادہ کمال الدولہ یا عضدالدولہ کے ساتھ لاہور آیا۔ اس کو "کدخدا" یعنی مختار کار اور سپہ سالار بنایا گیا۔ اس نے جالندھر فتح کیا اور مسعود سعد سلمان کو اس کی امارت عطا کی۔ وہ بہادر اور فیاض تھا۔ بعد میں سلطان مسعود کا مغضوب ہوا۔ ارسلان بن مسعود (۵۰۹ - ۵۱۱ھ) کے عہد میں وفات پائی۔

(۱۱) بو حلیم زریر شیبانی ۔ سلطان ابراہیم کے عہد سلطنت میں امیر و سپہ سالار تھا۔ اس نے ہندوستان کی جنگوں میں بڑی بہادری اور جانبازی سے کام لیا۔ جس کے صلے میں "مرغزار ہندوستان" انعام میں ملا لیکن بعد میں سرکشی کی جس کی بنا پر قلعہ نامی میں محبوس ہوا۔ پھر ابوالرشد رشید محتاج کی سفارش سے رہائی ملی۔ رونی کے چھ قصائد اس کی مدح میں ہیں۔

(۱۲) ابوالقاسم خاص ۔ سلطان ابراہیم کے دربار کا امیر تھا جس کی سفارش سے مسعود سعد سلمان کو قید سے رہائی ملی۔ رونی کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ نشتر عشق میں

۴۹۰ھ دی ہے جو غلط ہے کیونکہ سلطان مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ — ۵۰۸ھ) کی مدح میں اس کے پندرہ سولہ قصائد موجود ہیں۔ پروفیسر شیرانی مرحوم نے ابو سعید بابو کی مدح میں اس کے ایک قصیدہ سے استدلال کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ ۴۹۷ھ تک تو یقیناً زندہ تھا۔ رونی نے اس قصیدے میں فارسی مہینے تیر اور روزہ کشائی و عید کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دس تیر ۴۷۳ یزدجردی کو یکم رمضان ۴۹۷ھ تھی۔

رونی اور مسعود سلمان: مسعود سعد سلمان رونی کا ہمعصر تھا اور عمر میں اس سے چھوٹا۔ تقریباً وہی بادشاہ، شاہزادے، وزرا اور امرا اس کے بھی ممدوح ہیں جو مسعود سعد سلمان کے تھے۔ مسعود رونی کو اپنا استاد مانتا تھا، چنانچہ اس نے کہا ہے ؎

نازم بدان کہ ہستم شاگرد تو   شادم بدان کہ ہستی استاد من

ایک اور قصیدے میں رونی کی غیر حاضری اور جدائی کی شکایت کی ہے۔ اپنے قید و بند اور پریشانی کا حال بیان کر کے اس سے ملاقات کی آرزو کی ہے ؎

ای بہ بلندی سخن شاعران   ہرگز مانند تو نا دیدہ مرد
فرشی گستردمت از دوستی   باز کہ فرمودت کاندر نوزد ؟
روی تو ام از ہمہ چیز آرزوست   خستہ ہمی جوید درمان درد

مسعود سعد نے نیا محل بنایا تو رونی نے اس کی تعریف میں نظم لکھی ؎

گوید این در بہشت یک چندی   روضۂ دلکشای رضوان گشت
چون بآدم سپرد رضوانش   منزل آدم اندر او آن گشت
اندرین عصر چون پدید آمد   قصر مسعود سعد سلمان گشت
تا جہانست او نگہبان باد   این بنا ما کہ او نگہبان گشت

مسعود سعد نے اس کے جواب میں جو اشعار لکھے ہیں اس میں تشکر کے ساتھ اس کے کلام کی تحسین و تعریف کی ہے ؎

خاطر خواجہ بلفرج بدرستت | گوہر نظم و نثر را کان گشت
ہنر از طبع او چو یافت قبول | جان با جسم و جسم با جان گشت
معجز خامہ اش چو پیدا شد | جادوی ھای خلق پنہان گشت
ہر دبیر و سوار نظم کہ بود | کند شمشیر و تنگ میدان گشت
خاطر من چو گفتۂ او دید | از ہمہ گفتہ ہا پشیمان گشت
من چہ گویم کہ آنچہ او گفت است | شرف سعد و فخر سلمان گشت

مسعود سعد سلمان نے شکوہ در سعایت ابوالفرج کے عنوان سے ایک قطعہ لکھا ہے جس سے اکثر کو شبہ ہوا ہے کہ ابوالفرج سے مراد رونی ہے جس نے دشمنوں سے ہم نوا ہو کر اس کی شکایت کی اور محبوس کرا دیا۔ قطعہ کے چند اشعار یہ ہیں :-

ابوالفرج شرم نایدت کہ زخبث | بچنین حبس و بندم افگندی
تا من اکنون ز غم ہمی گویم | تو دلشادی ز دور می خندی
مر ترا ہیچ باک نامد ز انک | نوزدہ سالہ بودہ ام بندی
زان خداوند من کہ از ہمہ نوع | داشت بر تو لبی خندہ اوندی
گشت او را یقین کہ تو شدہ ای | با ہمہ دشمنانش سوگندی

مسعود سعد سلمان صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ایک امیر تھا اور جالندھر کا حاکم بھی مقرر ہوا تھا۔ اس لئے رونی سے اس کا درجہ بہت بلند تھا۔ رونی کو سلطان مسعود ثالث اور شیرزاد کے پاس اس قدر قرب حاصل نہیں ہوا کہ اس کی شکایت اور سفارش سے مسعود سعد کو پھر قید کر دیا گیا ہو۔ عین ممکن ہے کہ ابوالفرج سے مراد رونی نہ ہو بلکہ اسی نام کا کوئی اور شخص ہو مثلاً ابوالفرج نصر بن رستم۔ لیکن محمد قزوینی نے مسعود سعد پر اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ نصر بن رستم تو سلطان ابراہیم کے زمانے میں فوت ہو چکا تھا اور مسعود کا زمانہ اس واقعہ کے بعد کا ہے۔ لیکن ہندوستان کے ایک مطبوعہ نسخے میں مندرجہ بالا قطعہ ہے۔

ل J.R.A.S 1905-1906

این قطعہ بر سبیل گلہ بہ ابوالفرج نصر بن رستم نوشتہ شد۔"

دیوان

دیوان میں قصاید کے علاوہ ۵۷ رباعیات، ۱۰ قطعات اور ۳ غزلیات ہیں۔ خیال ہے کہ اشعار کی یہ مقدار کامل نہیں ہے۔ بعض حصے دستبرد زمانہ سے ضائع ہو گئے ہیں کیونکہ بعض دوسرے تذکروں میں رونی کے ایسے اشعار ہیں جو دیوان میں موجود نہیں مثلاً المعجم فی معاییر اشعار العجم میں یہ دو شعر موجود ہیں ؎

شد ممکن در جہاں ہر کہ بساطش بوسہ داد
وان دہد بوسہ بساطش کز در تمکین بود
از خواب گران فتنہ سبک بر نکند سر
تا دیدۂ حزم تو بود روشن و بیدار

یقیناً یہ اشعار ان قصیدوں سے ہیں جو دیوان میں موجود نہیں۔ اسی طرح لباب الالباب میں مندرجہ ذیل اشعار اور قطعات رونی کے نام پر درج ہیں لیکن دیوان میں موجود نہیں ؎

نعل اسب تو ہلالست و ستامش کوکب است
آفتابست او و اسبش آسمانہا را مدار
آسمانی پر کواکب بر زمین ہرگز کہ دید!
کافتاب او یکی باشد ہلال او چہار

قطعات

مال دادن جز بحق اسراف دان	اینک از قرآن بخوان لاتسرفوا
از برای دین ہمہ دنیا بدہ	لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

المعجم میں "معماً در اسم عبدالرحمٰن" کے عنوان سے مندرجہ ذیل قطعہ بھی رونی سے منسوب ہے۔ ؎

سورتی کند رو یک آیت را | کرد باید ہمی بسی تکرار
آخر نام تست اوّل آن | ای نکو سیرت نکو کردار
آخر نام تو ترا بدھاد | اوّل نام تو چو من بسیار

رودکی اور دیگر شعراء : صاحب لباب الالباب نے لکھا ہے کہ انوری جو خود قصیدہ گوئی کا بادشاہ متصور ہوتا ہے۔ رودکی کا بڑا مداح تھا اور دیوان ابوالفرج کو اپنی نظر کے سامنے رکھتا تھا چنانچہ اس نے ایک قصیدہ میں ابوالفرج سے اپنی ارادت کا اظہار کیا ہے ؎

باد معلومش کہ من بندہ بشعر بوالفرج
وز غذہ بست مشرب عیشت جو نظم فرخی

ابوالرشید رشید نے ایک نیا محل تعمیر کیا، رودکی نے ایک قصیدے میں اس کی تعریف کی ہے جس میں کا ایک شعر یہ ہے ؎

گفت با زایران صریر درت | مرحبا مرحبا در آی

انوری نے بھی ایک ممدوح وزیر منصور کے نیا محل تعمیر کرنے پر قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

و یحک ای صورت منصور یہ باغی و سرای
یا بہشتی کہ بدنیاست فرستادہ خدای

اسی میں ایک شعر ہے جس کا مضمون رودکی کے مندرجہ بالا شعر سے مقتبس معلوم ہوتا ہے اگر توارد ہے تو بہت عجیب ہے ؎

گفت باجملہ زوار صریر در تو | مرحبا بو نگذر خواجہ فرودآ و درآی

لیکن استاد کے شعر میں جو بے تکلفی اور سلاست ہے انوری اس تک نہیں پہنچا شمس الدین قیس رازی نے دونوں شعر لکھ کر تبصرہ کیا ہے کہ یہ سرقہ کی ایک مثال ہے ۔

ظہیر فاریابی نے بھی رونی کے ایک شعر کا خیال اڑا لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہیر جیسا نامور قصیدہ گو بھی استاد رونی کے اشعار کا مطالعہ کرتا رہا ہے اشعار یہ ہیں ؎

رونی ؎ از خواب گراں فتنہ سبک بر نکند سر
تا دیدۂ حزم تو بود روشن و بیدار

ظہیر ؎ جاودان فتنہ سر از خواب فنا بر نارد
تا در آفاق چو حزم تو بود بیداری

ہندوستان میں فیضی جیسا قادر الکلام شاعر اس کی استادی کا قائل تھا۔ اس نے کہا ہے ؎

ذوقی کہ توان گرفت از شعر از شعر ابو الفرج گرفتم

شاعری

رونی کی عظمت اس امر سے عیاں ہے کہ انوری اور ظہیر فاریابی جیسے فاضل اور ماہر شعرا اس کے کلام کو زیر مطالعہ رکھیں، اس کا تتبع کریں اور گاہ گاہے' دانستہ یا نادانستہ اس کے خیال کو بھی اپنا لیں۔ رونی کے دیوان میں قصاید کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لئے وہ قصیدہ گو شاعر معروف ہے۔ قصیدے کی شاعری عموماً تصنع کی شاعری ہے۔ ایک وزیر' امیر' یا بادشاہ' شاہزادہ جب تک برسر حکومت ہے اس کی مدح و ستائش کے پل باندھے جاتے ہیں۔ جونہی وہ حکومت سے اترا اس کے جانشین کے گن گانے شروع کر دیئے خواہ وہ تعریف کا سزاوار ہو یا نہ ہو۔ رونی بھی مجبور تھا کہ قصیدے کہے اور اپنی معیشت کا وسیلہ ڈھونڈھے۔ گویا قصیدہ گو چڑھتے سورج کی پرستش کرتا ہے۔ شاعر نے سیف الدولہ محمود کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے جب وہ معزول ہوا اور علاء الدولہ مسعود حاکم وقت ہوا تو اس کی خوشامد شروع کر دی۔

اگر تعریف میں خلوص نہ ہو تو شاعری ایک ذہنی کھیل اور قوت متخیلہ کا تماشا رہ جاتا ہے
رونی بھی اس عیب سے بری نہیں مثلاً سلطان ابراہیم کی مدح میں دو قصیدے ہیں۔
ردیف میم میں قافیے تقریباً وہی ہیں جو پہلے قصیدے میں موجود ہیں لیکن بیچارے رونی کو
ایک ایک قافیے میں مختلف مضامین نکالنے پڑے ہیں مثلاً یہ دو شعر دیکھئے ؎

۱۔ نہ بحر گردد باعزم او بعبرہ عبیر — نہ کوہ باشد باحلم او بوعلاء لئیم
۱۔ کوہ باحلم او بمایہ سبک — بحر باعزم او بعبرہ سلیم
ز نعل خنگش روی زمین گہ ناورد — پشیزہ یابد بر شبہ پشت ماہی شیم
۲۔ روی صاموں ز نعل او سم رخش — بر پشیزہ چو پشت ماہی شیم

مندرجہ بالا اشعار میں خیال کو جامہ لباس پہنانے کے لئے الفاظ بھی یکساں
استعمال کئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ شاعر کو کتنی محنت کرنا پڑتی ہے اور اس
کا تخیل قوافی کا پابند ہو کر رہ جاتا ہے البتہ جن امرا یا وزرا، سے رونی کو فائدہ پہنچا ہے
اس نے دل کھول کر زور بیان سے ان کی مدح کی ہے وہاں تکلف و تصنع کم ہو گیا ہے
اور خواہ مخواہ مضمون پیدا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔

بعض قصائد میں ایک ہی قسم کی تعریفیں ہیں۔ چنانچہ اس کے دیوان میں کئی قصائد
ہیں جن میں ممدوح کا نام تک نہیں آیا اور نہ ہی عنوان میں کسی کا نام لکھا ہے۔ اس
نقص کی بنا پر کسی فرد کی شخصیت واضح طور پر سامنے نہیں آتی اور اس زمانے کے
واقعات اور زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ رونی کے ہاں
بھی غلو اور اغراق موجود ہے کیونکہ اس کے بغیر ممدوح کی تسکین نہیں ہو سکتی تھی اور معمولی
مدح سے سننے والے کو کیا دلچسپی ہو گی، اگر کہیں کہیں سچی بات نکل جائے تو اس سے
ذم کا پہلو پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ محمود بن ابراہیم نوجوان تھا، حکومت لاہور کا نیا نیا
عہدہ سنبھالا ہو گا۔ رونی اس کو نصیحت کے طور پر کہتا ہے ؎

همت بلند باید کردن که تو هنوز	بر پایۂ نخستین از نردبانیا

شمس قیس رازی نے تبصرہ کیا ہے کہ ممدوح کو یوں کہنا کہ تو ابھی زینے کے پہلے پائے پر کھڑا ہے اور ابھی نہیں آگے آگے بڑھنا ہے کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کی توہین سی معلوم ہوتی ہے

قیس رازی نے بھی رونی کے اشعار میں سے اغراق کی یہ مثالیں پیش کی ہیں سے

خم دہی حرص را بہ بخشش پشت	بر کنی آز را بہ بذل شکم
آموختہ زاید بچۂ شیر ز مادر	از عدل تو در پنجہ نہان کردن چنگال

اور مبالغہ کے لئے یہ مثال دیکھئے کہ ایک دنیادار کو فرشتوں سے بھی افضل بنادیا ہے سے

کہ شخصی است بار کے روح القدس را	نسبابی فزون از کمالش کمال

رونی نے اکثر قصاید میں تشبیب نہیں شروع سے ہی ممدوح کی ستائش شروع کردی گئی ہے۔ لیکن جہاں کہیں بہاریہ تشبیب آگئی ہے یا جشن مسرت کا ذکر ہے یا رقص و سرود کی محفل ہے اور ناؤ و نوش کا ہنگامہ ہے وہاں صحیح معنوں میں شاعر کی اصل روح نمودار ہوئی ہے۔ رونی اپیکورین مزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ شراب و ساقی سے اس کو شغف ہے نہ وہ ماضی کا غم رکھنا چاہتا ہے اور نہ آئندہ کی فکر۔ اس نے لکھا ہے سے

تا یک نفس از حیات باقیست مرا	در سر ہوس شراب و ساقیست مرا
کاری کہ من اختیار کردم این بود	باقی ہمہ کار اتفاقیست مرا

سے

ای دل مخور اندیشہ فسردہ پیشی	نزدیک مشو بغم ز دور اندیشی
با عقل مگیر تا توانی خویشی	کز ہو ترا عقل دہد درویشی

خواجہ منصور کی مدح سے پہلے جو تشبیب اٹھائی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ایک ایک

مصراع سے اور ایک ایک تشبیہ سے دل کی گرمی اور جذبات کی گہما گہمی محسوس ہوتی ہے چونکہ وہ عیش و طرب کا دلدادہ ہے اور جس کی مدح سرائی میں وہ قصیدہ لکھ رہا ہے وہ بھی اس کو مرغوب خاطر ہے اس لئے تشبیب میں جوش و اخلاص دونوں کارفرما ہیں اور یہی اجزا پایۂ شاعری کو بلند کرتے ہیں ؎

روزگار عصیر انگور است	خم از دست و چنگ مخمور است
خیز تا سوی باغ بشتابیم	کز می و میوہ اندر او سور است
سیب سیمیں سلب چو گوی بلور	یا چو نوخاستہ برجو راست
شاخ امرود گوئی و امرود	دستہ و گرد نای طنبور است
نار سیدہ ترنج و بار دوش	چو قمع کوزہ و چو سنگور است
تاج نرگس بفرق نرگس بر	جام زرین خواجہ منصور است

قصاید پر ایک نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب مختصر ہیں کوئی قصیدہ شاید دو صفحوں سے زیادہ ہوگا حالانکہ جتنے نامور قصیدہ گو ہیں ان کے قصاید کافی طویل ہیں رونی کے پیشرو عنصری اور فرخی کے قصاید بھی تین تین چار چار صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس سے کچھ اندازہ لگتا ہے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں اسے خاص منصب و وقار حاصل نہیں اور نہ ہی عنصری و فرخی کے مانند انعام و اکرام سے مالا مال ہوا ہے اس لئے جیسا ممدوح ویسے ہی اس کی مدح۔ پھر یہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ معلومات کی اتنی فراوانی نہ ہو جس سے جزئیات میں جا کر قصیدہ کو طویل کیا جا سکے۔ اتنا تو واضح ہے کہ رونی نے مدح و ستائش کے اشعار میں غور و فکر کیا ہے اور نیا مضمون پیدا کرنے کے لئے کاوش کی ہے۔ اس فکر پر مستزاد کلام کی پختگی ہے جو استادان سخن کے کلام سے عیاں ہوتی ہے خیال ہے کہ وہ اپنے ہمعصر مسعود سعد سلمان کی طرح پرگو نہیں ہوگا۔

غزلیات

دیوان میں صرف تین نامکمل غزلیں ہیں۔ ان کی بنا پر اس کی غزل گوئی کے متعلق حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس خوشے سے خرمن کی پختگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شاعر تغزل و تعشق سے ضرور آشنا ہے۔ اس کی معشوقہ رقاصہ ہے جو باہر تو چادر اوڑھتی ہے لیکن جب دوستوں کی محفل میں آتی ہے تو یار اس کی چادر اتار پھینکتے ہیں۔ شاعر کی فکر میں گہرائی ہے، جذبات کی شدت، رندی کی چاشنی اور لذت طلبی کا عنصر بھی موجود ہے۔ مندرجہ ذیل غزل میں قصیدے کی سی پختگی اور ٹھہراؤ ہے۔ ؎

روی چوں حاصل نکوکاران	زلف چون نامۂ گنہگاران
غمزہ مانند آرزوی مضر	در کمین گاہ طبع بیماران
خیرہ اندر کرشمۂ چشمش	ذوق مستان و ہوش ہوشیاران
اندر آمد بمجلس و بنشست	چادرش بستدند از و یاران
زیر و بم را بغمزہ گویا کرد	تا بگفتند راز میخواران

رباعیات

رباعیات میں تین قسم کے مضمون نظر آتے ہیں۔ ایک میں تو کسی ممدوح کے متعلق اظہار ارادت یا دعا وغیرہ ہے۔ دوسرے میں محبوب کے متعلق جذبات محبت اور اپنا اشتیاق ہے۔ تیسرے میں فلسفۂ زندگی اور اپنے افکار کا بیان ہے۔ رباعیات میں وہ زور نہیں معلوم ہوتا جو عموماً اس کا خاصہ ہے۔ تیسرے مصرعے میں تان بلند ہوتی ہے اور چوتھے میں مضمون تعجب اور حیرت افزا انداز میں ختم ہوتا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے ان میں جدت موجود ہے اور خیال انگیزی

کے ساتھ ساتھ دعوت فکر بھی ملتی ہے۔ مثلاً ؎

چون است عشق اول از تن خیزد
زو بر دل و تن ہزار شیون خیزد
آری بخورد زنگ ہمی آہن را
ہر چند کہ زنگ از آہن خیزد

بادی کہ درآئی بتنم ہمچو نفس
ناری کہ بسوزی دل خلقی بہوس
آبی کہ بتو زندہ توان بودن و بس
خاکی کہ بتست بازگشتن ہمہ کس

مسعود سعد سلمان[1]

مسعود کے اب وجد ہمدان سے آئے۔ مسعود کے والد سعد بن سلمان ساٹھ سال تک غزنوی سلطنت کے عمال و اعیان میں شمار ہوتے رہے۔ سلطان مسعود بن محمود نے ۴۲۷ھ میں جب اپنے بیٹے مجدود کو ہندوستان میں نائب سلطنت بنا کر بھیجا تو سعد بھی مستوفی کی حیثیت سے لاہور آئے۔ سعد سلمان شاعر بھی تھے۔ سہیلی خونساری نے ان کی ایک رباعی نقل کی ہے ؎

گر بگذاری مرا و گر بنوازی | از کوی تو نگذرم ببازی بازی
چوں باد بپایت اندر آیم بمثل | گر چون خاکم ز در برون اندازی

مسعود لاہور میں پیدا ہوئے۔ بعض ایرانی تذکرہ نویسوں نے اسکو ہمدانی بنایا ہے اور بعض نے جرجانی۔ لیکن یہ دونوں نسبتیں صحیح نہیں مسعود نے خود کہا ہے۔

---

[1] شرح احوال مسعود سعد سلمان شامل دیوان مرتبہ رشید یاسمی تہران ۱۳۱۸، تعلیقات چہار مقالہ مرتبہ محمد معین ص۱۹۰ تا ص۱۲۷ احصاء نامی شرح حال مسعود سعد سلمان از سہیلی خونساری، مآثر لاہور از سید ہاشمی فرید آبادی۔ لاہور ۱۹۵۵، تاریخ ادبیات ایران۔ رضا زادہ شفق و تاریخ ادبیات ایران ذبیح اللہ صفا۔ سخن و سخنوران۔ فروزانفر Masood Saad Salman by Muhammad Qizwani, translated by E.G. Brown journal of the R.A.S. London 1905-06

ــ ہیچ نوع گناہی دگر نمیدانم　　مرا جز اینکہ درین شہر مولد و منشاست

تاریخ ولادت متعین نہیں۔ علامہ قزوینی نے ۴۳۸ کے قریب محسوب کی ہے وہ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے کیونکہ خود مسعود نے صرف اپنی دو بہنوں کا ذکر کیا ہے۔

مسعود نے اپنے فاضل باپ کی نگرانی میں اچھی تعلیم پائی۔ وہ ابتدائے جوانی میں غزنی بھی گیا۔ چنانچہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنی ہی میں اس کے والد نے اس کو سیف الدولہ محمود کے سپرد کیا تھا ــ

رہی پسر را اینجا بتو سپرد امروز　　کہ دی رہی را آنجا بتو سپرد پدر

رشید یاسمی نے لکھا ہے "آنجا" سے مراد غزنی ہے اور صاحب چہار مقالہ نے جو یہ لکھا ہے کہ مسعود سعد سیف الدولہ محمود کی ملازمت میں اس وقت منسلک ہوا جب موخر الذکر ۴۶۹ھ میں اپنے باپ کی طرف سے ہندوستان میں نائب السلطنت مقرر ہو کر آیا صحیح نہیں۔ کیونکہ مسعود سعد نے اس سال سے پیشتر بھی شاہزادہ کی ستائش میں اشعار لکھے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل قصیدے میں ــ

خجستہ باد ت نوروز و اینچنین نوروز

ہزار جفت شدہ با مہ رجب دیاب

علامہ قزوینی کی تحقیق کے مطابق ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷ھ کے سالوں میں نوروز ماہ رجب میں واقع ہوئے۔ اس لئے اس شعر میں ان سالوں میں سے کسی ایک سال کا ذکر ہے۔ اسی سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوستان میں محمود کی نامزدی سے پہلے ہی مسعود اس کی مدح میں قصاید لکھتا رہا ہے۔

مسعود کی درباری زندگی کا آغاز اسی شاہزادے کی ملازمت سے شروع ہوا وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا۔ ایک زمانہ ایسا آیا کہ حاسدوں کی مہربانی سے محمود ناراض ہوا اور اس کو لاہور چھوڑنے پر مجبور کیا گیا مسعود نے اپنی اس تکلیف دہ مہاجرت کا

ذکر کیا ہے اور برسات کے موسم میں جہلم پار کرنے کا حال بیان کیا ہے اور اس سے درخواست کی ہے کہ اپنے اس لگائے ہوئے پودے کو نہ توڑ۔ ایک قصیدے میں زیارت کعبہ کی اجازت مانگی ہے۔ اس کی غیر حاضری میں اس کی پدری املاک پر تصرف کر لیا گیا۔ جب ہندوستان میں محمود کی دادرسی نہ ہوئی تو وہ غزنی گیا لیکن حاسدوں نے پہلے ہی بادشاہ کو بدظن کر دیا تھا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سیف الدولہ اور اس کے ندماء کو بھی قید کر دیا۔ الزام یہ تھا کہ شاہزادہ سلجوقیوں سے ساز باز کر کے غزنی کا تختہ الٹنا چاہتا تھا۔ شاہزادہ کے ساتھ مسعود سعد بھی دھر لیے گئے۔ مسعود کے اپنے اشعار میں کہیں کہیں عراق و خراسان کے شوق کا اظہار ملتا ہے۔ مثلاً

عاشقانند بر ہنر ہمگان　　　درخراسان، در عراق ہمی

ہمہ اندر ہوای من یکسان　　　ہمہ اندر ثنای من یک لفظ

لیکن بعد میں اس خیال سے کہ کہیں محض شاعرانہ تعلّی سے بادشاہ کے شبہ میں تقویت نہ ہو۔ اپنے اشعار میں جابجا خراسان سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے اور ملک شاہ سلجوقی کو اس کا غلام بنانے کا آرزومند رہا۔

مسعود کو قلعۂ دھک، میں بند کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان کی سرحد میں یہ ایک بلند اور دشوار گذار مقام پر واقع تھا۔ اگرچہ عزیز و اقارب سے دوری و مہجوری تھی۔ لیکن مقرب بارگاہ علی خاص کی عنایات سے آرام و آسائش کی چیزیں میسر ہو جاتی تھیں اس لیے قید و بند کی صعوبتوں میں کمی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہنشاہ کو مسعود کی آرام یابی کی اطلاع پہنچائی گئی۔ چنانچہ اس کو ہندوستان سے باہر بیڑیاں پہنا کر قلعہ سو میں بند کر دیا گیا۔ ان دو قلعوں یعنی دھک اور سو میں وہ سات سال مقید رہا۔ سو کے بعد اس کو قلعہ نای میں بھیجدیا گیا جو بقول نظامی عروضی وجیرستان یعنی وزیرستان کے بلند پہاڑوں میں واقع تھا۔ یہاں بھی اس کو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔

اس نے تین سال اس محبس میں گذارے ؎

ہفت سالم بسود سو و دھک پس ازآنم سہ سال قلعہ نامی

آخرکار ندیم خاص بارگاہی عمید الملک ابوالقاسم خاص کی سفارش سے قید سے نجات ملی اور لاہور میں آکر اپنی خانہ خرابی کی آبادی میں مصروف ہو گیا۔ سلطان ابراہیم کی وفات پر سلطان مسعود ہندوستان سے جاکر اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا (۴۹۲ھ) اور ہندوستان میں اپنے بیٹے شیرزاد کو فرمانروا بنا کر بھیجا۔ اس کے ہمراہ ہبۃ اللہ ابونصر فارسی پیشکار اور سپہ سالار بن کر آیا۔ یہ فاضل شخص مسعود پر بڑا مہربان تھا۔ اس کی وساطت سے شیرزاد کے دربار میں مسعود کو تقرب حاصل ہوا۔ جب ابونصر فارسی نے جالندھر کو فتح کیا تو مسعود بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ تسخیر کے بعد جالندھر کی حکومت اس کو عطا ہوئی۔ یہ دوسری مرتبہ ہے کہ مسعود کو اپنی زندگی میں جاہ و جلال نصیب ہوا اور عثمان مختاری جیسے شعرا نے اس کی مدح میں قصاید لکھے۔

مسعود سعد کا عروج حاسدوں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ انہوں نے سلطان مسعود کو غزنی میں اور شیرزاد کو لاہور میں اس سے بدظن کیا۔ ابوالفرج نصر بن رستم حاکم شہر لاہور نے مخبری کی۔ اور مسعود اور اس کے مربی ابونصر فارسی کا تختہ الٹ دیا۔ مسعود جالندھر کی حکومت سے معزول ہوا۔ اس کی املاک پر قبضہ کر لیا گیا اور اس کی جاگیر پر ہ یلیوں کو چھوڑ دیا گیا جو اس کی تمام آمدن کو چٹ کر گئے۔ مسعود ان دراز دستیوں کے خلاف شکایت کرنے غزنین پہنچا اور ثقۃ الملک طاہر بن علی وزیر خازن بادشاہ کا وسیلہ تلاش کیا۔ اس وزیر کے ساتھ اس کے دیرینہ مراسم تھے اس لئے اس کو نائب دیوان کا منصب عطا ہوا۔ لیکن یہ کام اس کو نہ دیا گیا اور اس کو اپنوں اور بیگانوں میں خوار کیا۔ مسعود نے رنجیدہ ہو کر ایک قصیدے میں تلخ و تند باتیں کہیں اور منصب و عہدہ سے اپنی بے نیازی ظاہر کی۔ ثقۃ الملک نے بھی اس کی حمایت سے خاموشی اختیار کر لی۔ آخر سلطان مسعود کے حکم سے اسکو قلعہ مرنج میں قید کر دیا گیا

مریخ کے دوران حبس ہیں مسعود نے اپنے اشعار ہیں ان اسباب کو شمار کیا ہے جو اسکی قید کا موجب بنے۔ ایک تو یہ کہ اس کی بلند ہمت اور فراہت گوارا نہیں کرتی کہ وہ ذلت و خواری یا خوشامد پر راضی ہو جائے۔ دوسرے منصب و مقام پر تنگ نظروں کا حسد اس کے زوال کا سبب بنا۔ تیسرے اپنے علم و فضل پر غرور اور خود فریبی۔ چوتھے زمانے کی ناقدر دانی اور علم کی بے قدری ہے لیکن خود ہی اپنی حالت پہ غور کر کے کہتا ہے کہ میں چور نہیں عیار نہیں پھر کس بنا پر مجھے محبوس کر رکھا ہے۔

آخر ثقۃ الملک کی وساطت سے مریخ سے رہائی ملی۔ قید کا یہ عرصہ واضح طور پر متعین نہیں نظامی عروضی نے ۸ سال لکھا ہے۔ علامہ قزوینی اور رشید یاسمی نے بھی اسی مدت کی تصدیق کی ہے اختلاف کی صورت یہ ہے کہ مسعود نے ملک ارسلان بن مسعود کی مدح میں ایک قصیدہ کے دوران میں لکھا ہے کہ ؎

من بندہ سال سیزدہ محبوس ماندہ ام

جہاں کندہ ام زمحنت در حبس و در حصار

اس بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ قید کی تمام مدت تیرہ سال تھی، دس سال دھک و سو اور نائی کے اور تین سال مریخ کے جیسا کہ ذیل کے شعر سے ظاہر ہے ؎

در مرنجم کنوں سہ سال بود　　　کہ مقیدم درین چو دوزخ جای

لیکن خود ہی اس قطعہ میں جو ابوالفرج کے خلاف لکھا ہے اپنی گزشتہ مدت قید کو انیس سال بیان کیا ہے کہ ؎

ترا بہیچ باک نامد از آنک　　　نوزدہ سال بودہ ام بندی

قزوینی کے خیال میں یہ اٹھارہ انیس سال کی مدت صحیح ہے اور متذکرہ صدر شعر میں تیرہ غلط چھپ گیا ہے۔ ان کے خیال میں ۵۰۰ ہجری میں رہائی ہو گئی تھی۔

سہیلی خونساری کا خیال ہے کہ متذکرہ شعر میں تیرہ سال مدت قید مریخ کی مدت ہے

اس حساب سے کل مدت قید ۲۳ سال ہوتی ہے اور دوسری جگہ جو انیس سال کا ذکر ہے یہ درمیانی عرصہ ہے ابھی قید ختم نہیں ہوئی لیکن ان کا یہ قیاس صحیح نہیں۔ رشید یاسمی نے بھی سال رہائی ۵۰۰ ہجری متعین کیا ہے۔ مرنج میں قید ہونے سے پہلے مسعود نے یہ شعر کہا تھا ؎

تو خود چنین گیر آخر نہ پنجہ و دو گذشت
ہر آنچہ خوشتر گیتی ز عمر من بر بود

پھر قید مرنج کے دوران میں یہ شعر لکھا ؎

مشقت دو تا کرد مرا چو شست　　　سال بدین جای رسید از شمار

اگر ۴۹۲ھ میں قید ہوا ہو تو بقول عروضی سمرقندی آٹھ سال قید کے بعد ۵۰۰ھ میں رہائی درست معلوم ہوتی ہے۔ رہائی کے بعد مسعود کو غزنین میں کتاب خانہ سلطنتی کا کتابدار یعنی لائبریرین بنایا گیا۔ چنانچہ اس کے اپنے بیان کے مطابق خوشحالی اور فارغ البالی کے دن پھر آگئے۔ ؎

بیک فرمان کہ فرمانت روان باد　　　رہا نیدش از آن اندوہ و تیمار
ہمی گردد ہمی در حضرت امروز　　　عزیز و سرفراز و نام بردار
ہمش بر جشن جاہ و خلعت شاہ　　　ہمش ہر روز عز خدمت بار
ہمش توقیع سیم و غلہ بودہ　　　بیا سودہ دلش ز اندوہ پیکار
نہ زن گوید کہ بر تن نیست جامہ　　　نہ گوید بچہ بر سر نیست دستار
دعای شاہ چون تسبیح گویند　　　عیال بی حد و اطفال بسیار

اس شعر سے آگے لکھا ہے کہ تمام قرض بھی اٹھ جائیں گے اور میں اطمینان سے دار الکتب کے بنانے اور سنوارنے میں زندگی بسر کروں گا۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ سلطان مسعود کے باقیماندہ عہد یعنی ۵۰۹ھ تک شاعر کی زندگی میں سکون و آرام آگیا ہوگا۔

لیکن ملک ارسلان کی مدح میں ایک قصیدے سے ظاہر ہے کہ اس کے حالات بالکل اچھے نہیں تھے۔ اس کی اپنی کیفیت اس کی اپنی زبانی سنئے ؎

در انتظار رحمت و فضل تو ماندہ ام | ای کردہ روزگار ترا دولت انتظار
در سمجهای تنگ و خشن ماندہ مستمند | در بندہای سخت بتر ماندہ سوگوار
دارم ہزار دشمن و یک جان نیم تن | لیکن گذشتہ وام من از ہشتصد ہزار
بی برگ و بی نواشدہ و جمع گرد من | عودات بینہایت و اطفال بیشمار
بسیار امیدوار ز تو یافتہ نصیب | من بے نصیب گشتہ و ماندہ امیدوار
پیر ضعیف حالم و درویش عاجزم | بر پیری و ضعیفی من بندہ رحمت آر

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ سلطان مسعود کے عہد میں بہت کم عرصہ کے لئے اسے خوشحالی نصیب ہوئی۔ اگر کتاب داری کے منصب پر اس کے آٹھ نو سال گزرتے تو وہ ملک ارسلان کے سامنے اس قدر اپنی حالتِ زار کا نقشہ نہ کھینچتا۔ اس وجہ سے اس بیان کو تقویت پہنچتی ہے کہ مربخ کی مدت تیرہ سال ہی صحیح ہوگی۔ ملک ارسلان کے عہد سلطنت میں وہ خوشحال نظر آتا ہے اور بہرام شاہ کی مدتِ سلطنت میں وہ صرف تین چار سال زندہ رہا یعنی ۵۱۱ سے ۵۱۵ تک۔ ۵۱۵ سال وفات ہے اس کی زندگی کا آخری حصہ آرام و سکون سے گزرا۔ مسعود سعد پر بہرام شاہ کی مہربانیوں کے چرچے یہاں تک ہوئے کہ امیر معزی نے لکھا ؎

شاہ بہرام شاہ بن مسعود | خواجہ مسعود سعد را بنواخت

ممدوحین مسعود | غزنوی بادشاہوں کے علاوہ مسعود کے ممدوحین تقریباً وہی امراء، وزراء اور سپہ سالار ہیں جن کا مختصر ذکر ہم نے ابوالفرج رونی کے تذکرہ میں کیا ہے۔ شیبانی سرداروں میں سے زریر اور بوحلیم کے علاوہ ربیع اور محمد کا بھی ذکر آتا ہے جو ملک ارسلان کے عہد میں وزارت اور سپہ سالاری کے عہدے پر سرفراز تھے۔

ابوالفرج نصر بن رستم شہر لاہور کا حاکم تھا اور صاحب دیوان ہند تھا مسعود نے اس کی مدح میں قصاید لکھے ہیں وہ نثر و نظم میں ماہر بھی تھا ے

زہی نثر تو شاید ہزار چون جاحظ　　غلام نظم تو زیبد ہزار چون اخطل

آخر کار یہی ابوالفرج ابونصر فارسی کا مخالف ہوا اور اس کو منصب سے معزول کرایا اور جس کی معزولی اور قید کے ساتھ مسعود سعد کا بھی زوال ہوا اور اس نے اسی ابوالفرج کے خلاف ایک قطعے میں شکایت کی ہے ے

ابوالفرج شرم نایدت ز خبث　　کہ چنین حبس بندم افگندی

وین چنین قوتی تراست کہ تو　　پارسی را کنی شکاوندی

ابوالفرج رونی کے حال میں ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ اس ابوالفرج سے مراد رونی نہیں بلکہ یہی ابوالفرج نصر بن رستم مراد ہے۔

اولاد مسعود نے ایام قید میں اپنے خاندان کے بچوں اور عورتوں کے متعلق گہری تشویش کا اظہار کیا ہے اور ان کے رنج والم کے لئے گویا آنسو بہائے ہیں۔ وہ قید میں ہی تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی اپنی اولاد میں سے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا ذکر آتا ہے بڑے بیٹے کا نام سعادت تھا جو باپ کے بعد بھی زندہ رہا۔ بقول امین احمد رازی وہ بھی اچھا شاعر نکلا اور بہرام شاہ سے انعام و اکرام حاصل کرتا رہا۔ دوسرا بیٹا صالح نامی تھا جو باپ کے دوران قید میں مر گیا اور باپ نے اس کے نوحے لکھے۔

شعرائے معاصرین سے تعلقات

۱۔ رشید سمرقندی ملک شاہ کا مداح تھا۔ اس نے مسعود کی مدح میں کئی قصاید بھیجے اور اس سے صلہ مانگا۔ مسعود نے اپنی بے نوائی کی وجہ سے معذرت کی اور اس کے جواب میں قصیدہ لکھ کر بھیجا۔ ے

شب سیاہ چو برچید از ہوا دامن　　زدودہ گشت زمین را زہر پیرامن

بشعر تھا بپذیرہ عذر من کامروز زمانہ سخت حرون است و بخت بس توسن

رشیدی نے اس کے جواب میں پھر قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے :-

رسید شعر تو ای تاج شاعران بر من چو نو شگفتہ گل اندر بہار گرد چمن

۲۔ عطاء یعقوب :- نے ۳۰۰ھ میں وفات پائی۔ وہ فاضل شاعر تھا، اس نے فارسی عربی کے دو دیوان یادگار چھوڑے۔ مسعود نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ :-

عطای یعقوب ای روشن از تو عالم علم

تو آفتابی و ما ذرہ را ہمی مانیم

اس کی وفات پر لکھا۔

از وفات عطای بن یعقوب تازہ تر شد وفات عالم علم

۳۔ ابوالفرج رونی۔ مسعود نے رونی کو اپنا استاد مانا ہے :-

نازم بدانکہ ہستم شاگرد تو شادم بدانکہ ہستی استاد من

مسعود کے اس قطعے سے جس میں ابوالفرج سے شکایت کی ہے اور اپنی قید و بند کا سبب اس کو ٹھہرایا ہے۔ وہ ابوالفرج رونی کے متعلق نہیں بلکہ ابوالفرج نصر بن رستم کے متعلق ہے۔ ابوالفرج رونی نے مسعود کے محل کے بارے میں ایک قطعہ لکھا اور آخر میں اس کی پائداری کی تعریف کی :-

تا جہاں نیست او نگہبان باد این بنا را کہ او نگہبان گشت

مسعود نے اس کا جواب لکھا ہے :-

خاطر خواجہ بوالفرج بدوست گوہر نظم و نثر را کان گشت

خاطر من چو گفتہ او دید از ہمہ گفتہ ہا پشیمان گشت

۴۔ عثمان مختاری۔ امیر خسرو، سنائی غزنوی اور سلیمان اینانج بیگ نے اپنے قصاید میں مسعود سعد کے فصیح کلام کی تعریف کی ہے۔ مسعود نے خود عطا یعقوب

خواجہ ناصر۔ محمد حلیبی کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

اخلاق وعادات

مسعود امیر باپ کا بیٹا تھا۔ اس لئے جوانی تک کی زندگی ناز و نعمت کی زندگی رہی۔ خود جب شاہزادوں، وزیروں اور سپہ سالاروں سے متوسل رہا تو اپنی امارت میں اور اضافہ کیا چنانچہ لاہور میں اپنا محل بنایا۔ اس کے تین حمام تھے۔ جالندھر میں حکومت حاصل ہوئی تو تھوڑے عرصہ کیلئے خود مختار حکومت اور امارت وسالاری کے مزے بھی چکھے۔ لیکن جاہ و مال کے باوجود اس نے اپنا توازن نہیں کھویا۔ اچھی سیرت پائی تھی۔ نیکی اور مروت کرنا سیکھا تھا جب کسی نے دست سوال دراز کیا اس کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ اس نے اپنی ان خوبیوں کو خود ہی بیان کیا ہے۔ ؎

چو من دستگہ داشتم ہیچ وقت — زبان مرا عادت "نہ" نبود

ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

روزی کہ راحتی نرسد از من — ہر خلق را، زعمر نہ پندارم

گر ہیچ آدمی را بد خواہم — از مردی و مروت بیزارم

انہی ذاتی خوبیوں کی بنا پر وہ مقبول و ہر دلعزیز تھا۔ تقریباً تمام معاصرین نے اس کی تعریف کی ہے لیکن اس حسد و رقابت کا برا ہو۔ ایک بہادر اور شریف کو تخت امارت سے اٹھا کر قید و بند کی کال کوٹھڑیوں میں پھینک دیا اور اس کے عزم و ثبات کو کچل کر رکھ دیا۔ مطلق العنان حکومتوں میں اپنی شخصیت کو برقرار رکھنا جان کی بازی لگانا ہوتا ہے۔ اس نے سچ کہا تو رقیبوں نے کہا جھوٹ کہتا ہے، اس کا منہ بند کردو۔ جیل میں ڈالدو۔ چنانچہ سیاسی اور اوضاعی ابتری کے متعلق اس نے لکھا ہے۔ ؎

ہیچکس را غم ولایت نیست — کار اسلام را رعایت نیست

نیست یک تن درین ہمہ اطراف — کاندر و دوحس را سرایت نیست

کارھای فساد را امروز — حد و اندازہ ای غایت نیست

نیست انصاف را مجال توان — عدل را قوت حمایت نیست

این ہمہ قصہ من ہمیگویم — از زبان کسی روایت نیست

عمید حسن نے اس کے جواب میں لکھا۔ اس کا منہ چڑایا اور بادشاہ کے سامنے اس کو ذلیل کیا۔ ؎

خواجہ مسعود سعد سلمان را — روز و شب جز غم ولایت نیست

کارش امروز رزم و پیکار است — شکر گفتن زا و روایت نیست

ای کست اندر فضول و خیرہ سری — ہیچگونہ حدی و غایت نیست

چوں ترا اذ پی مصالح ملک — پیشگاہی نہ و جزایت نیست

حامی ملک و داعی اسلام — آنکہ شاہیش را نہایت نیست

کی پسندد ز تو کہ گوئی تو — کار اسلام را رعایت نیست

شداووں نے اپنی شاہی خطرے میں دیکھی تو بستی سے دور بلند پہاڑیوں کے ویران خلوت خانوں میں بے باک شاعر کو بند کر دیا۔ بیڑیاں پہنائیں۔ باجرہ کھانے کو دیا۔ پاسبانوں کی درشتی اور سخت گیری نے جسمانی لحاظ سے شاعر کو بے بس و ناتواں کر دیا وہ اپنی پاک نفسی اور معصومی کا رونا روتا رہا۔ ملک شاہ کو سلطان کا غلام بنا کر پیش کرتا رہا۔ اپنی سات پشتوں سے غزنوی سلطنت کی حمایت کا واسطہ دیتا رہا۔ اپنے بے خانماں بیوی بچوں کی فریادیں سناتا رہا۔ لیکن سیاسی چٹانوں کا دل نہ پسیجا۔ شاعر جوان گیا تھا بوڑھا ہو کر نکلا مگر شاباش ہے اس جوان ہمت مرد کے' وہ آخری دم تک دوستی اور وفاداری کا دم بھرتا رہا۔ سیاسی شکنجے، افلاس اور تنگدستی بڑے بڑے پہلوانوں کے دم چھڑا دیتی ہے۔ ایک مدح گو شاعر کی کیا مجال کہ پو پھڑ کا سکے۔ مسعود نے کچھ عرصہ کے لئے اپنی تندی و بے باکی اور بلند ہمتی کو برقرار رکھا۔ اس کے اشعار سے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ غصے سے اژدہا پھنکار رہا ہے ؎

ہمہ آتش کدہ شدست دلِ من	من ازآں بیم دم ہمی نزنم
کہ زلف دل اژدہا کردار	پرز آتش ہمی شود دہنم
سر بہ پیش خساں فرو نارم	کہ من از کبر سرو برچنم
منت ہیچکس نخواہم از آنک	بندہ کردگار ذو المننم
گر ز خورشید روشنی خواہد	دیدگان را ز بیخ و بن بکنم

بر بلاها چو باد برگذرم	پای برغم چون کوه بفشارم

لیکن جب قید سے رہائی ملی تو شکر گذاری کے ساتھ ساتھ پھر مدح شروع ہو گئی اور حالت سدھارنے اور قرض ادا کرنے کے لئے بادشاہ اور وزراء سے بھیک مانگنی پڑی۔ ملک ارسلان کے گن گانے پڑے اور یہ وہ بادشاہ ہے جس نے تخت و تاج حاصل کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے غزنوی شاہزادوں اور تخت کے وارثوں کو قتل کر دیا یا اندھا کر کے قلعوں میں بند کر دیا۔ لیکن مسعود جانتا تھا کہ شاعر آخر گدا ہی ہوتا ہے۔ ؎

گر بعیوق بر فرازد سر	شاعر آخر نہ ہم گدا باشد

دیوان | عوفی نے لکھا ہے کہ مسعود سعد کے تین دیوان تھے۔ فارسی، عربی اور ہندی۔ فارسی کا دیوان تو موجود ہے۔ عربی کے اشعار کی تعداد اتنی تھی کہ اس سے مستقل دیوان مرتب ہو سکے۔ رشید وطواط نے صنایع بدایع کے استناد میں اس کے عربی کے اشعار شواہد کے طور پر پیش کئے ہیں۔ اس نے اپنی فارسی اور عربی دانی پر خود بھی فخر کیا ہے۔ کہیں کہیں فارسی اشعار میں بھی عربی کے مصرعے لایا ہے ؎

کس ار بپارسی و عربی امتحان کردی	مرا مبارز میدان امتحان شدمی

دیوان ہندی کا کوئی سراغ نہیں۔ خیال تو ہو سکتا ہے کہ جو شخص لاہور میں پیدا ہوا اور یہیں نشوونما پائی۔ وہ ضرور بازار کی زبان سے آشنا ہوگا لیکن اپنے اشعار میں اس نے اپنی ہندی دانی یا ہندی شاعری کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ سنائی غزنوی نے اس کی زندگی کے اواخر میں اس کا دیوان مرتب کیا تھا لیکن اس میں سہواً دوسروں کے اشعار بھی درج کر دیے۔ چنانچہ ثقۃ الملک طاہر کے تبلانے پر سنائی نے معذرت کی ؎

دُرو خزمہرہ دریکی رشتہ　　　جمع کرد انگہی پریشان کرد

خواجہ طاہر چو این بگفت رہیت　　　خجل شد کہ وصف نتوان کرد

مسعود کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

سخن عذب سہل و ممتنعت　　　بر ہمہ شعر خواندن آسان کرد۔

مسعود کا دیوان پہلے ۱۲۹۶ھ میں لکھنؤ میں چھپا تھا لیکن وہ ناقص و نامکمل تھا۔ استاد رشید یاسمی نے ۱۳۱۸ شمسی ہجری میں بڑی کوشش سے تصحیح کر کے اضافات کے ساتھ شائع کیا۔ پہلے مطبوعہ دیوان میں پندرہ ہزار اشعار تھے۔ نئی اشاعت میں ساڑھے تین ہزار اشعار کا اضافہ ہوا ہے۔ عوفی نے دیوان کے علاوہ 'اختیارات شاہنامہ' کے عنوان سے مسعود کی ایک تالیف کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۴۳ ج ۲)

شاعری اکثر استاد شعرا نے مسعود کو بلند پایہ شاعر مانا ہے۔ اس کے تتبع میں شعر کہے ہیں اور اس کے اشعار پر تضمین بھی کی ہے۔ ملک الشعرا، امیر معزی نے شاعری میں اس کا بلند درجہ مانا ہے ؎

آن شاعر سخنور کز نظم او نکوتر　　　کس در جہان کلامی نشنید بعد قرآن

در سخن زچہ او کہ داند بافت　　　وز سخن درچوں او کہ تاند ساخت

تا معزی قصاید ش بشنید　　　دل ز بیہودہ فرو پرداخت

مسعود کے دیوان کا اکثر حصہ قصاید پر مشتمل ہے۔ شعرا کے نزدیک اس کی شہرت

قصیدہ گوئی پر مبنی ہے۔ مسعود نے خود متقدمین کا کلام مطالعہ کیا تھا چنانچہ رودکی، شہید بلخی، لبیبی اور منوچہری کے اشعار پر تضمین کی ہے۔ قصیدہ گوئی میں مسعود کا رنگ بھی متقدمین جیسا ہے۔ تعریف میں زیادہ مبالغہ و اغراق نہیں آیا۔ اس کے قصاید میں سبک عراقی جیسے قصیدہ سراؤں کا لفظی طمطراق نہیں۔ نہ ہی علوم و فنون کی تلمیحات پائی جاتی ہیں۔ صنائع بدائع کا دقیق استعمال کم ہے۔ بیان و معانی کی خوبیاں ہیں لیکن تکلفات کم ہیں۔ صنایع میں کہیں کہیں تنسیق الصفات۔ لف و نشر۔ طباق و تضاد ملتے ہیں۔ تین چار قصیدوں کے علاوہ طویل بحریں کم ہیں۔ اکثر چھوٹی اور متوسط بحروں کا التزام کیا ہے۔ زیادہ قصاید کی تعداد ردیف ر اور ن میں ہے۔ ردیف دار قصاید بھی گنتی کے ہیں۔ مثلاً آتش و آب، مکن گونگم والے قصاید۔ سیف الدولہ محمود کی مدح میں ایک قصیدہ ہے جس کے تمام اشعار میں حروف ب اور م محذوف ہیں یعنی تمام قصیدہ میں کوئی کلمہ ایسا نہیں جس کے پڑھتے وقت بالائی ہونٹ نچلے سے چھو جائے۔ اس کا مطلع یہ ہے :-

ای آذر تو یافتہ از غالیہ چادر   اندر دل عشاق ز دست آذرت آذر

اکثر قصاید کو تشبیب کے بغیر ہی شروع کیا ہے اگر کہیں تشبیب موجود ہے تو نہایت مختصر۔ مسعود نے جن شاہزادوں یا پادشاہوں کی مدح میں قصاید لکھے ہیں ان میں سے اکثر واقعی قابل ستائش تھے اور شاعر کو ان سے فیض پہنچا مثلاً سیف الدولہ محمود، .... علاء الدولہ مسعود (نائب سلطنت) شیرزاد۔ ملک ارسلان اور بہرامشاہ منصور سعید ثقة الملک طاہر اور ہبۃ اللہ منصور فارسی جیسے بہادر۔ جری۔ کریم اور حلیم مربی تھے اسی لئے اس کی ستائش میں خلوص اور صداقت بھی ملتی ہے۔ بعض کی مدح میں ترکیب بند۔ مسدس بھی لکھے ہیں۔ ابوالملوک ملک ارسلان کی تعریف میں بارہ مہینوں ہفتے کے دنوں اور مہینے کے ناموں کے حساب سے چار چار پانچ پانچ اشعار کے بند

لکھے ہیں۔ فارسی شاعری میں یہ نیا انداز تھا۔ شاید ہندی شاعری سے متاثر ہو کر یہ اسلوب اختیار کیا ہو۔ اکثر قصاید میں سادہ رواں اور سلیس اسلوب اختیار کیا ہے۔ ممدوح کے عدل و سخاوت۔ شجاعت۔ جنگی کارناموں۔ تلوار۔ گھوڑے۔ ہاتھی کی تعریف کی ہے۔ تخیل کی پرواز بہت کم ہے اور نہ ہی خیالات میں گہرائی ہے۔ مطالب میں ابہام نہیں۔ اکثر قصاید میں ممدوحین کے ساتھ ذاتی ارتباط واضح ہے۔ قید و بند کے زمانے سے پہلے کے قصاید میں رسمی ستائش کے آثار نمودار ہیں۔ مسعود سعد کی اصل شاعری زمانہ قید میں چمکی ہے

حبسیات جب تک مغنی کا دل درد سے آشنا نہ ہو اس کے تار قلب پر حوادث کی مضراب جب تک زور سے جھٹکا نہ دے جذبات میں ارتعاش اور ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ شاعر بھی دراصل مغنی ہے۔ دل سے ہوک نہ اٹھے ٹیس پیدا نہ ہو تو کلام میں سوز پیدا نہیں ہوتا۔ مسعود دولت و امارت کی زندگی میں رہتا تو محض قصیدہ گو شاعر رہتا اور شاید استاد شعراء میں اس کا ذکر بھی نہ آتا۔ لیکن جب زمانے کے حوادث نے اسے روندا تو اس کی شاعری میں روح کی سچی آواز سنائی دینے لگی — مدح و ستائش کے علاوہ شکایت روزگار کے مضامین بھی یاد آنے لگے۔ جن قصاید میں یا جن مقطعات میں اپنے درد و غم کی فریاد شامل ہے وہ سوز و تاثر خیزی کے اعتبار سے فارسی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔ عروضی سمرقندی نے لکھا تھا کہ جب میں مسعود کی حبسیہ نظمیں پڑھتا ہوں تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بارہا میری آنکھوں سے آنسو امڈ آتے ہیں۔ ان حبسیہ نظموں سے یہ بڑا فائدہ پہنچا ہے کہ شاعر کے ذاتی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے اور ممدوحین سے اس کے روابط سمجھنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔

شاعر عموماً حبسیہ نظموں میں اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ اپنے کمالات ذاتی بتاتا ہے۔ اپنی بے گناہی واضح کر کے برسر اقتدار لوگوں کے سامنے عدل و انصاف کا واسطہ دے کر اپنی آزادی و رہائی کے لئے درخواست کرتا ہے۔ مسعود کی شاعری میں بھی

یہ چیزیں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یار و اغیار کی بے وفائی، ناسازگاری زمانہ، فلک بے پیر کی ستم گاری کے مضامین بھی جابجا نظر آتے ہیں۔ شاعر پیر دانا بن کر دنیاداروں کو ان کی غفلت سے بھی چونکاتا ہے۔ شعراء عموماً آسمان کو ہی اپنی تمام مصائب کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور گردش طالع کو اصلی سبب مانتے ہیں۔ مسعود نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے آسمان اور ستارے تو قانون گردش میں مسخر ہیں۔ اس لئے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور اللہ کے فضل پر اعتماد رکھنا چاہیئے حق دار کو حق ضرور ملے گا۔ مطلق العنان حکومتوں کے زمانے میں ایسے شخص کی زبان سے جس نے زندگی کے بیس بائیس سال قید و بند میں گزارے ہوں رجائیت اور استقلال ایسا پیغام بڑا عبرت آموز اور خوش آئند ہے۔ کسی منجم نے اس سے کہا تھا کہ تم اسّی سال کی عمر پاؤ گے اس نے اس کی پیشگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ؎

مرا منجم ہشتاد سال عمر نہاد ... ز عمر دوستی امید من بر آن افزود

خدای داند من دل درو او نمی بندم ... کہ باد بیود آنکس کہ آسمان بیود

ان اشعار سے اس کا اپنا اعتماد دیکھئے ؎

خیز مسعود رنجہ مباش ... ہر چہ یزدان دہد بپسند

خرد آن داشت کو نیک و بد خویش ... ز ایزد دید نہ از آسمان دید

ایک اور موقعہ پر کہا ہے ؎

از فلک تنگ دل مشو مسعود ... گر فراوان ترا بیازارد

بد میندیش سر چون سرو برآر ... کو جہان پر مسرت فردد آرد

حق نخفتہ است بنگری روزی ... کہ حق تو تمام بگزارد

مسعود نے گلہ از اختران آسمان" کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں گردش افلاک کی نیرنگی کو حسین پیرائے میں بیان کیا ہے اور آخر میں ان کی ان حرکات کو

مشیت ایزدی کے تابع بتایا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں ؎

از پی این عبیر می بیزند | وز پی آن حنوط می سایند
نکند آنچہ رای و کام کسی است | زانکہ خود کامگار و خود رایند
قطرۂ آب خاک را ندہند | تا بخون روی گل نیالایند
گنہ و عذر شان خرد مندان | نہ بگویند و ہیچ نستایند
خلق را پارہ پارہ دربندند | پس ازان بند بند بکشایند
ہمہ فرمان بران یزدانند | تا ندانی کہ کارہ فرمایند

نظریہ شاعری

مسعود کے سامنے شاعری کا کوئی تبلیغی مقصد نہیں تھا۔ شعراء عموماً درباروں سے وابستہ ہوتے تھے۔ قصاید کا ہی عام چرچا تھا۔ لوگ نام و نمود کی خاطر یا انعام و اکرام کے لئے شعر کہتے تھے۔ شعر کہنا اور شاہ وقت کی مدح نہ کرنا دو متضاد باتیں تھیں اگرچہ مسعود کے اپنے زمانے میں ناصر خسرو نے اسماعیلی عقاید کی تبلیغ کے لئے اشعار کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ ابو سعید ابوالخیر رباعی کو تصوف و عرفان کے حقائق بیان کرنے کا ذریعہ بنا چکے تھے۔ مسعود شاعر کی قوت گویائی کا قایل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شاعر باطل کو حق اور حق کو باطل، گہر کو سنگ سیاہ اور خاک کو کیمیا کر دکھاتا ہے۔ اس کے کلام میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ ہجو سے دیو بھاگتا ہے اور غزل سے اژدہا بھی مطیع ہو جاتا ہے، لیکن حقیقتاً یہ بے کاروں کا مشغلہ ہے۔ اس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا اس کے فن کی قدر نہیں ہوتی تو وہ اپنے آپ کو بے گانہ سمجھتا ہے۔ مسعود نے کہا ؎

شاعران بے نوا خوانند شعر با نوا | وز نوای شعر شان افزون نہ گیرد و نوا
کس مرا نشناسد و بیگانہ رویم نزد خلق | زانکہ در گیتی زبی جنسی ندارم آشنا

چونکہ اس کے حق میں شاعری کا نتیجہ اچھا نہ نکلا۔ اس لئے اس نے لکھا ؎

برگرفتم دل از وسیلت شعر — تا نگوید کسی که شاعر خامی
توبہ کردم ز شعر ازانکہ ز شعر — بدم آید ہمی بہر دو سرای

ایک اور موقعہ پر شاعری کے مآل کے بارے میں کہا ہے ؎

شاعر آخر چہ گوید و چہ کند — کہ از او فتنہ و بلا باشد
گر بعیوق بر فرازد سر — شاعر آخر نہ ہم گدا باشد

حیات ستایش گری کے باوجود جب بادشاہوں سے وہ فیضیاب نہ ہوا اور زندگی کے بیش بہا سال قید و بند میں گزار دیے تو اس کے رجحان میں تغیر آیا وہ بادشاہان عالم کی مدح چھوڑ کر شاہنشاہِ کل جہان کی حمد و ثنا کی طرف مائل ہوا ؎

چوں بدیدم بدیدۂ تحقیق — کہ جہان منزلِ فناست کنون
آنزمانی کہ مدح شاہان گفت — مادح حضرت خداست کنون

احساسِ لذت

مدحیہ اور حبسیہ قصاید کے علاوہ مسعود کی شاعری میں ایک اور نمایاں خصوصیت نظر آتی ہے وہ ہے لذتِ طرب کا احساس چونکہ اپنے زمانہ امارت میں شاہانہ رقص و سرود کی محفلیں بھی دیکھیں اور خود بھی برپا کیں۔ اس لئے شراب و موسیقی کا صحیح معنوں میں حظ اٹھایا۔ شاعر کا دل جس طرح رنج و غم سے متاثر ہو جاتا ہے اسی طرح رنگ و بو اور ساقی و مغنی سے بھی لذت اٹھاتا ہے۔ مسعود نے جہاں کہیں ان محافل سے اپنے دل کی مستی اور دماغ کا سرور بیان کیا ہے وہاں اصلی شاعر ہوتا نظر آتا ہے۔ اس نے مجلس شیرزاد، حاضرین مجلس اور ارباب طرب کے بارے میں جو مثنوی لکھی ہے وہاں وہ خوب کھل کھیلا ہے معلوم ہوتا ہے مستی شراب نے عنانِ اختیار ہاتھ سے چھین لی ہے اور وہ مجلسیوں کے راز ہائے درون فاش کیے جاتا ہے اور ہزل و مطائبہ میں تہذیب کو بھی نظر انداز کیے جاتا ہے۔ اس نظم سے ظاہر ہے کہ وہ آلات موسیقی سے آشنا ہے اور بربط و نای اور چنگ و جعبہ کے سر ول سے

لطف اندوز ہوتا جانتا ہے اور لحن و نغمہ کے جذب و سرور کو سمجھتا ہے۔ محمد نائی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ ؎

چون بسر نای در درافکند دم | شاد گردد دلی کہ دارد غم
بانگ گرگر چون در سماع زند | آتشش اندر دماغ عود زند

علی نائی ؎

میزند نای و تنگ میجوشد | بہوا روی عقل میپوشد

اسفندیار چنگی ؎

راست گوئی ہزار دستانیست | مجلس از لحن او گلستانیست

کودک جبہ زن ؎

یک زمانی سماع گرم کند | دل سخت از نشاط نرم کند

بانوی قوال ؎

بانو آن نادر جہان بسرود | حملہ آورد بر بریشم رود
از بر آواز در سرا فگندست | بگلو مقنعہ درافگندست

ایک اور قطعہ ایام شادخواری میں اپنے ایسے ہی کیف بار شب و روز کا ذکر کیا ہے اور شراب و موسیقی کی لذتوں کو حسین انداز میں بیان کیا ہے۔ تندی صہبا اور صدائے مغنی کانوں میں یکجا سرور بخشتی ہے۔ شاعر کا مخصوص احساس ہی اس کو جانتا ہے اور بیان کرتا ہے۔ یہ قطعہ مسعود کے بہترین قطعوں میں شمار ہونے کے قابل ہے ؎

ای بسا شب کہ تا بروز سپید | منتجب زمن بماند اختر
بر چپ و راست سیلہا راندم | بفرح زآن گداختہ گوہر
با رخ و زلف ساقیان مارا | یاد نامد زلالہ و عبہر
بہم آمیختہ شد اندر گوش | نوشش ساقی و لحن خنیاگر

ساغر می شدہ بزنگ ڈبوی — چشم را شمع و مغز را مجمر
یکبزبان شد بیکدیگر گفتیم — چوں بدیدیم روی یک دیگر
تن ز مستی ہمی نپاید پای — دل ز شادی ہمی برآورد پر

بیانیہ شاعری

غزنوی عہد کے شعرا میں فردوسی کے علاوہ بیانیہ شاعری کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ بیانیہ شاعری اپنے موجودہ معنوی خصوصیات کے اعتبار سے نہیں بلکہ محض اس حد تک کہ شاعر قدرتی مناظر کو دیکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرے، تشابیہ و استعارات باصنایع بدایع سے کام لے کر آنکھوں کے سامنے ان کی تصویریں پیش کرے۔ ورڈزورتھ یا بلیک کے انداز میں نہیں، کسی نظریۂ افکار کی رو سے نہیں بلکہ محض قدرتی تاثر اور حساس طبیعت کی وجہ سے مسعود کی نظم فراقِ لاہور، موسم برشکال اور گلہ از اخترانِ آسمان قابل ذکر ہیں۔ لاہور کو مخاطب کر کے لکھتا ہے ؎

ای لاہور ویحک بی من چگونہ — بی آفتاب روشن، روشن چگونہ

مسعود اگرچہ لاہور میں رہا اور یہاں کی بہاروں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ مقامی باشندوں کے رسم و رواج کو بھی دیکھتا ہوگا اور عوفی کے بیان کے مطابق ہندی میں بھی شاعری کرتا رہا، لیکن اس کی فارسی شاعری میں تشبیہ و استعارہ کی تمام علامات اور تلمیحات ایرانی ہیں۔ ہندی شاعری اور اس کی علامات و رموز کا پتہ تو نظر نہیں آتا۔

ہزل و ہجو

مسعود کے دیوان میں ہزل کے جو چند نمونے درج ہیں وہ مسعود کی پاک حزنیہ اور اخلاقی شاعری پر بدنما داغ ہیں۔ جہاں کہیں محض مزاح اور مطایبہ کی خاطر دوسروں کے عیب گنوائے ہیں وہاں تو وہ قابل معافی نظر آتا ہے۔ لیکن وہ تین

قطعوں میں تو قطعی فحش نگاری ہے اور مجلسی تہذیب ان کے پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی۔

غزلیات

دیوان میں ۲۳ غزلیات بھی شامل ہیں۔ غزل ابھی اپنی ابتدائی شکل میں ہے تغزل کم ہے جا بجا محبوب کا سراپا ہے اور اس کے عشق میں اپنے غم دل کا بیان ہے۔ زبان میں غزل کا لوچ اور نرمی نہیں۔ بعض غزلیں تو قصیدے کا ٹکڑہ معلوم ہوتی ہیں۔

رباعیات

رباعیات میں تین قسم کے مضامین نظر آتے ہیں۔ حبیہ، مدحیہ اور تشبیبہ۔ اسلوبِ بیان کے لحاظ سے کوئی نمایاں خصوصیت نہیں سلیس اور رواں انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شاعر کا خلوص اور سوز واضح ہے

سعادت | یہ مسعود سعد سلمان کے بیٹے تھے۔ باپ کو بیٹے سے لگاؤ تھا۔ اپنی قید کے دوران میں اس کے لئے پریشان بھی تھے اور اس کی تربیت کے لئے کوشاں بھی نصیحت کے لئے چند رباعیات اس کو مخاطب کر کے لکھی تھیں۔ محمد خطیبی کے جواب میں جو قصیدہ لکھا تھا اس میں اپنے زمانے کی ناقدردانی اور علم و فضل کی ناقدری کا ذکر کرتے ہوئے بیٹے کو لکھا ہے کہ جولاہگی کا پیشہ اختیار کر لو ؎

چون حال فضل بدیدم کہ چیست بگویدم
زکار پیشۂ جولاہگی ز بہر پسر
بدو نوشتم و پیغام دادم و گفتم
کہ ای سعادت در فضل ہیچ رنج مبر
اگر سعادت خواہی چو نام خویش ہمی
بسوی نقص گرای و طریق جہل سپر

ابن احمد رازیؒ کے بیان کے مطابق سعادت سلطان بہرامشاہ غزنوی کے دربار سے متوسل رہا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے اشعار کہنے کی فرمائش کی۔ اس نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی۔ ؎

هم نار و رخ نگار ما، بوست نه گل | زین روی رخ نگار نیکوست نه گل
ما را رخ دوست باید ای دوست نه گل | زیرا گل چشم ما رخ اوست نه گل

بادشاہ خوش ہوا اور شاعر کا منہ اشرفیوں سے پُر کروادیا۔

ایک غزل بھی سعادت سے منسوب ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

بر گل عبیر دادی، بر لاله مشک ناب | بر نار دانه لولو و بر نار دان گلاب

سفینۂ فرخ[۲] میں ابو سعید بن مسعود بن سعد سلمان کے نام سے ایک غزل درج ہے ممکن ہے یہی سعادت ہوں۔ مؤلف نے غزل کا ماخذ ذکر نہیں کیا۔ غزل یہ ہے ؎

آن قوم که ایشان ره احرار سپردند | احوال جهان باطل و بازیچه شمردند
محنت زدگان را بکرم دست گرفتند | چون دست گرفتند بران پای فشردند
ایشان همه رفتند و جهان جمله بهشتی | زین ناکس نامردم نامرد سپردند
قومی همه نوکیسه و نوکاسه که از بخل | نام کرم از نامه هستی بستردند
زان قوم که ما دیدیم امروز کسی نیست | گوئی که بیکباره همه پاک بمردند

این نیز عجب‌تر که هم از بخت بد ما
باخود همه چیزی چو برفتند، بردند

۱؎ ہفت اقلیم

۲؎ سفینۂ فرخ مولفہ محمود فرخ، مشہد ۱۳۳۰ھ ش، ص ۲۶

ابو عبداللہ روزبہ بن عبداللہ نکتی اللہوری[1][2]

لباب الالباب کی بدولت اس کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ رہ گئے ہیں۔ عوفی نے لکھا ہے۔ اس کی شاعری میں لطیف نکات کا شمار ممکن نہیں، سلطان مسعود شہید کی مدح میں لطیف اور موزوں اشعار لکھے ہیں ؎

روی آن ترک نہ رویست و برِ او نہ برست
کہ برین نار بیار ست و بر آن گل ببرست

بطر از قد و خوش سری زلفین دراز
رست خیز ہمہ خوباں طراز و خز رست

او بجای مہ و خورشید بود یار مرا
اندرین معنی ہم جای حدیث و نظرست

ماہ کی سرو قد و سیم تن و لالہ رخست
ماہ کی نوش لب و نار بود جعد درست

مہر او را دل ما مستقرست دین نہ عجب
آن شگفتست کجا مستقر او مقراست

وآن عجب تر کہ طلسمیست ہوا را کہ ہمی
بنہ سوزد اگر او را چو سقر مستقرست

---

[1] ادبیات فارسی در ہندوستان، مقالہ از سعید نفیسی، ارمغان سال دہم شمارہ ۸۔۹ ص ۵۶۹

[2] لباب الالباب ج ۲ ص ۵۷۔ (نکتی کو نلہتی لکھا ہے)

وآن طلسمی کہ ہوا زو بدل اندر میسوخت
دوستی خسرو و شیرازش پرویز گرست
ملک عادل مسعود خداوند ملوک
کہ بفضل از ملکان بیشتر و پیشتر است

یہ قطعہ شاہنشاہ دین شاہ نیشا بور بن ابراہیم کی درخواست پر لکھا تھا منجنیق کی تعریف میں ؎

چہ چیز است آن کہ یکسو نہرو بالنست
دگر سو راست ہمچو پای شیطان
سر زانو بسان قند تیر
ازو آویختہ خرطوم پیلان
دو پشک آہنیں بینی ہر اورا
زدہ آن پشک را بر پای دیوان
بر آن خرطوم وی صد زلف بینی
ہمہ برتافتہ چون زلف جانان
چو عشاقش بدو انبوہ گردند
بگیرد ہر یکی یک زلف را زان
ببیند از دیکی سندان محکم
شود ہر کس زبیم و ہول لرزان

نظم

بنرگس بنگری چون جام زرین | بزیر جام زرین چشمہ چشمہ
تو گویی چشم معشوقست مخمور | زناز و نیکویی گشتہ کرشمہ

لغت فرس اسدی میں لفظ شاشہ کی تائید میں روذبہ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

شعر

بر آرند ز گنج تو خسروشی
گروند ہمہ جملہ و بدلیش تو شاشہ

سراج الدین منہاج لاہوری[1]

مولانا سراج منہاج غزنوی اور غوری سلطنت کے مشہور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ ان کے پردادا عبدالخالق جوزجان میں مقیم تھے۔ ایک خواب کی بنا پر غزنہ اٹھ آئے اور سلطان ابراہیم غزنوی کی بیٹی سے شادی کی۔ ان کا خاندان علم و فضیلت کے لئے نامور ہوا۔ مولانا سراج کے والد منہاج الدین بھی دربار شاہی میں منصب اعلیٰ پر فائز تھے۔ چنانچہ جب منہاج الدین خلیفۃ المستنفی بالله کے عہد خلافت (۵۶۶-۵۷۵ھ) میں حج کو گئے تو دربار بغداد میں ان کا استقبال ہوا۔ لوٹتے وقت ملک شمس الدین والی سیستان نے بھی انہیں اپنے دربار میں بلایا اور ان کی عزت افزائی کی۔ مؤلف طبقات ناصری لکھتے ہیں کہ مولانا منہاج غزنہ سے ہوتے ہوئے لاہور واپس آگئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حج جانے سے پہلے وہ لاہور میں مقیم ہو چکے تھے۔ مولانا سراج یہیں لاہور میں پیدا ہوئے۔ عوفی لکھتے ہیں کہ ان کی نشو و نما سمرقند میں ہوئی۔ ممکن ہے مزید تعلیم و تربیت کے لئے جوانی میں سمرقند چلے گئے ہوں ورنہ باپ کی آغوش تربیت چھوڑ کر اور لاہور اور غزنہ جیسے تعلیمی مراکز چھوڑ کر سمرقند میں نشو و نما کے لئے کیوں بھیجے جاتے۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح علم و فضیلت میں نامور ہوئے۔ اور غزنہ میں سلطان غیاث الدین کے دربار سے متوسل رہے۔ سلطان بہاء الدین سام

---

[1] تعلیقات طبقات ناصری از عبدالحی حبیبی، ص ۷۳۰-۷۳۲

نے ان کی شہرت سنی تو اپنے پاس بلا لیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر فیروز کوہ میں غیاث الدین کے پاس چلے گئے لیکن جب سلطان بہاؤ الدین سام ۵۸۸ھ میں خود بادشاہ ہوئے تو اپنے پایۂ تخت بامیان میں بڑے اعزاز کے ساتھ ان کو بلا لیا اور تمام امور شرعی کی نگرانی اور احتساب ان کے سپرد کیا۔ طبقات ناصری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۹۰ھ میں وہ غیاث الدین کے دربار میں لوٹ آئے۔ مولانا سراج منہاج کو دو مرتبہ اپنے ملک سے باہر سفر کرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ دو مرتبہ شاہ سیستان تاج الدین حرب کے دربار میں شرف یاب ہوئے۔ اور نوازشات خسروی سے مالا مال ہوئے۔ ایک مرتبہ بغداد میں خلیفہ الناصر لدین اللہ کے دربار میں رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ مؤلف طبقات کے بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مولانا سراج بغداد میں پہنچنے سے پہلے مکران کے راستے میں جان بحق ہوئے یا پہلی مرتبہ فرائض رسالت انجام دینے کے بعد دوسری مرتبہ بغداد جانے کے لئے نامزد ہوئے اور راستے میں وفات پا گئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ خلیفہ کی طرف سے جو تحریر موصول ہوئی اس میں لکھا تھا ......

اما السراج المنہاج فنقل و قتع فی الطریق اجرہ علی اللہ تاریخ وفات یقینی نہیں۔ البتہ ۵۹۰ اور ۵۹۲ھ کے درمیان میں کوئی دن ہوسکتا ہے کیونکہ یہی سال و ماہ ہیں جب سلطان تکش خوارزمشاہ نے بغداد کو لوٹنے کی ٹھانی تھی اور خلیفہ نے غزنین اور غور کے حکمرانوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے سفرا بھیجے۔ دوسری مرتبہ ابن الخطیب فیروز کوہ میں آئے جنہوں نے روز جمعہ خطبہ کے دوران میں سلطان غیاث الدین سے مخاطب ہو کر یہ جملے کہے "یا ایہا الغیاث المستغاث المستغاث من التکش الطاغی الباغی" ان کی منظوری کے ثبوت میں صاحب لباب الالباب نے ان کی مندرجہ ذیل رباعیاں محفوظ کر لی ہیں۔

آن دل که ز هجر دردناکش کردی   وز هر شادی که بود پاکش کردی
از خوی تو آگهم که ناگه ناگه   آوازه در افتد که هلاکش کردی

دل را به رخ خوب تو میل افتادست   جان دیده بر امید بست بگشادست
چشم آب زن خاک درت خواهد بود   گر عمر وفا کند قرار این دادست

ای کرده یخ و برف بسی دایگیت   روشن‌تر از آفتاب بی مایگیت
برجای رسول آخر از بهر خدای   گه میخوری و بنده همسایگیت

امام الاجل ابوجعفر عمر بن اسحاق الواشی

لاہور کے ائمہ و علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عوفی لکھتے ہیں۔ لاہور میں خواجہ ادیب شرف الدین احمد و ماوندی سے سنا کہ ایک مرتبہ نجیب الملک شرف الخواص ابوطاہر المطہر نے اس کا امتحان لیا کہ ایسا قصیدہ کہو کہ ہر شعر میں ایک جنس کی چار چیزوں کا ذکر ہو جیسا کہ شعراء نے چار عناصر کا التزام کیا ہے۔ اس نے اس کی مدح میں مندرجہ ذیل قصیدہ لکھا جو فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے۔

ای پاک ہمچو آب چو خاکم مدار خوار ۔۔۔ لطفی بکن چو باد و سوز این تنم چو نار

داری قبای رومی و روی تو ششتری است ۔۔۔ و اندام نرمتر ز خز و بز ہزار بار

چشمت بسان نرگس و عارض چو نسترن ۔۔۔ رخسار ہمچو لالہ و لب چون گل انار

کبکی بگاہ رفتن و طوطی گہ سخن ۔۔۔ چرغی بگاہ حملہ و بازی گہ شکار

چون آہوئی بچشم و چو روبہ زمن نفور ۔۔۔ ہمچو پلنگ و شیر گہ گیر و کارزار

نیلوفری و در آیم شمشاد وار زرد ۔۔۔ زان یاسمین تازہ و نسرین آبدار

زان بینی چو تیغ و دو ابروی چو کمان ۔۔۔ وان مژہ چو ناوک کردی تنم نزار

کافورم از گلاب سرشکم نرست از آنک ۔۔۔ برگل ز مشک و عنبر تر ساختی عذار

چون نای و چون کمانچہ خروشانم و نوان ۔۔۔ تا گیریم چو بربط و چون چنگ در کنار

کردی دو جوی لعل روان از دو جزع من ۔۔۔ زان دو عقیق و زان رده در شاہوار

آنرا کہ خورد بادۂ عشقت پریروز دی ۔۔۔ امروز مستی آرد فردا کند خمار

ای کرده شرق و غرب و جنوب و شمال را — آثار نقش جودت پر رنگ و پر نگار
کردم چو باد از آتش طبع این غزل تمام — ای پاک ہمچو آب چو خاکم مدار خوار

غزل کے چند اشعار یہ ہیں ؎

دوش در سودای دلبر بوده ام — با لب خشک و رخ تر بوده ام
در خمار عبہر مخمور او — دیدہ باز از غم چو عبہر بوده ام
وز نم چشم و تف دل ہر زمان — گوئی اندر آب و آذر بوده ام
ہمچو بحر و کان ز آب و خون اشک — پر ز در و پر ز گوہر بوده ام

حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب[1]

لاہور کے رؤسا میں سے تھے۔ ذہین طبیعت پائی تھی۔ ان کے اشعار عنصری اور رودکی سے رنگا کھاتے ہیں۔ قلم کی تعریف میں یہ قطعہ ان سے منسوب ہے ؎

حبذا ملک ہمایون تو کآب چشمش
بی گمان دارد خاصیت آب حیوان
ہست اسرار نہانی در دل او بسیاری
تا نبری سرش پیدا نکند سرّ نہان
در زبان باشد نمّام و درین نیست شکی
نیست نمّام چه گر ہست مرا درا دو زبان
گہ گہی زار شود گوید چون ابر بہار
از غم آنکہ تنی دارد چون برگ خزان
بخورد مشک پس از دیدہ فرو بارد دُر
مشک خواری نبدیدم کہ بود دُر باران
نکند ہرگز در فضل و ہنر یک دعوی
لیک بنماید از فضل و ہنر صد برہان

---

[1] لباب الالباب، ص ۱۱۴

امیر العمید ثقۃ الدین جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد الدربندی[1]

اپنے زمانے کے جید فضلا میں ان کا شمار ہوتا تھا خسرو ملک کے عہد سلطنت میں جلیل القدر عہدوں پر ممتاز رہے۔ آخر جاہ و منصب کی بے ثباتی سے گھبرا کر قناعت و گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بڑے مرتبے پائے، لاہور میں ان کا مزار ہے۔ لوگ قضائے حوائج کے لئے ان کی تربت پر جاتے ہیں۔ جوانی میں قصاید کہے ہیں اور خوب کہے ہیں مندرجہ ذیل قصیدے میں ان کی عزلت و انزوا کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ ایسی تشبیب کے بعد مدح بادشاہ کی طرف گریز ہے ؎

چون گرد بادم از دل و با چشم پر نم — در عین رنج دائم و خوف دمادم
حیران و دل شکستہ و رنجور و ناتوان — بر اوج موج صمم و مهجور و درهم
مبرم نه ام و لیکن در هجر روزگار — موقوف حادثات قضاها د مبرمم
لهم میکنم بنزد کسی اختلاف از آنک — در کنج بیت احزان چون گنج بر همم
پار از بصیر بودم امسال اعمیم — دی گر فصیح بودم امروز ابکمم
از من همی چه خواهد چرخ ستیزه کار — کز تیر نا بانش چون قوس پر خمم
نی من عزیز مصرم و نی قیصرم نه خان — نی کسری و قبادم و نی سام و رستمم
در ملک حق تعالی بر روی این زمین — یک بندهٔ ضعیفم و کمتر ز هر کمم

---

[1] لباب الالباب ج ۲ ص ۱۰۶

اقدام دہر دانی بر من ز بہر چیست　　داند کہ در طریق صیانت مقدّمم
از تیغ طمع مفسد مہلک مرفّہم　　از تیغ حرص قاطع قاتل مُسلّمم
ملکم ز کل دنیا ملک قناعتست　　در عز تم اگرچہ کہ کم کردہ خاتمم
از حضرتی کہ جنّت عدنست بر زمین　　بیرون فتادہ ناگہ مانند آدمم
خواہم کہ بی تلہف یک لحظہ دم زنم　　بر می نیاید از غم بسیار سان دمم

عمرم باخر آمد و ہیچ آرزو نماند
جز آرزوی حضرت شاہ معظّمم

عوفی نے ہی ان کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ کئے ہیں ؎

رنجور دل شکستہ و حیران بماندہ ام　　کز حضرت مبارک سلطان بماندہ ام
زان گرد من نگردد شادی کہ سال و ماہ　　در تیہ من چو موسی عمران بماندہ ام
از دوستان مشفق و یاران مہربان　　بر گوشۂ ز عالم نسیان بماندہ ام
بی مجمع ملایک اعیان نہ بر مراد　　اندر میان مشتی شیطان بماندہ ام
در صف کارزار نحوست بہر مقام　　بی مغفر سعادت و خفتان بماندہ ام
گہ در ہبوط عزم و گہ در صعود ذل　　با انتشار حال پریشان بماندہ ام
من یوسفم ولیک چو یعقوب روز و شب　　در پیشگاہ خانۂ احزان بماندہ ام
پیدا چو آفتابم در ہر ہنر ولیک　　در زیر ابر ظلمت پنہان بماندہ ام
پای رجای رفتہ و در دست اکتساب　　چیزی نماندہ بی سر و سامان بماندہ ام
تا حظ و تا خطاب عزیزت بدیدہ ام　　در روضۂ مبارک رضوان بماندہ ام

شمس الملک امیر ناصر کی مدح میں ان کا ایک قصیدہ ہے ؎

جانا جفا مکن کہ جفا را نہ در خوریم　　آن بہ کہ دور زمانہ وفا را بپروریم
تا کی برای وصل تو دل در فنا نہیم　　تا کی ز دست ہجر تو خون جگر خوریم

در ما چه دیده که همی ننگری تو بیش — بگذار تا بروی تو یکبار بنگریم
جرمی دگر نداریم آخر چه شد که ما — بر درگه مراد تو چو حلقه بردریم
در وصل تو ز لطف زبانیت عاجزیم — در هجر از سرشک نهانی توانگریم
نور خود روا مدار که در راه عشق تو — بی رهبر وصال درآئیم و بگذریم

ظلم فراق از ما کوته کن ار نه ما
این عظمت بحضرت صدر جهان بریم

شیری[1]

شیری پنجاب کے ایک گاؤں کوکووال کے رہنے والے تھے۔ کوکووال کی تعریف میں ان کا ایک اپنا شعر ہے[2]

فیل رفتاران آہو چشم کوکووال را ... میکنم از لخطہ یاد و میکشم از سینہ آہ

ان کے والد قبیلہ کاجیان سے تعلق رکھتے تھے۔ ماں سیدزادی تھی۔ شیری اگرچہ عامی تھے لیکن بڑے عالی ہمت تھے۔ انہوں نے اپنے والد مولانا یحییٰ کی خدمت میں رہ کر کسب فضیلت کیا[3]۔ مولانا شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے

ہست از باران لطفت ای کریم کارساز

در دل دانا بہر یک قطرہ صد دریای راز

شیری بڑے پُرگو تھے کہتے ہیں کہ ایک ایک رات میں تیس تیس غزلیں کہی ہیں وہ اہل درد تھے اور استغناء سے خالی نہ تھے۔ انہوں نے کہا ہے

صاحب خوان فقیرم و ہرگز ... ہمت من نخواہد از خانان

قرض ہندو بشرط دہ پنجاہ ... بہ کہ انعام این مسلمانان

---

[1] منتخب التواریخ. عبدالقادر بدایونی، ج ۳۔ ص ۲۸۸، طبقات اکبری ج ۲، صفحہ ۹۰۴-۹۱۴، سفینۂ خوشگو مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی، ص ۷۵ ب؛ آئین اکبری، ج ۱، ص ۱۸۲، ہفت اقلیم [2] گل رعنا

[3] گل رعنا مولفہ شفیق اورنگ آبادی میں شیخ عبدالحی لکھا ہے۔

عبدالقادر بدایونی کہتے ہیں کہ ان سے بہتر شکویات کسی نے نہیں لکھے اور اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے ہیں۔

قطعہ

گذشتگان ہمہ عشرت کنید کا سود بد   زانکہ عیش برافتاد از میانۂ ما
ایا کسان کہ پس از ما رسید فاتحۂ   بشکر آنکہ بنودید در زمانۂ ما

انہیں اپنے کلام پر ناز بھی تھا، غزل، مثنوی اور قصیدہ میں مہارت رکھتے تھے چنانچہ خود کہا ہے ؎

اگر از شعر شیریم پرسی   گویم از در میانہ انصاف است
نہ ہمہ شعر شاعران سرہ است   نہ ہمہ بادۂ کسان صاف است
شیری ارذال رامکن مدحی   کہ مناسب بحال اشراف است
غزل و مثنوی جملہ سقط   وین سخن نہ تیرہ و نہ لاف است

شیری نے نیر اعظم کی مدح میں ایک ہزار اشعار کہے اور شمع جہاں افروز اس کا نام رکھا یہ سب مقطعات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

در عشق کسان اسیر محنت   بسیار شنیدہ ام کسان را
معشوق دل آفتاب باید   امید بآرزو رسان را

آئین اکبری میں اس نظم کا نام ہزار شعاع لکھا ہے۔

شیری نے اکبر کے حکم سے ہندی زبان کی کتاب ہربنس (ہری باس) کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں کرشن اوتار کے اسلاف کا تذکرہ ہے اور اہل ہند کے معتقدات کا بیان ہے، اکبر نے جب دین الہٰی کی اشاعت شروع کی تو شیری نے لکھا ؎

پادشاہ امسال دعویٰ نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالی خدا خواہد شدن

بدایونی لکھتے ہیں جس زمانے میں مہابھارت کا ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ افسانے خواب کی مانند ہیں جو ایک شخص بخار کی حالت میں دیکھتا ہے ۔

شیری ۹۹۴ھ میں یوسف زئی کے پہاڑوں میں اکبری فوج کے ہمراہ پٹھانوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے ۔

سفینۂ خوشگو میں لکھا ہے کہ دیوان مختصر ہے ۔ اب وہ بھی نایاب ہے ۔ سپرنگر[1] نے اس کا دیوان دیکھا تھا (مخطوطہ نمبر ۵۲۲) جو قصاید ۱۲۸ صفحات ، غزلیات ۸۰ صفحات اور ۷۰ رباعیات پر مشتمل تھا ۔ تاریخوں اور تذکروں میں اس کے مندرجہ ذیل اشعار ملے ہیں ۔

چنان فریفتہ شد دل جمال سلمی را — کہ با دل است بدر گشتگی تسلی را
بجوم ناز چنان گرد و پیش یار گرفت — کہ راہ نیست درین تنگنا تمنی را
بخاطری کہ توئی یاد دیگری کردن — درون کعبہ پرستیدن است عزی را

بکف تیغ ستم از بہر قتلم تیز می آید — زبس بیداد آنچہ میگویند زان خونریز می آید
زبس امیدواری قاصدی میدار دازشیرین — سوی فرہاد مسکین گر ہم پرویز می آید

چرا ای اشک در چشم از وداع یار میگردی — کجا بودی کہ اکنوں مانع دیدار میگردی
سراپا جانی ای باد صبا در قلب شوقم — سرت گردم مگر در کوی او لبیار میگردی

ناوک کش پیکان زدو دارد کہ بخشد بعد قتل — خستہ را دام بہا و مردہ را وجہ کفن

---

1. CATALOGUE OF THE ARABIC PERSIAN AND HINDUSTANI MANUSCRIPTS OF THE LIBRARIES OF KING OF OUD CALCUTTA P. 514 P. 578

یار آمد و نام بردمارا   از خود بتمام برد مارا

رباعی

چندان کہ دلم بعرض حال آلوداست   با خاموشی زبان قال آلوداست
اندک کاری ہزار ہزار مشکل دارد   آسان غرضی بصد محال آلوداست

بی رخت دریای درد و غم وجود ما بود   استخوان پہلوی ما موج آن دریا بود
گر مہر نبندد بیشی یارب چہ کنند آنہا   کز دست غمت پر خون دارند گریبانہا
کاروان گو تیز تر میران کہ از درد فراق   مصر فریاد زلیخا بر نتابد بیش ازین
بستم بنامہ تار سفید و اشارت است   کز دوری تو در رگ جان خون نماندہ است
ہر اشک کہ از چشم من غمزدہ ریزد   طفلیست کہ از صحبت مردم بگریزد
بستم بنامہ تار سفید و اشارتی است   کز دوری تو در رگِ جان خون نماندہ است

معاصرین میں مشاعرے اور باہمی چشمکیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ تذکرہ گلِ رعنا میں شیری اور غزالی مشہدی کی ایک بیت بازی کا نمونہ دیا ہے۔

غزالی مشہدی ؎

شیری! اگرچہ در فن اشعار دلفریب   ہر کس رسید از دل و جان اہتمام کرد
لیک از برای اہل سخن کاخ فضل را   سعدی بنا نہاد و غزالی تمام کرد

شیری نے اس کے جواب میں کہا ہے ؎

سعدی نہاد کاخ سخن را بنا ولی   جامی ہمت عالی تمام کرد
در حق شعر اگرچہ غزالی است بی نظیر   در سلک اولیا نتواند مقام کرد
با مولوی بگو کہ سخن نہمی ترا   معلوم میتوان ز ہوای کلام کرد

مجمع النفائس مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۲۰۲ ب پر اس کے مندرجہ ذیل اشعار مندرج ہیں:-

گیرم کہ از ستیزہ این ناصبور رفتی | گر از دلم برانی دانم کہ دور رفتی
ای جفا جو کہ میان بستہ بعزم سفری | وای بر مردم شہری کہ تو آنجا گذری
سرم از طعنہ ارباب خرد در پیش است | روی بنما کہ نا کردہ سر من کردند
از آتش من جان نصیحت گر من سوخت | چون خس کہ باصلاح چراغ آید و سوزد

تا نزاید ہر زمان کشور بر انداز آفتی | فتنہ در کوی حوادث کتخدا خواہد شدن
با عقاب قرضخواہ و خنجر ارباب شرک | بار سر از ذمہ گردن جدا خواہد شدن
فیلسوف کذب را خواہد گریبان پارہ شد | خرقہ پوش زہد را تقوی ردا خواہد شدن
شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلی | کز خلایق ہر پیمبر جدا خواہد شدن
خندہ می آید مرا زین بیت بس کز طرفگی | نقل بزم منعم و ورد گدا خواہد شدن
بادشاہ امسال دعوی نبوت کردہ است | گر خدا خواہد پس از سالی خدا خواہد شدن

بدایونی نے اس کے قصاید میں سے بھی چند بیت لکھے ہیں۔

گفتم: ای دل! از چہ اوضاع جہان گشت بدل | گفت: خاموش کہ در مغز فلک گشتہ خلل
گفتم: از چاہ امید آب تمنا نرسد | گفت: کوتہ بود از وی رسن طول امل
گفتم: آسایشی از ہست بگوئید کجاست | گفت: در خواب نماید پس از خواب اجل
گفتم: آیا نفسی شاد توان برد بسر | گفت: تو لیست کہ ہرگز نہ در آید بعمل
گفتم: آئینہ دانش ہمہ جا زنگ گرفت | گفت: کو مصقلہ جود کہ گیرد صیقل
گفتم: اہل سخن آرایش مجلس باشند | گفت: اینہا نتوان گفت بارباب دول
گفتم: افسوس ازین مردم دور از معنی | گفت: فریاد ازین قوم جفا جوی دغل
گفتم: از بخت بتفصیل شکایت دارم | گفت: باید بشہنشاہ بگوئی مجمل
گفتمش اکبر جم قدر سلیمان دانش | گفت: خاقان بلند اختر خورشید محل

گفتیم آن ذاتِ نبی را بتعظیم ثانی　　گفت آن خلق خدا را بتفضیل اوّل
گفتم ، اصل و نسبش لازم تاج است و سریر　　گفت لطف و کرمش حامی ملکست و ملل

ای خوشا آن شبها که هردم در دعای فیل او　　سورهٔ واللیل خوانم بر لب آب بیاه
فیل رفتار آن آهو چشم کوکووال را　　می کنم هر لحظه یاد و میکشم از سینه آه

ای جهان در قبضهٔ حکمت بضرب تیغ و تیر　　تاجدار تخت و بخت از فیل و اسپ آفاق گیر
تاج و تخت و تیغ و تیر هر دمه برق و شهاب　　در شمار فیل و اسپت گشته عاجز صد دبیر

محمود لاہوری

محمود کا نام اس کے محمود نامہ سے متعارف ہے جو تیئیس غزلوں کا مجموعہ ہے۔ محمود نامہ چھپ چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی جا بجا ملتے ہیں۔ محمود کی زندگی کے بارے میں کہیں سے اطلاعات حاصل نہیں ہوئیں۔ صرف ہفت اقلیم میں لکھا ہے کہ " محمود شعری ہموار میگوید اما از غث وثمین احوالش اطلاعی ندارد "۔ [1] ہفت اقلیم میں اس کا ذکر آجانے سے اتنا متعین ہو گیا کہ یہ شاعر اکبر کے عہد میں زندہ تھا۔ چھپے ہوئے نسخوں میں محمود نامہ کی تاریخ تصنیف درج نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ شیرانی میں محمود نامہ کا ایک ایسا قلمی نسخہ موجود ہے جس کے آخر میں تاریخ تصنیف درج ہے۔ محمود نامہ کا اصل نام "عشق نامہ از محمود و ایاز" لکھا ہے اور تاریخ کے بارے میں یہ قطعہ لکھا ہے ؎

از برای مشاعرت گفتم — بر غزل نو خوان روح افزا
تا ز بہر بتان سیمین ساق — مجلس عیش را کنم برپا
بہ ازین تحفہ کجا باشد — بہر شیرین لبان شکر خا
سال تاریخ این رسالۂ خورد — بود در فکر جان پردہ کشا
نالہ از غیب زد کہ ای محمود — گفت ہاتف کہ گشت بزم آراء ۹۹۲ھ

تمام غزلیں ایک ہی اسلوب کی نمائندہ ہیں۔ روایتی انداز ہے تشبیہیں و استعارے

---

[1] ہفت اقلیم مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۱۵۶

سب پرانے ہیں، چند بندھی ٹکی باتیں ہیں جن کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہجر و وصال محبوب و رقیب۔ زلف و رخسار۔ لب و دہن اور قد و میان کی باتیں ہیں۔ ایک عاشق ہے جو اپنے یار کے فراق میں تڑپتا ہے۔ محبوب کی بے رخی کا گلہ کرتا ہے۔ سب ہلکے پھلکے اشعار ہیں حسن تعلیل سے لطف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مراعات لفظی کا بھی خیال رکھا ہے۔ بحریں چھوٹی ہیں اور اپنے اندر نغمگی بھی رکھتی ہیں، ممکن ہے اپنے سادہ اسلوب بیان کی وجہ سے خاص مقبول رہی ہوں گی، نمونے کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

بر فگن از ماہ رخ خود نقاب   تا بکند دعوی حسن آفتاب
بادۂ گلگون چہ کشی با رقیب   چند کنی جان و دلم را کباب
عیب باشد گر فروشم پیش روی یار شمع   زانکہ گردد بی‌فروغ از شرم آن رخسار شمع
ظلم کردی پیشہ خود از تو یاران را چہ حظ   گر نوازی عدل از تو دوستداران را چہ حظ
صبر کن ای دل کہ کردی از غم ہجران خلاص   جان محزون نیز گردد از غم دوران خلاص

حسن تعلیل کی مثالیں ،

شمع از سوز درونم سر بسر داد و خبر   سوختہ بر من دلش از آن میرود دود از سرش
از انفعال لعل لبت لالہ در چمن   دیگر بدست خویش نگیرد پیالہ را

مراعات

روز ہجران آہوی عیش مرا از پا فگند   شیر وصل او مرا غم خوار بودے کاشکے
من از میم دہان و جیم زلفت   فتادم در بلا پیوستہ چون لام

دو جگہ عربی آیات سے اچھی تضمین کی ہے ؎

روز تا شب در آتش ہجرم   وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
نیک تر آمد برخت خط سبز   انبتہ اللہ نباتاً حسن

حمیدی لاہوری

طوطی نامہ

حمیدی لاہوری نے ۹۹۸ ہجری میں طوطی نامہ کو مثنوی میں منظوم کیا۔ شاعر کی طرح یہ مثنوی بھی گمنام رہی ہے اور کم یاب ہے۔ حمیدی نے طوطی نامہ مؤلفہ ضیاء الدین نخشبی کو اپنا ماخذ بنایا ہے جو ۷۳۰ ہجری میں تالیف ہوا۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) ابوالفضل نے بھی نخشبی کے طوطی نامہ کو آسان اور سادہ فارسی میں لکھا گیا دسویں صدی ہجری میں سید محمد قادری نے بھی فارسی میں ان کہانیوں کا خلاصہ لکھا۔

طوطی نامہ کا اصل ماخذ سنسکرت کی کتاب شک سپ تتی ہے جس کے معنی ہیں طوطے کی ستر کہانیاں۔ نخشبی کے طوطی نامہ میں ۵۲ کہانیاں ہیں۔ پچاس تو شک سپ تتی سے ماخوذ ہیں اور دو یعنی پچاسویں اور اکاونویں کہانیاں بختیار نامہ مؤلفہ شمس الدین محمد دقائقی سے لی گئی ہیں ۱؎ ۔ نخشبی نے اپنی کتاب کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"در یوقت کتابی مشتمل بر پنجاہ و دو حکایت بزرگ از عبارتی بعبارت دیگر بردہ است واز اصطلاح ہندوی بزبان فارسی آوردہ است اما اینست کہ متقال در مضمار اطالت دوانیدہ است وسخن درازی باقصی غایت

۱؎ Rieu, P. 754a.

رسانیدہ وقاعدہ ترتیب ذوقی وقانون ترکیب شوقی را اصلا مراعت نکردہ است
واز آغاز دوستان انجام حکایت از جا بر داشتہ وفرو گذاشتہ چنانچہ قاری
از مقصود راحت باز می ماند وسامع را مطلوب استراحت فوت میشود"[۱]
اس بیان سے ظاہر ہے کہ نخشبی کے سامنے ایک فارسی نسخہ موجود تھا جواب مفقود
ہے۔ نخشبی نے براہ راست سنسکرت سے توجہ نہیں کیا بلکہ متقدم نسخہ کو ہی
بعبارت خوب واستعارتی مرغوب وامثال ونظایر جدید نوشت"[۱]
اس نے چند نامربوط اور بے ترتیب کہانیوں کی بجائے نئی کہانیاں بھی لکھیں.
ابوالفضل نے اپنے طوطی نامہ میں بھی باون کہانیاں رکھیں، لیکن حمیدی نے صرف تیس
کہانیوں کو انتخاب کیا۔ سید محمد قادری نے ۳۵ کہانیاں رکھیں۔
پنجاب یونیورسٹی لائبریری 'مجموعہ آذر' میں مثنوی طوطی نامہ کا مخطوطہ موجود ہے۔ یہ نسخہ
کرم خوردہ ہے۔ اس کے ۱۳۲ اوراق ہیں۔ ہر صفحے میں ۱۴ سطریں ہیں خط نستعلیق ہے
پہلے ورق کے بعد ایک یا دو ورق مفقود ہیں۔ رامپور لائبریری میں جو نسخہ مکتوبہ ۱۰۸۲ھ
موجود ہے۔ اس میں ۳۲ حکایات ہیں۔ دو حکایتیں گلستان سے لی گئی ہیں[۲]۔ یہ دو کہانیاں
یقیناً الحاقی ہیں کیونکہ مصنف نے خود دیباچے میں تیس کی تصریح کر دی ہے ؏

پس ہمین کردم اختیار وسط — سی بود وسط پنجہ و دو فقط
زانکہ خواندن وشنیدن سی — نہ دل آزردہ شود نہ اسی (۹)

یہ کتاب اچھی خاصی مقبول رہی ہے کیونکہ اس کے تراجم انگریزی، فرانسیسی،
جرمنی، یونانی، ترکی، ہندی، مرہٹی، دکھنی اور اردو زبانوں میں ہوئے ہیں اور
ہندوستان میں یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کے ترجموں، خلاصوں، مکتوبہ اور مطبوعہ

---

[۱] طوطی نامہ نخشبی، امرتسر ۱۸۹۵، ص ۳ [۲] توتا کہانی مؤلفہ حیدر بخش مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور،
مقدمہ ص ۴۸

نسخوں کی تفصیلات کے لئے دیکھئے مقدمہ توتا کہانی مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور۔

اصلی طوطی نامہ کا قصہ یوں تھا۔ ایک دولت مند شخص ہردت تھا۔ اس کا بیٹا مدن سین تھا جس کی شادی حسین و جمیل لڑکی پربھاوتی سے ہوئی۔ مدن سین کے پاس طوطا و مینا تھے جو بڑے دانا تھے اور انسانوں کی طرح گفتگو کرتے تھے۔ مدن سین ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک ریاست کے راجہ نے مدن سین کو جواہرات خریدنے کے لئے بھیجا اور تاکید کی کہ بہتّر دنوں میں واپس آجائے۔ مدن نے بیوی سے تاکید کی کہ میری غیر حاضری میں طوطا و مینا کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ پہلے ہی دن پربھاوتی وزیر زادہ کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ ایک دلالہ کی معرفت یاروں میں ملاقات کا انتظام ہوا۔ جب پربھاوتی نے اپنے شوہر کی نصیحت کے مطابق مینا سے باہر جانے کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت نہ دی چنانچہ اس نے غضبناک ہو کر اسے وہیں ہلاک کر دیا۔ پھر طوطے سے اجازت مانگی مینا کا عبرتناک منظر طوطے کے سامنے تھا۔ اس نے جانے کی اجازت دی لیکن حیلے بہانے سے ایک کہانی سنا کر رات کے لئے روک رکھا اسی طرح ہر رات ایک ایک کہانی سنا کر بہتّر دن گزار دیئے۔ مدن سین واپس ہوا تو بیوی نے سچی بات بتا کر طوطے کی تعریف کی اور وہ خوش و خرم رہنے لگے۔ طوطے نے بتایا کہ وہ آسمانی مخلوق تھے۔ ایک رشی کی بد دعا سے حیوانی قالب میں آگئے تھے۔ اب ان کی سزا کی میعاد ختم ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ اڑ گیا اور آسمانوں میں مینا سے جا ملا۔

فارسی میں اشخاص قصہ کے نام تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ ہردت کے لئے مبارک، مدن کے لئے میمون اور پربھاوتی کے لئے خجستہ نام رکھا گیا ہے۔ کہانی کا انجام بھی المیہ ہے۔ طوطا مدن سین کو بیوی کی بے وفائی سے آگاہ کرتا ہے اور وہ خشمناک ہو کر اسے قتل کر دیتا ہے۔

حمیدی کے طوطی نامہ کے مشمولات حسب ذیل ہیں۔

طوطی نامهٔ جمیدی

ذکر میمون تاجر و زوجه او خجسته نام و خریدن وی شارک گویا۔

داستان عاشق شدن شاهزاده بر خجسته فرستادن دلاله محتاله را نزدیک خجسته و قبول کردن خجسته استدعای وی۔

اجازت خواستن خجسته از طوطی و آغاز کردن وی داستان تاجر و طوطی۔ کندن بال و پر آن و طوطی متهم شدن زن تاجر۔

اجازت خواستن خجسته از طوطی و آغاز کردن داستان لشکری غیور و زن صالحه او در شب دوم

〃 〃 〃 طوطی روباد درای کامرو در شب سوم۔

〃 〃 〃 پیکر چوبین و هفت عاشق و حاسد شدن ایشان در شب چهارم

〃 〃 〃 تاجر و پادشاه و سخن طوطی و چوپان و حیلهٔ زنان ایشان در شب پنجم

〃 〃 〃 مرد بی زنک و جوگی بصورهٔ فیل شدن در شب ششم

〃 〃 〃 قصه منصور تاجر و آمدن مردی بصورت منصور در خانه و عصمت زن و شرمنده شدن مرد در شب هفتم

〃 〃 〃 وزیری از خنده او گل ریخت و از تهمت پاکی زوجه پادشاه محبوس ماندن زن آن وزیر شب هشتم

〃 〃 〃 تاجر و یافتن کله آدمی و هلاک شدن از آن شصت آدمی ناپاکی زن پادشاه شب نهم

〃 〃 داستان برهمن و ملکه جن و عاشق شدن و دیگ روغن درای رایان در شب یازدهم۔

اجازت خواستن خجسته از طوطی و آغاز کردن داستان رای اجین و صله وزیر و تقریب و انتقال آن در شب دوازدهم

" " " " " " " . تاجر و زنگی در شب سیزدهم

" " " " " " " جام و شکسته شدن سر راهب در شب چهاردهم

" " " " " " " تاجر و زن حجام و بریدن بینی وی در شب شانزدهم

" " " " " " " دختر زاهد شوی و منازعت ایشان در شب پانزدهم

" " " " " " " مرد دهقان و عاشق شدن او بر جوانی در شب هفدهم

" " " " " " " زن تاجر سوی او حیله در حضور شوی خلاص خود را در شب هژدهم

" " " " " " " زن تاجر و عاشق شدن بر بقال و حیله کردن وی در حضور شوی در شب نوزدهم.

" " " " " " " مردی با حیله زنان جمع کرده بود و حیله زن و سوختن دفاتر آن شب بیستم

" " " " " برهمن و عاشق او دختر رای و مهره طلسم در شب بیست یکم

" " " " " " صعوه و مرغ دراز گوش و زنبور و غوک و هلاک ساختن فیل در شب بیست و دوم

" " " " " " " مرد احمق و زن فاجره او و خلاص کردن خود را از وی شب بیست و سوم

" " " " " " دختر پادشاه که سه پستان داشت مرد نابینا و اعمی در شب بیست و چهارم

" " " " " " " دفا و درای وفا یاد کردن رای زبان جمیع حیوانات شب بیست و پنجم

" " " " " " " سه پسر و یکی پیر مرد دوم کهل و سوم جوان در شب بیست و ششم

اجازت خواستن خجستہ از طوطی و آغاز کردن وی داستان زن بدخود اطفال او پلنگ در رُوباہ در شب بیست و ہفتم

" " " " " مرد پیرو قصہ گم کردن گوہر قیمتی و فطانت دختر اوی در شب بیست و ہشتم

" " " " " وزیر و ایاز محمود و سالم و سلیمہ عاشق شدن الشان در شب بیست و نہم

" " " " " زن زاہد و عاشق شدن او بر صراف و مرغ ہفت رنگ و بادشاہ شدن پسر زاہد در شب سی ام

در مناجات و ختم کتاب

بعض نقادوں کی رائے ہے کہ طوطی عفت و شرافت کی علامت ہے وہ عورت کو حفظان عصمت اور پاس وفا کا سبق دیتی ہے ۔ ان کہانیوں تک تو یہ علامتی تصور درست ہو سکتا ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت نے اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے اپنی عصمت کو محفوظ کیا اور پاکیزگی سے انحراف کرنے والوں کو سزا دی ۔ یہاں بعض کہانیوں میں عورت کی عشاق پروری ، شوہر کو فریب دینے اور اپنے ناجائز تعلقات کو عیاری اور مکاری سے پوشیدہ رکھنے اور اپنے نفسانی اغراض میں کامیابی کو دلپسند انداز میں بیان کیا گیا ہے ۔ ان کہانیوں کو پڑھ کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی عشقیہ کارستانیوں کو جاری رکھنے کے لئے عورتوں کو حیلے اور بہانے سکھائے جا رہے ہیں ۔ بعض کہانیوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرد بھی اور عورت بھی اپنی شہوانی خواہشات کی تکمیل کے لئے تغیر جنس تک کو گوارا سمجھتے ہیں ۔ بعض کہانیوں میں جذبۂ شہوانی کو اچھی خاصی عریانی اور بے باکی سے بیان کیا گیا ہے ۔ بعض کہانیاں محض دل بہلاوے کے لئے ہیں اور عورت کا ذہن مصروف رکھنے کے لئے بیان کی گئی ہیں ۔ پلاٹ اور رخلا کے سے قطع نظر اکثر کہانیوں کا موضوع عورت ہے ۔ اگر اصل کہانیوں کا ماخذ اور زمانہ متعین ہو جاتا تو ہم کہہ سکتے کہ اس زمانے میں عورت کا کیا

مقام تھا اور وہ کیسی ناقابل اعتماد اور حیلہ جو شخصیت شمار ہوتی تھی۔

مسلمان مصنفوں اور مترجموں نے ان کہانیوں کو فارسی میں منتقل کر کے افراد قصہ کو اسلامی شہروں، جگہوں اور ناموں سے منسوب کر دیا ہے۔ اس طرح تعین زمانہ کے بغیر عورت کو مسخ شدہ صورت میں پیش کیا ہے اور یہ تصور اسلامی اقدار کی گود میں پرورش پانے والی عورت کے منافی ہے۔

حمیدی لاہوری نے بھی اپنی اس مثنوی میں عورت کے متعلق خوش آیند تصور پیش نہیں کیا۔ کہانی کے ضمن میں ایک جگہ لکھا ہے ؎

آری آنکس کہ دختری دارد　　نیستش منفعت، ضرر دارد

دختران پای بند النسا نند　　غم جانند تا که می مانند　ص ۶۶ ا

ای حمیدی زن فرشتہ بود　　بفریب و فسون سرشتہ بود　ص ۷۵ ا

حمیدی نے یہ مثنوی ۸۹۹ھ میں مرتب کی جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں ؎

نود وہشت بود و نہصد سال　　روز آدینہ ہشتم شوال

کہ مرتب شد این فسانہ چند　　این حکایات عاشقانہ چند

حمیدی کی زندگی کے کوائف ابھی تک دستیاب نہیں ہوئے۔ اس مثنوی کے علاوہ دوسرے اشعار بھی ہماری نظر سے نہیں گذرے لیکن اس کے موجودہ اشعار کی پختگی سے یقین ہوتا ہے کہ وہ اچھے شعر کہہ لیتے ہوں گے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ فکر شعر سے انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا ؎

اللہ اللہ بفکر شعر عزیز　　رایگاں شد زمان عمر عزیز

فکر شعرم ز کار و بار رہاند　　فکر شعرم ز اغتبا د رہاند

ہیچ سودم نشد دریں سودا

جز زیان نیست ہیچ فائدہ

اس مثنوی پر انہوں نے خوب محنت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں ؎

از پی انتظام ہر حرفش — جگرم کرد خون خود صرفش

خرج کردم سیاہی دیدہ — تاکہ این نسخہ است گردیدہ

دلم از خون خویش با خامہ — داد شنگرف بہر سرنامہ

حمیدی کو اپنے اشعار پر بڑا ناز ہے وہ کہتا ہے کہ صرف زمین والے ہی اس کے اشعار پر ناز نہیں کرتے بلکہ آسمان بھی ان کا خریدار ہے اور ستارے اس پر رشک کرتے ہیں ؎

بادہ شد مست جام قہقہہ کرد — شیشہ ہم خندہ موجہ کرد

چنگ فریاد کرد و نی بگریست — گل بخندید نرگسش بگریست

زہرہ رقاص گشت مہر بسوخت — قمر از نور خود چراغ فروخت

مشتری مشتری نظمم شد — نظم کرد حرز ہیکل خود

کرد پروین بجوشش دلی خندہ — گشت کیوان بجان و دل بندہ

ہم ثریا کشودہ عقدہ در — کرد بر نظم من نثار گہر

چون رسید این خبر بگوش فلک — از می رشک رفت ہوش فلک

شفق از بسکہ سرخ گلگون شد — دلش از رشک شعر من خون شد

حمیدی کو کلام پر قدرت حاصل ہے۔ وہ ایک بات کو مختلف طرز پر اظہار کی استعداد رکھتا ہے آگے تقریباً ہر کہانی کے شروع میں یہ کہتا ہوتا ہے کہ جب سورج چھپ گیا اور شام ہوگئی تو خجستہ طوطے کے پاس اجازت لینے کو آئی ہے۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ شاعر نے سورج غروب ہونے کو کس کس انداز کی تشبیہوں سے بیان کیا ہے ؎

باز کز دست جوہری سپہر — گم شد این گوہر منور مہر

باز دیگر چو مہر یکہ سوار — سوی شام از ختن نمود فرار

باز این آہو تکاور مہر — شد گریزان ز سبزہ زار سپہر

تاجر آفتاب سرعت پو | شد چو در منزل غروب فرو
باز کین فیل آسمان بلند | رنگ زرین خود بخاک فگند
باز دیگر چو طاس انور مہر | بر فتاد از بلند طاق سپہر
باز دیگر ز آشیان سپہر | سرنگوں بر فتاد بیضہ مہر
باز فرعون مہر خسرو عرق | چون شد آخر بہ نیل مغرب غرق
باز دیگر چو عینک زر مہر | گم شد از دست پیر زال سپہر

جابجا نئی تشبیہیں نظر آتی ہیں جو شاعر کے حاصل خیز تخیل کو یاد دلاتی ہیں مثلاً

یرقان رنج عشق جانسوز است | خفقان فراق دلدوز است
مسجد ورع را کنشت کنی
اینک از دست عشق توبہ شکن | یوسف دل بمصر سینۂ من
برقع بیخودی بپوشیدہ | از حرارت عشق جوشیدہ

گرگ درندۂ فراق شدید | برۂ صبر را ز ہم بدرید
خللی در دماغش افتادہ است | آبی اندر چراغش افتادہ است

حمیدی نے صرف کہانیوں کو ہی نظم نہیں کیا بلکہ ایک دانشمند جہاندیدہ کی مانند اپنے خیالات و افکار کا اظہار کیا ہے اور بزرگوں کی طرح کم خردوں کی راہنمائی کے لئے اچھی اچھی نصیحتیں کی ہیں۔ مثلاً

سیم و زر پای بند انسان است | سیم و زر دستمال شیطان است
سیم و زر خاصہ ذلیلان است | سیم و زر مایۂ بخیلان است
سیم و زر مایہ علائق دان | سیم و زر پردہ خلائق دان ص ۹۷

وان کہ دارد صفات یزدانی ‏ نہ نہد پای براہِ شیطانی

ای حمیدی خدای عزّ و جل ‏ ہمہ را بجا دہد سزای عمل ص ۳۲

ای حمیدی چو میرسد تقدیر ‏ گم ودائمی بصارت تدبیر ص ۴۶

ای حمیدی براہ ہمت پوی ‏ دست زارباب بیروہ شو ص ۵۱

آری اہل ہنر عزیز بود ‏ بی ہنر بی تمیز بود

اس مثنوی میں نظم کا یہ ٹکڑا بھی قابل تحسین ہے۔ اس میں شاعر نے ایک گرفتار عشق اور غم زدۂ فراق کے دل کی ترجمانی کی ہے۔ گویا رب جلیل کے ہاں یہ فریاد نامہ ہے۔ عشق جن جن راہوں سے حملہ آور ہو کر عاشق کو بے بس و مجبور کرتا ہے ان سب کا تجزیہ کر کے جذبات کی صحیح عکاسی کی ہے اور ساتھ ہی اس کا درد و کرب بھی نمایاں کیا ہے۔ اشعار یہ ہیں ؎

گفتم کای دستگیر خستہ دلان ‏ ای درستی دہ شکستہ دلان

عشق بکشادہ در بروی دلم ‏ عشق زد سنگ برسوی دلم

عشق زد کوس بیقراریہا ‏ عشق بنواخت طبل خواریہا

عشق لشکر کشید بر سر عقل ‏ عشق تاراج کرد کشور عقل

عشق بربست دیدۂ ہوشم ‏ عشق بگشند باز در جوشم

عشق منزل گرفت در جانم ‏ عشق یک بارہ کرد حیرانم

عشق بربستہ خرد و خوابم را ‏ عشق بر بود آب و تابم را

عشق پرہای مرغ شرم بسوخت ‏ عشق چشمان باز صبر بدوخت

عشق دزدیدہ نقد آرامم ‏ عشق در دہر کرد بدنامم

چہ شود گر زروی لطف ای یار ‏ بکنی چارۂ مرا بیمار

دار بانی مرا ز دست فراق ‏ یا خلاصی دہی ز شست فراق

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ آذر میں طوطی نامہ کے نام سے ایک اور مخطوطہ موجود ہے۔ اس کے ۱۴۴ اوراق ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں۔ کرم خوردہ ہے۔

یہ مثنوی بھی حمیدی سے منسوب ہے لیکن یہ کوئی نقلی یا جعلی حمیدی ہیں۔ ان کی مثنوی کے آغاز میں مناجات، نعت حضرت رسول مقبولؐ۔ نعت چہار یار کبار اور چہار امام ہے اس کے بعد حقیقت آراستہ کردن این داستان و نام نہادن این نوباوہ بوستان' کے عنوان سے نظم شروع کر دی ہے۔ ہم اس مثنوی کے چند اشعار درج کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ نئے حمیدی صاحب نو آموز شاعر ہیں۔ ان کے اشعار کا درو بست سخت سست ہے اور وہ محض نقال ہے۔

(ص ۲-۱) حاکی این حکایت موزون	گفت از راستی بگو نا گون
ہر کرا اندرین زمانہ خوش	دولت خود می رسد دلکش
آنزمان را تو مملکت دانی	پی بدی سلطنت ورا خوانی
اینچنین گفتہ اند دانایان	وررہ راست راست فرمایان
ناوکی از کمان جستہ را	وقت از دست خویش رفتہ را
سخن از زبان گذشتہ را	ہر سہ این نکتہ سرنبشتہ را
ہر کہ این عود قابلیت نیست	مطلق این را صلاحیت نیست
ای دل این وقت را غنیمت دان	گوہر وقت را بقیمت دان
چون رود وقت خوش زید شاید	باز آید بدست یا ناید
وقت از وقتہای بہر شباب	وقت خوش بود چون شب مہتاب
از دل خود فسانہ میگفتم	چہ فسانہ ترانہ میگفتم
پس بندگی یکی مرا فرمود	کہ دریں عہد یک بندگی بود
مشتمل نسخہ سی حکایت گفت	از عبادت در روایت سفت

چونکه از هندی بنظم آورد　　　از فسانها تمام نسخه نکرد
لیک بسیار کرد ملول کلام　　　ساختن آنرا بوجه نیک تمام
که ازان نسخه اهل خواننده　　　مردمان جمیع شنونده
همه را راحت رود از دست　　　مقصد استراحت از دست
گر تو این نثر را بنظم آری　　　بعبارت دگر سزاواری
بنویسی بلایق ترتیب　　　جمع سازی بقایق ترکیب
تاکه جمله سامع و قاری　　　منت بی شمار ثبت آری
پس بحکم آن بزرگ برجستم　　　کمر اجتهاد بربستم
که دلم بود بحکم او محکوم　　　رمز او مرا شده معلوم
دلمن انقیاد محصور اوست　　　اندرین فن فراغت آنست
که سخن طول را کند کوتاه　　　کوته را کند بطول اشتباه
لیک من آنچنان بتکلیفی　　　هردو را ساختم بتعریفی
که نخواننده خاصا اورا　　　که ندانند عامها اورا
ای حمیدی میانی گزین مذهب　　　رمز دین است اندرین مذهب
پس نمودیم سی حکایت خوب　　　بعبارات خوب بس مرغوب
از نوادر مثال نو و کهن　　　بنوشتیم از سر تا بن
آن حکایت که بود بی ضبطی　　　وآن روایت که بود بی ربطی
از ره عقل کرده ام مضبوط　　　از سر هوش ساختم مربوط
ابتدا اخفتا مها او را　　　چو شنیخ تمام کرد او را
آنچه افسانه سمیع بودند　　　آنچه بی ذوق پر قبیح بودند
دور کردم از دفتر نامه　　　خط کشیدم بروی از خامه

عرضش نو حکایت دیگر   عشقش نو روایتی دیگر
منتظم ساختم در منظوم   منسلک کرده ام مرقوم
این عروس عجب لطایف را   بگوی قصه ها ظرایف را
بهر بزم شد سخن دانان   نکته بس دقیق را خوانان
جلوه داده ام بزیور حسن   زیب داده ام بحشو زحسن
تا بخدمت شه سخندانی   تا بچشم و نظر زبان دانی
افتدین شعر خام من بیدل   تا که از ایشان دقیق کرد دخل (۱)
گو بخاطر همان پسند آید   چه پسندیده ارجمند آید
آخر الامر سی حکایت خوب   بهر آن گفته ام مرغوب
بود سوداگری بمال فزون   داشت دولت بسی زگونا گون
ای حمیدی بدان درخواندن   تیغ برگیر گردنش افگن   ص ۵
مرد آزادان که زنرا کشت   بدزنی کشته به به تیغ درشت
عورتی بد اگر برد چه غم   بر هلاکش چرا کند ماتم
زن مکاره رهزن دین است   دل مردان از آنها غمگین است
غرض از اصحاب شوق آندارم   از بزرگان ذوق آندارم
گر کسی را خواندن افسانه   آیدش عیش شاهانه
بدعای شود مددگارم   نکند با فراموشی کارم
ای حمیدی تو بس چه میگوئی   راه مقصود خویش میپوی

گفتگو میکند سخندانی   ص ۱۵
همچو مردم زبان قرآن خوانی

ص ۸	عورتان زیب خانه درخواندند	زینت آستانه درخواندند
	پس زنان همچو آشنان همه وقت	مستحکم شود بجان همه وقت
	بلک چون هیچگاه ازجای	خود نه جنبد ازان بهر دو پای
	رغبت رفتن بدر نکند	عزم خویشتن سفر نکند
ص ۹	ای حمیدی خوش آنزمان که حبیب	سوی عاشق رود برغم رقیب
ص ۱۷، ۱	ختم پیغمبران شبی معراج	روز باز ار احمدی بدصلاج
	اندران شب رسول مقبولی	بر سرای صحنه کشیده منزولی
	خانه‌ها دوستان خود دیدند	چون بدر خانه عمر برسیدند
	آن حبیب خدا نرفت درون	همه گفتند بنی اکنون

ای حمیدی زنان مکاره
خانه مرد گردد آواره

سیدّ علی ہجویریؒ

سید علی عوام میں داتا گنج بخش کے لقب سے معروف ہیں۔ انہوں نے کشف المحجوب کے دیباچے میں خود اپنا نام اور کنیت اس طرح بیان کی ہے۔ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی وطن غزنہ تھا۔ اکثر اپنے آپ کو جلابی لکھا ہے۔ اور بعد میں ہجویری بھی کہا ہے۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے مضافات میں دو بستیاں تھیں۔ اوّل جلاب ہی اصل وطن تھا بعد میں ہجویر اٹھ آئے ہوں گے۔ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیا، میں لکھا ہے کہ جلاب اور ہجویر غزنہ کے دو محلّے ہیں ان کا خاندان علم و معرفت اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھا۔ غزنی میں ان کی والدہ ماجدہ، ان کے ماموں تاج الاولیا اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کی قبریں موجود تھیں۔ داراشکوہ خود ان مقابر کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سید ہجویریؒ کا سلسلۂ نسب حضرت علیؓ مرتضیٰ سے جاملتا ہے۔

---

(۱) کشف المحجوب۔ مرتبہ ژوکوفسکی۔ لینن گراڈ ۱۹۲۶ - (۲) تصوف اسلام از عبدالماجد ۔

(۳) بزم صوفیہ۔ صباح الدین عبدالرحمٰن (۴) مآثر لاہور۔ سید ہاشمی فرید آبادی

5 Introduction to the translation of the Kashful Mahjub by R.A. Nicholson. London-1911.

6. Bulletine of the School of Oriental studies. London, Vol. V, 1928-30, Kashful Mahjub, foll-345-364

(۷) کشف المحجوب۔ تہران ۱۳۳۶ ش۔ مقدمہ و دیباچہ از محمد عباس۔ یہ کتاب ژوکوفسکی کے مرتبہ نسخے کی عین نقل ہے اور اسی ٹائپ میں آفسٹ پر چھپی ہے۔ صفحات اور فہارس بھی وہی ہیں۔

اور یوں بیان کیا جاتا ہے۔ دادا کے بعد بن عبدالرحمٰن بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن اصغر بن حضرت زید بن امام حسنؓ بن علیؓ۔

ابتدائی تعلیم غزنہ میں اپنے بزرگوں سے حاصل کی جب گھر سے باہر نکلے تو علوم ظاہری و باطنی حاصل کرنے میں پوری کوشش کی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بعض اساتذہ کا ذکر کیا ہے مثلاً حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی۔ ان کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ یکتائے روزگار تھے۔ علوم و فروع میں فاضل اجل۔ ان سے بعض علوم پڑھے۔ لیکن تخصیص نہیں کی۔ ایک اور صوفی بزرگ شیخ ابوجعفر بن المصباح الصیدلانی کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ میں نے ان کی بعض تصانیف انہی سے پڑھیں۔ انہوں نے استاد ابوالقاسم قشیری سے بھی استفادہ کیا۔ شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا استاد مانا ہے۔ انہوں نے علوم باطنی حاصل کرنے کے لئے بہت سے بزرگ صوفیہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا جن کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ انہوں نے روحانی تربیت حاصل کرنے کے لئے دور دراز کے سفر کئے۔ اولیاء اللہؒ کے مزارات پر پہنچکر فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے اور معاصر اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر رہنمائی حاصل کی۔ باطنی تعلیم و تربیت میں ان کے پہلے استاد ابوالفضل محمد بن حسن الختلی ہیں جو ان کے بیان کے مطابق کبار عباد میں سے تھے، علم تفسیر و روایات کے عالم تھے۔ انہوں نے ساٹھ سال تک عزلت کی زندگی گزاری۔ وہ شیخ حضری کے مرید تھے جن کا سلسلۂ طریقت حضرت علیؓ تک اس طرح پہنچتا ہے۔ ابوبکر شبلی، جنید بغدادی، سری سقطی معروف کرخی، داؤد طائیؒ، خواجہ حبیب عجمی۔ خواجہ حسن بصری اور حضرت علیؓ۔ وہ ماوراء النہر۔ ترکستان، ایران، عراق، عرب، اور شام میں سفر کرتے رہے اور روحانی تجارب سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس لوٹے۔

ان سفروں میں سید صاحب کو جن احوال و مقامات سے ہو کر گزرنا پڑا اور جن جن

حوادث سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے کہیں کہیں اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے جن سے ان کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ تھا میں عراق میں طلب دنیا میں غرق تھا۔ لوگ اپنی غیر ضروری چیزوں کے لیے میرے پاس آتے تھے۔ جن کو پورا کرنے کے لیے میں زحمت اٹھاتا تھا۔ اسی وجہ سے قرض کے نیچے بھی دب گیا تھا۔ ایک معاصر سید نے مجھے خط لکھا کہ 'دیکھو بیٹا جو دل ہوا و ہوس میں مشغول ہے اس کے ساتھ اللہ کو یاد نہ کرو۔ ہاں اگر اپنے سے زیادہ عزیز دل میسر آجائے تو بخوشی اس سے وابستہ رہو۔ ورنہ اس دنیاوی مشغولیت سے ہاتھ اٹھاؤ کہ اللہ کے بندوں کے لیے خدا ہی کافی ہوتا ہے۔ سید لکھتے ہیں کہ اس بات سے مجھے سکون قلب حاصل ہوا۔[۱] انہوں نے اپنے سفر کی صعوبتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ اور کوئی رنج و اذیت نہ ہوتی تھی کہ کبھی کبھی مجھے جاہل خادموں اور گستاخ میزبانوں سے واسطہ پڑ جاتا۔ وہ مجھے ایک امیر سے اٹھا کر دوسرے دہقان کے گھر میں لے جا پھینکتے۔ میں دل میں ان کو کوستا مگر بظاہر نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتا۔ ان کی اس بے راہروی کو دیکھ کر میں نے منت مانی تھی کہ جب کبھی میں مقیم ہوں گا تو مسافروں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کروں گا۔[۲] اپنی ریاضتوں اور دشواریوں کا یوں ذکر کیا ہے کہ مجھے ایک مشکل مسئلہ پیش آیا۔ میں تین مہینے تک ابو یزید بسطامی کے مزار پر بیٹھا رہا۔ عقدے کی کشاد نہ ہوئی۔ آخر علاقہ کش کے ایک گاؤں میں پہنچا۔ خانقاہ میں درویشوں کی ایک جماعت ٹھہری ہوئی تھی۔ انہوں نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ میرے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر خشک باسی روٹی کھانے کو دی۔ خربوزے کے چھلکے مجھ پر پھینکے اور میرا مذاق اڑایا۔ میری توہین کی۔ اس خیال سے کہ انہوں نے صوفیہ کا لباس پہنا ہوا ہے۔ میں ان کے طعن برداشت

---

۱ کشف المحجوب۔ لینن گراڈ ص ۴۹۴ ۲ ایضاً ص ۴۷۴

کرتا رہا۔ میرا دل اس تحقیر سے خوش ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس بارِ طعن اٹھانے سے میرا وہ عقدہ حل ہو گیا[1]۔ ایک اور واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے۔ ایک دفعہ فرغانہ کے ایک گاؤں شلاتک میں میرا گذر ہوا۔ سو وہاں ایک پیر بزرگ سے ملاقات ہوئی جس نے نصیحت کی کہ سفر و سیاحت بچوں کا کام ہے اور شیوخ کے حضور سے کچھ وابستہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنی ہمت سے کام لو۔

سید ہجویری نے فقیری و درویشی اور سفری دشواریوں کے باوجود شرعی احکام کی پابندی میں کوتاہی نہیں ہونے دی۔ بعض صوفیہ عشق و معرفت کی بلند منزلوں پر پہنچ کر پاس شریعت ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ صحت عقل کے ساتھ شرعی احکام کبھی منسوخ نہیں ہوتے[2] نماز۔ روزہ کو عبادت، ریاضت اور متصوفانہ مجاہدت کا جزو ہی سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے نماز کے بیان میں ایک درویش کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چالیس سال سفر میں رہے اور انہوں نے کبھی نماز با جماعت ترک نہیں کی۔ ہر قصبہ میں ٹھہر کر نماز جمعہ بھی ادا کی۔ بزم صوفیہ کے مولف کا خیال ہے کہ اس بیان میں داتا صاحب نے اپنے متعلق اشارہ کیا ہے خیر ایسا کہنا تو یقینی نہیں۔ البتہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے دوران مسافرت میں نماز قضا نہ کی ہو روزہ کے متعلق تو خود انہوں نے لکھا ہے کہ جب میں شیخ بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حلوا پیش کیا۔ میں نے بچپنے کی عادت کے مطابق کہا کہ مجھے روزہ ہے۔ انہوں نے کہا کیوں میں نے کہا فلاں شخص کی موافقت میں۔ فرمایا کہ خلق کو خلق کی موافقت ٹھیک نہیں میں نے روزہ افطار کرنے کا ارادہ کیا۔ تو فرمایا۔ اے جوان! میری اطاعت بھی نہ کر کیوں کہ میں بھی تو خلق میں سے ہوں[3]۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کو بچپن سے روزہ رکھنے کی عادت تھی۔ اپنی ریاضت اور صفائے قلب کی بدولت انہیں قرب رسول ہوا اور انہوں نے دو مرتبہ حضرت رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھا اور ان سے ہدایت پائی۔

---

[1] کشف المحجوب لینن گراڈ۔ ص ۷۷،۸۰ [2] ایضاً ص ۴۰۳ [3] کشف المحجوب ص ۴۱۴

ورودِ لاہور | داتا صاحب کے لاہور آنے کی تاریخ متعین نہیں۔ کشف المحجوب مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱۹۲۳ء کے آخر میں ان کی زندگی کے کچھ حالات بیان

کیے گئے ہیں۔ لاہور میں ان کی آمد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سلطان مسعود بن محمود کی سپاہ کے ساتھ آئے اور ان کے ہمراہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور ابوسعید ہجویری تھے ۔۔۔ وہ ۴۳۱ھ میں لاہور میں وارد ہوئے ممکن ہے یہ اطلاع صحیح ہو مگر لکھنے والے نے اس کا ماخذ ذکر نہیں کیا۔ مسعود نے ۴۲۹ھ میں ہانسی پر حملہ کیا تھا۔ اس اطلاع میں اس امر کی گنجائش رہے گی کہ وہ شاہ مسعود کے ملازم ہو کر یا کوئی منصب قبول کر کے نہیں آئے تھے بلکہ محض حفظِ راہ اور ہمراہی کی خاطر فوج کے ساتھ آئے تھے کیونکہ ان کے بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ دربار سے متعلق علماء کی دنیاداری سے خوش نہیں۔ انہوں نے جابجا علماء جاہ طلب سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ فوائد الفواد حصہ اوّل ۲۹ ذی القعدہ ۷۰۸ھ کی مجلس کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ شیخ علی ہجویری اور شیخ حسین زنجانی ایک ہی مرشد کے مرید تھے۔ جب مرشد نے ہجویری سے کہا کہ لاہور جاؤ تو انہوں نے کہا وہاں زنجانی موجود ہیں۔ انہوں نے پھر ارشاد فرمایا کہ تم جاؤ۔ چنانچہ جس رات وہ لاہور پہنچے اسی رات حسین زنجانی کا انتقال ہوا۔ یہ اطلاع مصدقہ نہیں کیونکہ داتا صاحب کے معاصرین میں شیخ حسین زنجانی نام کے کوئی بزرگ نہیں گزرے۔ البتہ اس نام کے بزرگ کا مقبرہ لاہور میں محلہ چہری شاہ میں واقع ہے۔ آئین اکبری کے بیان کے مطابق اس بزرگ کی تاریخ وفات ۶۰۰ ہجری ہے۔ داتا صاحب نے کشف المحجوب میں ہندوستان میں اپنی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ لاہور کے مطبوعہ نسخے میں یہ عبارت ہے۔

"من اندر دیار ہند در بلدہ لہنور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنسان گرفتار شدہ بودم۔" بعض نسخوں میں لہنور کے بجائے لہور یا لاور بھی پایا جاتا ہے۔ مگر لینن گراڈ کے مطبوعہ نسخے میں صرف

اتنا ہی مذکور ہے کہ "من اندر دیار ہند اندر میان ناجنسان گرفتار ماندہ"[1] اول الذکر بیان میں لہاور از مضافات ملتان کی کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ۴۲۹ھ میں داتا صاحب کی آمد مان لینے سے یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ کشف المحجوب کے بعض حصے اسی سال کے آس پاس لکھے جا رہے تھے کیونکہ جس سلسلے میں انہوں نے ہندوستان میں اپنے قیام کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی کتابیں غزنہ میں رہ گئی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں وہ اپنے شیخ کی بعض روایات کو نقل نہیں کر سکے۔

ازدواجی زندگی

جناب سید ہجویریؒ نے شادی نہیں کی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری۔ عورت کے بارے میں ان کے خیالات پر ہم بعد میں انتقاد کریں گے انہوں نے خود لکھا ہے کہ میں گیارہ سال تک ازدواجی آفت سے محفوظ رہا۔ ایک مرتبہ غائبانہ کسی فتنے کا اسیر ہو گیا۔ ایک سال تک اس کے تصور میں مستغرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین برباد ہو جاتا حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے دل کو بچا لیا[2]

تاریخ وفات

مزار پر کتبہ کی رو سے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہے اور اکثر تذکروں میں یہی سال وفات لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کشف المحجوب میں خود سید ہجویری نے ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ ابوالحسن سالبہ متوفی ۴۷۱ھ، ابوعلی فارمدی، متوفی ۴۷۷ھ اور شیخ عبداللہ ہروی متوفی ۴۸۱ھ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کی تالیف کے وقت یقیناً ۴۸۱ھ تک زندہ تھے[3]

لاہور میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ داراشکوہ نے لکھا تھا۔

"خلق انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آن روضہ منورہ مشرف میگردند و مشہور است
کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضہ شریف ایشان بکند، ہر حاجتی

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۱۱ [2] الضیاء ص ۴۱۶ [3] عبدالحی حبیبی "تاریخ وفات داتا گنج بخش" اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۶۰ء [4] بزم صوفیہ ص ۹

کہ داشتہ باشد حصول می انجا مد[1]

عقاید مذہبی انہوں نے خود اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت قرار دیا ہے ۔ کشف المحجوب میں جہاں جہاں اختلافی عقاید سے بحث کی ہے وہاں اپنے اہنی عقاید کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کو حنفی المذہب کہنا درست ہوگا۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ سے ان کی عقیدت ایک خواب سے ظاہر ہے جس میں انہوں نے رسولؐ خدا کو دیکھا۔ وہ شام میں تھے۔ حضرت بلالؓ موذن رسولؐ کے مزار کے نزدیک سوئے ہوئے تھے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ میں ہیں اور رسولؐ اکرم کو باب بنی شیبہ سے آتے دیکھا۔ انہوں نے ایک بوڑھے کو گود میں اٹھایا ہوا ہے جس طرح بچوں کو پیار سے اٹھاتے ہیں۔ میں آگے لپکا اور ان کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ وہ کون ہے اور یہ کیسی حالت ہے ۔ آنحضرتؐ میرے اس خیال سے آگاہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تیرے ملک والوں کا امام ہے اس خواب سے مجھ پر واضح ہو گیا کہ امام اعظمؒ کا شمار ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے ذاتی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں۔ اور شرعی احکام سے باقی اور قائم ہیں اگر وہ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے۔ باقی الصفت یا صواب کار ہوتا ہے یا خطا کار۔ چونکہ ان کے اٹھانے والے پیغمبرؐ ہیں اس لئے وہ پیغمبرانہ صفت سے باقی ہیں۔ چونکہ پیغمبر سے خطا نہیں ہوتی اسلئے جو اس سے قائم ہے اس سے بھی خطا واقع نہیں ہوتی اور یہ ایک لطیف رمز ہے[2]

تصانیف سید صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف کا سراغ ان کی اپنی کتاب کشف المحجوب سے لگایا گیا ہے۔ ممکن ہے ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہوں لیکن اس وقت کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے سوا باقی تمام مفقود ہیں ۔

کتاب فنا و بقا

---

[1] بزم صوفیہ ص ۹ [2] کشف المحجوب ص ۱۱۶ - ۱۱۷

۲۔ اسرار الخرق والملونات

۳۔ الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ

۴۔ کتاب البیان لاھل العیان

۵۔ کتاب در شرح کلام حسین بن منصور حلاج

۶۔ منہاج الدین اندر طریق تصوف۔ اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ کوئی شخص اس کو چرا کر لے گیا اور اس نے اپنے نام سے منسوب کرنا شروع کر دی۔

۷۔ نحو القلوب

۸۔ کشف الاسرار

۹۔ کتاب الایمان

۱۰۔ کشف المحجوب۔

۱۱۔ دیوان اشعار۔ تصریح نہیں کہ فارسی تھا یا عربی۔ اس کا مسودہ بھی کوئی صاحب مانگ کر لے گئے۔ انہوں نے اپنا نام اور تخلص لگا کر اس کی اشاعت شروع کر دی۔ ان کا ایک عربی شعر کشف المحجوب میں محفوظ ہے۔

فنیت فنائی بغفلن ھوائی فصار ھوائی فی الامور ھوالک

کشف المحجوب

فارسی میں تصوف پر یہ قدیم ترین کتاب ہے جو اب تک محفوظ رہ گئی ہے۔ اس سے پیشتر بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً شیخ ابوبکر محمد بخاری کلاباذی متوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف لمذہب التصوف کی تشریح میں ابوابراہیم بن اسماعیل بخاری (متوفی ۴۳۴ھ) نے ایک کتاب شرح تعرف لکھی تھی جو نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپ چکی ہے لیکن پرانی زبان کو بدل دیا گیا ہے۔

کشف المحجوب کا سب سے زیادہ صحیح مطبوعہ نسخہ وہ ہے جو پروفیسر ژوکوفسکی روسی مستشرق نے مرتب کیا تھا اور جو لینن گراڈ میں ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ کشف المحجوب کے تمام

مطبوعہ اور قلمی نسخوں اور تراجم کی تفصیل کے لئے دیکھیے قرآن حکیم اور تصوف از رانا عبدالمجید مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء

اہل علم اور اہل باطن نے اس کتاب کی اہمیت اور فضیلت کو تسلیم کیا ہے۔ جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے:۔ " او لطایف وحقایق بسیار درآن کتاب جمع کردہ است"۔

دارا شکوہ نے لکھا ہے:۔

"کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را برآن سخن نیست و مرشدیست کامل۔ در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی تصنیف نشدہ"[1]

نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے:۔

"اگر کسی را پیری نباشد، چون این کتاب را مطالعہ کند او را پیدا شود۔ من این کتاب را بتمام مطالعہ کردم"[2]

کشف المحجوب کے مصنف نے خود ہی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ابو سعید غزنوی کے سوال اور اس کی درخواست پر یہ کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کے متن میں کئی موقعوں پر اس کو مخاطب کیا ہے کہ یہ تیرے سوال کا جواب ہے اور یہ کتاب اس لئے لکھدی ہے کہ اس کی موجودگی میں دوسری کتابوں کی ضرورت نہ رہے۔ سوال کو اس طرح بیان کیا ہے "مجھ سے بیان فرمائیے، طریق تصوف اور اس کے مذاہب کا حال۔ صوفیہ کے رموز و اشارات۔ اللہ کی محبت اور اس کا دل پر ظہور۔ اس کی ماہیت کے ادراک سے عقل کی عاجزی اور اس کی حقیقت سے نفس کا احتراز۔ روح کا سکون، اس کی پاکیزگی اور دوسرے روحانی معاملات۔ چنانچہ کشف المحجوب انہی تفاصیل کی حامل ہے۔ کتاب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ دنیا میں حقیقت چھپی ہوئی ہے۔ یہ کتاب اسی

---

[1] تصوف اسلام، عبدالماجد، ص ۵۲ [2] سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۴

حقیقت کا انکشاف کرتی ہے۔ حجاب دو قسم کے ہیں۔ ایک رینی، دوسرا غینی۔ رینی یہ ہے کہ انکار و سرکشی اور کبائر کے ارتکاب سے روح مسخ ہو چکی ہو اور اس کی اصلاح ممکن نہ ہو۔ غینی یہ ہے کہ انکار و سرکشی اور کبائر کے ارتکاب سے روح مسخ ہو چکی ہو جیسے آئینے پر زنگ ہو اور جو صیقل کرنے سے صاف ہو جائے۔ اس کتاب سے انہی لوگوں کو فائدہ ہو سکتا ہے جو حجاب غینی میں محجوب ہوں۔

کتاب ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کے تحت ضمنی عنوانات سے مباحث کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ شروع میں تصوّف اور فقر کی تعریفات اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں اس کے بعد ائمہ فقراء کا ذکر ہے۔ پھر صحابہ، تابعین، اتباع تابعین، متاخرین اور آخر میں مختلف صوبوں کے مشہور صوفیہ کرام کا مختصر ذکر کیا ہے۔ ان کے بعد تصوّف کے ان مختلف فرقوں کا بیان ہے جو ان کے زمانے تک مشہور ہو چکے تھے مثلاً محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ، حکیمیہ، خرازیہ، خفیفیہ، سیاریہ، حلولیہ۔ ان مذاہب کے مختلف معتقدات کا بیان کرتے ہوئے بعض بڑے دقیق مضامین پر مباحث آ گئے ہیں مثلاً رضا، مقام و حال، سکر و محو، فنا و بقا، غیب و حضور، جمع و تفرقہ، ولایات و کرامات اور روح۔ کتاب یہاں تک پہنچتی ہے تو عنوان کے مطابق یہاں سے گیارہ حجابات کا کشف شروع ہو جاتا ہے۔ حجابات: معرفت الٰہی، توحید، ایمان، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، آداب صحبت اور سماع کے بارے میں ہیں۔ آداب صحبت کے ذیل میں تصوّف کی اصطلاحات اور ان کے معانی تحقیق سے بیان کئے ہیں۔ مصطلحات میں قبض و بسط، نفی و اثبات، علم و معرفت، شریعت و حقیقت اور مکاشفہ و محاضرہ جیسے الفاظ شامل ہیں۔ مصنف نے جا بجا اشارہ کیا ہے کہ اختصار ان کے پیش نظر ہے۔

مصنف مضمون شروع کرتے ہوئے پہلے قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں۔ پھر احادیث لاتے ہیں اور آخر میں بزرگ صوفیہ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ دلچسپی کے لئے جا بجا عربی اشعار بھی لاتے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطالب پر مصنف کی گہری

نظر ہے۔ انہوں نے ہر موضوع کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ صرف دوسروں کے اقوال ہی نقل نہیں کر دیے بلکہ منطقیانہ استدلال سے دوسروں کے عقاید و آراء پر تنقید کی گئی ہے اور رد و قبول میں دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ بعض مسائل فلسفیانہ پیچیدگیاں رکھتے ہیں۔ ان کے سمجھنے کے لیے ذہانت فکر کی ضرورت ہے۔ مصنف نے بڑا دراک ذہن پایا ہے اور وہ آسانی سے ان رموز و لطایف کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

مآخذ اس کتاب کے مرتب کرنے میں مصنف نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان میں سے بعض کے نام متن میں لیے ہیں۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے ان کی فہرست مرتب کی ہے۔ ان میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

۱۔	بیان آداب المریدین	محمد بن علی الترمذی
۲۔	تاریخ اہل صفہ	عبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی
۳۔	تصحیح الارادہ	جنید بغدادی
۴۔	الرعایہ بحقوق اللہ	احمد بن خضرویہ
۵۔	تاریخ المشائخ	محمد بن علی الترمذی
۶۔	کتاب قشیری	قشیری
۷۔	کتاب اللمع	ابی نصر سراج
۸۔	مرآۃ الحکماء	شاہ بن شجاع کرمانی

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ اس موضوع پر بے شمار ایسی کتابیں ہیں جو مصنف کے مطالعہ سے گزریں۔ انہوں نے ان کے نام نہیں گنوائے لیکن ان سے اپنی آگاہی کا اظہار کیا ہے بعض مشہور علماء صوفیہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ جن کی تصانیف سے وہ آشنا تھے۔ متن کتاب میں انہوں نے ان مؤلفات کا ذکر کیا ہے۔

ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحیری دیر الکتب عالیست و روایات متین ص ۱۲۸

ابوبکر محمد بن عمر الوراق	ویرا کتب است اندر آداب و معاملات و مشائخ ص ۱۷۹
عمرو بن عثمان المکی	ویرا تصانیف بسیار است ص ۱۷۲
ابو سعید خراز	ویرا تصانیف مثلالی ص ۱۸۰
ابو علی الحسن بن علی الجرجانی	ویرا تصانیف ازہر است اندر علم معاملات و رویت آفاق ص ۱۸۶
حسین بن منصور حلاج	ویرا تصانیف ازہر است۔ پنجاہ پارہ تصنیف وی بدیدم ص ۱۹۰، ۱۹۱
ابوالعباس القسم بن مہدی السیاری	تصانیف ستودہ از وی میآید ص ۱۹۸
ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی	بعضی از تصانیف وی بہ خواندم ص ۲۱۴/۲۱۵
ابی عبداللہ محمد بن خفیف	ویرا تصانیف معروف است ص ۲۱۷-۲۱۸

ان کا تذی رہنماؤں کے علاوہ مصنف نے وقت کے جید علماء اور عرفائے کبار کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان کی صحبتوں سے فیضیاب ہو کر جن مطالب کا اخذ و ادراک کیا۔ وہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ ان سب باتوں کی آمیزش سے اس کتاب کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔

اسلوب بیان کشف المحجوب کا انداز بیان سادہ اور دقیق ہے اور سبک خراسانی کی خوبیوں کا حامل ہے۔ چھوٹے چھوٹے تلے جملے پے در پے چلے آتے ہیں۔ کہیں کہیں عربی کا نامانوس کلمہ بھی آجاتا ہے۔ مثلاً مقلقل۔ مزعج۔ مجنت۔ صعلوک وغیرہ۔ جن مسائل پر مصنف کو عبور ہے۔ وہاں اسلوب بڑا صریح ہے۔ جن عبارتوں میں واعظانہ رنگ ہے وہاں جوش و اخلاص زیادہ ہے جو کلام کو بارعب اور وزن دار بناتا ہے کہیں سے کتاب کھولئے علم و حکمت سے لدی عبارتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً

"سیر خوردگی کار ستوران است و گرسنگی علاج مردان۔ گرسنگی عمارت

باطن کند و سیر خوردگی عمارت بطون "

یکی را عالم از برای خوردن باید و یکی را خوردن برای عبادت کردن،

چون نفسی از حرکات خود فرو ماند و ہوا از وجود خود خالی گردد، باطل اندر

اظہار حق محو شود آنگاہ کل مراد مرید حاصل گردد "

مصنف چونکہ شاعر بھی ہیں اس لئے کہیں کہیں مرجز مقفی و مسجع جملے بھی ان کے قلم سے نکل آتے ہیں۔ مثلاً خاص طور پر علماء اور صوفیہ کی تعریف میں عبارتیں۔

داعی مقام تقویٰ و راضی ببلا، بلوی

دوست خداوند داور - محرم احوال پیغامبر

سرہنگ مہاجر و انصار، متوجہ خداوند غفار

شاذ شاذ تجنیسات اور مراعات لفظی سے بھی عبارت آرائی کی ہے۔ مثلاً

گاہ از مویہ چون موی ۔ گاہ از نالہ چون نال

گاہ از روح چون روح - گاہ از سرو چون سرو

کہیں کہیں عربی سے ترجمہ کرتے وقت یا کسی ماورائی کیفیت کا بیان کرتے وقت، یا پیچیدہ مسئلے کے افہام و تفہیم کے موقع پر ایسے جملے سامنے آجاتے ہیں جن سے مطالب میں ابہام نظر آتا ہے اور ذہن آسانی سے معانی کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ قاری کا ذہن ہی قصیر الفہم ہے اور بات کی تہہ تک آسانی سے اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ مطالب کو لفظوں کی ایسی ترکیب میں پیش کیا گیا ہے کہ قاری اس روبست سے آگاہ نہیں۔ بعض الفاظ بھی ایسے ہیں جن کا استعمال متروک ہو چکا ہے اور با عصر حاضر میں اپنے اس قدیم مفہوم میں استعمال نہیں ہوتے۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے روسی دیباچے میں متن کے بارے میں ان متروکات، حروف و الفاظ کے تغیرات اور املائی اور

دستوری خصوصیات کی نشاندہی کی ہے۔ ہم بغرض افادہ ان کو یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ اس کتاب کا اسلوب سمجھنے میں آسانی ہو۔

املائی

کی = کہ ، نی ، نہ ۔ آنچ = آنچہ ، آنک : آنکہ اسی طرح چنانک ، بدانچ وغیرہ

ھیچیز : ہیچ چیز

وَ کی تبدیلی بَ سے ، جیسے نبشتن ، بزنیدن ، بزنش

بَ کی تبدیلی فَ سے مثلاً زبان ، زفان

دستوری

بے جان اسماء کی جمع آن کے اضافے سے ۔	اندوھان ۔ گناہان
ازبرای اور را کا یکجا استعمال :	ازبرای کاہلی را ، از ترس خداوند را ، از بہر یعقوب را
مرکب توصیفی ہیں موصوف کے ساتھ یائے وحدت کا استعمال :	اسپی توسن ، مردی بازرگان ، مذہبی ہر کسی ،
اسم کے ساتھ تفضیل بعض اور تفضیل کل کا استعمال ۔	دوست ترین ، صوفی تر ، دشمنترین دشمنان
فعل ماضی کا استعمال مصدر کے بجائے :	پذیرفت شریعت ، شناخت آب ، داشتِ وی ۔
آن اور ش ضمیر متصل کا استعمال ایک ہی شخص کے لئے ۔	آنرا کہ نامش از حق فقیر است ، کار مردانی باشد کہ دنیا از مکابرۂ شہوت ، بازستاندش ۔
دیگر کے ساتھ یک کا زاید استعمال	یکی مقیمان و دیگر یکی مسافران ۔
سوم کے بجائے سدیگر ۔	

موصوف کے ساتھ صفت بھی جمع	:	فقراء ہمدا بنیین
عدد کے ساتھ معدود بھی جمع	:	پنج خواص سپہ سالاران
'می' استمراری اور فعل کے درمیان فاصلہ	:	می بہتر از وی طلب کردم' می طریقت معاملات کنی ۔
نَ نفی فعل سے فاصلے پر	:	ہیچ کسی نیست کہ نہ شیطان ویرا غلبہ کردست ۔
'می' کا استعمال مستقبل کے ساتھ	:	می خواہند بود
" " ماضی قریب کے ساتھ	:	می بشندہ اند
" " ماضی بعید کے ساتھ	:	می زدہ بودند
" " ماضی تمنائی کے ساتھ	:	می یافتی ۔ می نمودندی
" " نفی سے پہلے	:	می ندہید ، می نہ بیند
" " 'ب' سے پہلے	:	می بیابید ۔ می بدارید
ن نفی سے پہلے بَ زاید کا استعمال	:	بنتوانی ۔ بنخوند
بَ کا استعمال مصدر سے پہلے	:	بدانستن
بَ کا استعمال اسم مفعول سے پہلے	:	بفروخت
نَا کا استعمال مصدر کے ساتھ	:	ناخفتن ، ناطلبیدن ۔
ایک جملے میں افعال جمع اور دوسرے میں واحد	:	طبع را از ادراک معنی بپرداختند و حدیث حق بینداخت ۔ اگر مزامیر دیو شنیدندی ۔ فتنہ حق دیدی ۔
یَ استمراری یا تمنای یا شرطیہ کا استعمال مضارع کے ساتھ	:	نگویندی ، کنندی ۔ نخواہدی ۔

بآ زاید = باتون گرمابہ اندرآمدیم ۔ آمدم باسر مقصود

بودن کے مشتقات = بودہ بودند ۔ بوند (مضارع)

از کا استعمال بعد کے پہلے = از بعد آنک

از زاید = بی از انک

متروک مصادر و افعال

بیوسیدن ۔ بیوس ۔ بساوش ۔ بشولانیدن ۔ پسندہ کردن ۔ پیوندانیدن ۔ جنیدن ۔ بحاصل آمدن ۔ بحاصل شدن ۔ شلوانیدن ۔ گویانیدن ۔ گسلانیدن ۔ محاویدن ۔ کراکردن ۔

مصادر نئے معانی میں

بازگشت کردن ۔ آرزو خواستن ، آرزو کردن

قضا کردہ = بتقدیر نوشتہ ۔ ماندن = چھوڑنا کے معنوں میں ۔ بعیال چہ ماندی ۔ دانستن ، توانستن کے معنوں میں ؛ فرق بدانی کرد ، سخنان طریقت بدانیم شنید ۔ روزہ وصال کردی ۔ مال سبیل کردی ۔ تکلف کردی

نئی تراکیب

اندوہ‌گن ۔ آسان یاب ۔ دشوار یاب ۔ اسلام نپذید ۔ پای داشتن دین ۔ بالبیت دنیا ۔ خندہ ستانی میکردند ۔ روزگار مرد ۔ مشغول دلی ۔ صوفی گری ۔ سلام گری ۔

دبیرستان ۔ سکول ۔ بیمارستان ہسپتال ۔ یہ دونوں الفاظ عصر حاضر میں استعمال ہوتے ہیں ۔

مصطلحات[1] کی نافہمی سے بھی عبارت میں ابہام نظر آتا ہے کتاب میں ایسی عبارتیں نظر آتی ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہے مثلاً حال واردی بود بروقت کی درامزین کند، آنچ آمد وشد بماند از کون وظہور بود، ہمہ صفات ایشان قصد دوست بود، اضطراب مبتدی اندر حلول وارد حق تعالیٰ بدو ازان می باشد کہ حست وی مر آنرا مخالفت چوآن متواتر شود اندران ساکن شود۔

تنقید

(۱) مصنف کا ایک بیان ذرا کھٹکتا ہے۔ ایک جگہ تو وہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں شعائر اسلامی کی پروا نہیں۔ لوگوں میں اخلاق وجوانمردی نہیں رہی۔ ان میں رضائے الٰہی کا وصف غائب ہے۔ حرص وہوا کا زور ہے۔ پیروں نے خواہش کو محبت کا نام دے رکھا ہے اور مرید ریاضت ومجاہدہ سے جی چراتے ہیں۔ دوسری طرف کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ملک کے طول وعرض میں پھرتے رہے ہیں اور بڑے بڑے برگزیدہ لوگوں سے ان کی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ جگہ جگہ بستیوں اور شہروں میں اللہ والے موجود ہیں۔ خود بھی انہوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ "میں نے صرف خراسان میں تین سو آدمی دیکھے جن میں سے ہر ایک کا جداگانہ مشرب تھا اور ان میں سے ایک ایک، تمام جہان کے لئے کافی تھا" (ص ۲۰۶) نوسو ہزار برس پہلے تھوڑی سی آبادی میں اتنے اولیاء اللہ کی موجودگی کیا قابل قدر نہیں۔ اس بیان سے تو جان پڑتا ہے کہ درویشی اور فقیری عروج پر تھی۔ آج کل لاکھوں میں ایک اللہ والا ملنا دشوار ہے۔

(۲) کشف المحجوب تصوف کے مسائل پر ایک اہم کتاب ہے۔ تصوف کا دوسرا نام فقر و

---

[1] ملک الشعراء بہار نے ان الفاظ ومصطلحات کو یکجا کیا ہے جو مصنف نے نئے نئے معنوں میں استعمال کئے ہیں۔ سبک شناسی ج ۲ ص ۱۸۷ - ۱۹۵

درویشی کہیے۔ کتاب کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ معرفت نفس اور معرفت خداوندی کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ اس کے حصول کا ذریعہ یہ ہے کہ آدمی ترک علائق کرے۔ خواہشات نفسانی کو دفن کرے۔ ہوا و ہوس سے بیگانہ ہو جائے۔ تجرد کی زندگی اختیار کرے اور ہمہ تن اللہ کی یاد میں لگا رہے۔ اس مقصد کے پیش نظر بھوک پیاس سے نفس کو مغلوب کرنا۔ اس کو اچھی غذا سے ترسانا۔ اچھے کپڑے نہ پہنانا اور دوسری دنیاوی لذتوں سے محروم رکھنا۔ دولت و حکومت سے نفرت کرنا ایسے اعمال ہیں جن کی تصدیق اللہ کے احکام سے نہیں ہوتی مثلاً خدا کہتا ہے۔

۱۔ من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق۔ قل ھی للذین امنوا فی الحیوٰۃ الدنیا (قرآن ۷/۳۲) کون ہے جس نے ان زینتوں کو اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو حرام کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیں۔ اسے نبی۔ کہہ دو کہ یہ سب چیزیں دنیا کی زندگی میں مومنوں کے لئے ہیں۔

۲۔ کلوا واشربوا من رزق اللہ (۲/۶۰) اللہ کے دیئے ہوئے سے کھاؤ پیو۔

۳۔ کلوا واشربوا ھنیئاً بما کنتم تعملون ۔ کلوا واشربوا مما رزقنکم فلا تسرفوا۔

۴۔ ان الارض یرثھا عبادی الصٰلحون (۲۱/۱۰۵) بے شک صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ ایک اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں۔ ہم ان کو زمین میں تمکنت دیتے ہیں اور خلافت بخشتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ تعلیم گوشہ نشینی اور ترک دنیا کی تعلیم نہیں۔ ایسی آیات بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ وما متاع الحیوٰۃ الدنیا الا غرور دنیاوی زندگی کا ساز و سامان ایک فریب ہے غرض کہنے کی یہ ہے کہ انسان بس اسی دنیا کے لہو و لعب میں ہی غرق نہ ہو جائے اور یہ بھی نہیں کہ سب کچھ تیاگ کر جوگی اور فقیر ہو جائے۔

۳۔ مصنف نے فقر کی تعریف میں قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ مثلاً یہ آیت للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف (۲-۲۷۳) انہوں نے آیت کا پہلا لفظ پیش نہیں کیا جس کے بغیر اس آیت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ آیت کا پہلا لفظ الصدقات ہے جس کے پڑھنے سے مطلب کھلتا ہے یعنی خدا نے بتایا ہے کہ تمہارے صدقات ان فقیروں یعنی محتاجوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں ناتواں و بے چارہ ہیں اور زمین پر چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے اس لئے ناواقف شخص ان کو غنی سمجھتا ہے تو ان کے چہروں سے پہچان سکتا ہے وہ لپٹ کر کسی سے نہیں مانگتے۔ جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔" سیاق و سباق میں اس آیت کا مطالعہ کرنے سے واضح ہے کہ فقیروں کی تعظیم و تکریم نہیں ہو رہی بلکہ مخیر اور مالدار حضرات کو ناتوانوں اور محتاجوں پر مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن میں بے شمار ایسی آیات ہیں جہاں اعزا و اقربا۔ یتامیٰ و مساکین اور فقراء پر مال خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اکثر جگہ فقیر کا لفظ غنی کے مقابل میں آیا ہے مثلاً واللہ الغنی وانتم الفقراء۔ فقر کے معنی تصوف و درویشی۔ قناعت و استغناء کی زندگی قرآنی لغت کے معنی نہیں۔

مصنف نے فقر کی تعریف میں ایک اور آیت کا پہلا ٹکڑا پیش کیا ہے۔ ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر علی شیء ! اتنی آیت سے کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ اس کا اگلا ٹکڑا یوں ہے۔ ومن رزقناہ منا رزقا حسنا فھو ینفق منہ سراً وجھراً ھل یستوٗن الحمد للہ بل اکثرھم لا یعلمون۔ ساری آیت کا ترجمہ یوں ہے "اللہ ایک مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جو پرائے بس میں ہے اور اسے کچھ قدرت حاصل نہیں اور ایک دوسرے شخص کی مثال پیش کرتا ہے جس کو اللہ نے اچھا رزق دے رکھا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے لیکن

اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔ اس آیت سے پہلی اور اگلی آیات سے ظاہر ہے کہ خدا ناشکر گزار اور اطاعت الٰہی سے سرکش بندوں کو سمجھا رہا ہے اور اپنی نعمتوں کا ذکر کر رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو ذرہ بھر اختیار نہیں رکھتے۔ کیا تمہیں اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صاحب اختیار و محکوم کبھی برابر ہو سکتے ہیں۔ اگلی آیت میں اس طرح کی اور مثال دی ہے کہ کیا گونگا اور عدل و انصاف کرنے والا برابر ہو سکتا ہے۔ ان آیات سے تو فقیری کی عظمت کا سراغ نہیں ملتا۔ نامعلوم مصنف نے اس آیت پر کس طرح معنی پہنائے ہیں۔

انہوں نے فقر کی تعریف میں تیسری آیت یہ پیش کی ہے۔ تتجافیٰ جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفاً وطمعا ومما رزقنٰہم ینفقون۔ اس آیت میں کہیں تصریح نہیں کہ یہ صرف فقیروں اور درویشوں کے بارے میں ہے۔ اس سے پہلی آیت یہ ہے۔ انما یؤمن بایٰتنا الذین اذا ذکروا بہا خروا سجدا و سبحوا بحمد ربہم وہم لا یستکبرون یعنی جب انہیں اللہ کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو ایمان لاتے ہیں۔ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے اس سے آگے متذکرہ صدر آیت ہے انہی لوگوں کے مزید اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں یعنی وہ اپنے پہلو خواب گاہوں سے الگ رکھتے ہیں۔ خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ آیات فقراء کے لئے کسی صورت میں مختص نہیں۔

(۴) فقراء کے ساتھ ساتھ مصنف نے مساکین کی توصیف، عظمت اور خدا و رسول کے ہاں ان کی مقبولیت میں مندرجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں۔ اللہم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔ اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ مسکینی کی حالت میں مجھے موت دے اور مسکینوں کی جماعت کے ساتھ مجھے اٹھا۔ دوسری حدیث قدسی ہے۔

روزِ قیامت خدا کہے گا۔ ادنوا منی احبائی۔ فیقول الملائکۃ من احبائک!
فیقول فقراء والمساکین۔ یعنی میرے سب سے زیادہ عزیزوں کو میرے قریب لاؤ
فرشتے کہیں گے۔ تمہارے عزیز کون ہیں! وہ کہے گا فقراء و مساکین۔ قرآن میں مساکین سے
مراد مجبور، حوادث زمانہ سے گھرے ہوئے، بے استعداد اور ناقابل لوگ ہیں۔ خدا ان کے لئے
مال زکوٰۃ اور صدقات خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ان کو کھانا کھلانے کی نصیحت کرتا ہے،
مومنوں کی نشانی بتاتا ہے کہ وہ مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ گویا مسکین
ہونا ساز و سامان سے محروم ہونا اور دوسروں کا دست نگر ہونا ہے اور یہ ایسی حالت ہے
کہ کوئی شخص اپنے لئے خدا سے آرزو نہیں کرتا۔ خدا تو عذاب کی صورت میں دوسروں پر مسکنت
لے آتا ہے۔ مثلاً ضربت علیھم المسکنۃ ذالک بانھم کانوا یکفرون
بآیات اللّٰہ ویقتلون الانبیاء بغیر حق، ذالک بما عصوا وکانوا
یعتدون ۳/۱۱۲ ایک موقع پر خدا پیغمبر پر اپنی نعمتوں کا اظہار کر رہا ہے اور کہتا ہے
ووجدک عائلا فاغنی یعنی تمہیں فقیر اور حاجتمند پایا تو غنی بنایا۔ اس آیت
سے ظاہر ہے کہ خدا تو پیغمبر کی مسکینی و غربت کو دور کر رہا ہے پھر یہ کیسے زیب دیتا
ہے کہ پیغمبر پھر خدا سے مسکینی کی آرزو کرے۔ ان مطالب کی روشنی میں دوسری حدیث
کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے اپنے کلام میں کہیں اس امر کا اظہار
نہیں کیا کہ فقراء و مساکین اس کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ عام طور پر جن اشخاص
کو اس نے اپنی رحمتوں کا امیدوار بنایا ہے اور جن کو ابدی سعادتوں کی بشارت دی
ہے، وہ انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ دونوں حدیثیں
پیغمبر سے منسوب نہیں کی جا سکتیں۔ معلوم ہوتا ہے بعد کے زمانے میں جب درویشی اور
فقیری کے چرچے ہونے لگے ہیں تو لوگوں کی نظر میں فقراء کا وقار بڑھانے کے لئے اس قسم
کی حدیثیں وضع کی گئی ہیں۔

(۵) قرآن مجید میں تصوف کا لفظ کہیں نہیں آیا اور یہ بھی یقینی ہے کہ فلسفہ فکر کے طور پر یہ لفظ نبی اکرمؐ کے زمانے میں استعمال نہیں ہوا۔ اس لئے مصنف نے اہل تصوف کے بارے میں رسولِ خدا کی جو مندرجہ ذیل حدیث بیان کی ہے وہ بعد کی خود ساختہ ہے من سمع صوت اهل التصوف فلا یؤمن علی دعائهم کتب عند الله من الغافلین ص ۲۴۔ جس نے اہل تصوف کی آواز سنی اور ان کی آواز پر ایمان نہ لایا وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں سے لکھا گیا۔ خدا نے اپنے کلام پاک میں کہیں نہیں فرمایا کہ میرے نزدیک وہ لوگ غافل ہیں جو صوفیہ کی دعوت پر ایمان نہیں لاتے پیغمبرؐ اپنی طرف سے کس طرح لوگوں پر اس قسم کا حکم جاری کر سکتے تھے۔ مصنف اس قسم کی اور حدیث لاتے ہیں جو اہل تصوف سے ہی متعلق ہے۔ صوفیہ عموماً لباس صوف پہننا پسند کرتے ہیں اور شاید بقول بعض صوفی کا لفظ ہی صوف سے منسوب ہے۔ کیونکہ متقدمین میں جن بزرگوں نے تصوف اور درویشی شروع کی وہ صوف کا لباس پہنتے تھے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لباس کی سند رسول خدا سے لانے کیلئے یہ حدیث بنائی گئی ہے۔ علیکم بلباس التصوف تجدون حلاوة الایمان فی قلوبکم۔ ص ۴۹۔ یعنی تم پر صوف کا لباس پہننا واجب ہے کیونکہ تم اپنے دلوں میں ایمان کی لذت پاؤ گے۔ ایک عالمگیر مذہب کا جلیل القدر رہنما اپنے مقتدیوں کو لباس صوف پہننے کی تلقین کر کے لدّو اونٹ نہیں بنانا چاہتا تھا اور نہ ہی حلاوتِ ایمان حاصل کرنے کی شرط لباس صوف پہننے پر محدود کر سکتا تھا۔

(۶) صوفیہ، فقرا، درویش نفس کو قابو میں لانے اور شہوانی جذبات کو دبانے کے لئے فقر و فاقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ بھوکا پیاسا رکھتے ہیں اور لباس نہ پہننے کی بھی تلقین کرتے ہیں کیونکہ یہ بھی ایک زینت ہے اور نفس کی راحت کا سامان ہے۔ یہ درست ہے کہ اہلِ طریقت کا یہ شیوہ رہا ہے لیکن اگر اللہ کا نبی کہے۔ اجیعوا بطونکم واظمأوا اکبادکم

واعروا اجسادکم لعل قلوبکم یرؤن اللہ عیاناً فی الدنیا۔ ص ۴۱۹
یعنی اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو۔ جگروں کو پیاسا اور جسموں کو ننگا تاکہ تمہارے دل دنیا
میں اللہ کا عینی طور پر مشاہدہ کرسکیں۔ اتنی بات تو درست ہوسکتی ہے کہ مجاہدات وغزوات
میں یا حوادث ومصائب میں بھوک پیاس آجائے تو صبر کریں اور استقامت دکھائیں
اور یہ احکام خداوندی کے عین مطابق ہے۔ خدا کئی مرتبہ ایسی آزمائشوں میں ڈال دیتا
ہے تاکہ سچے مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہوسکے لیکن مستقل طور پر حکماً یہ تعلیم دینا
کہ پیاسے اور ننگے رہو، خواہ مخواہ اپنی جان کو تنگ کرو اور عذاب دے کر ہلکان کرو۔
یہ تعلیم زمینوں پر تصرّف رکھنے والی قوم کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ خدا نے کہیں وعدہ
نہیں کیا کہ اس کی تجلیات صرف اسی دل پر نور افگن ہوسکتی ہیں جو بھوکا پیاسا اور
ننگا رہے۔ اللہ ملت اسلامیہ کو بھوکوں پیاسوں اور ننگوں کی جماعت نہیں بنانا چاہتے
تھے۔ اس کے اولوالعزم پیغمبر اس قسم کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے۔ اقبال نے کہا تھا

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت وحشمت کا پیام

(۷) داتا صاحب نے عمر بھر شادی نہیں کی کیونکہ ان کی نگاہ میں ازدواجی زندگی
فقر و درویشی میں حارج ہوسکتی تھی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ

"اندریں زمانہ ما ممکن نگردد کہ کسی را زن موافقہ نباشد بی بایست زیادت فر
فضول وطلب محال وازان بود کہ گروہی تجرید و تخفیف اختیار کردند" ص ۴۰۴، ۴۰۵
اس خیال کی تائید میں رسولِ خدا صلعم کی یہ حدیث بھی پیش کی ہے۔ "خیر الناس
فی آخر الزمان خفیف الحال قیل یارسول اللہ ما خفیف الحال؟
قال الذی لا اھل لہ، ولا ولد لہ" یعنی آخری زمانے میں سب سے اچھا وہ شخص
ہوگا جو خفیف الحال ہو۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ خفیف الحال کون ہے۔ فرمایا وہ شخص

جس کے اہل و اولاد نہ ہو۔ یہ حدیث بھی وضعی معلوم ہوتی ہے اور سراسر اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ تجرد اور رہبانیت کی تعلیم تو عیسائیت کی تعلیم تھی۔ مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۷۰ پر رسولِ خداؐ کی ایک اور حدیث بیان کی ہے جو اس تعلیم کے بالکل نقیض ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا:۔ تناکحوا وتکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط۔ نکاح کرو اور اپنی تعداد میں اضافہ کرو کیونکہ روزِ قیامت میں دوسری قوموں کے مقابلے میں تم پر فخر کروں گا اگرچہ کمزور و ناکارہ کیوں نہ ہو۔ پہلی حدیث تو یقینی طور پر درست نہیں۔ دوسری حدیث اس حد تک تو درست ہے کہ مردوں پر فرض ہے کہ نکاح کریں تاکہ عورتیں حفاظت میں آ جائیں لیکن دوسرا حصہ یعنی امت میں اندھا دھند اضافہ اس لئے ہو کہ رسولِ خدا اپنی امت کی کثرت پر فخر کریں مشتبہ ہے۔ پیغمبرؐ صرف تعداد پر فخر نہیں کر سکتے وہ تو مومن اطاعت گذار امتی کو دیکھ کر ہی خوش ہو سکتے ہیں۔ اور شاید دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی خیر الامت پر ناز بھی کریں لیکن محض انسان نما حیوانوں کی تعداد میں کوئی قابل فخر بات نہیں۔ پیغمبرؐ خدا کی ایک اور حدیث ہے جس میں فرمایا ہے کہ نکاح کرنا میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں۔ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ میری سنت پر قائم رہے۔ یہ فرمانِ رسولؐ تو متذکرہ صدر حدیث کے عین متضاد ہے۔

(۸) معلوم ہوتا ہے مصنف عورت سے ناخوش ہیں۔ لکھا ہے بہشت میں سب سے پہلا فتنہ جو آدم پر واقع ہوا اس کی اصل وجہ عورت تھی اور دنیا میں جو سب سے پہلا فتنہ واقع ہوا یعنی فتنہ ہابیل و قابیل، اس کا سرچشمہ بھی عورت تھی۔ جب خدا نے چاہا کہ دو فرشتوں کو عذاب کرے اس کا سبب بھی عورت ہی بنی۔ ہمارے زمانے تک تمام دینی اور دنیوی فتنوں کی جڑ بھی عورتیں ہیں (ص ۴۷۵) اپنے اس آخری خیال کی تائید میں رسولِ خداؐ کی حدیث پیش کی ہے۔ ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء ص ۴۷۵

یعنی میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر زیادہ ضرر رساں فتنہ نہیں چھوڑا۔ یہ تو عورت کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی ہے کہ اس کو اس قدر حقیر اور ذلیل بنایا جائے اوپر کے تین واقعات جن میں فتنہ کا منبع عورت کو قرار دیا گیا ہے۔ علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے صحیح نہیں۔ ان تینوں قصوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے لیکن عورت کا ان واقعات سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ مثلاً ہبوط آدم کے ذکر میں ہے ۔" ہم نے آدم سے کہا تم اور تمہاری ہمسر جنت میں رہو اور خوب کھاؤ جہاں سے چاہو لیکن اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔ نہیں تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے پس شیطان نے ان کو پھسلایا (۳۵-۳۶ ۲/) اس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت نے نہیں پھسلایا اور وہ فتنہ نہیں بنی۔ ہابیل و قابیل کے متعلق قرآن مجید میں اس قدر مذکور ہے کہ آدم کے دو بیٹوں نے قربانی سے تقرب چاہا۔ ان میں ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ مؤخر الذکر نے کہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ پہلے نے کہا (میرا کیا قصور ہے) خدا متقیوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے اگر تو میرے قتل پر ہاتھ اٹھائے گا تو میں ہرگز تیرے قتل پر دست درازی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ اس کے بعد ایک آیت چھوڑ کر ذکر آتا ہے اس کے نفس نے بھائی کے قتل پر اس کو ابھارا اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور اس وجہ سے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔ اس بیان میں بھی خدا نے عورت کو قتل کا سبب نہیں ٹھہرایا۔ تیسرا قصہ یوں ہے ۔ شروع میں فاسقوں اور نافرمانوں کا ذکر آ رہا ہے۔ جنہوں نے اپنی نادانی سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ" انہوں نے ان باتوں کی پیروی کی جو شیطان ان کو سناتے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ نے کفر نہ کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا۔ وہ لوگوں کو جادوگری سکھاتے ہیں اور وہ چیز بھی جو بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر نازل ہوتی تھی۔ وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو فتنہ

یعنی آزمایش ہیں۔ پس تو کافر نہ ہو جا۔ وہ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے ہیں جو میاں بیوی میں جدائی پیدا کرے۔ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں دیتی اور وہ بالتحقیق جانتے ہیں کہ جو اس کو خرید لے گا آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں اور وہ جو کچھ خریدتے ہیں ان کی جانوں کے لئے برا ہے (۲/۱۰۲) پس قرآن مجید میں ہاروت وماروت کے متعلق اتنا ہی ذکر ہے اور اس میں عورت کی مفسدہ پردازی کا کہیں ذکر نہیں -

مصنف کے بیان کا آخری حصہ بھی قابل گرفت ہے۔ ان کے زمانے میں عورتیں تو حرم کی چار دیواری میں مقید ہوتی تھیں اور ان کے باپ یا سرپرست جن سے چاہتے ہاتھ پکڑ کر ان کے ساتھ چلتا کرتے۔ عورتوں کی کوئی آواز نہیں تھی۔ کسی ملکہ نے محل سرا میں اپنے بیٹے کی جانشینی کے لئے کوئی سازش کی ہو تو ہو وگرنہ مرد خود سب سے بڑا مفسد اور فتنہ پرور ہے اور تمام قتل وخون کا منبع ہے۔ صرف عورت کو تمام دینی و دنیوی فتنوں کی جڑ قرار دینا سراسر ناانصافی ہے۔ نیک و بد مرد و عورت دونوں ہو سکتے ہیں۔ آخر وہ عورتیں ہی تو تھیں جنہوں نے انبیاء، شہداء، اور اولیاء اللہ کو جنم دیا۔ اور وہ پیغمبر خدا جنہوں نے عورت کو پستی اور محکومی سے نکال کر احترام اور وقار بخشا۔ وہ عورت کو سب سے زیادہ ضرر رساں فتنہ قرار نہیں دے سکتے۔ خدا نے عورت کو مرد کا لباس کہا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا جوڑا اس لئے بنایا ہے کہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو۔

خدا نے ایک جگہ فرمایا ہے:۔ ان من ازواجکم واولادکم عدوّا لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللّٰہ غفورٌ رّحیم اس کا مطلب یہ ہے بعض بیویاں اور بچے تمہاری مخالفت کرتے ہیں تمہارے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں اگر تم ان کو معاف کردو، درگذر کرو اور بخش دو تو اللہ بڑا

بخشنے والا اور مہربان ہے۔ تمہاری آپس میں مصالحت ہوجائے گی اور تم پرامن زندگی بسر کر سکو گے۔ البتہ مال واولاد کو فتنہ کہا ہے۔ فتنہ وفساد کے معنوں میں نہیں بلکہ آزمائش کے معنوں میں یعنی مال واولاد تمہاری آزمائش ہیں کہیں اسی میں مصروف نہ ہوجاؤ کہ اللہ کے کام ہی بھول جاؤ۔ حدیث مذکور میں فتنہ کے معنی فساد کے ہیں جو متذکرہ صدر آیت سے مراد نہیں۔ اگر عورت فتنہ ہے تو قرآن کی رُو سے الفتنۃ اشد من القتل ہے اور فتنہ کے خلاف تو برسرپیکار رہنا چاہیئے فاتلوا ھم حتیٰ لا تکون فتنۃ۔

(۹) مصنف نے بعض آیات قرآنی کے ایسے معنی بتائے ہیں جو صحیح معلوم نہیں ہوتے کیونکہ قرآنی متن میں وہ درست نہیں بیٹھتے۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیات:

(۱) وثیابک فطھر ص ۵۰۔ رسول صلعم را فرمان آمد از خدای عز و جل بتقصیر جامہ۔ اس کے بعد طہّر کے معنی قصّر لکھے ہیں۔ یعنی لباس کم کرد۔ حالانکہ یہاں معنی ہیں اپنے لباس کو پاک کرو۔ قصّر کے معنی دھونے کے بھی ہو سکتے ہیں لیکن مصنف نے اس سے قبل اپنے بیان کی تائید میں یہ روایت بیان کی ہے کہ "علیؓ پیراہنی داشت کی آستین آن با انگشت او برابر بود و اگر وقتی پیراہنی دراز تر بودی سر آستین آن فرو دریدی۔" اس کے بعد تائید میں مندرجہ آیت پیش کی ہے۔

(۲) ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعبدون کے معنی یُعرِفُون کے لکھے ہیں۔

(۳) الا عبادک منھم المخلصین۔ ص ۱۰۲۔ آیت لکھ کر فرمایا ہے کہ مخلصین کی دو قرأتیں ہیں۔ لام پر زبر بھی ہے اور زیر بھی۔ قرآن کی آیت میں شک ہونا درست نہیں۔ ہر آیت کی ایک ہی یقینی قرأت

ہو سکتی ہے ورنہ شک لازم آئے گا کہ قرآن کی مکمل حفاظت نہیں ہوئی۔ لوگ بعض الفاظ کو زبر سے پڑھتے ہیں اور بعض کو زیر سے۔ یہ آیت پندرھویں پارے کی چالیسویں آیت ہے اور مخلصین میں لام پر زبر پڑھی جاتی ہے اور یقیناً رسولِ خدا پر یہ کلمہ زبر کے ساتھ ہی نازل ہوا ہوگا۔

(۱۰) بعض قرآنی آیات اور مذکورہ واقعات کی ایسی تفسیر یا تاویل کی گئی ہے جو اجنبی اور بیگانہ معلوم ہوتی ہے اور روح قرآن کے منافی نظر آتی ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے کہا۔ یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک یعنی اے بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اتنی آیت لکھ کر بیان کرتے ہیں کہ اسمٰعیلؑ نے حضرت ابراہیم سے کہا۔ یہ اس شخص کی سزا ہے جو سو جاتا ہے اور اپنے دوست سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگر تم نہ سوتے تو ایسا حکم نہ ملتا۔ پس نیند نے تمہیں پسو بنایا اور مجھے بے سر مجھے تو ایک لمحہ کے لئے تکلیف ہوگی اور تجھے ساری عمر کی۔ ص ۲۰۰۔ خدا ہی جانے۔ ارباب لطائف نے حضرت اسماعیلؑ کے یہ بیانات کہاں سے حاصل کئے ہیں۔ قرآن مجید میں متذکرہ صدر آیت کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا بیان جاری رہتا ہے اور وہ حضرت اسماعیل سے پوچھتے ہیں تباؤ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے اباجان! جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے اسے بجا لائیے۔ انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ غور کیجئے۔ کجا یہ اولوالعزمانہ جواب۔ رضا و تسلیم کا عظیم الشان نمونہ اور کہاں حضرت ابراہیمؑ پر نیند میں غافل رہنے کی تنقید اور اس کی سزا کی تنبیہہ۔ اس قسم کی روایات نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ارفع و اعلیٰ کردار کو معیوب اور داغدار بنا دیا ہے۔

(۱۱) باب الجوع، ص ۲۰۴ پر لکھتے ہیں بیرون افتادن آدم از بہشت و دور گشتن از جوار حق از برای لقمہ بود و بحقیقت آنکہ اندر جوع مضطر بود جائے تنبود"۔ قرآن کے واضح بیان کے مقابلے میں یہ عجیب تفسیر ہے کہ آدمؑ

لگتے کے بھوکے تھے لیکن یہ بھوک ان کی اضطراری تھی۔ سورہ اعراف۔ آیت ۱۹ سے ۲۷
تک قصہ آدمؑ کا مفصل بیان ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "شیطان نے ان کے دل
میں وسوسہ ڈالا۔ اس نے کہا "تمہارے رب نے اس درخت کے قریب جانے سے
اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ اور پھر
قسم کھائی کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ بس ان کو فریب دے کر کھینچ لیا۔
پس انہوں نے درخت چکھ لیا" اس بیان سے ظاہر ہے کہ آدم کچھ رغبت نفس سے اور
کچھ شیطانی فریب میں آ کر اللہ کی تنبیہہ کو بھول گئے۔ اس میں بھوک کی مضطر و مجبور
کیفیت کا عنصر موجود نہیں۔

(۱۱۱) ص ۲۹۲۔ کرامت کا ذکر چلا آرہا ہے۔ فرماتے ہیں حضرت زکریا مریمؑ کے
پاس آتے تو گرمیوں میں موسم سرما کے پھل اور سردیوں میں موسم گرما کے پھل دیکھتے۔
قرآن مجید میں اس واقعہ کے بارے میں صرف یہ آیت ہے: وجد عندھا
رزقا ۳۷/۳ یعنی وہ اس کے پاس کچھ رزق پاتے۔ اب رزق ہر قسم کی غذا ہو سکتی ہے
مگر یہ بے موسمی چیزوں کا ہونا اپنی طرف سے اضافہ ہے۔

(۱۷۱) ص ۲۷۱ ولایت کا باب شروع ہے مصنف کرامت کی وضاحت فرما رہے
ہیں۔ معلوم ہوتا ہے بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ "اگر مسجد الحرام سے بیت المقدس
تک کا فاصلہ ایک رات میں طے ہو سکتا ہے تو خدا نے پیغمبرؐ کو مکہ تک سفر کرنے میں اتنی تکلیف
میں کیوں ڈالا۔ اور معترض نے یہ آیت پیش کی ہے تحمل اثقالکم الی بلد لم
تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس (۷/۱۶) مصنف اسی اعتراض کا جواب
دیتے ہیں کہ کرامات خاص ہوتی ہیں، عام نہیں ہوتیں، اگر تمام کے تمام لوگ مکہ چلے
جاتے تو کرامت عام ہو جاتی اور ایمان غیبی ضروری ہو جاتا۔ پس خدا نے جہاں
عام حکم دیا وہاں پیغمبرؐ کو بھی ان کے ساتھ تحمل اثقال کا حکم دیا اور جہاں مخصوص

موقع تھا وہاں خدا نے پیغمبر کو مکہ سے بیت المقدس تک ایک رات میں پہنچا دیا اور وہاں سے قاب قوسین اور کائنات کے گوشوں میں پہنچا دیا۔ اس اعتراض اور جواب اعتراض پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ جس آیت میں پیغمبرؐ اور ان کے صحابہؓ کے مکہ جانے کا ذکر ہے۔ اس کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ آیت سورۂ نحل کی ساتویں آیت ہے۔ خدا اپنے انعامات کا ذکر کر رہا ہے۔ تمہارے لئے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ تمہارے لئے چارپائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے فائدے ہیں انہیں میں اونٹ ہیں، اس کے بعد مذکورہ صدر آیت شروع ہو جاتی ہے جو اونٹوں کی صفت بیان کرتی ہے کہ وہ "تمہارے بوجھ ایسے شہر سے اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بڑی مشقت نفس کے بغیر نہ پہنچ سکتے۔" ان معانی کے پیش نظر ساری بحث و تکرار ہی ختم ہو جاتی ہے اور پھر یہ جو مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا سفر ایک رات میں طے ہونے کا بیان ہے محققین کی نگاہ میں صحیح نہیں جس آیت میں اس سفر کا اشارہ ملتا ہے وہ یہ ہے:۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہٗ۔ اس میں کسی شب روی کا ذکر ہے جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی دور کی مسجد تک واقع ہوئی۔ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب 'فی منزل الوحی' میں مکہ و مدینہ کے گوشے گوشے کے متعلق تحقیق کر کے لکھا ہے اور مسجد اقصیٰ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ ذکر الفاسی (فی شفاء الغرام) ان النبی احرم من المسجد الاقصی الذی تحت الوادی بالجعرانۃ[1]۔ الفاسی نے شفاء الغرام میں ذکر کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے مسجد اقصیٰ سے احرام باندھا جو جعرانہ کی وادی

---

[1] فی منزل الوحی، محمد حسین ہیکل، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ، ص ۲۷۲

کے نیچے ہے۔ اس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد اقصیٰ مکہ میں ہی واقع تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو آسمانی سفر کا قصہ باطل ہو جاتا ہے۔

(۲) ص ۱۴۴۔ حقیقت الایثار کا بیان ہو رہا ہے۔ ضمناً یہ کہانی بیان کی ہے کہ مکہ سے ہجرت کے موقع پر رسولِ خدا تو ابوبکرؓ کے ہمراہ باہر چلے گئے اور حضرت علیؓ پیغمبر کے بستر پر سو گئے۔ اس رات کفار پیغمبرؐ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے خدا نے جبرئیل و میکائیل سے کہا۔ تم دونوں بھائی ہو۔ ایک کی عمر لمبی ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اپنی زندگی بھائی کے لئے قربان کرے اور موت اختیار کرے۔ دونوں نے اپنے لئے زندگی کو اختیار کیا۔ خدا نے جبرئیل و میکائیل سے کہا کہ تم نے اپنے آپ پر حضرت علیؓ کا شرف ملاحظہ کیا۔ میں نے اس کو اور رسولؐ کو بھائی بھائی بنایا۔ اس نے موت کو ترجیح دی اور بھائی کی جگہ سویا۔ اب تم زمین پر جاؤ اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کرو۔ اس وقت وہ دونوں آئے ایک سرہانے بیٹھا۔ دوسرا پائنتی۔ جبرئیل نے کہا۔ واہ واہ! اے ابن ابی طالب! تیرے جیسا کون ہو سکتا ہے کہ خدا فرشتوں کے مقابلے میں تم پر فخر کرتا ہے۔ اس کی شان میں پھر یہ آیت نازل ہوئی: "من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ واللہ روف بالعباد" معلوم نہیں اس قصے کا ماخذ کیا ہے خدا نے تو یہ واقعہ بیان نہیں کیا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ کسی شیعہ بزرگ نے فضیلت علیؓ میں یہ قصہ تصنیف کیا ہے۔ حضرت علیؓ کی شان میں جو آیت نقل کی گئی ہے قرآنی متن کے سیاق و سباق میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا حضرت علیؓ سے کوئی مخصوص ربط نہیں۔ یہ سورہ بقر کی آیت نمبر ۲۰۷ ہے۔ پہلے ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو جھگڑالو ہے۔ فساد پھیلاتا ہے۔ کھیتی اور نسل کو برباد کرتا ہے وغیرہ۔ یہ بیان بھی ومن الناس من سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد پہلی آیت کے عین مقابل

مذکورہ بالا آیت شروع ہوتی ہے کہ لوگوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو رضائے خدا میں اپنی زندگی وقف کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت علیؓ کی فضیلت میں ان کا ایک اور وصف بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ہرگز اپنی شرمگاہ کو نہیں دیکھا تھا۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: مجھے اس چیز کے دیکھنے سے شرم آتی ہے جس کی مثل دیکھنا حرام ہے۔ ص ۴۳۵ ۔ آداب شرم و حجاب میں غلو دکھلانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے ورنہ ایک مسلمان کے لئے جس پر طہارت کی پابندی لازمی ہے ناممکن ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ نہ دیکھے۔

(۱۲) (۱) مصنف نے بعض ایسی احادیث نقل کی ہیں جو عقل و درایت کی رو سے یا کلام خداوندی کے ساتھ مقابلہ و مقایسہ کرنے سے غیر معتبر نظر آتی ہیں۔ علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے بھی ان میں سقم موجود ہیں۔ مثلاً یہ حدیث' ارواح شہداء اندر حواصل طیور راست ' ص ۳۲۶ - قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں لیکن تم ان کو نہیں سمجھتے۔ پرندوں کے پوٹوں میں روحوں کا قیام عجیب بات ہے۔

(ii) مصنف نے ص ۱۳۳ پر ابو یزید بسطامی کا قول نقل کیا ہے کہ 'اختلاف علماء رحمت است بجز اندر توحید' اور پھر صفحہ ۲۱۸ پر خود کہا ہے کہ یہ مشہور حدیث ہے مطالب کے لحاظ سے یہ قول روح اسلامی کے منافی ہے۔ اسلام جو فرقوں کو مٹانے اور انسانوں کو متحد کرنے آیا تھا اس کے علماء جزئی اور فروعی اختلافات کی بنا پر ناممکن الاتحاد فرقوں میں بٹ گئے۔ یہ اختلاف رحمت تو نہ بنا بلکہ عذاب ہوا۔ علامہ تمنا عمادی نے ماہنامہ طلوع اسلام ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۴ میں اس حدیث کے تمام اسناد و رجال کی تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث رسول خدا صلعم کا قول نہیں ہے۔

(iii) جود و سخا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح روایات میں ہے کہ

حضرت ابراہیم خلیلؑ کچھ نہ کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان نہ آتا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ تین دن تک کوئی مہمان نہ آیا۔ آخر ایک آتش پرست (گبر) ان کے دروازے پر آیا۔ انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا۔ میں گبر ہوں۔ اس پر کہا جا۔ تو میری مہمانی اور فیاضی کے لائق نہیں۔ خدا نے کہا جس شخص کو میں نے ستر سال پالا۔ تجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ تو اس کو لقمہ دے سکے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے پاس مہمان آئے تو وہ ان کے لئے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ خدا کے برگزیدہ پیغمبر کے شایان شان نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے اوپر خواہ مخواہ پابندی عاید کر لے کہ جب تک مہمان نہ آئے کھانا نہ کھائے اور پھر یہ بھی شرط رکھے کہ مہمان آئے تو مومن آئے اور اس کا ہم عقیدہ آئے۔ جس شخص کی ایسی سخاوت اور فیاضی مشہور ہو اس کی آزمائش کے لئے غیر قوم کا مسافر بھی آسکتا ہے۔ ایسے پیغمبر کے متعلق وہ کیا عقیدہ رکھے گا۔ گبر عموماً آتش پرست کو کہتے ہیں کوئی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں گبر موجود تھے بھی کہ نہیں۔ ایسی فرضی حکایات پر خدا کے صدیق نبی کو عتاب خداوندی کا مستوجب قرار دینا صحیح عقیدہ نہیں۔

(۱۷) کرامات کے باب میں (ص ۲۹) مصنف نے زائدہ کنیزک عمرؓ بن خطاب کے متعلق حدیث بیان کی ہے کہ وہ رسول خدا کے پاس آئی اور ان پر سلام کہا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اے زائدہ! تو ہمارے پاس دیر دیر کے بعد آتی ہے۔ تم توفیق یافتہ ہو اور میں تمہیں عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ فرمایا: وہ کیا؟ اس نے کہا۔ صبح جب میں لکڑیاں اکٹھی کرنے گئی۔ گٹھا باندھ کر پتھر پر رکھا کہ اٹھاؤں اتنے میں ایک سوار آسمان سے زمین پر آیا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ محمدؐ سے میرا سلام کہو اور کہو کہ رضوان خازن بہشت نے سلام بھیجا ہے اور بشارت دو کہ تمہاری امت کے لئے بہشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک جماعت تو حساب کے بغیر داخل ہوگی۔ ایک جماعت کا

حساب سہل کر دیں گے اور ایک جماعت کو تیری شفاعت سے بخش دیں گے۔ اس نے اتنا کہا اور آسمان کی طرف رخ کیا۔ وہ آسمان و زمین کے درمیان میری طرف متوجہ ہوا کہ میں نے اپنا گھٹا نہیں اٹھایا۔ مجھ سے کہا کہ اے زایدہ! گھٹے کو پتھر پر رکھ۔ پھر پتھر سے کہا۔ اے پتھر گٹھے کو زایدہ سمیت عمرؓ کے گھر لے جا! زایدہ کی باتیں سنکر رسول خدا اٹھے اور صحابہ کے ہمراہ عمرؓ کے مکان پر پہنچے اور پتھر کی آمد و رفت کے نشان دیکھے۔ پھر فرمایا۔ الحمدللہ کہ رضوان نے میری امت کو بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دی۔ اور ایک عورت کو کرامت عطا کی اور اس کو مریم کے مرتبے تک پہنچا دیا۔ یہ حدیث مسلمانوں کو خوش کرنے اور مفت میں جنت دلوانے کے لئے وضع کی گئی ہے۔ وگرنہ خدائے عزوجل کا یہ بناک حکم موجود ہے۔ ان الینا ایابکم ثم علینا حسابہم انہیں ہماری طرف لوٹ کے آنا ہے اور ان کا حساب لینا ہم پر واجب ہے۔ اور دوسرا حکم ہے من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ جس نے ذرہ بھر نیکی کی وہ اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی وہ اس کا انجام دیکھے گا۔ ان اعلانات کے ہوتے ہوئے کون حساب کے بغیر بخشے جانے کا خیال دل میں لا سکتا ہے۔ پھر اس خدائے علیم کے پاس سفارش کون کر سکتا ہے۔ ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ ایک دن ایسا آئے گا جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش چلے گی۔ ذرا اس کو بھی نگاہ میں رکھیے، یہ رضوان کون ہیں جو پیغمبرؐ کو بشارت بھجوا رہے ہیں۔ کیا خدائے بزرگ وحی کے ذریعے یہ وعدہ نہیں کر سکتے تھے، کیا ضروری تھا کہ آسمانی سوار کے واسطے سے ایک کنیز کو ذریعہ اظہار بناتے۔ باقی رہا پتھر کا فضا میں اڑنا، کشش ثقل زمین کا قانون جاننے والا شخص اس پرواز پر کب یقین کرے گا۔

(۷) ص ۳۵۶ پر ایک حدیث بیان کی ہے۔ ایک شخص تھا جس نے توحید کے

کے سوا کوئی اور بھلائی کا کام نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے اہل سے کہا: میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ میں سے آدھی خشکی پر اور آدھی سمندر میں پھینک دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خدائے بزرگ و برتر نے ہوا سے کہا کہ راکھ کو اکٹھا کرے۔ خدا نے اس شخص سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی۔ اس نے کہا۔ تجھ سے حیا کی وجہ سے۔ اللہ نے اس کو بخش دیا۔

خدا کا قانون تو یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ کیا خدا ایسا متلون مزاج ہے کہ ذرا سی ادا سے سب گناہ بخش دے گا۔

(۱۳) ص ۹۰-۹۱ پر حضرت زین العابدین کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا ہے۔ حکایت ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان ایک سال حج کو آیا۔ اس نے طواف کر کے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا لیکن ہجوم کی وجہ سے راہ نہ ملی۔ اسی اثنا میں زین العابدین علی بن حسین مسجد کے اندر آئے۔ چاند سا چہرہ، منور رخسار، معطر لباس۔ جب طواف کر کے سنگ اسود کی طرف بڑھے تو لوگوں نے تعظیماً پتھر خالی کر دیا۔ ایک شامی نے یہ ماجرا دیکھ کر ہشام سے کہا۔ اے امیر المومنین تمہیں تو حجر اسود تک راہ نہ دی اور جگہ خالی نہ کی وہ خوبرو جوان آیا تو سب منتشر ہو گئے، اور جگہ خالی کر دی۔ ہشام نے کہا میں اس کو نہیں پہچانتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اہل شام اس کو نہ پہچانیں اور اس کی طرفداری نہ کریں اور اس کی امارت پر مائل نہ ہوں۔ فرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا اس نے کہا میں اس کو پہچانتا ہوں۔ انہوں نے کہا اے ابا فراس! وہ کون ہے ہمیں بتاؤ کہ وہ پُر رعب جوان کون ہے۔ فرزدق نے کہا تم کان لگاؤ اور پھر ارتجالاً اس کی ستائش میں اشعار کہے۔ ایک شعر یہ ہے:-

هٰذا الذی تعرف البطحا وطاءته والحل یعرفه والبیت والحرم

یہ واقعہ میرے سے موضوع ہے کیونکہ ہشام بن عبدالملک کا زمانۂ خلافت ۱۰۵ سے ۱۲۵ ہے اور زین العابدین ۹۴ ہجری میں وفات پا چکے تھے۔

کشف الاسرار

سیّد علی ہجویریؒ نے اپنی تصانیف میں سے ایک کتاب 'کشف الاسرار' کا نام بھی لیا ہے۔ یہ کتاب ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کردی ہے۔ اصل متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بحرالاسرار کے نام سے موجود ہے، منشی نور احمد اس کے مترجم ہیں۔ اس کی اشاعت دوم ہمارے سامنے ہے۔ بڑے سائز پر صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۲۲ تک اس کا متن درج ہے۔

کشف الاسرار کو ایک رسالہ سمجھنا چاہیے جو خاص موضوع سامنے رکھ کر مرتب نہیں کیا گیا اور نہ اسے ابواب و فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیر ہیں جو اپنے مرید کو مخاطب کر کے وعظ کہہ رہے ہیں۔ کہیں کہیں مرشد اپنے آپ کو بھی مخاطب کرتے ہیں۔ رسالے کا موضوع تصوّف، فقیری اور درویشی ہے۔ اس میں ترک دنیا کا سبق، سیر و سیاحت کی ترغیب، ذکر و فکر کی دعوت اور اطاعت مرشد کی تلقین ہے۔

سیّد علی ہجویری کشف المحجوب میں واحد متکلم کے طور پر اپنا نام اس طرح لیتے ہیں۔ 'منکہ علی بن عثمان الجلابی ام'' اسی طرح اس رسالے میں بھی تین چار مرتبہ ان کا نام مذکور ہے۔ انہوں نے دو جگہ اپنے آپ کو اے علی! اے ہجویری بھی کہا ہے۔ ضمناً رسالے کے متن سے ان کی زندگی کے بارے میں بھی اطلاعات حاصل ہوتی ہیں مثلاً لکھا ہے کہ وہ ہجویر میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کی عمر میں انہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ نام نہیں بتایا۔ ابوالقاسم ان کے استاد تھے وہ ہندوستان آئے۔

لاہور کو جنت مثال پایا، آخر بچوں کو پڑھانے کی خاطر لاہور کو اپنا وطن بنا لیا۔ لیکن جب انہیں احساس ہوا کہ اس کام سے ان کے دماغ میں حکومت کی بو آگئی ہے تو انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ انہوں نے اپنے معاصر شیخ حسام الدین لاہوری اور تاج الدین کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال درج کئے ہیں۔

مذکورہ بالا باتیں ایسی ہیں جن سے یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سید علی ہجویریؒ کا ہی لکھا ہوگا لیکن زبان و بیان کی خامیاں اور تاریخی غلطیاں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم اس رسالے کو داتا صاحب کی تالیف نہ سمجھیں۔ مثلاً

ص ۱۳ پر لکھا ہے "سخنان بسیار برائے طالبان خود دارم" ایک صوفی پاکباز اور عالم اپنے مریدوں کو کبھی طالبان خود کے لقب سے نہیں پکارے گا۔ یہ الفاظ داتا صاحب کے نہیں ہو سکتے۔ اسی صفحے پر سردار مشائخان لکھا ہے۔ کشف المحجوب میں جب سید صاحبؒ نے کلمہ مشائخ استعمال کیا ہے تو یہاں مشائخاں کیوں استعمال کرتے؟ ایک جگہ لکھا ہے "کشف المحجوب را بمحبت قلبی درمیان اندک مدت تمام کردہ بودم" یہ بیان خلاف واقعہ ہے۔ سید صاحب نے کشف المحجوب میں خود بیان کیا ہے۔ کہ وہ دو مرتبہ ہندوستان آئے۔ پہلی مرتبہ کی آمد کا ذکر انہوں نے اس طرح کیا ہے "من اندر دیار ہند اندر میان ناجنسان گرفتار ماندہ" (ص ۱۰۰ نسخہ مطبوعہ لینن گراڈ) اس سلسلے میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کی کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں اس لئے وہ اپنے شیخ کی بعض روایات کو نقل نہیں کر سکتے۔ یہ پہلا سفر ۴۲۹ - ۴۳۰ میں ہوا۔ کشف المحجوب ۴۸۱ھ تک مکمل نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس میں انہوں نے شیخ عبداللہ ہرویؒ، متوفی ۴۸۱ھ کو رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب کئی سالوں میں مکمل ہوئی۔ ویسے بھی کشف المحجوب کی ترتیب و تبویب اور متنوع موضوعات کے لئے بے شمار کتابوں کے حوالے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ "درمیان اندک مدت"

یہ کتاب تمام نہیں ہو سکتی۔

ص ۱۳۔ اپنے اس رسالے کے بارے میں لکھا ہے "درنظر من این کتاب بہ از دیگر اذکار است" اس جملے میں ایک تو زبان کی ناہمواری ملاحظہ کیجئے۔ اگر اذکار سے مراد ذکر خدا، درود و وظائف ہے تو یہ رسالہ یقیناً ان سے بہتر نہیں۔ سید ہجویری ایسے ثقہ مصنف اپنے رسالے کے بارے میں خود ہی "درنظر من" کیوں کہتے۔

ص ۱۴۔ زبان کی نیرنگیاں ملاحظہ فرمایئے۔ یہ داتا صاحب کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔

"درگفتگو و اذکار فقر بودند"

'یا حضرت بر واحد اظہر اظہر است'

'اے ہجویری عزت و دولت است بے انتہا برخود بگزین و در راہ راہ شو'

'فی الجملہ مطلب ازین است'

'درآب دستان معشوق منظور نظر یافتم'

ص ۱۵۔ بوساطت معلمے صبیان تو طن و سکونت اختیار نمودم،

اے استحقاق پناہ'

'خضر اصحاب دار'

ازین بہبودی تو خواہد شد'

ص ۱۶۔ پس او ماندی، کشف المحجوب میں ماندن چھوڑنا کے معنوں میں استعمال ہوا۔ مثلاً بعیال چہ ماندی یعنی بیوی کے لئے کیا چھوڑا ـــــ ایک مصنف ایک زمانے میں ایک ہی لفظ کو دو معنوں میں استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے زمانے میں وہ لفظ دوسرے معنوں میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا۔

ص ۱۶۔ 'بفہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد' 'گردہستی گرد خواہی شد' اس جملے نے ہمارے شکوک کو بہت تقویت دی ہے کہ یہ کتاب سید علیؒ کی

تالیف نہیں ہو سکتی کیونکہ غزنویوں کے عہد تک' دہ ہزاری' سہ ہزاری' ہفت ہزاری، ہر قسم کے مناصب کا رواج ہی نہیں تھا یہ تو جلال الدینؒ اکبر بادشاہ (۹۶۳ - ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں قائم کئے گئے تھے اس لئے یہ کتاب اکبر یا اس کے بعد کے زمانے میں تالیف ہوئی ہے۔

ص ۱۷- 'چہار صد پیغمبراں را خدمت کردم از انہا ہشت ہزار کلمہ حاصل کردم' یہ غزنوی عہد کی زبان نہیں ہو سکتی۔

ہندوستانی فارسی کی جھلک نظر آتی ہے۔ مندرجہ ذیل جملے بھی دیکھئے۔

'سن من الحال اثنا عشر کہ ہستند'

ص ۱۸- پیش آنہا علم میخوانم'

ص ۱۹- 'زبان مرا بوقت شہادت بندشی منہ' 'خود را خاک کن تا باطن بدیدی' مرا پسند من ہمین است' 'طمع خواری فہم کن' 'مکر و عقل از خود بعید کن' وچرا چنین طبیعت میکنی' طبیعت کردن کا محاورہ دیکھئے۔

'خود را خاک مزدوری' 'تا نیک اولاد پوری' مزدوری اور پوری کے پنجابی الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

ص ۱۹- 'اے علی ترا خلق میگوید گنج بخش'۔ اس رسالے کا مؤلف یہاں بھی تاریخی غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ سید علی ہجویریؒ اپنی زندگی میں گنج بخش کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے بلکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے پہلی مرتبہ اپنے شعر میں ان کو اس لقب سے خطاب کیا ہے ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

کشف الاسرار کے مترجم نے اس رسالے کے آخر میں سید ہجویریؒ کے

حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔

انہوں نے خود اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلی مرتبہ 'گنج بخش' کا لقب شیخ معین الدین چشتی نے داتا صاحب کے لئے استعمال کیا تھا۔ ترجمہ کرتے وقت ان کے ذہن میں یہ غلطی نہیں کھٹکی۔

ص ۱۹۔ مطالب عقبیٰ مشو، حضرت سید ہجویری ان صوفیا میں سے تھے جو طریقت میں شریعت کی پابندی لازم سمجھتے تھے۔ جب خدائی فرمان کے مطابق دنیا و آخرت دونوں میں خیر طلبی کا حکم ہے تو وہ کس طرح اپنے آپ پر یہ حکم لگا سکتے تھے۔ یہ بھی ان کا قول نہیں ہو سکتا۔ رسالے کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے 'خداوندا مرا جنت دہ'، کیا جنت مانگنا طلب عقبیٰ' نہیں۔ مؤلف کے اپنے قول میں تضاد ہے۔

ص ۱۹۔ ای علی: تو یوسف کنعانی ۔یقین نہیں آتا کہ داتا صاحب اپنے آپ کو اس طرح مخاطب کریں۔

ص ۲۰۔ گاہ بر قد سرو رفتارش فکر رامی فروزانم '' قد سرو رفتار' کی ترکیب ملاحظہ فرمایئے۔ سرو قد تو سنا ہے' سرو رفتار' کی تشبیہ کسی کو نہیں سوجھی۔

ص ۲۱۔ سید علی شاعر بھی تھے۔ ان کی زبان سے کہلوایا ہے" بیت واشعار بسیار گفتہ ام و دیوانے گفتم بسیار مطبوع و پسندیدہ' اول تو اس بیان کی زبان ہی پکار رہی ہے کہ ایرانی محاورہ نہیں اور پھر خود ہی اپنے دیوان کو مطبوع و پسندیدہ، کہنا سید صاحب کو کیا زیب دیتا تھا۔ اس کے بعد اپنی ایک غزل لکھی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں۔ زبان کس قدر غلط ہے۔ بندش الفاظ کتنی ڈھیلی اور تخیل کتنی غیر واضح ہے۔

شوق تو در روز و شب دارم و ملا　　　عشق تو دارم بر پنہاں و ملا

جان خواہم داد من در کوئے تو　　　گو مرا آزاد آید با بلا

عشق تو دارم میان جان و دل، میدہم از عشق تو ہر سو صلا
یا خدا وندا رقیبان را بکش یا مرا در یاد کن مست بلا
جام من دارد شراب یا دخود مہربان کن بر من و ہم مبتلا
اے چساکز تو اگر خواہم قضا گہ تو آدی و بکن ہرگز تولا
اے علی تو فرخی در شہر دکوے دہ ز عشق خویشتن ہر سو صلا

ص ۲۲- پر لکھا ہے:۔ بیدانی کہ سلامت خواہم ماند زن مکن کہ بلائے است عظیم و عذابے است الیم۔ کشف المحجوب میں ہجویریؒ صاحب نے عورت کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ممکن ہے اس رسالہ کے مؤلف نے ان سے ہم نوائی اور ہم فکری کی خاطر ان کا یہ خیال لکھ دیا ہو داتا صاحب نے اپنے اس نظریے کی خاطر شادی نہیں کی۔ اور یہ صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن عام سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انہوں نے دو شادیاں کیں، چنانچہ اس رسالے کے مترجم نے بھی صفحہ ۲۶ پر یہی لکھا ہے اگر انہوں نے شادیاں کی تھیں تو کیا وہ دوسروں سے کہتے تھے۔ 'زن مکن'، اور خود اس کے خلاف عمل کرتے تھے۔

ص ۲۲- دلیسی فارسی کے کچھ اور نمونے دیکھ لیجئے۔

بجز نام تو روئے ندارد و بجز عزت کسے ندارد'

ص ۲۳- والدین را ہچون قبلہ بیشک بدان

سپرد تو بحق جل جلالہٗ و عم نوالہٗ و اعلیٰ صفاتہ می کنم۔

ص ۲۳- از گفتہ من غصہ نکنی۔ غصہ کردن ہندوستانی محاورہ ہے۔ اہل غزنہ کی زبان نہیں۔

مندرجہ بالا امور کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ رسالہ سیدؒ علی ہجویری کی تصنیف نہیں۔ کسی ہندوستانی پیر کی تالیف ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے

اپنے آپ کو "سید علی" کے روپ میں ڈھال لیا ہے۔ فی الحال کشف الاسرار کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ اگر کہیں سے مل گیا تو پھر یقیناً اس جعلی علی بن عثمان الجلابی کا راز فاش ہو جائے گا۔ اپنے نام کے ساتھ مؤلف نے الجلالی لکھا ہے۔ ممکن ہے الجلابی کی تصحیف ہو یا پھر وہ جلابی' کی نسبت سے باخبر تھا اور اس نے جلابی کے بجائے جلالی لکھ دیا۔

فخر مدبر

محمد نام تھا، مبارک شاہ لقب۔ فخر مدبر کے نام سے مشہور تھے۔ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرتبہ ڈینی سن روس صفحہ ۶۲ پر فخر مدبر لکھا ہے جو صحیح نہیں، اسی مذکورہ کتاب میں فخر مدبر نے اپنا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے۔

محمد بن منصور بن سعید بن ابی الفرح بن الجلیل بن احمد بن ابی نصر بن خلف بن احمد بن شعیب بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابی بکر الصدیق التیمی القرشی۔

فخر مدبر کی دوسری تصنیف آداب الحرب والشجاعۃ[۱] میں ان کے نام کے پہلے شریف لکھا ہے۔ دوسرے افراد نسب نامہ میں ابی الفرح کے بجائے ابوالفرج اور جلیل کے بجائے خلیل لکھا ہے۔ فخر مدبر نے اپنے والد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ متبحر فاضل تھے۔ بیس سے اوپر علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ لاہور اور غزنین کے ائمہ اور قضاۃ نے ان سے استفادہ کیا[۲]۔ شریف ابوالفرج ان کے نگر دادا سلطان رضی ابراہیم غزنوی (۴۵۱ - ۴۹۲ھ) کے رضاعی بھائی تھے۔ انہوں نے قرآن، ادب اور خطاطی میں اکٹھے تعلیم پائی تھی۔ وہ بادشاہ کے خازن تھے۔ تقریباً اکیس مناصب ان کی تحویل میں تھے۔ جن میں کدخدای سرای حرم و خداوندزادگان، تولیت اسباب خاص و اوقاف یمینی، تحویلداری خزانہ وغیرہ سب سے اہم کام تھے۔ وہ بادشاہ کے ساتھ حصار نامی میں بھی اکٹھے مقید رہے۔ سلطان کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ انہوں نے

---

[۱] آداب الحرب والشجاعۃ، مخطوطہ موزہ بریطانیہ، ورق ۹ ب ! [۲] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۶۸

اپنی تدبیر کاری سے غزنین میں قحط سالی کو دور کیا۔[1]

بلگا تگین، مسعود غازی کے خسر فخر مدبر کے جد مادری تھے۔ فخر مدبر کی زندگی کے تفصیلی حالات کہیں سے نہیں ملتے۔ ان کی خاندانی نجابت تو مسلّم ہے۔ علمی فضیلت بھی ان کی مصنفات سے واضح ہے۔ ان کے اب وجد غزنین سے اٹھ آئے تھے اور لاہور، ملتان میں مقیم ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ "وقتی درکودکی بملتان پیری رادیدم"[2] ان کے اسلاف مدتوں لاہور میں تھے۔ ۵۸۳ھ میں سلطان محمد سام غوری نے لاہور فتح کیا اور سلطان خسرو ملک غزنوی کو اپنے ہمراہ لے گیا تو فخر مدبر بھی غزنین گئے اور املاک واوقاف اسلاف کے کاغذات وہاں سے لے کر لاہور آ گئے[3]۔ آداب الحرب والشجاعۃ شمس الدین التتمش سے منسوب کی۔ گویا وہ ۶۰۷ھ تک ضرور زندہ تھے۔

یقین ہے کہ وہ سلاطین وامراء کی نگاہوں میں محترم وموقر رہے ہوں گے اور جنگوں میں بھی شریک رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ میدانِ جنگ کی صف آرائی، لڑائی کے پینترے اور آلاتِ جنگ کا استعمال خوب سمجھتے ہیں۔

ان کی دو معنوی یادگاریں محفوظ رہ گئی ہیں۔

(۱) آداب الحرب والشجاعۃ۔

(۲) بحر الانساب

آداب الحرب والشجاعۃ

کتاب کے نام سے تو یہی ظاہر ہے کہ اس میں جنگ اور اس کے طور طریق اور

---

[1] آداب الحرب والشجاعۃ۔ ورق ۵ ب -۶ب ! [2] ایضاً ورق ۲۰۲

[3] تاریخ فخر الدین مبارکشاہ، ص ۶۲،

بہادری کے کارناموں کا ذکر ہوگا۔ لیکن اس کے ابواب کی تفصیل دیکھے بغیر اس کے مضامین کی اہمیت واضح نہیں ہو سکتی۔ کتاب چونتیس ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) اندر کرم و حلم و عفو پادشاہان — ۲ اندر عدل و نیت پادشاہان و خصایل حمیدۂ ایشان — ۳ اندر رحمت و شفقت پادشاہان — ۴ اندر آنچہ باید کہ پادشاہان ازان غافل نباشند — ۵ اندر اختیار کردن وزیر کافی عالم ناصح پاک دین خدای ترس — ۶ اندر فرستادن رسول و تحف وہدایا و تربیت آن — ۷ اندر مشورت کردن حرب و تا ممکن گردد حرب ناکردن — ۸ اندر خلقت و فضیلت اسب و ثواب آنکس کہ او را تعہد کند — ۹ اندر شیت اسب و اورا دھا کہ استادان نہادند — ۱۰ اندر شناختن اسب و دندان و معالجت و علت ایشان — ۱۱ اندر فضیلت و خاصیت ہر سلاحی و کار بستن آن — ۱۲ اندر عرض کردن لشکر و ترتیب نگاہ داشتن — ۱۳ اندر فرود آوردن لشکر و لشکرگاہ کردن — ۱۴ اندر بیرون فرستادن طلایہ و جاسوسان و منہیان — ۱۵ اندر شبا خون فرستادن تا چہ وقت باید کردن — ۱۶ اندر کمین فرمودن کہ چگونہ باید کرد — ۱۷ اندر اختیار کردن زمین مصاف و جنگ جای — ۱۸ اندر تعبیر راست کردن مصاف بر گروہ از اصناف خلق۔ ۱۹ اندر راست کردن صفہای حرب و ترتیب آن — ۲۰ اندر حرب کردن و بیرون سالاران و مبارزان و ترتیب آن — ۲۱ اندر آغاز کردن جنگ کہ اول رسم حرب کردن کراست — ۲۲ اندر بیرون شدن مبارزان و تمام کردن حرب — ۲۳ اندر فرہنگ و دانش ہای حرب — ۲۴ اندر آنچہ از سپاہ حشری کہ از ہر جای اندران کاری بر نیاید ۲۵ اندر غزو کردن و فضیلت جہاد بہ کافران — ۲۶ اندر ستدن فی غنیمت از لشکریان و ستد جزیہ و خراج از کافران و ذمیان — ۲۷ اندر جنگ حصار و تدبیر ساختن و حیلت آن — ۲۸ اندر لشکر صلاح و مدد و معونت ایشان — ۲۹ اندر

علامت ظفر و پیروزی حرب در روز — ۳۰ اندر آنچه پادشاه باید که حق ہر یک اندازہ کار و خدمت آن بستاند — ۳۱ اندر آنچہ لشکریان بدان سزا وار عقوبت گردند — ۳۲ اندر آنچہ آستان نہادہ اند ہر یک حکمتی را — ۳۳ اندر آنچہ اجل بجنگ و پرہیز بیشتر و بیشتر نشود — ۳۴ اندر بندھا کہ بادشاہ و لشکر و رعیت باید کہ آنرا کار بند باشد۔

مصنف نے ہر باب کے شرح میں موضوعات کی تقویت اور توثیق کے لئے قرآن مجید کی آیات اور رسول اکرمؐ کی احادیث بیان کی ہیں۔ کہیں کہیں بزرگوں کے اقوال بھی پیش کئے ہیں اور اکثر خلفاء و سلاطین کے عہد سے متعلق واقعات اور حکایات بھی لائے ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ۔ خلفاء میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور مامون الرشید شاہان ساسان میں سے بہرام شاہ گور، خسرو انوشیروان اور غوری و غزنوی سلاطین کے کارناموں اور بعض اہم واقعات کو بیان کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نے ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین ماہ مئی ۱۹۳۸ء میں اس کتاب میں سے "حکایات راجع بہ خانوادۂ غزنویہ کو جداگانہ شائع کیا تھا تاکہ مؤرخین اس غیر مطبوعہ کتاب میں سے بعض اہم واقعات سے آگاہ ہو جائیں۔ کتاب میں امیر سبکتگین، سلطان محمود، سلطان مسعود غزنوی اور سلطان غوری محمد بن سام کی بعض فتوحات کا ذکر موجود ہے۔ لاہور اور ملتان کی فتح کے ضمن میں سالاروں اور ناموں کا بھی ذکر ہے ضمناً لاہور غزنین۔ غور اور اس کے مضافات میں بعض ایسی بستیوں کے نام آگئے ہیں جن کا ذکر اور کہیں نہیں ملتا۔ لاہور کی بنیاد اور اس کی تعمیر و ترقی کا حال جو اس کتاب میں مذکور ہے وہ اور کہیں موجود نہیں۔ لاہور کی وجہ تسمیہ کے بارے میں جو قصے مشہور ہیں اس کتاب سے ان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ موزہ برطانیہ کے مخطوطہ میں شخصیتوں کے نام واضح طور پر پڑھے نہیں جا سکتے۔ اور زمانے کی دوسری تاریخوں سے اس قسم کے ناموں کی توثیق بھی نہیں ہوتی۔ ہندو شاہیہ خاندان کے بادشاہوں کے نام البتہ صحیح

مذکور ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے لاہور کی بنیاد جج بھنڈرا (؟) نے رکھی اس کا بیٹا بنترت (؟) ہوا۔ جس نے اپنی ترانوے سال کی عمر میں پچھتر سال لاہور کی حکومت سنبھالی۔ وہ آفتاب پرست تھا۔ اس نے اس مقام پر بت خانہ بنایا جہاں مؤلف کے زمانے میں مسجد حبشی تھی۔ اس نے پتھر کا بت ترشوا کر اس کا نام آفتاب رکھا۔ بنترت کا ایک بدکردار بیٹا تھہرت (؟) ہوا۔ جس نے اپنے باپ کو قلعہ کہلور میں بند کر دیا۔ اس نے شہر لاہور میں تھہیور کے نام سے ایک قلعہ بھی بنایا جہاں مؤلف کے زمانے میں محلت عرب تھی اس بادشاہ کو ملک گیری کی ہوس ہوئی۔ اس نے ہندو شاہ جیپال سے قلعہ بندنہ اور تاکیسہ ہتھیانا چاہا۔ جیپال نے اپنے بیٹے انندپال کو اس کے مقابلے میں بھیجا جس نے اس کو شکست دی۔ تہرت کے بیٹے جیندرت نے دیکھا کہ باپ مغلوب اور بدنام ہوا ہے تو اس کو قید کر دیا اور لاہور کی عنان حکومت سنبھالی۔ اس نے "آب بیاہ" کے کنارے جیندرت پور کے نام سے ایک گاؤں کی بنیاد رکھی۔ جیپال کو جب اس انتقال حکومت کی اطلاع ہوئی تو اس نے انندپال کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ انندپال کے سپاہی کمین میں بیٹھے تھے۔ جیندرت غافل شکار کے لئے نکلا۔ انہوں نے گھات سے نکل کر اس کو گرفتار کر لیا۔ جیندرت کے بیٹے جالندھر کی طرف بھاگ گئے۔ جیندرت نے نو سال حکومت کی۔ ۳۸۹ ہجری میں شاہ جیپال لاہور کا حکمران ہوا۔

کتاب کے اہم حصوں میں سے ایک حصہ وہ ہے جس میں مختلف آلات جنگ کا ذکر ہے جو مصنف کے زمانے میں استعمال ہوتے تھے۔ پروفیسر محمد شفیع صاحب نے کتاب کا وہ حصہ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۷ء میں شائع کیا تھا۔ پروفیسر محمود شیرانی نے اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۹ء میں آتشیں اسلحہ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں آداب الحرب والشجاعۃ سے استفادہ کر کے

تمام معمول اسلحہ کو تفصیل سے بیان کیا تھا۔ کتاب میں تیر۔کمان۔تلوار کی اقسام ۔، ترکیب اور استعمال کے قواعد اور فوائد کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ گھوڑے کی صفات و اصناف، تربیت اور سواری۔ علل و معالجہ کے متعلق مفصل معلومات مہیا کی ہیں اور لکھا ہے کہ انہوں نے بڑی تکلیف اٹھا کر یہ فن حاصل کیا ہے اور کہا ہے کہ جو علم اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ تم دنیا میں کسی اور جگہ نہیں پاؤگے (ورق ۸۹) کتاب کا وہ حصہ بھی اہم ہے جہاں میدان جنگ کے انتخاب اور فوج کے مختلف حصوں کو میدان میں آراستہ کرنے کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ ان کے مختلف نقشے کھینچ کر بیانات کو واضح کیا گیا ہے۔ مصاف فریدوں، مصاف سکندر اور مصاف ہندوان کے نقشے بھی دیئے ہیں (مخطوطہ موزہ بریطانیہ میں جگہیں خالی ہیں)

مصنف نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے۔ (ورق ۱۳) دریں نوع کسی مثل ایں کتابی دیگر نکردہ است، یہ ممکن ہے مجموعی طور پر اس سے پہلے اس قسم کی کتاب نہ لکھی گئی ہو لیکن ذاتی مشاہدات و تجربات کے علاوہ بعض مضامین کا ماخذ ضرور ہوگا لیکن انہوں نے کسی ایسی کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ مثلاً ورق نمبر پانچ سے لے کر ورق نمبر سات تک۔ آدمؑ سے لے کر شاہان ساسانی تک جن ممالک، سلاطین اور انبیا، کا ذکر کیا ہے وہ ضرور کسی کتاب سے ماخوذ ہیں مثلاً خدائے نامک یا تاریخ طبری شاہنامہ فردوسی وغیرہ۔ اس تاریخی حصے میں اساطیری حصے شامل ہیں اور مصنف نے حقیقت و افسانہ میں امتیاز نہیں کیا اور سب کچھ لکھدیا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل بیانات پر نظر کیجئے جو اکثر غلط ہیں۔

ورق ۵ــ پہلا شخص جس نے خط عبری و یونانی لکھا اور لوگوں کو زراعت کا شوق دلایا پیشدادکہلاتا ہے۔ طہورث نے دیووں سے جنگ کی اور ابلیس کو مسخر کیا اس نے خط پارسی لکھا۔

جمشید نے ۱۶۷ سال اور ۴۲ دن بادشاہت کی۔

ورق ۲۔ موسیٰ عمران منوچہر بادشاہ کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔

اردشیر نے باوان اردشیر اور بہمن اردشیر نام کے شہر بنائے۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس اور قلعہ غزنین بنایا۔ ان کے بعد دارا بن بہمن بادشاہ ہوا جس نے پارس اور داراب جرد شہر آباد کیے۔ پھر دارا بن دارا بادشاہ ہوا۔

ورق ۷۔ دارا کے بعد سکندر رومی بادشاہ ہوا۔ اس کو ذوالقرنین کہتے ہیں۔ وہ اندھیرے میں آب حیات کی تلاش کے لئے گیا۔

مصنف نے جابجا اپنے دلائل کی تقویت کے لئے تاریخی کہانیاں پیش کی ہیں جو اکثر دلچسپ ہیں اور موضوعات کتاب کی خشکی کو بھی تازگی بخشتی ہیں۔ مصنف نے اپنے اور زمانہ قریب سے متعلق جو واقعات یا حقیقی داستانیں بیان کی ہیں وہ تاریخ کا ماخذ قرار دی جا سکتی ہیں۔ پرانی کہانیوں میں سے بعض فرضی ہیں۔ مثلاً ورق ۳۸ پر لکھا ہے کہ بصرہ میں پانچ ظالم تھے جن کے نام جابر، جابر، خاطی، مخطی اور حامل الخطا تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ نام خود ساختہ ہیں۔

سلاطین امراء اور عوام کے لئے عدل و احسان، رحم و شفقت، بلند اخلاق و کردار کے متعلق زرین نصائح بیان کی ہیں۔ اسی لحاظ سے یہ کتاب قابل قدر ہے۔

احادیث رسولؐ بیان کرتے وقت وضعی اور غیر وضعی میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔ مثلاً یہ احادیث دیکھیے۔

ورق ۸۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ گھوڑا زمین کی طرف بھیجا گیا۔ جب اس نے زمین پر پاؤں رکھے تو وہ ہنہنایا۔ خدائے رحمٰن نے اس کی پیشانی اور پشت پر ہاتھ پھیرا۔

ورق ۹۔ مجھے اپنے عز و جلال کی قسم میں نے تجھ سے آدمؑ سے اور گھوڑے سے زیادہ

محبوب صورت نہیں بنائی۔

ورق ۱۹۱۔ پیغامبر علیہ السلام نے فرمایا۔ المحرق (جلا ہوا) الغریق (ڈوبا ہوا) المہدوم (مکان کے نیچے آکر مرا ہوا) الملدوغ (بچھو یا سانپ کا کاٹا ہوا مرا ہوا۔) البطون (پیٹ کی بیماری سے مرا ہوا) المجنوب (ذات الجنب سے مرا ہوا) وغیرہ یہ سب شہداء ہیں۔ خدا نے تو صرف ان کو شہید بتایا ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں۔ حادثے اور بیماری کی موت تو مفت کی شہادت ہے۔

آداب الحرب والشجاعۃ' اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے بھی یادگار کتاب ہے جملے چھوٹے ہیں۔ زبان سادہ پختہ اور روان ہے۔ معانی میں ابہام نہیں۔ عبارت میں تکلف و تصنع نہیں۔ علمی موضوع کے لئے ایسا ہی بیان صحیح اور موزوں ہوتا ہے مثلاً یہ نمونہ دیکھیے۔

"چنین آوردند کہ در زمانہ پیشین شاہی بود شب و روز شکار کردی و نیک شکار دوست بود و بر سبب شکار در مملکت خود دور رفتی و گاہ گاہی در مملکت خود بگذشتی وقتی شکاری رفتہ بود و زمستان بود۔ بر پشت اسب واز سرما چون چوبی خشک شد" ص ۳۱

"چون رسولی از حضرتی بحضرتی یا از تختی بتختی فرستند کہ او را اصلی و خاندانی باشد یا از خاندان علم و تقوی باشد یا سادات بزرگ نسب باشد یا از خاصہ باشد کہ از وقت کودکی در پیش تخت پادشاہ بزرگ شدہ باشد و مہذب و ممیز گشتہ و آداب ملوک بیاموختہ و در خدمت پادشاہ معروف شدہ" ص ۶۱

چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں فارسی نثر کا یہ عمدہ نمونہ ہے۔ اگر کتاب کا زیر نظر مخطوطہ

نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور قرن دہم میں لکھا گیا ہوگا۔ پھر بھی قرن ششم کی املائی صورتیں قائم رہ گئی ہیں۔ اس کتاب کی دستوری خصوصیات کے بارے میں پروفیسر محمد شفیع صاحب نے اورینٹل کالج میگزین ماہ مئی ۱۹۳۸ء میں مضمون لکھا تھا۔ روزمرہ، محاورہ، افعال ومرکبات وحروف کی مخصوص صورتیں اور ان کے معانی بیان کئے تھے۔

بعض املائی صورتیں کشف المحجوب کی املا سے ملتی جلتی ہیں مثلاً آہنگ آنچ سہ دیگر نیز دی کا استعمال۔ دیوانی کو بیرونی لکھا ہے۔ دشمن سے دشمنایگی اسم حاصل مصدر بنایا ہے۔ مصنف ہندی الفاظ سے آشنا ہیں اور اپنی کتاب میں استعمال بھی کرتے ہیں۔ مثلاً کتارہ، چندن، کنگرھا (ص ۱۷۹) بہلہ (بھالا) (ص ۲۰۴) وغیرہ (فہرست ج ۲، ص ۴۸۷-۸۸)

آداب الحرب والشجاعت کے تین قلمی نسخوں کا ہمیں علم ہے برٹش میوزیم کا نسخہ جس کا روٹو گراف پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے۔ دیکھئے فہرست مخطوطات فارسی۔ ص ۴۴۷۔ تیسرا نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے۔ [illegible] س نسخے میں اس کتاب کا نام آداب الملوک وکفایتہ المملوک لکھا ہے۔

فخر مدبر کے متعلق متذکرہ صدر مضامین کے علاوہ آغا عبدالستار خان کا مضمون بھی دیکھیے جو ۱۹۳۸ء Islamic culture میں شائع ہوا تھا۔ نیز دیکھیے مآثر لاہور از سید ہاشمی فریدآبادی اور بزم مملوکیہ از صباح الدین عبدالرحمٰن۔

بحر الانساب

یہ بھی فخر مدبر کی تالیف ہے جو ۶۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ مصنف نے دیباچے میں خود بتایا ہے کہ پہلے کتاب کا مسودہ سلطان غیاث معزالدین محمد بن سام کی خدمت میں پیش ہونا قرار پایا تھا لیکن بادشاہ کی مصروفیت کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ اچانک وہ

قتل ہوگیا۔ بعد میں قطب الدین ایبکؔ کی خدمت میں لاہور میں پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پسند کیا اور اس کا ایک نسخہ شاہی کتب خانے کے لیے مرتب کرنے کا حکم ہُوا۔

مؤلف نے کتاب کی ترتیب و تالیف کے بارے میں خود بیان کیا ہے کہ شروع شروع میں اس نے رسولِ خدا اور اس کے صحابہ کے شجرے مرتب کئے۔ بعد میں مہاجرو انصار کے شجروں کا اضافہ کیا۔ بعد میں کافی مدت تک تفاسیر، احادیث، قصص و دواوین اور کتب تواریخ کا مطالعہ کرکے ملوک عرب، شام، یمن کے نسب نامے اکٹھے کئے۔ پھر بڑی کاوش اور کوشش کے بعد شعرائے جاہلیت، شعرائے مخضرمون اور مولدون کے بارے میں اطلاعات جمع کیں۔ اس کے بعد بڑی محنت سے ملوک عجم میں کے پیشدادیاں۔ کیانیاں۔ اشکانیاں اور ساسانیاں کے متعلق معلومات اکٹھی کیں اس کے بعد بنوامیہ، خلفائے عباسی اور امراء وروساء کے ساتھ ساتھ طاہری۔ صفاری اور سامانی بادشاہوں کے نسب نامے جمع کئے۔ آخر میں غزنویوں اور غوریوں تک کے حالات جمع کیے۔

مؤلف لکھتے ہیں کہ انہوں نے کم و بیش ہزار کتابیں پڑھی ہوں گی اور تقریباً دس سال اس کی ترتیب و تصحیح میں صرف ہونے ہوں گے۔ اس بیان میں کل ۱۳۶ نسب نامے شامل ہیں۔

اصل کتاب تو نسب نامہ ہی ہے جس کے متعلق مؤلف کے والد نے بھی بڑی تعریف کی ہے۔ واقعی مؤلف کے زمانے میں اس قسم کی کتاب ترتیب دینا بڑی کاوش کا کام ہو گا۔ موجودہ زمانے میں رسل و رسائل کی آسانیاں اور کتاب خانوں کی سہولتیں مہیا ہیں۔ پھر بھی اس قسم کی جامع کتاب ترتیب دینا بڑا کٹھن کام ہے۔ عصر حاضر میں مؤرخین اور تحقیق و تلاش کرنے والوں کے لیے اس قسم کی کتاب ناگزیر ہے۔ لین پول نے Muhammadan Dynasties لکھ کر بہت بڑی خدمت انجام دی۔ لیکن

ابھی تک اس میں تکمیل کی گنجائش ہے اور کئی خاندانہائے سلطنتی کے نسب نامے شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔

مؤلف نے نسب نامے کے علاوہ ابتدائیہ اور دیباچہ بھی لکھا ہے جس کو مسٹر ڈینی سن راس نے تاریخ فخرالدین مبارک شاہ کے نام سے کتابی شکل میں چھاپ دیا ہے جو عام کتابی تقطیع کے ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے اس حصے میں بعض اہم معلومات موجود ہیں۔ چونکہ بادشاہ ترکی الاصل تھے اسی نسبت سے مملکت ترکستان کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ترکوں کے مختلف قبائل کے نام لکھے ہیں۔ ان کے ہاں مروجہ زبانوں کے رسم الخط یعنی سندی۔ تغزغزی اور خزری کو بھی بیان کیا ہے۔ ترکستان کا حال بیان کرنے سے پہلے ہفت اقلیم کی بھی تفصیل لکھی ہے۔ صفحہ انیس سے صفحہ پینتیس تک قطب الدین ایبک کی فتوحات بیان کی گئی ہیں اس کے زمانۂ سالاری اور زمانہ بادشاہت کی تواریخ کے ساتھ اس کے کارناموں کا ذکر بھی کیا ہے۔ بڑے خلوص اور جوش سے اس کی شجاعت اور سخاوت کا تذکرہ کیا ہے اس حصے میں بعض دوسرے نامور اشخاص، وزرا اور علما کا بھی ذکر ضمناً ذکر ہے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر سر ڈینی سن راس نے صرف اتنے حصے کو شائع کیا۔ ڈینی سن راس نے اس منفرد مخطوطہ کے متعلق "عجب نامہ" مرتبہ ۱۹۲۲ء میں مضمون بھی لکھا تھا۔ راس سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس نے اس کتاب کی تالیف کو فخرالدین مبارک شاہ مرورودی کے نام سے منسوب کر دیا ہے، حالانکہ وہ ایک دوسرا شخص ہے۔ اس نے بھی خاندان غوری کا شجرہ نسب نظم کیا تھا۔ آغا عبدالستار خاں صاحب نے اپنے مضمون مطبوعہ اسلامک کلچر ۱۹۳۸ء میں دونوں شخصوں کے سوانح زندگی پر روشنی ڈال کر واضح کیا ہے کہ فخر مدبر اور ہے اور فخرالدین مبارکشاہ الگ شخص ہے لقب مبارکشاہ کی یکسانیت سے راس صاحب کو یہ التباس ہوا ہے۔

صفحہ ۵۰ سے ۸۳ تک آدم، حوا، ہابیل و قابیل کی ولادت، قابیل کی نافرمانی اور قتل ہابیل۔ آدمؑ کی دیگر اولاد میں سے عوج کی ولادت اور اس کے فوق العادۃ قد و قامت کا ذکر اور حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں اس کی موت کا بیان ہے۔ یہ حصہ بھی گویا نسب نامہ میں شامل ہے۔

اس کتاب کا اسلوب بیان بھی مشکل نہیں بلکہ اکثر حصہ سادہ و رواں ہے کہیں کہیں تکلف سے کام لیا گیا ہے، ورنہ انداز آداب الحرب و الشجاعۃ سے ملتا جلتا ہے۔ نمونے کی عبارت یہ ہے۔

"ہیچ خصلت پسندیدہ مر ایوان و پادشاہانرا بہتر ازین نیست و بسیار باشد کہ . . . . پادشاہان سیاست فرمایند و چون خشمشان کم شود از کردہ پشیمان شوند و تأسف خورند سود ندارد۔ ہیچ مردانگی و فرزانگی بہتر از خشم فرو خوردن نیست ۔"

فتاویٰ برہنہ

فتاویٰ برہنہ فقہ حنفی پر ایک مفصل کتاب ہے جس کے مولف نصیرالدین بنیانی لاہوری ہیں۔ کتاب اچھی خاصی مقبول رہی ہے کیونکہ دو تین مرتبہ لاہور اور کانپور میں چھپ چکی ہے قلمی نسخے بھی اکثر ملتے ہیں۔ اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ، فہرست ج ۴، ص ۸۵، بوہر لائبریری، فہرست ج ۱، ص ۱۰، اور برٹش میوزیم۔ فہرست میں اس کتاب کی تفاصیل مندرج ہیں۔

مؤلف کے بارے میں ابھی تک کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔ کتاب کی تمہید میں اس نے اپنے فاضل باپ کا تذکرہ کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اس کو مخدوم العلماء عمدۃ الصلحاء و قدوۃ الاتقیاء و وارث الانبیاء استاذی و والدی کہا ہے۔

کتاب کا نام بھی عجیب ہے! 'برہنہ' کی مناسبت کے بارے میں کتاب کی تمہید میں ذکر کیا ہے کہ اس نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے دائیں بائیں ہاتھ میں کتابیں دکھا کر فرمایا کہ " بگیر شمایل و برہنہ خود را " مولف کا خیال ہے کہ 'برہنہ' میری کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ برہنہ سے مراد ظاہر روایت ہے۔ چنانچہ مولف کا خیال ہے کہ اس لیے انہوں نے اس کے مطالب کو عیاں واضح اور برہنہ بیان کرنے کے لئے فارسی میں لکھا ہے۔ فتاویٰ کے نام سے اشتباہ ہوتا ہے کہ شاید فتاوی کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی مختلف موضوعات پر استفسارات کے جوابات ہوں گے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

کتاب دو جلدوں میں منقسم ہے۔حسام پریس لاہور کا نسخہ ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں چھپا۔ بڑے سائز میں جلد اوّل کے ۳۰۰ صفحات اور دوسری جلد کے ۲۵۶ صفحات ہیں۔ پہلی جلد میں ایمان۔فرض، سنت ، مستحب ، مکروہ ، مباح۔ نماز کی تمام تفاصیل ، نماز جمعہ ، عیدین ، جنازہ ۔ طہارت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔دوسری جلد میں زکوٰۃ ، روزہ ، حج ، نکاح ، طلاق ، بیع و شرا ، شہادت وغیرہ کے تمام جزوی مسائل بحث میں آگئے ہیں۔ جلد ثانی میں صفحہ ۱۸۴ سے ۲۹۶ تک فقہا اور قضاۃ کا مختصر تذکرہ کرکے ان کی تالیفات کا ذکر کیا ہے اور تاریخ وفات لکھی ہے۔ یہ حصہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں بعض ایسے علماء فقہا کا ذکر بھی آگیا ہے جن کے بارے میں عموماً بہت کم اطلاعات ملتی ہیں۔

مؤلف کا مطالعہ یقیناً وسیع ہے اور اس نے اس کتاب کی ترتیب میں تقریباً تمام مشہور فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔مثلاً جا بجا ان کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔ کنز الدقایق ۔ جامع صغیر۔ ظہیری ۔ درمختار ۔ شرح وقایہ ۔ سراجی ۔ خزانۃ المفتین عمادی ۔ حافظیہ ۔ شامیہ ۔ جامع الرموز ۔ خزانۃ الجلالی ۔ مفردات طحاوی ۔ تحفہ جان۔

اس کتاب کی تاریخ تالیف متعین نہیں۔ مؤلف نے ایک جگہ ۹۸۹ھ اور دوسری جگہ ۹۹۱ھ میں (ر) امام ابوحنیفہؒ کو خواب میں دیکھنے کا ذکر کیا ہے ۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ۹۹۰ یا اس کے بعد ایک دو سالوں میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہوگی ۔

کتاب کا اسلوب تحریر سادہ عام فہم اور رواں ہے ۔کہیں کہیں فقہی اصطلاحات کا آجانا ضروری تھا ۔ وگرنہ مؤلف نے کتاب کے نام کی مناسبت سے کوشش کی ہے کہ مطالب کو " برہنہ " یعنی صاف صاف واضح طور پہ بیان کرے ۔ مثلاً یہ عبارت دیکھئے ۔ ابراہیم بن ادھم کے بارے میں لکھا ہے :۔

چون بلخ را گذاشت اورا پسری بود شیر خواره چون کلان شد از
مادر پرسید. گفت پدر ترا در مکه نشان می دهند. آن پسر
عزم حج کرد. چون بمکه رسید. در مسجد حرام در آمد. پرسید
گفتند که شیخ ماست بطلب هیزم بصحرا رفته. هر روز هیزم
می آرد و میفروشد و نان میخرد و بما میدهد. روز حج چون ابراهیم
طواف میکرد. پسر خوبرو پیش آمد تیز تیز دویدن گرفت. یاران
او بوی گفتند که ما را ازین میفرمودی. گفت پندارم که ازین پسر
منست. یکی ازین یاران رفت تا تحقیق کند. چون معلوم کرد
بوی گفت. بیایید تا شما را سوی ابراهیم برم»

خواجہ نظام الدین احمد[1]

خواجہ نظام الدین کے والد خواجہ مقیم ہروی بابر کے منصب داروں میں سے تھے اور عہد بابری کے آخری ایام میں دیوان بیوتات تھے۔ جب ہمایوں نے صوبہ احمد آباد میرزا عسکری کو سونپا (۹۴۲ھ) تو خواجہ مقیم اس کے زیر متعین ہوئے جب چوسہ کے مقام پر ۹۴۶ھ میں ہمایوں کو شکست ہوئی تو وہ ہمایوں کے ساتھ آگرہ کو گئے۔ اکبر کے عہد سلطنت میں بھی وہ کسی نہ کسی سرکاری عہدہ پر مامور تھے۔ تخت نشینی کے بارہویں سال تک آگرہ میں موجود تھے (طبقات اکبری)

خواجہ نظام الدین کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ وہ پینتالیس سال کی عمر میں ۲۱ صفر ۱۰۰۳ میں وفات پا گئے۔ اس حساب سے ان کا سال ولادت ۹۵۸ھ ہوتا ہے۔ بدایونی کا قطعہ تاریخ یہ ہے[2]

رفت میرزا نظام الدین احمد   سوی عقبیٰ وچست وزیبا رفت
جوہر او زبسکہ عالی بود   در جوار ملک تعالیٰ رفت
قادری یافت سال تاریخش   گوہری بیبہا ز دنیا رفت

---

1. Baini Prashad, Preface to the Tabaqate Akbari Calutta 1939. ماثر الامراء ج ۱، ص ۶۶

2. Muntakhabut Tawarikh Calcutta, 1868, II, p. 398.

نظام الدین نے اپنے باپ کے زیر سایہ اچھی تعلیم و تربیت پائی۔ اپنے آپ کو بلند اخلاق سے سنوارا۔ آداب مجالس سیکھے۔ دربار شاہی کے مراسم سے آشنا ہوئے۔ فنون سپاہگری سے بھی واقف ہوئے۔ ادب و تاریخ سے ان کو شروع سے دلچسپی تھی۔

یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے کب دربار شاہی کی ملازمت شروع کی۔ ذخیرۃ الخوانین میں لکھا ہے کہ وہ آغاز جوانی میں ہی "دیوان حضور" تھے۔ ۹۷۴ھ میں جب اکبر علی خان پر حملہ کرنے گیا تو نظام الدین اپنے باپ کے ہمراہ آگرہ میں موجود تھے۔ ۹۷۵ سے ۹۹۰ تک ان کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ شہنشاہ کے معتمد منصب داروں میں شمار ہوتے تھے چنانچہ وہ شہزادہ مراد اور امراء کے پاس بادشاہ کا پیغام لے کر گئے اور ایک دن رات میں پچیس کوس فاصلہ طے کیا اور ان کا جواب لے کر واپس پشاور پہنچے اور بادشاہ کے ساتھ کابل گئے۔ ۹۹۱ھ میں اعتماد خاں گجرات کے گورنر مقرر ہوئے تو نظام الدین احمد بخشی متعین ہوئے گجرات میں جب نظامی ابتری پھیلی اور شہاب الدین احمد اور قطب الدین کی سازشوں سے مظفر گجراتی نے احمد آباد پر قبضہ جما لیا تو نظام الدین نے سارا حال لکھ بھیجا۔ بادشاہ نے مرزا خان کی کمان میں فوج روانہ کی۔ نظام نے مظفر گجراتی کی فوج کو شکست دینے میں بڑی قابلیت کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے انہیں خاصہ اور خلعت سے سرفراز کیا اور وظیفہ میں اضافہ کیا۔ بعد میں انہوں نے سورت اور رن کچھ میں کامیاب مہمیں سرانجام دیں۔ مرزا خان کو خانخاناں کا خطاب ملا اور وہ دربار میں طلب کیے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں نظام الدین نے کمال تدبر اور منتظمانہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ تھانے قائم کیے، قلعے تعمیر کیے اور فوجی دستوں کی نقل و حرکت کے لئے بڑی مہارت سے انتظام کیا۔

اس شاندار خدمات پر بادشاہ بہت متاثر ہوئے اور ۹۹۰ھ میں انکو واپس

اپنے پاس بلا لیا۔ وہ بارہ دن میں چھ سو کوس کا فاصلہ طے کر کے لاہور پہنچے۔ بادشاہ نے سفر کی حالت میں ہی شتربانوں کو اپنے حضور پیش ہونے کا حکم دیا۔ بداؤنی لکھتے ہیں کہ اس وقت عجیب منظر تھا۔ نظام الدین بادشاہ کی نظروں میں اور بھی عزیز و محترم ہو گئے اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوئے۔ اجمیر، گجرات اور مالوہ کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اور پرگنہ شمس آباد جاگیر میں ملا جس کے انتظامی امور کے لئے، پانچ مہینوں کی چھٹی ملی ۱۰۰۰ھ میں جب آصف خاں بخشی بیگی کابل کے لئے متعین ہوئے تو ان کی بجائے نظام کو بخشی مقرر کیا گیا۔ وہ ایک مرتبہ بادشاہ کے ہمراہ کشمیر بھی گئے۔ ۱۰۰۳ھ میں بادشاہ کے ہمراہ شکار کھیلنے میں مصروف تھے کہ سخت بخار نے آ لیا اور وہ ۲۳، صفر کو انتقال کر گئے اور لاہور میں اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔

طبقاتِ اکبری

نظام الدین احمد نے مؤرخ کی حیثیت سے بڑا نام پایا۔ طبقاتِ اکبری اپنی نوعیت کی پہلی تاریخ تھی جو ہندوستان کے بارہ میں مرتب ہوئی۔ ہندوستان کی وسیع سرزمین میں کئی آزاد مملکتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ اور کئی سلسلہ ہائے خاندان حکمران رہے تھے۔ ان سلطنتوں کی علیحدہ علیحدہ تاریخیں لکھی گئی تھیں لیکن مؤلف کے زمانے تک کوئی ایسی جامع تاریخ تالیف نہیں ہوئی تھی جس میں ان سب کا حال یکجا ملتا ہو۔ اس لحاظ سے طبقاتِ اکبری کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

نظام الدین دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں عہد سبکتگین یعنی ۳۶۷ھ سے لے کر سالِ الٰہی کے سینتیسویں سال یعنی ۱۰۰۱ھ تک ایک جامع تاریخ مرتب کروں جس میں ہندوستان کی مختلف سلطنتوں کا حال درج ہو اور فتوحاتِ اکبر شاہی تک ان کا سلسلہ ملتا ہو۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ واضح زبان میں مجمل

لکھوں اور تفصیلات اکبرنامہ کے لئے چھوڑ دوں۔

اس کتاب کا نام مشتبہ رہا ہے۔ مؤلف نے خود اسے طبقات اکبرشاہی کا نام دیا ہے۔ لیکن روضۃ الطاہرین میں اس کا نام تاریخ سلطان نظامی لکھا ہے۔ محمد ہاشم خافی خان نے منتخب اللباب میں اس کو تاریخ نظام کے نام سے یاد کیا ہے۔ بدائونی نے منتخب التواریخ میں اس کو نظام التواریخ کہا ہے۔ فرشتہ نے اس کو تاریخ نظام الدین احمد بخشی کا عنوان دیا ہے۔ بلوخمن اسے طبقات نظامی بخشی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ادبی حلقوں میں عموماً یہ کتاب طبقات اکبری کے نام سے معروف ہے اور ایلیٹ نے سب سے پہلے یہ نام اپنایا تھا۔

اس کتاب کی تالیف میں میر معصوم بھکری۔ عبدالقادر بدائونی نے بی اور دوسروں نے بھی مدد کی ہے۔ مؤلف نے خود بھی محنت اور دقت نظر سے سابق تاریخوں سے معلومات اخذ کی ہیں۔ معاصر واقعات میں ان کے اپنے مشاہدات اور ذاتی اطلاعات کو کافی دخل ہے۔ انہوں نے ابوالفضل کے "اکبرنامہ" سے بھی استفادہ و اقتباس کیا ہے۔ انہوں نے اکبرنامہ کے علاوہ مندرجہ ذیل انتیس کتابوں کی فہرست دی ہے جن سے معلومات اخذ کی گئی ہیں :۔

تاریخ یمینی، زین الاخبار، روضۃ الصفا، تاج المآثر، طبقات ناصری، خزائن الفتوح، تغلق نامہ، تاریخ فیروزشاہی از ضیاء برنی۔ فتوحات فیروز شاہی، تاریخ مبارک شاہی، فتوح السلاطین، تاریخ محمود شاہی ہندوی۔ تاریخ محمود شاہی خورد ہندوی۔ طبقات محمود شاہی گجراتی۔ مآثر محمود شاہی گجراتی۔ تاریخ محمدی، تاریخ بہادر شاہی، تاریخ بہمنی، تاریخ ناصری، تاریخ مظفر شاہی، تاریخ کشمیر، تاریخ میرزا حیدر، تاریخ سندھ، تاریخ بابری، واقعات بابری، تاریخ ابراہیم شاہی، واقعات مشتاقی۔ واقعات حضرت جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ۔

عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ۔ طاہر محمد نے روضتہ الطاہرین۔ عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی۔ الہ داد سرہندی نے اکبرنامہ میں طبقات اکبری سے استفادہ کیا ہے۔ فرشتہ نے اپنی تاریخ اسی نمونے پر ترتیب دی ہے۔ اگرچہ اس کی تاریخ جامع تر اور مفصل تر ہے۔ خافی خاں نے لکھا ہے کہ فرشتہ کے مقابل میں طبقات میں سلاطین دکن کی تاریخ قابل اعتماد نہیں ہے[1]

مؤلف تجویزہ خاکے کے مطابق ۹۶۳ھ سے اکبر کے سینتیسویں سال تک احوال و واقعات لکھنا چاہتے تھے لیکن کتاب کے موجودہ متن میں تاریخ کا آغاز ۹۶۳ھ سے شروع کیا گیا ہے اور اڑتیسویں سال تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

کتاب تین جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ ایک جلد میں مندرجہ ذیل آزاد مملکتوں کا ذکر ہے جو مفتوح ہو کر سلطنت مغلیہ کا جزو بن گئیں۔ ان تمام چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے قیام سے لے کر ان کے انقراض تک کا حال لکھا ہے۔

دکن کی چار سلطنتیں ـ گجرات، بنگالہ، سلطنت شرقیہ، مالوہ، کشمیر، سندھ اور ملتان۔

دوسری جلد کے آخر میں اکبری عہد کے نامور امراء، علماء، فضلاء، مشائخ، حکماء اور شعراء کے نام لکھے ہیں۔ بعض کے صرف نام لکھے ہیں، بعض کے متعلق ایک ایک دو دو سطریں لکھی ہیں اور چند ایک کے متعلق کچھ تفصیل سے لکھا ہے۔ اس فہرست سے اتنا تو فائدہ ہوا ہے کہ ہم تک ان اشخاص کے نام پہنچے ہیں جن سے اس عہد کی علمی ادبی اور روحانی فضا کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

---

[1] منتخب اللباب، ص ۲۳۷۔

مطلق العنان حکومتوں میں ایک شاہی ملازم سے ہم توقع نہیں رکھتے کہ وہ غیر جانبدارانہ نقطہ نظر سے تنگنائے تعصب سے نکل کر تمام جزو و کل واقعات کو بیان کرے گا یا اس کے قلم سے کوئی ایسا کلمہ نکلے گا جس سے سرکار دوالامدار یا شہنشاہ گیتی پناہ کے وقار کو ٹھیس لگنے کا خطرہ ہو۔ اس قسم کا مؤرخ اپنے عہد کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی پر تبصرہ کرتے وقت بھی جھجکتا ہے۔ طبقات اکبری میں واقعات کا سادہ اور واضح بیان ہے اور وہ واقعات کی حد تک قابل اعتماد ہے۔ عبارت میں تکلفات شعری کم ہیں جملے مختصر ہیں اور اسلوب بیان پیچیدہ نہیں۔ مؤلف نے رشتا سنین و تواریخ کو عربی الفاظ میں لکھا ہے۔ عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

چوں آنحضرت را از فیل خالی ساختند۔ عنان عزیمت جانب مالوہ معطوف داشتند۔ قصبہ رہود مورد اعلام نصرت انجام گردید۔ و بواسطہ کثرت باراندگی دو روز در ظاہر آن قصبہ توقف افتاد و ازانجا بجانب زنگپور نہضت فرمودند و کثرت آب و گل لشکر فیروزی اثر۔ بمشقت تمام راہ طی می نمود و چون ببلدہ سارنگپور رسیدند، محمد قاسم خان نیشاپوری، کہ حاکم آنجا بود، باستقبال شتافتہ انواع پیشکشہا گذرانید۔"

مرکز ادب

سندھ

بدایع

[illegible]

خانوادہائے سلطنتِ سندھ[۱]

سومرہ

سومرہ	۴۴۸ھ
بھونگر	۴۶۶ "
دودہ	۴۹۱ "
سنگھار	۵۰۳ "
پھنتو	۵۱۰ "
خفیف	۵۳۶ "
عمر	۵۵۶ "
جھجو	۵۷۰ "
دودا	۶۰۰ "
خیرہ	۶۱۹ "
طائی	۶۴۸ "
بھونگر	۶۴۸ "
چنیسر	۶۹۶ "

۱؎ چچ نامہ : تاریخ سندھ معصومی

دودہ	۷۰۰ ہجری
بھونگر	۷۴۰ "
عمر	۷۷۵ "
طاہر	۸۱۳ "
ارمیل	۸۲۲ "
حمیر	۸۴۳ "

سمّہ

انڑ بن بابنیہ — از قبیلہ سمہ

جام جونہ بن بابنیہ (۱۳ سال عرصہ حکومت)

جام تماچی بن جام انڑ

جام خیرالدین (بیٹا)

جام بابنیہ (بیٹا) ۱۵ سال

جام تماچی پسر خیرالدین (دوسرا بیٹا) ۱۳ سال

جام صلاح الدین ۱۱ سال

جام نظام الدین (بیٹا)

جام علی شیر بن تماچی (۷ سال)

جام کرن

جام فتح خان بن سکندر (۱۵ سال چند ماہ)

جام تغلق بن سکندر (۲۸ سال)

جام سکندر (بیٹا) (۱½ سال)

جام رایدنہ ٨٤٨-٨٦٦ھ

جام سنجر ٨٦٦-٨٧٤ "

جام نندہ بن بابنیہ بن انر بن صلاح الدین بن تماچی ٨٧٤-٩٢٤ھ

جام فیروز (٩٢٦ میں شاہ بیگ ارغون کا حملہ)

ارغون

شاہ بیگ ارغونی ٩٢٦-٩٢٨ھ

شاہ حسن (بیٹا) ٩٢٨-٩٦٢ھ

ترخان

مرزا عیسی ترخان ٩٦٢-٩٨٠ھ

میرزا محمد باقی (پسر) حاکم تھٹہ ——— ٩٩٣ھ

سلطان محمود خاں حاکم بھکر ——— ٩٨٢ھ

میرزا جانی بیگ (١٠٠١ھ میں سندھ قلمرو اکبر شاہی میں داخل ہوا)

میرزا غازی خان

سندھ

تاریخی پس منظر

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں (۸۶ - ۹۶ھ) عربوں نے محمد بن قاسمؒ کی سالاری میں ۹۲ھ میں سندھ فتح کیا۔ اور تین سو سال تک متصرف رہے خلافت القادر باللہ تک خلیفہ کی طرف سے ناظر و حکمران سندھ میں آتے رہے۔ خلیفہ معتمد (۲۵۶ - ۲۷۹ھ) کے عہد میں صفاری زور پکڑ رہے تھے اور عباسیوں کے منہ آ رہے تھے۔ خلیفہ نے عراق کی طرف سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے ۲۵۸ھ میں یعقوب بن لیث کو سندھ کا حاکم بنا دیا۔ یعقوب کی وفات کے بعد سندھ اس کے بھائی عمرو بن لیث کے تصرف میں دے دیا گیا۔ مسعودی کے بیان کے مطابق عمرو بن لیث نے معتضد باللہ (۲۷۹ - ۲۸۹ھ) کے دربار میں تحائف پیش کئے جو اس نے سندھ اور اس کے ملحقہ پہاڑوں میں لبسط، مجبر اور دوار کے شہروں میں سے حاصل کئے تھے[۱] اس سے ظاہر ہے کہ تیسری صدی میں ایرانیوں کا زور یہاں تک پہنچ چکا تھا۔ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود غزنوی نے ملتان اور اوچ پر قبضہ کر لیا اور ۴۱۷ھ میں عبدالرزاق وزیر نے سیوستان اور ٹھٹھہ پر قبضہ کر کے عربوں کی حکومت ختم کر دی۔ خسرو ملک تک سندھ غزنویوں کے تصرف میں رہا۔ ۵۸۳ھ میں سلطان محمد غوری نے لاہور پر قبضہ کر کے سلطنت غزنی کو ہندوستان سے ختم کر دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری

۱؎ مروج الذہب و معادن الجواہر، طبع دوم، مصر ج ۲، ص ۳۳۷

نے ۵۹۱ھ میں ملتان اور اوچہ پر تصرف کر لیا تھا۔ تین ماہ بعد اس کے غلام قطب الدین ایبک نے تمام سندھ فتح کر لیا اور سلطان شہاب الدین غوری کی وفات پر تخت دہلی پر متمکن ہو گیا۔ اس کے سلسلہ خاندان میں سے شمس الدین التمش کے عہد سلطنت (۶۰۷ - ۶۳۳ھ) میں سندھ، اوچہ اور ملتان ناصر الدین قباچہ کے زیر اقتدار آئے قباچہ کے بعد سندھ سلطنت دہلی میں شامل رہا اور وہاں سے یکے بعد دیگرے حاکم مقرر ہوتے رہے۔ ۶۹۷ میں مغلوں نے سیوستان پر حملہ کر کے تاخت و تاراج کیا۔ لیکن سلطان علاؤالدین کے حکم سے نصرت خاں نے لشکر کشی کر کے انکو مار بھگایا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی پر ۷۵۲ میں سندھ میں سومرہ۔ جاریجہ اور سمہ قبائل نے بغاوت کی لیکن فیروز شاہ نے ان پر چڑھائی کر کے ان کی سرکشی کو توڑا اور ملک رکن الدین اخلاص خان کو مہمات ملکی انجام دینے کے لئے سندھ میں متعین کیا۔ سلطان محمود شاہ تغلق کے زمانۂ سلطنت میں یعنی ۸۰۰ھ میں پیر محمد نبیرۂ تیمور نے سندھ پر حملہ کر کے اوچہ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن سید ابو المغیث کی شفاعت پر سندھ قتل و غارت سے بچ گیا۔ تقریباً ۸۰۱ھ تک سندھ اغیار کے زیر تسلط رہا۔

فارسی زبان و ادب

سندھ میں عربی کا رواج پانا تو یقینی تھا کیونکہ حکام عرب تھے اور پھر اشاعت اسلام کے لئے بھی عربی کی تدریس ضروری تھی۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ سندھ فارسی سے ناآشنا رہا ہو۔ کیونکہ محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ ایرانیوں کا آنا مسلّم ہے۔ چچ نامہ میں ابو صابہ ہمدانی کا نام مذکور ہے جو لشکر اسلام میں شامل تھا اور جس کو جھنڈا دے کر ہاتھیوں کے مقابل کھڑا کیا گیا[1] صفاریوں کے عہد تسلط میں بھی فارسی بولنے والے کافی تعداد میں موجود ہوں گے

---

[1] چچ نامہ ص ۱۷۴

ابن حوقل نے ۳۶۷ میں لکھا ہے کہ منصورہ اور ملتان میں سندھی اور عربی بولی جاتی تھی اور مکران میں مکرانی اور فارسی[1]۔ غزنویوں کے عہد حکومت میں فارسی کا رواج پانا تو یقینی ہے۔ بشاری نے لکھا ہے۔ ملتان میں لوگ فارسی سمجھتے تھے[2]

سندھ میں غزنوی عہد کی کوئی تالیف یا تصنیف ہم تک نہیں پہنچی۔ محمد عوفی نے لباب الالباب میں شعرائے آل سبکتگین کے تحت ایک شاعرہ رابعہ بنت کعب قزداری کا ذکر کیا ہے۔ قزدار قدیم سندھ میں ملتان سے بیس منزل پر اور قندابیل سے پانچ فرسخ پر واقع تھا[3]۔ اس کو قصدار بھی کہتے تھے۔ آج کل یہ بلوچستان کے ضلع جھلاواں کا ایک قصبہ ہے یہ اس شاہراہ پر واقع ہے جو کاچھی سے مکران اور قلات سے بیلہ کو جاتی ہے[4]۔ امیر ناصر الدین سبکتگین نے ۳۶۶ھ (۹۷۶ھ) میں قزدار کو فتح کیا لیکن حاکم قزدار باغی ہوا۔ آخر محمود بن سبکتگین نے حملہ کر کے اس سے پانچ گنا خراج وصول کیا اور وہ سلطان کا ملازم ہو کر رہ گیا۔ قزدار غزنویوں کے بعد غوریوں کے تصرف میں رہا۔ غوریوں کے بعد ناصر الدین قباچہ نے اسے اپنے قبضے میں رکھا۔ بعد میں شمس الدین التتمش کے ممالک محروسہ میں شمار ہوتا رہا۔ ہمارے لئے یہ باعث مسرت ہوتا کہ مغربی پاکستان کے ایک گوشے میں ایک بلند پایہ شاعرہ پیدا ہوئی لیکن چونکہ عوفی کے علاوہ کسی اور قدیم تذکرہ میں رابعہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے قزدار سے اس کی نسبت مشتبہ سی ہو گئی ہے۔ سب سے زیادہ مخالف شہادت شیخ

---

[1] ابن حوقل سورۃ الارض، طبع ثانی۔ لیدن ۱۹۳۹ء ص ۳۲۵،

[2] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم طبع ثانی لیدن ص ۴۸۰

[3] مسالک الممالک اصطخری، لیدن ۱۹۲۷، ص ۱۷۸-۱۷۹۔

[4] Baluchistan Gazetteer vol. VI - B, Jhalawan. Bombay, 1907, pp. 34-36.

فریدالدین عطار کی تصنیف "الہیٰ نامہ" میں رابعہ کا قصہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ رابعہ حسین، عالم اور شجاع لڑکی تھی۔ اس کا باپ کعب بلخ کا حاکم تھا۔ اس نے اپنی وفات پر اپنے بیٹے حارث کو وصیت کی کہ رابعہ کا خیال رکھے۔ رابعہ حارث کے غلام بکتاش پر فریفتہ ہو گئی اور محبت بھرے اشعار اس کو لکھ لکھ کر بھیجنے لگی۔ اپنی تصویر بھی اس کو بھیجی۔ ایک دفعہ بکتاش نے محل کے دروازے پر دیکھ کر اس کا دامن تھام لیا لیکن اس نے جھڑک کر اس کو ڈانٹا کہ خبردار میرے اظہار محبت سے کہیں تم ہوس کا شکار نہ ہو جاؤ۔ ایک دفعہ بکتاش جنگ میں گیا اور زخمی ہو کر گر پڑا۔ رابعہ سیاہ چادر اوڑھ کر میدان جنگ میں پہنچی اور اس کو اٹھا کر لے آئی۔ اور بعد میں بھی اپنی دایہ کے ساتھ عاشقانہ اشعار اس کو بھیجتی رہی۔ ایک دفعہ رودکی نے رابعہ کو سرِ راہ دیکھا، اس نے اشعار کہے اور رابعہ نے اس کا جواب دیا۔ کچھ عرصہ بعد اتفاق سے شاہ بخارا کی مجلس میں حارث بھی مہمان تھا۔ رودکی نے رابعہ کے اشعار پڑھ کر سنائے۔ بادشاہ کے استفسار پر اس نے بتایا کہ یہ بنت کعب کے اشعار ہیں جو ایک غلام پر عاشق ہے۔ اور اس کے عشق میں غزلیں کہتی ہے۔ حارث سن کے چپ رہا۔ گھر آ کر تحقیق کرنے لگا۔ کسی غلام کی شکایت پر معلوم ہوا کہ بکتاش اپنے صندوق میں جواہر چھپائے رکھتا ہے۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ اس میں رابعہ کے خطوط ہیں۔ حارث نے بکتاش کو کنوئیں میں پھینکدیا۔ اور فصاد سے رابعہ کی رگوں کو کھلوا کر حمام میں ڈال دیا اور دیوار چنوا دی۔ وہ آخری دم تک اپنے خون سے دیواروں پر اشعار لکھتی رہی۔ بکتاش کو معلوم ہوا تو اس نے کنوئیں سے نکل کر پہلے حارث کو قتل کیا۔ پھر رابعہ کی قبر پر جا کر اپنی جان قربان کر دی!

مرحوم پروفیسر محمود شیرانی نے اس کہانی کا تجزیہ کر کے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ قصہ جس طرح الہیٰ نامہ میں بیان ہوا وہ سچا معلوم ہوتا ہے اگرچہ آل سامان کی تاریخ میں حارث یعنی حاکم بلخ کا کہیں ذکر نہیں ملتا[1] وہ یقینی طور پر رودکی کے مربی

---

[1] اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۲۵ء

نصر بن احمد سامانی کا ہمعصر ہوگا۔ شیخ عطار نے اپنے قصے کے دوران میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے شیخ ابو سعید ابوالخیر کے ملفوظات میں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس قصے کی تحقیق کی ہے۔ مولانا جامی نے نفحات الانس میں رابعہ کے ذکر میں شیخ ابو سعید ابوالخیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رابعہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ عشق مخلوق سے متعلق نہیں۔ شیخ ابو سعید کے الفاظ یہ ہیں: "سخنی کہ او گفتہ است نہ چنانست کہ کسی را در مخلوق افتادہ باشد"۔[1] مجھے تو اس قصے کے صحیح ہونے پر شبہ ہے ایک وجہ تو یہی ہے کہ تاریخ بخارا و بلخ میں یعنی تاریخ آل سامان میں حاکمان بلخ میں سے کعب اور حارث کا کہیں ذکر نہیں۔ حالانکہ اس قصے میں لکھا ہے کہ حارث ایک جنگ میں شکست کھا رہا تھا کہ شاہ بخارا کی کمک آ پہنچی اور شکست فتح میں تبدیل ہوگئی۔ اگر تاریخ میں اس قسم کا معرکہ ہوتا تو آل سامان کے مؤرخ کہیں اس کا ذکر کرتے، دوسری وجہ یہ ہے کہ شیخ عطار لکھتے ہیں ؎

براہی رودکی میرفت یک روز   نشستہ بود آن دختر دل افروز

یہ بیان محل نظر ہے، اول تو اس لیے کہ محلوں کی شہزادی حاکم بلخ کی بیٹی کیا بازار میں بیٹھی تھی۔ جہاں رودکی نے راہ چلتے اس کو دیکھ لیا اور اشعار سنائے اور پھر رابعہ نے اس کا جواب دیا۔ دوم یہ کہ رودکی اپنی آخری عمر میں تو یقیناً نابینا تھا اس نے رابعہ کو کیسے دیکھ لیا، سوم یہ کہ اگر رودکی جوان تھا اور بلخ کے بازاروں میں پھرا کرتا تھا تو یہ واقعہ تیسری صدی کے نصف آخر میں جا پڑتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ جس بادشاہ کے دربار میں اس نے رابعہ کے اشعار پڑھ کر سنائے وہ نصر ثانی بن احمد (۳۰۱ — ۳۳۱ ھ) ہی ہو سکتا ہے جس کے دربار سے

---

[1] نفحات الانس، نول کشور ایڈیشن - ص ۴۰۹

رودکی متوسل رہا۔ رودکی نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ چہارم یہ کہ رابعہ اگر رودکی کی معاصر تھی تو عوفی اس کا ذکر شعرائے آل سامان میں کرتے اور اگر استاد رودکی جیسا باکمال شاعر رابعہ کی شاعری کا معتقد ہو گیا تو یقیناً وہ اپنے زمانے میں نامور ہو گی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نظامی عروضی تک اس کا نام نہیں پہنچا یا اس نے اس کی شاعری کو وقیع نہیں سمجھا ورنہ وہ شعرائے آل سامان میں اس کا ذکر ضرور کرتا۔ پنجم یہ کہ رابعہ کے اشعار کی زبان، تراکیب الفاظ، عربی الفاظ اور صنائع کا استعمال بھی اس رائے کو تقویت دیتا ہے کہ وہ رودکی کی ہم عصر نہیں ہو سکتی۔ ششم اس بات کا یقین کر لینے میں بھی جھجک معلوم ہوتی ہے اور تاریخ بھی ہماری مدد نہیں کرتی کہ ہم سمجھ لیں کہ قزدار میں فارسی کا اتنا رواج ہو چکا تھا اور شعر و شاعری کا اتنا چرچا تھا کہ کعب عربی کی لڑکی اچھی فصیح فارسی میں شعر کہہ سکتی تھی۔ سمعانی نے کہا ہے[1] قصدار۔ هي ناحية مشهورة عند غزنه (قصدار غزنہ کے قریب ایک مشہور بستی ہے۔) اگر رابعہ کی نسبت اس بستی سے تھی تو پھر اس کی شاعری کے بارے میں شک و شبہ کم ہو جاتا ہے کیونکہ غزنہ تو علم و ادب کا مرکز تھا۔

ایران کے اکثر تذکرہ نویس رابعہ کو ایرانی شاعرات میں شمار کرتے ہیں اور عطار کے مذکورہ قصے کو ہی صحیح مانتے ہیں لیکن میرے مذکورہ صدر شکوک کی بنا پر یہ صحیح نہیں۔ پھر بھی ابھی ہم پاکستان کے شعراء میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔

قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ) اور التتمش کے عہد سلطنت میں امن ہو گیا تھا۔ اور بیرون ہند سے لوگ سندھ میں آکر آباد ہونے لگے تھے۔ ناصر الدین قباچہ کا دربار فضلاء و شعراء کا مامن رہا چنانچہ علم و فضیلت کی قدر دانی ہوئی۔ فارسی تالیفات و

---

[1] کتاب الانساب، چاپ اوقاف گیب ص ۴۵۱

تصانیف کا دور شروع ہوا۔ اُچہ صدر مقام تھا۔ ملتان بھی علم و ادب اور روحانیت کا مرکز بنا۔ اس زمانے میں علی کوفی نے عربی سے فارسی میں چچ نامہ کا ترجمہ کیا۔ وہ شاعر بھی تھا۔ کتاب کے دیباچے میں اس کے چند اشعار درج ہیں۔ محمد عوفی نے ۶۱۸ھ میں تذکرہ شعراء لباب الالباب سندھ میں ہی مرتب کیا اور قباچہ کے وزیر عین الملک کے نام سے منسوب کیا۔ جوامع الحکایات بھی قباچہ کی فرمائش پر مرتب کی گئی تھی۔ دربار قباچہ کے شعراء میں سے شمس الدین محمد کاتب بلخی۔ فضلی بخارائی — اور ضیاء الدین سجزی کے نام مشہور ہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں ہی بڑے نامور برگزیدہ اولیاء اللہ وجود میں آئے۔ ان کے دم قدم سے اسلام کی ترویج و اشاعت ہوئی۔ عوام میں انکا اثر و رسوخ ہوا ر سلاطین بھی ان کے معتقد ہوئے۔ اوچہ میں جلال الدین بخاری۔ مخدوم جہانیاں جہانگشت اور راجو قتال، ملتان میں بہاء الدین زکریا۔ اور ان کے صاحبزادے صدر الدین عارف، پاکپٹن میں، شیخ فرید گنج شکر اور سوستان (سندھ) میں عثمان مروندی موجود تھے۔ موخر الذکر شاعر تھے بعض دوسرے بزرگوں کے ملفوظات محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان میں سے شیخ فرید کے رسائل بھی ہیں جن کا موضوع تصوف و عرفان الٰہی ہے۔

غیاث الدین بلبن کے محبوب شاہزادہ محمد سلطان نے ملتان میں علم و ادب کی محفلیں منعقد کیں۔ علماء و عرفاء کی قدر دانی ہوئی۔ خسرو اور حسن سجزی نے مشاعرے گرمائے ۶۷۸ سے ۶۸۳ھ تک شہزادہ کی علم پروری سے سخنوری کو فروغ ہوا۔

خلجی اور تغلق عہد کے ایک نامور امیر عین الملک ماہرو بھی ملتانی ہیں جن کے "منشآت" دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں۔

غیاث الدین تغلق کے زمانے میں ملتان کے ایک اور عالم کا نام مذکور ہے۔ جو نظام الدین بدایونی اور جلال الدین اوراچی کے درمیان سماع کے مباحثہ میں حکم بنے۔

اور سماع کو مباح قرار دیا۔ انہوں نے سماع کے متعلق دو رسالے بھی لکھے بفضل الاذکار کے نام سے ان کی ایک اور بھی تالیف ہے۔ (نزہتہ الخواطر ج ۲، ص ۱۴۱ – ۱۵۰)

ملتان میں اپنے مرشد اور خسر بہاء الدین زکریا کے پاس فخر الدین ابراہیم عراقی کا قیام بھی ادبی و عرفانی محفلوں کے لیے باعث رونق ہوگا۔ عراقی کے اکثر قصاید و غزلیات اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

سندھ میں نجی حکومت

سومرہ اور سمہ

عبدالرشید بن سلطان مسعود غزنوی کے عہد حکومت سے ہی سندھ میں سومرہ و سمہ کے قبائل علاقائی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تھری کے نواح میں لوگوں نے اکٹھے ہو کر سومرہ کو اپنا امیر منتخب کیا۔ اس کے بعد موروثی امارت اس کے اخلاف بھونگر، دودا، سنگھار کو منتقل ہوتی رہی۔ سنگھار کا بیٹا نہیں تھا۔ اس لئے دودا کے بھائیوں میں سے ایک شخص پھتو اٹھا جس نے حکومت سنبھالی۔ سنگھار کی ماں اور اس کے ماموں کو مطیع کیا۔ پھتو کے بعد ایک شخص خیرا حکمران ہوا۔ اس کے بعد ارمیل نے حکومت سنبھالی جو ظالم اور مردم آزار تھا۔ تاریخ دولت علویہ کے مطابق ۷۴۳ھ تک سومروں کی حکومت قائم رہی۔ اسی عرصے میں کچھ کے نواح سے ایک قبیلہ سمہ سندھ میں آ بسا تھا۔ ان میں سے ایک شخص انڑ بلند ہمت اور باہوش تھا۔ اس نے ایک جماعت کو اپنے ساتھ ملا کر ارمیل کو قتل کر دیا اور خود تخت سلطنت پر بیٹھا۔ انڑ کے بعد اس کا بھائی جونہ بن بابنیہ جانشین ہوا۔ اور اس نے جام کا لقب اختیار کیا۔ جونہ کے بعد جام تماجی بن جام انڑ تخت نشین ہوا۔ لیکن علاؤالدین خلجی اسکو گرفتار کر کے دہلی لے گیا۔ تماجی کا

بیٹا خیر الدین باپ کی وفات کے بعد دہلی سے سندھ میں آگیا۔ اس نے امور مملکت کو سنبھالا۔ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کام انجام دینے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جام بابنیہ جانشین ہوا۔ لیکن فیروز شاہ نے حملہ کرکے اس کو گرفتار کیا اور اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔ بعد میں اس کی پسندیدہ خدمات دیکھ کر اس کو سندھ کی حکومت عطا کی۔
جام بابنیہ کے بعد سندھ کی حکومت اس کے ورثا کے اختیار میں رہی۔ یہاں تک کہ اس خاندان کے آخری بادشاہ جام فیروز کے عہد میں شاہ ارغون نے ۹۲۶ھ میں سندھ کی انتظامی ابتری سے فایدہ اٹھا کر حملہ کیا اور سندھ اپنے تصرف میں کر لیا۔ جام فیروز کی خطا بخشی کے بعد سیوان سے ٹھٹھہ تک کا علاقہ اس کے تحت کر دیا گیا۔ جام بادشاہوں میں سے جام علی شیر، جام فتح خاں، جام سنجر اور جام نندو ایسے حکمران تھے۔ جنہوں نے اپنے ملک کی حفاظت کی اور رفاہ عام کے کام بھی کئے۔ ان کے عہد میں علم و ادب کو بھی ترقی نصیب ہوئی۔

سومرہ کے ناموں سے ہی ظاہر ہے کہ وہ صاحبان علم و ادب نہیں تھے۔ اس لئے ان کے ہاں پرورش علم و ادب کی روایت بھی نہیں چلی۔ البتہ سمہ حکمرانوں کے عہد میں علماء و مشیوخ نظر آتے ہیں۔ جام نظام الدین عرف جام نندو متوفی ۹۱۴ھ ٹھٹھہ کا ایک لائق حکمران تھا۔ اسے علماء کی مجلس مرغوب تھی اور وہ خود شعر بھی کہتا تھا۔ مثلاً اس کے یہ دو شعر مقالات الشعراء میں محفوظ ہیں[1]

ای آنکه ترا نظام الدین میخوانند ۔۔۔ تو مفتخری مرا چنین میخوانند
گر در رہ دین از تو خطای افتد ۔۔۔ شک نیست که کافر لعین میخوانند

مخدوم بلال (م۔ ۹۲۹ھ) جام نندو کے بھائی تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں

---

[1] مقالات الشعراء علی شیر قانع

ماہر اور علم تفسیر وحدیث میں سرآمد فضلاء تھے وہ شعر کہتے تھے ان کے اشعار میں سے ایک رباعی یہ ہے ؎

در راہ خدا از سر قدم باید ساخت سرمایہ اختیار خود باید باخت
کفرست بخود نمائی بدلان بجہان از خویش برون شدہ سویش باید تاخت

مقالات الشعراء اور تاریخ سندھ معصومی کی بدولت ہم تک مندرجہ ذیل علماء و عرفاء کے نام پہنچے ہیں جو گاہ گاہے مشق سخن بھی فرماتے تھے۔

(۱) شیخ حماد جمالی بن شیخ رشید الدین، ساموئی کے رہنے والے تھے جو سمہ کا پہلا دارالحکومت تھا۔ وہ صوفی پاک منش اور فاضل استاد تھے۔ خلوت پسند تھے اور ہر وقت نقاب اوڑھے رہتے تھے۔ انہیں کے کہنے پر جام تماچی نے مکلی پہاڑی پر جامع مسجد تعمیر کی۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ان کا شعار زندگی واضح ہے ؎

دو گزک بوریا و پوستکی دلکی پر زدرد دوستکی
این قدر بس بود جمالی را عاشق و رند لا ابالی را

(۲) شیخ عیسٰی برہانپوری سندھی متوفی ۸۳۱ھ شیخ جمالی کے ہمعصر تھے۔ انہوں نے شیخ جمالی کے مندرجہ بالا اشعار کے جواب میں یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا ؎

قید باشد حکیم، در رہ دوست دو گزک بوریا و پوستکی
گر تو آزادہ بس است ترا دلکی پر زدرد و دوستکی

(۳) اثیر الدین ولد مخدوم عبدالعزیز محدث ابہری، جام فیروز کے عہد سلطنت یعنی ۹۱۸ھ میں ہرات سے کاغان میں تشریف لائے۔ وہ فاضل بزرگ تھے۔ کبھی کبھی شعر کہتے اور مثنوی لکھتے تھے۔ جام فیروز کی مدح میں ان کے تین شعر یہ ہیں ؎

از آن آسمانست فیروزہ رنگ کہ نقش نگین تو دادہ یکچنگ
شب و روز گردو بفیروزیت تو فیروز شاہی و بہروزیت

همی خواہد از کردگار جلیل که باشی تو اندر جہاں بیعدیل

ارغوان اور ترخان

سما کے بعد سندھ کی حکومت ارغونیوں کے تصرف میں آگئی جو ۹۲۶ سے ۹۶۴ھ تک حکمران رہے۔ ان میں سے صرف دو بادشاہ ہوئے۔ شاہ بیگ اور شاہ حسن۔ شاہ حسن بیگ ارغون کی وفات (۹۶۲ھ) کے بعد سندھ کے دو حصے ہو گئے بالائی حصہ سلطان محمود کو گیا اور زیریں حصہ میرزا عیسیٰ ترخان کے تصرف میں آیا ۹۸۲ھ میں سلطان محمود کی وفات کے بعد سندھ کا بالائی حصہ اکبر بادشاہ کے حکم سے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ میرزا عیسیٰ کی وفات (۹۷۵ھ) کے بعد اس کا ناخلف بیٹا مرزا محمد باقی تخت نشین ہوا۔ اس ظالم نے اپنی ماں اور بھائی کو قتل کر دیا۔ آخر ۹۹۵ھ میں خودکشی کر لی۔ اس کے بعد اس کے پوتے میرزا جانی بیگ نے عنان حکومت سنبھالی ۱۰۰۱ھ میں عبدالرحیم خانخاناں سپہ سالار افواج اکبری نے سندھ پر حملہ کر کے میرزا جانی بیگ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح سندھ کی آزادی و خود مختاری ختم ہو گئی۔

ارغون اور ترخان خود بھی ذوق رکھتے تھے۔ فضلا اور شعرا ان کے درباروں سے وابستہ رہے۔ شاہ بیگ ارغون نے خود قرآن مجید کی تفسیر لکھی شاہ حسن بیگ مربی علم و ادب ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے اور سپاہی تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے فارسی کی تعلیم کے لئے مدارس جاری کئے۔ ترخانوں میں میرزا جانی بیگ صاحب ذوق تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور حلیمی تخلص کرتا تھا۔ اس کا بیٹا میرزا غازی بیگ بھی شعر کہتا تھا اور وقاری تخلص کرتا تھا۔ میر نعمت اللہ وصلی ملا اسد قصہ خوان۔ حکیم فغفور گیلانی، ملا مرشد بروجردی۔ طالب آملی اور شیدا

اصفہانی اس کے دامن دولت سے وابستہ رہے چنانچہ فارسی زبان و ادب کا خوب رواج ہوا۔ اس عہد کی سب تاریخیں مثلاً تاریخ طاہری، تاریخ سندھ، بیگلار نامہ، اور اکبر نامہ فارسی میں لکھی گئیں۔ اصناف سخن میں قصیدہ کے علاوہ مثنوی کا زیادہ رواج رہا خصوصاً عشقیہ اور اخلاقی مثنویاں زیادہ تعداد میں لکھی گئیں۔ شاہ جہانگیر ہاشمی کی مظہر الآثار، اور اکبر کا چنیسر نامہ اور نظامی کی تقلید میں میر معصوم نامی کی مثنویاں مشہور ہیں۔

جن مصنفوں کی تصانیف دستیاب ہوئی ہیں انکے بارے میں تو ہم تفصیل سے لکھیں گے لیکن ہم نے یہ بھی مناسب سمجھا ہے کہ جن کے بارے میں مختصر معلومات میسر ہوئی ہیں، ان کو بھی محفوظ کر لیا جائے۔ مندرجہ ذیل شعراء کے بارے میں جستہ جستہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

آہی[1] شیخ عبید اللہ نام تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے شاہ بیگ ولد امیر ذوالنون بیگ ارغون کے ہمراہ سندھ میں آئے اور باغات میں مقیم ہو گئے۔ ایک فاضل شخص تھے کہتے ہیں سو سے زیادہ تصانیف تھیں۔ آخر عمر میں جنوں نے آگھیرا۔ اپنا سارا کتاب خانہ جلا دیا جن دنوں ارغون اور ہمایوں کے درمیان قریہ جون میں فوجیں آراستہ تھیں، بیخودی کے عالم میں باہر نکل کھڑے ہوئے۔ لشکر کے درمیان سے گزر رہے تھے کہ اتفاقاً گلے میں اگر تیر لگا۔ وہیں روح پرواز کر گئی۔ شہید عشق گمامی سے تاریخ نکلتی ہے یعنی ۹۵۲ھ ان کے اشعار یہ ہیں ؎

حیرت عشق تو بر بودہ ز سر ہوش مرا   ماندہ ام ہمچو کدوی تہی از بادہ بچاک
آہی آن روز کہ در دشت جنوں پا زدہ ایم   رخت ادراک ز سر کندہ بصحرا زدہ ایم

---

[1] مقالات الشعراء۔ علی شیر قانع۔ مطبوعہ سندھ ادبی بورڈ کراچی / ص ۱۲-۱۳

نیست خالی زغمش سینۂ آہی افسوس — بار میخواندم از جملہ بیدرد آنہا (۹)
پس از من کسی نپرسد حال آہی — شہید عشق گمنامی دوام است

باقی

عبدالباقی ولد شیخ کالا۔ باقی تخلص کرتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے نواسے تھے۔ اشعار یہ ہیں ؎

مائیم وخیال رخ زیبای دل افروز — چون آئینہ در عکس نظر دوختہ امروز
حیرت زدہ را پردہ برخسار چہ سازد — از خویش کتان راست بہتاب سرسوز
نبود بتنم جامۂ سنجاب کہ بینی — اینک زجگر شعلہ برآوردہ ہمہ روز
بادیدۂ تر در رہش از خویش بتابم — ترسم کہ ازیں آب فتد خانہ ام از نوز
باقی بغمت گرنہ سر آرد ہمہ ایام — مجبور قضا را چہ رسد دست بدیفلہ

سپاہی[1]

میرزا شاہ حسن بن شاہ بیگ ارغون بن ذوالنون ارغون ۸۹۶ھ میں پیدا ہوئے تحصیل علوم میں محنت اور دلبستگی سے کام لیا۔ علم معقول میں مہارت پیدا کی طالب علمی کے زمانے میں جو سبق پڑھا اس کو لکھا۔ میر معصوم نامی نے لکھا ہے کہ اس نے کتب خانہ قاضی دتہ سوستانی میں شاہ حسن کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بعض مسودات دیکھے ہیں۔ شاہ حسن نے اپنے عہد حکومت میں علماء و مشائخ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ حکومت کا نظم و نسق بھی بڑے اہتمام سے کیا ...... لوگوں کی خوشحالی کے لئے بھی کام کئے۔ بڑا بہادر اور جانباز تھا۔ چونتیس سال حکومت کی اور ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

---

[1] مقالات الشعراء ـ ص ۲۷۱ ـ ۲۸۸!

موزوں طبع پائی تھی، سپاہی تخلص تھا۔ اچھے شعر نکال لیتا تھا۔ غزل کے چند شعر یہ ہیں ؎

عشقت کہ بود مایۂ ارباب سلامت — از وی نبود حاصل ما جز بندامت
آن کس کہ بتیغ ستم عشق تو میرد — نبود ہوس زندگیش روز قیامت
عمریست کہ ای سرو خرامنده گذشتی — غائب نشده از دیدۂ من آن قد و قامت
ای شاه تو بار گر ناز مقیمی — ما را بسر کوی نیازست اقامت
پابوس سگت گر بہ سپاہی ندہد دست — تا زنده بود می گزد انگشت ندامت

تحفۃ الحبیب فخری میں اس کی مندرجہ ذیل غزل محفوظ ہے۔

اگرچہ بود دلم از ہوای غنم رنجور — دلی پیام تو اش کرد عاقبت مسرور
کسی کہ می ز سفال سگ تو نوش کند — نہ یاد جام جم آرد نہ ساغر فغفور
بباغ دہر گہی گل گہی خزان باشد — کہ نیست کار جہان ہیچگہ بیک دستور
چو روز و شب بخیال تو بوده ام نزدیک — اگر تو نیز کنی یاد من نباشد دور
سپاہیست ز ہوا گرم شد اکنون — چہ جای بادہ انگور و جام ہای سمور

تذکرہ روضۃ السلاطین مؤلفہ فخری میں اس کی چار مندرجہ ذیل غزلیں اور تین رباعیاں درج ہیں (بحوالہ مضمون روضۃ السلاطین از احمد میاں اختر۔ مطبوعہ ارمغان علمی ۱۹۵۵ء)

چو سبزۂ برت از برگ یاسمین برخاست — (۱) ہزار فتنہ بقصد دل از کمین برخاست
ز آتشین رخ او خط عنبرین برخاست — بجان ز آتش دود دل حزین برخاست
فشاند زلف معنبر بروی چون مصحف — شعار کفر ازان روز اہل دین برخاست
نیاز و عشوه نشستن میان مہرویان — ہزار فتنہ و آشوب از کمین برخاست
مرآن خدنگ کہ بر دل زدی سپاہی را — نشست تیر و ز شست تو آفرین برخاست

چه تیر بود که آن چشم نیم خواب انداخت / که مرغ جان و دلم را در اضطراب انداخت

ازان سبب شده عالم بچشم من تاریک / که یار بر رخ خورشید نقاب انداخت

چون وصف آن دُر دندان شنید دُر زازل / گهر ز شرم دوان خویش را در آب انداخت

. . . . / وگرنه پرده چرا پیش آفتاب انداخت

بلطف خواند سگ خویشتن سپاهی را / ز لطف خویش (چودر) گه دلش طناب انداخت

(۳)

مقیم میکده بودن مرا بوی شرابست / درین مقام نباشد مقیم حال خرابست

گذشت روزه بیا ساقیا که ماه نو آمد / بگیر باده که میخانه را مفتح باب آست

ز آب روی خودم دست و سینه در ره عشق / وفا و مهر تصور ز تو مثال سرابست

کجائی ای ز می افروخته جمال تو گل گل / بیا که مرغ دل من بر آتش تو کبابست

ز روز رخ وز عذابش که گفت واعظ نادان / فراق تو سفر و دیدن رقیب عذابست

برخ نقاب گرفتی چو جام باده کشیدی / بیا و پرده بر افگن ز چهره این چه حجابست

ازان بکار جهان دل نه بسته است سپاهی
که دیده است یقین سربسر جهان خرابست

(۴)

تیغ تو تیز دستانت تیز و مژگان تو تیز / بهر خون بیدلان گویا تو دادی این ستیز

باد گویا دوش همدم بود با آن زلف و خال / زانکه آمد صبح دم عنبرفشان و مشک بیز

سیر در گلزار حسنت برخورد ای سرو ناز / جلوه کن در عالم و هر جانب افگن رستخیز

ساکنان نه فلک بودند در هنگام صبح / هم دُرافشان شد نیابت (؟) بر براهت اشک ریز

ای سپاهی گر بدستت افتد صراحی و می
بابتی در پای گل بنشین و می در جام ریز

رباعیات

چشمم همه روز باخیال تو نم است — گر باز آئی غایت لطف و کرم است
عینک بنهم که چاره گردو چشمم — زانرو که دو دیده بر جمال تو کم است

٭

گر دیدهٔ من منور (از روی تو؟) تو نیست — ور شامه ام معطر از بوی تو نیست
هر چند رحم بکعبهٔ کوی تو نیست — هرگز کشش دلم بجز سوی تو نیست

٭

ای آن که ترا خبر ز راهم نبود — پروای جفای عمر گاهم نبود
گو نیکم اگر بد بتو دارم امید — حقا که بجز در تو پناهم نبود

میرک[1]

سید محمود و شیخ میرک بن ابو سعید پورانی عرشاہی کے لقب سے مشہور تھے۔ میرزا شاہ ارغون کے عہد میں شیخ الاسلام تھے۔ ۹۶۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں۔

گر روزگار شعله نواز است غم مخور — خسخانه را برای خسیسان گذاشتیم
هرگه آن شمع پری پیکرم از خانه رود — در پیش عاشق بیچاره چون پروانه رود
پند ناصح چه کند بادل دیوانهٔ من — این حکایت همه با عاقل و فرزانه رود

زآشنا چون مقصود نبود منفعتی
سائل آن به بدر یوزهٔ بیگانه رود

---

[1] مقالات الشعراء - ص ۷۹۱ - ۷۹۲

شاہ حسین نکداری

تاریخ معصومی صفحہ ۲۰۶ پر بتایا گیا ہے کہ شاہ حسین نکداری مرزا شاہ حسن کے امراد میں سے تھے اور حدت طبع، جودت ذہن، مکارم اخلاق اور محاسن آداب میں سرآمد فضلاء تھے۔ فن شعر اور تاریخ میں مہارت رکھتے تھے۔ روضتہ السلاطین ان کی تصانیف میں سے ہے۔ اسی نام کا ایک تذکرہ سلاطین شعراء فخری ہروی کی تالیف ہے۔ ممکن ہے شاہ حسین کی بھی اسی نام سے کوئی تصنیف ہو یا پھر صاحب تاریخ نے غلطی سے فخری کی کتاب اس کے نام کے نیچے درج کر دی ہے میر معصوم نے شاہ حسین کا کوئی شعر نقل نہیں کیا۔ حسن اتفاق سے ان کی تین غزلیں تحفتہ الجبیب میں محفوظ ہو گئی ہیں۔ وہ مجرم تخلص کرتے تھے تبرک کے طور پر ہم ان کو یہاں درج کرتے ہیں ؎

سیل رشک من زکوی یار برد اغیار را — بودہ است آخر اثر ہا گریہ بسیار را
ای صبا گردی زکوی او بچشم ما رسان — تا دلی تسکین دہد این دیدۂ خونبار را
بس کہ از دیوار و در سنگ جفا بر من زنند — گریہ می آید بحال من در و دیوار را
نیست جز آزار ما در خاطر آن بیوفا — بہر ما آموخت گویا شیوۂ آزار را
ہست ای مجرم زبان عاشقان طرز خاص — جز گرفتاران نمی دانند این گفتار را

گفتم کہ کم شود غم عشق از سفر مرا — شد رفتہ رفتہ و غمش بیشتر مرا
چون من علم شدم بو فایت مراں زدد — از روی ہر دمی سگ کویت شمر مرا
رفتن بپا طریق ادب نیست در رہت — باید شدن بکوی تو زین پس بسر مرا
گفتم بہ بین بدردی من و رحم پیشہ کن — گفت فریفتن نتوانی بزر مرا

نشگفت مجرم از دہنش غنچہ دلم — خون شد دلی بیاد لب او جگر را

٭

جانا مطلب دیگر صبر از دل شیدائی — زانرو کہ محال آمد در عشق شکیبائی
تا عشق تو شد یارم حال عجبی دارم — از چشم تو بیمارم وز لطف تو سودائی
در زلف تو دل بستم از قید خرد رستم — یعنی کہ شد از دستم سر رشتہ دانائی
دل بتو شد مایل کم شد نظرت بر دل — بنگر کہ شد مشکل کار دل شیدائی
چندان کہ توان مجرم زان یار جفا دیدم — ای کاش مرا بودی زین پیش توانائی

مولانا مصلح الدین لاری ایک فاضل شخص تھے، علوم عربی میں ماہر۔ کچھ عرصہ کے لئے مرزا شاہ حسن کو بھی پڑھاتے رہے۔ ۹۵۱ھ میں رخصت لے کر حج کو گئے۔ میر معصوم نامی نے لکھا ہے کہ شرح شمائل نبوی، حاشیہ تفسیر بیضاوی، شرح فارسی منطق اور دوسرے رسائل ان کی تالیفات میں سے ہیں[1]

شیخ عبداللہ متقی بن مولانا سعید سندھی ودہیلہ، علوم حدیث و تفسیر میں اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ ۹۴۷ھ میں گجرات جا کر قاضی عبداللہ کی خدمت میں رہے بعد میں قاضی فاضل کے ہمراہ مدینہ میں رہے۔ میر معصوم کا بیان ہے کہ تمام علوم و رسائل میں تصانیف رکھتے ہیں لیکن کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا[2]

میرزا جانی بیگ حلیمی بن میرزا پایندہ بیگ بن میرزا محمد باقی ترخان۔

۱؎ تاریخ سندھ معصومی، ص ۲۰۴ ۲؎ ایضاً ص ۲۰۴

مرزا باقی کی وفات پر ارغون اور ترخان امراء نے اسکو سلطنت کے لئے منتخب کر لیا۔ اس کے عہد میں رعایا کو امن ملا۔ تھٹہ پر رونق ہوا۔ عبدالرحیم خانخانان نے سندھ پر قبضہ کیا تو اس کو اکبر کے حضور لے گیا۔ وہاں سے پنج ہزاری منصب ملا اور جاگیر واپس کر دی گئی۔ شہزادہ خسرو بن جہانگیر سے اس کی بیٹی بیاہ دی گئی۔ جلیمی نے برہانپور میں ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔

میرزا جانی کو موسیقی سے خاص شغف تھا؛ تودی اس کا مخصوص راگ تھا۔ تان سین کا گانا سن کر اس کے گرد گھومنے لگا۔ اس نے تان سین سے کہا ـ "میں اپنے گھر سے بے گھر ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے جو میں تمہیں انعام دوں، یہ سر اور جان ہے جو تیرے فن پر نثار کرتا ہوں۔

اس کے چند اشعار یہ ہیں:[۱]

تخم دیگر بکف آریم و بکاریم زنو | آنچہ کشتیم بخجالت نتوان کرد درو
خوش آنوقتیکہ عشق غمخوارہ بود | آہ شب وگریہ سحر کارم بود
بدکردی چرخ ہیں کہ بامن بگذاشت | کالای غمی کہ زیب بازارم
عشقی خواہم کہ از خودی پاک کند | آبی مژہ ای کہ دہر نمناک کند
پای کہ بیابان عمل راسپرد | دستی کہ گریبان ہوسی چاک کند

ذخیرة الخوانین مخطوطہ، ص ۱۰۸ میں اس کی ایک رباعی درج ہے[۲]

دلت گرمہربان بودی چہ بودی | توان ناتوان بودی چہ بودی
لب لعل تو آب زندگانی | بکام عاشقان بودی چہ بودی

---

[۱] مقالات الشعراء۔ ص ۱۴۰–۱۴۲ [۲] بحوالہ Persian poets of Sind P.25

داعی[1]

ملا جلال داعی، مرزا جانی بیگ کے دربار سے منسلک تھے۔ اس کی مدح میں ایک مرتبہ قصیدے میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ؎

زہی عدل تو آسودہ خلق رحمانی　　حلول کردہ بدنہای خلق چون جانی
زبس نوال و کرم عقل خیرہ گردید　　نداند آنکہ بگوید تو بحر یا کانی
بدست تربیت داعی آنچناں باید　　کہ رفتہ رفتہ نہد پا تخت سلیمانی

میرزا کو شاعر کی یہ بالیدگی پسند نہ آئی۔ کچھ اور موانع بھی پیش آئے جن کی وجہ سے اس نے زہر کھا کر اپنی زندگی ختم کرلی۔ محمد جمال واعی اس کے بیٹے نے تاریخ کہی۔ ع

کرد جان را وقف ننگ و آب و آبرو　(۱۰۰۰ھ

واعی باپ کا قائم مقام ہوگیا، لیکن اس کے مقام کو نہ پہنچا۔ اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

بہار جود ترا ہر کجا رود ذکری　　زچوب خشک آید برون آرو گل دینار

ذہنی

محمد روشن ٹھٹھوی۔ صاحب ذہن رسا۔ میرزا جانی بیگ کے متوسلین میں سے تھے۔ انہوں نے میرزا غازی وقاری کی مدح میں مندرجہ ذیل شعر کہا ہے ؎

بر ذہنی حاصل است از بی نیازی
وقار از درگہ مرزای غازی

ممدوح کی وفات پر فقیری اور سیاحی اختیار کرلی ۱۰۰۹ھ وفات پائی۔

---

[1] مقالات الشعراء ص ۲۰۸، ۲۰۹

"مرد ذھنی" تاریخِ وفات ہے۔

دانش

محمد رضا بھکری نے اپنے سلطان محمود حاکم بھکر (متوفی ۹۸۲ھ) کی مدح میں اشعار لکھے ہیں ؎

مرا در دولت سلطان محمود — خدا مستغنی از گردون نمودہ
گر او یاد در سجود درگہ وی — سر اخلاص را واژون نمودہ

سید علی ثانی شیرازی

میاں سید علی کلاں کے پوتے اور حضرت قطب زمان پیر محمد واد (۸۳۰ — ۸۹۳ھ) کے نواسے تھے۔ اوّل درویش راجو (؟) سے تربیت حاصل کی۔ مخدوم نوح کی خدمت میں رہ کر روحانی عروج حاصل کیا۔ بڑے فیاض تھے کبھی کسی کو ناکام نہیں لوٹایا۔ صاحب کرامات اور مستجاب الدعوات تھے۔ ہمایوں بادشاہ عمر کوٹ پہنچا تو سید علی (شیخ الاسلام) اس کے سامنے پھل اور عطر تحفہ لائے۔ رجب یکشنبہ ۹۴۹ھ میں اکبر پیدا ہوا تو سید کے پیراہن سے کپڑا لے کر پہلا لباس تیار کرایا [1]۔

سید نے ۹۸۹ھ میں وفات پائی۔ آداب المریدین ان کی مشہور تصنیف ہے مگر یہ کتاب ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی۔

شیخ حسین صفائی

ٹھٹھہ کے عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ سید مراد کے مرید، انکی

---

[1] تحفۃ الطاہرین، محمد اعظم سندھ ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۶ء ص ۱۷ — ۲۰،
تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز الحق ص ۱۰۶، بحوالہ ترخان نامہ قلمی۔

والدہ حضرت پیر کی بیوی کی خادمہ تھیں۔ اس لئے ان کے قرب کی وجہ فیض و برکت سے مالامال ہوئے۔ ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔ اپنے مرشد کے سوانح حیات تذکرۃ المراد کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک عکسی نسخہ آغا بدر عالم درانی ساکن گوٹھی لیسین ضلع سکھر کے پاس محفوظ ہے۔[۱] اعجاز الحق قدوسی صاحب نے تذکرہ صوفیائے سندھ (ص ۹۲) پر لکھا ہے کہ "آپ کے زمانے کے بادشاہ شاہ حسن ارغون نے کئی دفعہ آپ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔

عوفی نے لباب الالباب میں ناصر الدین قباچہ کے دربار سے وابستہ اور اپنے معاصرین میں سے صرف چار شعرا کا ذکر کیا ہے۔ لباب الالباب کا اصل نسخہ کرم خوردہ ہے اس لئے پہلے شاعر کا نام مفقود ہے۔ صرف الصدر الاجل کے الفاظ باقی رہ گئے ہیں وہ شاعر صاحب سیف القلم تھا۔ بامیان میں وہ صاحب اقتدار رہا اور ولایت سنگان اور سبرک کی حکومت اس کے اختیار میں تھی۔ سلطان جلال الدین کے دربار میں اسے بخردشی کا لقب حاصل تھا۔ شعرا نے اس کی مدح وستائش کی ہے لیکن اس نے "حضرت وزارت" کی مدح میں صنعت سوال وجواب میں قصیدہ لکھا ہے۔ حضرت وزارت سے مراد عین الملک وزیر ناصر الدین قباچہ ہے۔ ابھی تک تشخیص نہیں ہو سکا کہ یہ شاعر کون ہے۔ سعید نفیسی نے لباب الالباب کے تعلیقات صفحہ ۶۶۲ میں لکھا ہے کہ یہ قصیدہ دیوان فرید الدین احوال اسفراینی کے دیوان میں موجود ہے لیکن اس کا ہندوستان آنا معلوم۔ اس کے حالات زندگی لباب الالباب میں مذکورہ احوال سے مطابقت نہیں رکھتے قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں ؎

گفتم بدان نگار کہ: خورشید انوری گفتا: ز روی نکوترم، اد ینک بنگری

---

[۱] تذکرہ صوفیائے سندھ، ص ۹۳

گفتم که: دل ربایی، جانا، ز عاشقان — گفتا: بزلف عنبری و چشم عبهری
گفتم که جان نبرد تو آرم بخدمتی — گفتا که: تحفه ایست زبی سیمی و زری
گفتم: گهر فشانی از اوصاف شاعریست — گفتا که: زو ستانیست آیین دلبری
گفتم: ثنای حاجب آفاق خوانمت — گفتا که: چون بخوانی خوانم برابری
گفتم که: عین ملک جهان فخر دین حق — گفتا که: آن حسین ابوبکر اشعری
گفتم: نه شاعرم که سپهدار بوده ام — گفتا که: با سری چه به از فضل بر سری!

*

(۲) الاجل المحترم شمس الدوله والدین سید الندماء تاج الفضلاء مفخر القدماء محمد الکاتب البلخی۔

عوفی نے ان خطابات کے علاوہ لکھا ہے کہ وہ بے نظیر جوان ہے۔ شعر میں 'عدیل انوری' ہے اور خطاطی میں ابن البواب اور ابن مقلہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بڑا صاحب اخلاق، دوست انگیز اور مردم دار تھا۔ عوفی نے عین الملک کی مدح میں اس کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے جس کے بعض اشعار اصل نسخے میں ہی مٹے ہوئے ہیں۔ چند اشعار یہ ہیں۔

خال زنگی چهره را بر لعل جان بخشت خرد — نقطه ای از کفر بر رخسار ایمان یافته
یوسف کنعان حسنی و دو عناب تو هست — سال و ما هم پایمال دست گرگان یافته
هر مرد کز لعل تو یابد نگاه بوسه جان — کی بود ز آب حیات، ای دوست چندان یافته
آب حیوان لعل تست و معجز عیسی خرد — دایم از خاک دار دستور گیهان یافته

(۳) لباب میں تیسرے شاعر کا نام بھی مفقود ہے۔ عوفی کے سوانحی بیانات بھی مٹے ہوئے ہیں۔ سعید نفیسی نے قرن ہفتم کے ایک سفینۂ اشعار سے تحقیق کر کے بتایا ہے کہ لباب کے مندرجہ اشعار فضلی بخارائی کے ہیں۔ عوفی نے بتایا ہے بخارا میں وہ میرے ہم سبق تھے اور

شریکِ غم۔ ہم نے قاضی امام فخرالدین کی 'جامع الصغیر' تمام کی تمام زبانی یاد کی اور مباحث میں حصہ لیا۔ فضلی واقعی اہل فضیلت تھے۔ ڈاکٹر آغا عبدالستار خاں نے اپنے مضمون[1] ناصرالدین قباچہ کے درباری شعرا میں گل رعنا مؤلفہ شفیق اورنگ آبادی کے حوالے سے ان کو فضلی ملتانی لکھا ہے لیکن وہ اصل میں ملتانی نہیں تھے۔ ممکن ہے ہندوستان میں آکر ملتان میں بس گئے ہوں۔ لباب میں اس کا ایک قصیدہ اور چار رباعیاں درج ہیں۔ قصیدے کے چند شعر یہ ہیں ؎

ای ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمده   نامۂ تائید تو انا فتحنا آمده

ناصر دین 'خسرو دنیا' قباچہ 'شاہ شرق   ای مہ چتر تو بر گردون مینا آمده

از پی اعلای دینٌ نصر من اللہ' در ازل   بر سرِ منصور شاہی تو طغرا آمده

رباعیوں میں سے مندرجہ ذیل رباعی مضامین خیام کی آئینہ دار ہے ؎

ہر لالہ کہ چشم کوہساری بودست   صد قطرہ زخون تاجداری بودست

مسپر بقدم سبزۂ بستان گستاخ   کان وسمۂ ابروی نگاری بودست

✣

(۴) چوتھے شاعر کا نام فخر الشعرا ضیاء الدین سجزی محفوظ رہ گیا ہے اور عین الملک کی مدح میں اس کا ایک قصیدہ بھی باقی ہے۔ اس میں سے بھی چند شعر ناقص ہیں۔ کچھ اشعار یہ ہیں: ؎

از گل سوری پدید آمد مگر سور چمن   ار غنون پرداز ... ... نوا ست

گرچہ از طفلان نوعہدست بر آغوش باغ   قد خوشبوی بنفشہ از غم پیری دوتاست

خواب نرگس گر نبست از تازہ روی لستر ن

دیدۂ عاشق فریبش بی سہر یارب چراست

---

[1] اورنٹیل کالج میگزین، نومبر ۱۹۳۸ء

عثمان مروندیؒ

عثمان مروندی کا نسب نامہ یوں بیان کیا جاتا ہے ۔ عثمان بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتجب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق ۔ وہ مروند[1] کے رہنے والے تھے لیکن اصل میں یہ لفظ میمند ہے جو ہرات کا ایک گاؤں تھا[2]۔ عثمان کے والد بھی صوفی درویش تھے انہوں نے مدت تک شادی نہیں کی تھی ۔ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بچہ کہہ رہا ہے کہ مجھے پیٹ سے باہر نکالیئے ۔ انہوں نے جواب دیا ۔ بہشت میں باہر آنا افضل ہے ۔ بعد میں اس نے جواباً عرض کیا ۔ دنیا میں ظاہر ہونا بھی احسن ہے ۔ چنانچہ سید کبیر کے دل میں شادی کا خیال پیدا ہوا ۔ جب بادشاہ وقت کو ان کی آرزوئے ازدواج کا علم ہوا تو اس نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی ۔ یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ وہاں کونسا بادشاہ تھا جس نے اپنی لڑکی سید کبیر کو دی ۔ سید عثمان ۵۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔

---

[1] تاریخ سندھ، خداداد خاں ۔ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء

[2] مآثر الکرام ج ۱ ص ۳۸۵، ۳۸۷ لکھا ہے کہ مرند بفتح م و را مہملہ و سکون نون ہے ۔ قریہ ایست از قرای تبریز ۔ ممکن ہے مرند نام کی کوئی بستی ہو لیکن یہ عثمان کی جائے ولادت نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ عثمان نے اپنے ایک مقطع میں خود کو میمندی لکھا ہے ۔ وہاں مرندی نہیں رکھا جا سکتا ۔ مصرع یہ ہے ؎ ایا عثمان میمندی / مروندی سخن با پردہ داری گو

جوان ہوئے تو ہندوستان کی سیاحت کو نکلے، شیخ منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے
تحصیل علم کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ
فریدالدین شکر گنج اور شیخ جلال جہانیاں کی صحبت میں ہندوستان کے مختلف
حصوں میں سیر کی اور چہار یار مشہور ہوئے۔ جب وہ ملتان میں آئے تو محمد پسر غیاث الدین
حاکم ملتان بڑے احترام سے پیش آیا اور ملتان میں ٹھہرنے کے لیے استدعا کی۔
خانقاہ بنوانے اور گاؤں جاگیر میں دینے کے وعدے کیے لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔
ایک محفل سماع میں صدرالدین عارف اور عثمان عربی غزلیں سنکر وجد میں رقص کر رہے
تھے اور محمد خان ہاتھ باندھے کھڑا تھا[1]

سید عثمان بھی سیاحت کے بعد سیوان (سندھ) میں چلے آئے۔ کسی
شاعر نے ان کی آمد کے متعلق "نور آفتاب دین" کہا ہے جس سے ۶۴۹ھ تاریخ نکلتی
ہے۔ جس جگہ وہ اترے وہاں بیسواؤں کے مکانات تھے۔ کہتے ہیں اس رات کوئی
شخص زنا کا مرتکب نہ ہوا۔ صبح سب عورتوں نے آپس میں چہ میگوئیاں کیں اور
خالی رات گزر جانے پر حیرت کا اظہار کیا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ سید صاحب کی
آمد اور ان کی کرامت سے ایسا ہوا ہے۔ ان سب نے تائب ہو کر معافی مانگی۔ یہ قصہ
بھی مشہور ہے کہ وہ جگہ جہاں آج کل ان کا روضہ ہے خالی اور ویران پڑی تھی، سید
صاحب مزدوروں کے ساتھ مل کر زمین کو صاف کروا رہے تھے۔ اتنے میں مالک
زمین آیا اور اس نے ان کا ہاتھ روکا۔ یہ جو غصے میں آئے تو اس کو لٹھ مار کر وہیں ڈھیر
کر دیا اور وہیں دفن کر دیا۔ اس کے ورثا نے آکر ان سے جھگڑا کیا۔ انھوں نے
فرمایا ہم نے انسان کو قتل نہیں کیا۔ ایک خونخوار کتے کو ہلاک کر کے دفن کر دیا ہے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (برنی)، ص ۶۷-۶۸

جب انہوں نے زمین کھود کر دیکھا تو کتا دفن پا کر پشیمان ہو کر چلے گئے۔ سید عثمان چھ سال بعد اسی جگہ وفات پا گئے۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے لیکن اکثر نے سال وفات ۶۷۳ھ لکھا ہے۔

خزینۃ الاصفیا میں معارج الولایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ عثمان فرقہ ملامتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نشہ آور چیزیں کھاتے اور پیتے تھے۔ اسی روش کی وجہ سے شہباز قلندر مشہور تھے۔ چونکہ سرخ لباس پہنتے تھے اس لئے لعل شاہباز کے نام سے بھی معروف تھے۔[1]

شیخ عثمان مروندی کا مزار ٹھٹھہ میں ہے جو سلطان فیروز شاہ کے عہد سلطنت (۷۵۲-۷۹۰) میں اختیار الدین حاکم سیوستان کے اہتمام سے تعمیر ہوا۔ ذیل کے اشعار مزار پر درج ہیں ؎

بعہد فیروز شاہ سلطان دین پرور
کہ خاک درگہش سازند شاہان جہاں افسر
ازان گاہی کہ بر تخت شہنشاہی نشست آن شہ
سراسر گشتہ از گیتی شعاع دولتش انور
عمارت شد مقام شیخ عثمان پیر میمندی

چہ زیبا بارگاہی بہشتی طاق پر گنبد
کہ رنگ نہ فلک گشتہ ز رنگ بام او اخضر

---

[1] تاریخ مظہر شاہجہانی۔ مرتبہ حسام الدین راشدی۔ تعلیقات ص ۲۵۹-۲۷۴

اگرچہ اولیاء اندر زمان شیخ بس بودند
ولیکن بود او از ہمگناں بالاتر و برتر

بروز ہفتم از ماہ رجب مبنی شد این روضہ
بسال ہفت صد و پنجاہ و ہفت از ہجرت مہتر

بنایش کرد والی اختیارالدین ملک ارشد
امیر و عادل و باذل تہمتن ثانی اسکندر

سخی و مشفق و مکرم تقی و پاک دین دیگر
امید ست اینکہ میباید جزای این چنیں چیزے

ہزاران قصر در جنت بفضل ایزد اکبر

میرزا جانی بیگ ترخان اور اس کے بیٹے میرزا غازی بیگ ترخان نے اس روضہ کو وسیع و دقیع کیا۔ شاہ جہان کے عہد سلطنت میں نواب دیندار خان بخاری حاکم سیوستان نے ۱۰۳۶ھ میں شاہی خرچ سے اس خانقاہ کو حسین انداز میں بنایا اور سنوارا۔ مندرجہ ذیل قطعہ سے اس کام کی تاریخ نکلتی ہے ؎

بدوران شہاب الدین جہاں شاہ
جہاں از فضل او خورسند و آباد

قبول آمد نیاز خان دین را
دران حضرت ز چوں طالع بود شاد

چہ گویم وصف آن صحن مقدس
بجای خشت انجم چیدہ استاد

چو خواہی سال آں با فہم و دانش
بمقطع بین کہ آمد سال بنیاد

یکی باشد ز فرش مسند شاہ
دگر باشد ز فرش خشت آباد (۱۰۴۰ھ)

نواب وبندار خاں نے خانقاہ کے باہر مسجد بنوائی۔ اس کی تاریخ تعمیر مندرجہ ذیل قطعہ سے ظاہر ہے ؎

بدور شہنشاہ شاہ جہاں چناں دیوانش چو باغ بہشت
چو مسجد بنا کرد وبندار خاں بدرگاہ شہباز عالی سرشت
خرد گفت سالش کہ بیت العتیق دگر مسجد شیخ بہندا نوشت (۱۰۴۳ھ)

میاں غلام شاہ کلہوڑہ والی سندھ نے ۱۱۷۳ھ میں خانقاہ میں دہلیز تعمیر کرائی اور ایک علم پیش کیا۔ مندرجہ ذیل کتبہ میں اس کا ذکر موجود ہے ؎

چہ خوش جناب مبارک کہ نور حقانی ز روضہ است عیان ظاہری و پنہانی
قلندر و سخی و کام بخش اہل یقین ولی و سید عثمان پیر نورانی
بخاص و عام کہ مشہور لعل شہباز است بپا دشاہ و گدا باز داد سلطانی
غلام شاہ میاں صاحب سعادتمند نشان حضرت عباس کان احسانی
سخی و غازی و فیاض معدن الطاف چو سرفراز شد از لطف وجود ربانی
ز خاص نیت خود کرد تازہ خوش تعمیر کہ فرش و صحن و در روضہ شد گلستانی
قبول حضرت مخدوم شد نشانی کو ز رحمت نبوی و علی عمرانی

ہزار و یک صد و ہفتاد و سہ ز ہجری بود
ز کار داری باقر نشان شد ارزانی

میر کرم علی تالپور، والی سندھ نے ۱۲۳۸ھ میں تمام عمارتوں کی مرمت کرائی۔ اور چاندی کا دروازہ نصب کرایا۔ میر غلام علی مائل نے قطعہ تاریخ لکھا ؎

چون باین روضہ جنان رفعت — کہ بہ ابش بود فلک دربان

روضہ شہبا ز روضہ قدس — نعل شہبا ز شیخنا عثمان

داد اکنون کرم علی خاں میر — از کرم ہای اینزد منان

بہر ترویج کار اجر و خیر — کہ بود احسن از شہان زمان

خوش بترمیم روضہ زین نو باب — زیب و تکمیل زینت شاہان

باب این روضہ الصفا کردند — از زر و سیم مہر و مہ رخشان

بسکہ باب کشود کام دل ست — تا ب این بارگاہ فیض نشان

دلم از شوق آستان بوسیش — صبحدم در دعای بانی آن

خواند تاریخش اینچنین بکمال — "قبل اللہ خیر و زاحسان"

۹۱ ۱۱۲۰ = ۱۲۲۱ھ

عثمان مروندی کبھی کبھی اشعار بھی کہتے تھے۔ ان کی غزلوں کے جو اشعار بکھرے پڑے ملے ہیں ان میں دل کا سوز اور طبیعت کا شور موجود ہے۔ شعر کا موضوع عشق و درویشی ہے۔

مختلف ذرائع سے ان کے مندرجہ ذیل اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔

من آن ذرّم کہ در بحر جلال اللہ بودہ ام — بکوہ طور با موسیٰ کلیم اللہ بودہ ام

باسماعیل پیغمبر یا براہیم بن آذر — دران سر وقت قربانی بقربانگاہ بودہ ام

ایا عثمان میمندی چرا مستی درین عالم

کہ جز "یا ھو" و "یا ھو" دیگر چیزی نمی دانم

رسیدم من بدریائی کہ موجش آدمی خوار است

نہ کشتی اندر آن دریا نہ ملاحی عجب کار است

شریعت کشتی باشد طریقت بادبان او
حقیقت لنگری باشد که راه فقر دشوار است

چو آتش بجله خون دیدم بترسیدم ازین دریا
بدل گفتم چرا ترسی گذر باید که ناچار است

ندا از حق چنین آمد مگر ترسی ز جان خود
هزاران جان مشتاقان درین دریا نگونسار است

ایا عثمان مروندی سخن با پرده داری گو
لب تاریخ سنده

گهی زنار می بستم گهی قشقه آن همی خواندم
گهی در مذهب ترسا لبی نغمت کشیدستم
دو صد جامه کهن کردم لباس فقر پوشیدم
دمان بر تی گه من هستم هزاران یک رسیدستم

شهباز لامکانم من در مکان نگنجم
عنقای بی نشانم من در نشان نگنجم
رموز العارفین

ز عشق دوست هر ساعت درون نار میرقصم
گهی بر خاک می غلطم گهی بر خار می رقصم
شدم بدنام در عشقت بیا ای پارسا اکنون
نمی ترسم ز رسوائی بهر بازار می رقصم

بیا ای مطرب مجلس سماع ذوق را دریده
که من از شادی وصلش قلندر وار می رقصم
مرا خلقی همی گوید گدا چندین چه می رقصی
بدل دارم امرای از آن اسرار می رقصم
منم عثمان مروندی که یار خواجه منصورم
ملامت می کند خلقی و من بر دار می رقصم
مقالات الشعراء

جہانگیر ہاشمی[1]

جہانگیر ہاشمی صوفی شاعر تھے جو ایران میں ناسازگار حالات پاکر سندھ میں آئے اور بھکر میں بس گئے۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ رضا قلی ہدایت نے ریاض العارفین میں لکھا ہے کہ وہ اصلاً کرمانی تھے۔ نام میر محمد ہاشم تھا اور جہانگیر ہاشم کے نام سے مشہور رہتے۔ کنیت ابو عبداللہ تھی۔ والد کا نام میر محمد حسن عرشی تھا صاحب ہفت اقلیم نے بتایا ہے۔ باپ کی طرف سے ان کا نسب شاہ نعمت اللہ ولی اور ماں کی جانب سے شاہ قاسم انوار سے ملتا ہے۔ تاریخ ولادت ۱۰۷۳ اور تاریخ شہادت ۱۱۵۰ھ ہے۔ یہ دونوں تاریخیں یقیناً غلط ہیں۔ تاریخ ولادت ۱۰۷۳ کی بجائے ۸۷۳ ہو سکتی ہے۔ تاریخ وفات کے بارے میں میر محمد معصوم مصنف تاریخ سندھ نے لکھا ہے کہ وہ ۹۴۶ میں وفات پا گئے جو صحیح معلوم ہوتی ہے۔ حج کے ارادے سے نکلے تھے کہ کیچ مکران کے راستے میں ڈاکوؤں نے آلیا اور کام تمام کر دیا۔ رضا قلی نے جو یہ لکھا ہے کہ وہ دہلی گئے اور نشر مذہب حقہ' اور تنبیح آراء باطلہ' میں مشغول ہو گئے اس کی تصدیق کسی اور ماخذ سے نہیں ہو سکتی۔

والہ داغستانی نے ریاض الشعرا میں تقی اوحدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جہانگیر ہاشم نے مولانا جامی کی خدمت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔ دوسرے

---

[1] مثنوی مظہر الآثار مرتبہ سید حسام الدین راشدی' دیباچہ' سندھی ادبی بورڈ' کراچی ۱۹۵۷ء

تذکرہ نگاروں نے بھی یہی بات نقل کی ہے لیکن مثنوی مظہر الآثار میں جہاں جہاں جامی کا ذکر آیا ہے اس سے کہیں اس بات کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔ جامی نے ۸۹۸ھ میں وفات پائی۔ جہانگیر شاہ کی تاریخ ولادت ۸۷۳ھ مان لی جائے تو پھر ان کی ملاقات کا امکان ہو سکتا ہے۔

شاہ جہانگیر، شاہ حسن ارغون (۹۲۸ - ۹۶۲ھ) کے اوائل عہد میں سندھ تشریف لائے۔ بادشاہ نے انکا احترام کیا اور عزت سے پیش آیا۔ انہوں نے ۹۴۰ھ میں مثنوی مظہر الآثار لکھ کر اسی شاہ کے نام منسوب کی۔

شاہ صاحب کی دو مصنوی یادگاریں ہیں: ایک دیوان اور دوسری مثنوی مظہر الآثار۔

مثنوی مظہر الآثار

جہانگیر شاہ صاحب ہاشمی تخلص کرتے تھے۔ مثنوی میں اس کو کہیں کہیں استعمال کیا ہے۔ مثنوی کا نام مظہر الآثار ہے جیسا کہ انہوں نے خود اس شعر میں لکھا ہے ؎

لاجرم این نامۂ قدسی نظام　　شد ز قضا مظہر الآثار نام

مؤلف آتشکدہ نے اس کا نام مظہر الآثار بتایا ہے اور میر قانع نے مقالات الشعراء میں لکھا ہے کہ شاہ جہانگیر نے دو مثنویاں لکھی ہیں ایک مظہر الاسرار، تحفۃ الاحرار کے جواب میں اور دوسری مظہر الانوار، مخزن الاسرار کے جواب میں۔ ان دونوں مصنفوں کو اشتباہ ہوا ہے۔ ہاشمی کی صرف ایک مثنوی ہے۔ یہ مثنوی ٹھٹھہ میں ۹۴۰ھ میں تمام ہوئی اور اس کی تکمیل میں دو سال صرف ہوئے۔

نہصد و چہل بود کہ این نظم پاک　　نقش بقا یافت ازین لوح خاک

این رستم تازہ کہ بعد از دو سال   ختم سخن یافت بمیزان حال

کہنے کو تو یہی کہتے ہیں کہ یہ مثنوی مخزن الاسرار کے جواب میں ہے لیکن موضوعات کے اعتبار سے مخزن الاسرار سے کافی مختلف ہے۔ صرفی کی مسلک الاخیار کا تجزیہ کرتے ہوئے ہم نے مخزن الاسرار مطلع الانوار اور تحفۃ الاحرار سے اس کی ہیئت ترکیبی کو واضح کیا ہے۔ مظہر الآثار بھی اس سے ملتی جلتی مثنوی ہے اس کے مصنف نے جامی کا زیادہ تتبع کیا ہے اور اکثر انہی موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ جو تحفۃ الاحرار میں موجود ہیں مثلاً دتمہید و تشکر کے بعد دونوں نے چار مناجاتیں اور پانچ نعتیں لکھی ہیں۔ دونوں نے اپنے مرشدوں کی مدح کی ہے۔ دونوں نے پردۂ حقیقت دل پر لکھا ہے۔ اس کے بعد عنوانات مختلف ہو جاتے ہیں۔ تحفۃ الاحرار میں تین صحبتیں ہیں اور بیس مقالے ۔ مظہر الآثار میں تین روضے ہیں اور بیس موعظے۔ آخر میں دونوں نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی ہے اور خاتمہ کلام بھی لکھا ہے۔ دونوں مثنویوں کے موضوعات مثلاً توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تجرید، عزلت، سکوت، جوانی و پیری و عشق وغیرہ بھی کم و بیش یکساں ہیں۔

ہاشمی کے پیرووں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی مثنوی میں زورِ کلام دکھایا ہے اور شاعرانہ تعلی سے کام لے کر اپنی چیز کو دوسروں سے برتر بتایا ہے۔ مثلاً نظامی نے کہا تھا کہ اسکی مثنوی کا جواب ہو ہی نہیں سکتا ؎

مہر زد از خاتم تم الکتاب

بست بر دی ہمہ راہ جواب (مظہر الآثار ص ۳۶)

خسرو نے کہا تھا ؎

صد چو نظامی چو خسرو ہزار   بادم از جام سخن جرعہ خوار (ص ۳۹)

لیکن ہاشمی نے شروع میں عجز و انکسار کو مدنظر رکھا اور متقدمین کی افضلیت کو دل میں جگہ دی۔ چنانچہ لکھا ؎

بادۂ معنی ... ز نظامی طلب　　چاشنی از خسرو و جامی طلب

خواستم از روح نظامی مدد　　وز نفس خسرو و جامی مدد (ص ۲۹)

لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا کہ اپنا کلام بھی کسی سے ہیٹا نہیں۔ وہ بے عیب ہے اور اس سے جسم سخن میں جان تازہ آئی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ امداد غیبی ہے اور میرے پیر کا صدقہ ہے کہ میں نے یہ مثنوی لکھی اور اس کے مقابل میں دوسروں کا پایہ کمتر ہوا۔ ان کی زبانی ان کا بیان سنیئے ؎

گفتۂ من جز رقم غیب نیست　　ہر چہ ز غیب است در و عیب نیست

این رقمم از خامۂ تقدیر یافت　　این دم گرم از نفس پیر یافت

ہاشمی این نظم کہ انگیختی　　شور دگر در سخن آمیختی

تازہ شد از نظم تو جان سخن　　کان نمک شد ز تو خوان سخن

شعر مخوان جوہر جانست این　　وحی سعادت و رسالت این

ہاشمی این نامہ کہ آراستی　　نرخ متاع دگران کاستی

سخنوری اور سخن پردازی میں اچھا شعر نکالتے وقت جو ریاضت کرنا پڑتا ہے وہ اس سے آگاہ تھے۔ ان کا کہنا ہے بے شک معانی رنگین ہوں لیکن عشق کی چاشنی سے خالی نہ ہوں، طرز بیان میں ایمائیت ضرور ہو۔ مقبول اور پسندیدہ شعر کہنے کے لئے ضروری ہے کہ پریشانیوں سے کٹ کر دلجمعی سے ایجاد مضامین پر غور و خوض کیا جائے۔ انہوں نے اس مثنوی میں اپنے خیالات کو یوں وضاحت سے بیان کیا ہے۔

جلوہ بدہ طبع سخن پیشہ را　　سادہ کن از تفرقہ اندیشہ را

لفظ خوش و معنی شیریں طلب　　معنی پاکیزہ رنگین طلب

ہرچہ بعبارت نگردد روا　　　ساز با یما داشارت روا

اور پھر

صفت مطبوع درو درج کن　　　چاشنی عشق براو خرج کن

نغمۂ این زمزمہ در پردہ گوئی　　　ہرچہ بگوئی پرودہ گوئی

ایک اور مقام پر اپنی محنت اور گہری فکر کو یوں بیان کیا ہے ؎

ہرچہ بگوئی سنجیدہ بگوی　　　نکتۂ مقبول و پسندیدہ گوی

دست بزن بوسخنان بلند　　　تا و رسد بر سر شاخش کمند

مصنف نے اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ اشعار کی بندش میں جھول نہ آئے اور الفاظ کا دروبست درست رہے اور ادائے معانی میں خامی نہ رہے۔ اکثر جگہ مصرعے رواں ہیں اور ابہام نہیں۔ مثلاً چابک کتاب کھلنے سے یہ اشعار سامنے آسے ہیں۔ ان کی پختگی ملاحظہ فرمائیے ؎

علم و ادب گنج سعادت بود　　　مایۂ اخلاص و ارادت بود

علم و ادب میطلبی رنج کش　　　رنج کشی از پی این گنج کش

رنج کشی، گنج بدست آوری　　　ورنہ بصد رنج شکست آوری

جلوہ کند گل چو شود غنچہ باز　　　غنچہ چو واشد نشود غنچہ باز

لیکن بعض مقامات پر الفاظ کھٹکتے ہیں۔ تعقید معنوی نظر آتی ہے اور بعض جگہ صنائع لفظی کی تکرار سے عبارت میں تکلف آگیا ہے۔ مثلاً

کار ممالک با میان سپار　　　کج قلمان را ز قلمرو برار

ہر کہ قلم بہر کجی فقط زند　　　بر خط ہستی ز خطا خط زند

چون ورق عدل نمائی رقم
کج قلمان را چوں قلم کن قلم

چرخ و فلک پردہ رای من است

ع قصر مرادم حسرم تن بود
کوری شیطان بکشا دیدہ را

خرقہ بکش از سرو دامان بکش | کش مکش خار مغیلان مکش
دانہ کش کاشتہ خویش باش

ہاشمی صاحب صوفی باصفا تھے۔ اس لئے ان کی مثنوی میں بھی تصوف کے تمام مضامین ملتے ہیں۔ انقطاع تعلق گوشہ نشینی، توکل و قناعت عبادت۔ ذکر و فکر۔ سماع۔ ارادت پیر۔ فنا فی اللہ۔ بقا باللہ وغیرہ۔ اپنے پیر و مرشد اور رسول خدا سے عقیدت اور ارادت کا یہ حال ہے کہ بعض اشعار سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی ستائش میں نہیں کہے گئے بلکہ مخاطب کر کے کہے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) گر نکنی رفع خطا ہای من | روز جزا وای من و وای من
(ص ۲۹) رسول خدا سے مخاطب

(۲) شد ز تو روشن ہمہ روی زمین | (ص ۳۱) شاہ نعمت اللہ ولی سے مخاطب

(۳) ما ہمہ محتاج جمال تو ایم | (ص ۳۲) "

(۴) روی دل جملہ بدرگاہ تست | "

اکثر صوفیہ فنائے ذات ہی میں عروج ارادت سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیخودی نفس ہی منتہا ہے۔ اپنی کوئی آرزو نہ رہے۔ ہاشمی نے ایک جگہ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ معرفت نفس حاصل ہو جائے تو انسان کو اپنا حقیقی مرتبہ معلوم ہوتا ہے ....

وہ روحانی مدارج طے کر کے اپنا آپ بھلا نہیں دیتا بلکہ اس کو احساس ہوتا ہے کہ

خودشناسی کے بعد کائنات کی تسخیر و حاکمیت کے لیے اس کے اندر قوتیں موجود ہیں مثلاً یہ اشعار ؎

کون و مکان تابع میل تو اند　　انجم و افلاک طفیل تو اند
گر بگشائی نظر خویش را　　باز شناسی گہر خویش را

٭

دیوان۔ ہفت اقلیم اور مقالات الشعرا کے بیانات کے مطابق ہاشمی نے دیوان مرتب کیا تھا۔ ابھی تک دیوان کا کہیں سراغ نہیں ملا بسید حسام الدین راشدی صاحب نے مختلف تذکروں سے مندرجہ ذیل اشعار اکٹھے کیے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سارے دیوان پر تصوف کا رنگ ہی غالب ہوگا۔ اشعار یہ ہیں: ؎

بی تو نبود ہوس ساغری در سرما　　گر ہمہ چشمۂ خورشید شود ساغرما
روزگاریست کہ زائل شدہ از گریۂ ہجر　　صورت خرمی از خاطر غمپرور ما

بجز ورہ نیست بکنم این دل محو تماشا را　　تماشای جمالت بردہ است از دست ما مارا

بناز سرمہ مکش چشم بی ترحم را　　نشستہ گیر بخاک سیاہ مردم را

خوبرویان چہ کسانند فدا وامی چند　　دام بدنامی و آشوب نکونامی چند
وہ کہ پیمانۂ ما پر شد و پیای تہی　　نکشیدیم ز دست صنمی جامی چند
ہاشمی قطع تمنا مکن از صبح وصال　　کہ بہ نومیدی ہجران گذرد شامی چند

کجاست آنکه مرا ساغری بدست دهد — نه دُرد داند نه صاف، هر چه هست دهد
چو هاشمی من خون جگر که ساقی دهر — مئی مراد، بدون همتان پست دهد

هرچند کنم چاک ز تیغ ستم او — بیرون نرود از دل صد چاک غمی چند

خوشم ز ابروی تیرش، در دل ناشاد جا دارد
که خواهد یاد من کرد، از خدنگ خود چو یاد آرد

خوش آن وقتی که ما را مردمستی بود — حضور خاطر او وقت خوش بود
گذشت آن صورت آرائی که ما را — مرد ستار و انداز . . . بود

اینچنین کز آستانت میروم نا داده جان — شرم میدارم که نام زندگانی میبرم
میروم از گلشن کویت گرانی میبرم — رخت هستی بسته، بار ناتوانی میبرم

بلند مرتبه زین خاک آستان شده ام — غبار کوی توام گر بآسمان شده ام

در بیابان عدم بودم بفکر آن دهن — شد پدید آن خط سبز و گشت خضر راه من

ذاتت بخیر یاد که در بزم کائنات — خاموش نیست انجمن از دعای تو

معلم عشق و عارف طوطی و مرآت عرفانش — سبق معنی و صورت ابجد لوح دبستانش

عجب لوحیست لوح مکتب معمورۂ عرفان که عالم عالم معنی ست در هر نکتهٔ پنهانش
دریں ره جز خطر نبود معاذالله چه راه است این
که شد ذرات چشم ره روان ریگ بیابانش
چون صوفی وقت وجد از چرخ گردان دامن افشاند
نشاید هیئت چرخ دگر از دور دامانش
چو پشت پا زند مانند چوگان بر جهان سالک
نشاید گنبد گردان چو گوئی پیش چوگانش
سراسر دیده شو چو آئینه تا روشنی بینی
که با این دیدهٔ تاریک هرگز دید نتوانش
تو تاریکی وگرنه بنگری آن آفتابی را که تابانست نور فیض بر آباد و ویرانش
درون گوهر کجا آید بپیش چشم آن رندی که باشد قطرهای اشک چون دریای غلطانش
چنان از دست مملو شد محیط باطنی عارف که از سر میرود سر شک چشم گریانش
جهاں را در ره معراج همت مشت خاکی دان
که در چشم لئیمان میزند از مکر شیطانش
بود منعم باسباب جهاں شاد و نمی داند
که آخر آن همه خواهد شدن اسباب حرمانش
بقدر از تعلق جان دهد هر کس خوش آن مفلس
که از وارستگی شد تلخی جان کندن آسانش

تحفۃ الحبیب فخری میں مندرجہ ذیل چار غزلیں میری نظر سے گذری ہیں ۔

زہی از کعبه و بتخانه در کوی تو منزلها زهر منزل ترا راه دگر در کعبه دلها

مرا از راه خود بردار تا منظور خود بینم   جمال کعبهٔ وصل ترا بی قطع منزلها
چو شد یا عالمی از کشتی بزم تو کف بر لب   بجز خود بین که میگردد همین بر گرد ساحلها
نقاب از چهره بکشا ای مه محمل نشین من   که گم شد در بیابان غمت بسیار محملها
درون مسجد و بتخانه ذکر تست سرتاسر   توئی القصه مضمون سرود جمله محفلها

دمی که درد ملامت شود حوالهٔ ما   زکاسهٔ سر مجنون بود پیالهٔ ما
چه صوت زمزمهٔ ما رسد بگوش فلک   بود سرود ملایک ز آه و نالهٔ ما
ز داغ لاله رخان در حریم گلشن شوق   جواب اشک جگرگون ماست لالهٔ ما
بکام بخشش ما گر زبان گشاید دوست   همین بس است ز خوان کرم نوالهٔ ما
چو هاشمی صفت ابروی تو نقش کند   بود مصور چین شرط اندرسالهٔ ما

ساقی بعاقبت گذران دور لاله را   در پرده کش چو غنچهٔ نرگس پیاله را
گر نسخهٔ جمال تو بینند نو خطان   از خط کنند خالی و خط آن رساله را
۱ از بسکه داد و شدمی بجسمم ضعیف ساخت
بر درد من مجال نفس نیست ناله را
از غنچه بلبلان گلستان چه برخوانند   کاغشته روزگار بخون این نواله را (؟)
ای هاشمی ز آب خضر سرخوشی مجوی   عشقست پر دهد شراب دو ساله را

نهاده ام چو سگان سر بر آستانهٔ تو   فرشته را نگذارم بگرد خانهٔ تو
سرم بپای تو گر دست رسی نیافت چه باک   همین بس است که شد خاک آستانهٔ تو
مراد اهل دل از خلق بر نمی آید   مگر مراد بر آید هم از خزانهٔ تو

چنان خیال تو در بزم جان انیس منست — که جا نرم بوصال تو غایبانۂ تو

صریر کلک تو ای هاشمی چه صوت انگیخت

که نقش بست بدل قول عاشقانۂ تو

سیّد حمید الدّین حاکم[1]

حمید الدین حاکم کے والد شیخ بہاؤ الدین دس برس تک کیچ مکران کے حاکم رہ کر گوشہ نشین ہو گئے اور سلطان شہاب الدین اپنے بھائی کو جانشین مقرر کیا۔ مؤخر الذکر دو سال کے بعد ایسے مرض میں مبتلا ہو گئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ ان کے بعد سلطان حمید الدین حاکم تخت نشین ہو گئے۔ ان کی امی سید احمد توختہ ترمذی (مدفون لاہور) کی بیٹی تھی۔ سلطان حمید الدین نے بھی شیوۂ آبا کی پیروی میں بائیس سال حکومت کے بعد تخت و تاج کو ترک کیا اور اپنے نانا سید احمد توختہ سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے لاہور گئے۔ راستے میں ان کی اہلیہ لطیفہ بانو بنت حیدر علی شاہ سیستان بیمار ہو کر وفات پا گئیں۔ انہوں نے لاہور میں اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر مجاہدہ ریاضت سے فیض حاصل کیا۔ سید احمد کی وفات پر مزید روحانی ارتقا کے لیے وہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی خدمت میں بغداد گئے۔ واپسی میں مومبارک میں قیام کیا جو رحیم یار خاں سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چنگیز خاں کے ہاتھوں کیچ مکران کی سلطنت ۶۲۰ھ میں ختم ہوئی تو سلطان حمید الدین کے علاقائی بھائی شیخ رکن الدین حاتم بھی اپنی والدہ کے ہمراہ اسی جگہ آ گئے۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے اپنی بیٹی فاطمہ ان کے نکاح میں دی جن کے بطن

---

[1] تاریخ جلیلہ از غلام دستگیر نامی لاہور ۔ ۱۹۵۷، تذکرہ حمیدیہ شیخ شہر اللہ مترجمہ غلام دستگیر نامی

سے شیخ نورالدین ہوئے ۔ ان کی ایک بیوی راجہ جام کی بیٹی پترانی تھی جس کے بطن سے تاج الدین پیدا ہوئے ۔ ایک بیوی کا نام عائشہ تھا جو قاضی وحیدالدین کی صاحبزادی تھیں ان کی وفات پر درد بھرا مرثیہ لکھا ہے جس کا ایک بند یہ ہے ۔

ای مرا بی رخت چہ زندان باغ — ز آتش ہجر تست در دل داغ
جای تو گر بود ہزار چراغ — چہ کنم بی جمال تو چہ کنم

شیخ رکن الدین، صدرالدین عارف کے بیٹے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے، حمیدالدین حاکم کے مرشد ہوئے ۔ اگرچہ حضرت حاکم عمر میں ان سے ۷۰ سال بڑے تھے پھر بھی انہوں نے اپنے پیر کی مدح میں سراپا عجز و انکسار سے اشعار لکھے ہیں ۔ شیخ رکن الدین نے ۷۳۵ھ میں وفات پائی ۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۷۳۷ھ میں حضرت حاکم بھی انتقال کر گئے ۔ ان کی عمر ۱۶۷ سال ہوئی ۔ پہلے ان کو ملتان میں حضرت رکن عالم کے روضہ میں دفن کیا گیا ۔ پھر ایک سال بعد مو میں منتقل کر لئے گئے ۔ ان کی تاریخہائے ولادت اور وفات کے بارے میں یہ قطعہ قابل یادداشت ہے ۔

پرسی از سال وفات و عمر آن شاہ کبیر — شیخ حاکم تارک جاہ و حشم تاج و سریر
یک بیک گویم بتو لیکن بگوش جان شنو — کن بلوح دل رقم این نکتہ ہای دلپذیر
شرع توحیدش بدان، سلطان زاہد سال عمر — سال فوتش دان، ولی خاص، ای روشن ضمیر
۵۷۰ ۱۶۷ ۷۳۷

شیخ شہراللہ مصنف تذکرہ حمیدیہ نے بتایا ہے کہ سلطان التارکین حمیدالدین حاکم نے ایک سو بیس کتابیں تصنیف و تالیف کیں ، مثلاً فقہ میں بخارا ۔ صرف میں پنج گنج ۔ تفسیر میں نیام اور نظم میں گلزار ۔ پنج گنج مطبوعہ ہے لیکن اس پر مصنف کا نام درج نہیں ۔ گلزار یعنی دیوان حاکم جناب غلام دستگیر نامی کی ہمت اور کوشش سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ دیوان کے آخر میں منثور مناجات بھی شامل ہے ۔

دیوان ۔ حضرت حاکم نے اپنا دیوان خود مرتب کر کے اسکو پانچ ابواب میں تقسیم کیا تھا۔ باب اوّل۔ مناجات، باب دوم نعت، باب سوم۔ در مدح شیخ رکن الدین۔ باب چہارم۔ متفرقات، اس حصے میں بھی شیخ رکن الدین کی مدح میں قصاید، ترجیع بند، غزلیات اور قطعات ہیں۔ خالزادہ شرف الدین کمال، الیاس رفیع۔ بی بی عائشہ اور شیخ رکن الدین کے مرثیے بھی شامل ہیں۔ باب پنجم در غزلیات و وعظ و نصیحت دیوان کا نام گلزار رکھا ہے۔ اس قطعہ سے دیوان کی تفصیل ظاہر ہے ؎

پنج باب است اندرین گلزار — ہر یکی باب گنج معنی دان

شد زانتار حاکم درویش — پنج گنج اندرین یکی دیوان

حمید الدین صاحب نے عموماً حاکم تخلص کیا ہے۔ کہیں کہیں حاکم بہا بھی باندھا ہے۔ بہا اپنے والد بہاؤ الدین سے نسبت ہے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اس لیے حاکم تخلص اختیار کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں حاکم مملکت رہے اس دیوان میں کہیں اشارہ کنایہ نہیں جس سے ان کی پہلی شاہانہ زندگی کی جھلک دکھائی دے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تمام کلام ان کی درویشانہ زندگی سے متعلق ہے۔ تمام مضامین تصوف اور فقیرانہ اخلاق پر مشتمل ہیں۔ نصف سے زیادہ حصے میں حمد خدا نعت رسولؐ اور مدح مرشد موجود ہے۔ ایک تارک الدنیا درویش کو دین و دنیا کے مرشد سے جس قدر عقیدت ہو سکتی ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حضرت حاکم نے بھی اپنے اخلاص و ارادت سے رسولِ خدا کی نعت اور شیخ رکن عالم کی ستائش میں اشعار لکھے ہیں۔ پیغمبر اللہ کی نعت میں دو سو شعر کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

من بعون اللہ گویم از سر صدق و صفا

نعت پاک سید عالم محمد مصطفیٰ

ایک نعت میں پہلے مصرعوں کے حروف اوّل کو ملانے سے لاالٰہ الا اللہ اور دوسرے مصرعوں کے حروف اول کو ملانے سے محمد رسول اللہ بنتا ہے۔ منقبت مرشد سے تو فدائیت کی بو آرہی ہے ؎

فدا کن حاکما جاں را بنام شیخ رکن الدین
تو ای چون هم مرید و هم غلام شیخ رکن الدین

شیخ کی مدح میں ایک طویل ترجیع بند کے علاوہ ایک ساقی نامہ بھی ہے۔ جس میں ان کی بعض دلربایانہ خصوصیات بیان کی ہیں اور بڑے اچھے شعر نکالے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے ؎

بیا ساقی بده آن مست جامے — زنم کز عاشقی بر عرش گامے
بزرگے سرفرازے، جان نوازے — جوادے، پاکبازے، خوش کلامے
صفوف اصفیاء را مقتدا اوست — چناں صف را چنین زیبد امامے
خوش از وی خاص و عامست چونکہ عامست — عطاء او بہر خاصے و عامے

جناب حاکم نے لمبی عمر پائی۔ سلاطین مملوک اور سلاطین خلجی کا تمام عہد اور محمد ثانی تغلق کا کچھ زمانہ بھی دیکھا۔ اس عرصے میں نامی گرامی اولیاء اللہ گزرے جن کی آپس میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مثلاً شیخ فرید مسعود شکر گنج، نظام الدین اولیاء، شیخ جلالی، مخدوم جہانیاں، بہاء الدین زکریا ملتانی، صدر الدین عارف عراقی، عثمان مروندی، خسرو، حسن وغیرہ۔ ان میں سے اکثر بزرگوں کا اجتماع ملتان میں ہوتا رہا۔ لیکن حاکم کے دیوان میں شیخ صدر الدین اور شیخ رکن الدین کے سوا اور کسی بزرگ کا تذکرہ نہیں آیا۔ سیّد احمد توختہ ترمذی ان کے نانا اور پیر طریقت بھی تھے۔ ان کی وفات پر ایک شعر بھی موجود نہیں۔ شعراء میں سے خسرو اور سعدی معاصر رہے ہیں۔ البتہ ان کا کلام جناب حاکم کے زیرِ مطالعہ رہا ہے اور انہوں نے

ان کی تقلید میں غزلیات لکھی ہیں مثلاً خسرو کی یہ غزل ہے ؎

ہر شب از شوق جامہ پارہ کنم　　عاشقم عاشقم چہ چارہ کنم

اس کے تتبع میں یہ غزل موجود ہے ؎

اگر خیال جمالت نہ اندرون باشد　　دل شکستہ خود را ہزار پارہ کنم
شکستہ حاکم از سوز دل ہمی گوید　　ز شوق جان بلب آید بگو چہ چارہ کنم

خسرو کی یہ غزل ؎

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا　　تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا

اس کے تتبع میں ان کی یہ غزل ہے ؎

دلم از عشق دیوانہ شد دیوانہ تر بادا
بجان بازی خود مردانہ شد مردانہ تر بادا
دلم چون سایۂ زلف سیاہ آن پری دیدہ
ازان دیدن چنین دیوانہ شد دیوانہ تر بادا

سعدی کی مندرجہ ذیل دو غزلوں کی تقلید میں ان کی غزلیں موجود ہیں۔

ای صورتت ز گوہر معنی خزینہ ای　　ما را ز داغ عشق تو در دل دفینہ ای
ای یاد تو بہ مخزن عشقم خزینہ ای　　در خاتم دلم غم عشقت نگینہ ای

حاکم ؎　شاہان دہر را نشمارم گدای خویش
گر من ز عاشقان تو باشم کمینہ ای

سعدی ؎　خلاف راستی باشد خلاف رای درویشان
بنہ گر ہمتی داری سر اندر پای درویشان

حاکم ؎　پی دیدار تو مردِ روح شان را روح ریحانی
اگرچہ جنت الماوٰی بود ماوای درویشان

اس میں کوئی شک نہیں کہ حاکم کے کلام میں ان استادان سخن جیسی نہ متانت ہے نہ لطافت ہے۔ نہ فن کی پختگی اور نہ فکر کی گہرائی، لیکن اپنے جوش و خلوص کی برکت سے بعض بعض غزلوں میں خوب شعر نکالے ہیں اور عراقی کی غزلوں سے اشتباہ ہوتا ہے مثلاً ؎

من عاشق مستم از دار نیندیشم پروانۂ جانبازم از نار نیندیشم
من دار بلایت را چون تخت شہی دانم حلاج وشم عاشق از دار نیندیشم

اور ؎

مشک است عشق اندر جہان ہرگز نمی ماند نہان
در عشق آن شیرین دہان فرہادوش افسانہ شو
اندر حقایق دست زن کل دقایق ہم کن
جملہ علایق را ببر اندر طلب مردانہ شو
صبح است این دم ساقیا در باز کن میخانہ را
تا پر نشد پیمانہ ای پُر کن بدہ پیمانہ را

جہاں عشق کی باتیں ہوں خواہ عشق مجازی ہو خواہ حقیقی! اس میں مزہ تو پیدا ہو جاتا ہے اور اگر موزوں شعر ہو جائے تو پھر سبحان اللہ۔ حاکم صاحب کو اس بات کا احساس ہے کہ عشق کی برکت سے ان کے کلام میں لطافت ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ؎

دیوان شعر من شدہ از وصف عشق تو پُر از بحور در لطافت سفینہ ای

انہیں اپنے کلام پر ناز بھی ہے ؎

شد غزل سعدی و ہم نظم نظامی شعر من قصبۂ مو شد ز فضلم گنجہ و شیراز ہم

حاکم کی ایک نظم " در مرثیہ بی بی عائشہ بنت قاضی وحیدالدین اپنی ہمشیرہ اور

سوز ناکی کی وجہ سے یادگار نظموں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ تین مصرعے ہم قافیہ آتے ہیں اور پھر 'چہ کنم بی جمال تو چہ کنم' کا ترجیعی مصرع آتا ہے۔ یہ مصرع درد و سوز کی وجہ سے روح شاعر کی فریاد معلوم ہوتا ہے۔ دو تین بند قابل ملاحظہ ہیں ؎

بی تو چون نرگس است دل غمناک　　جامہ اش ہمچو گل بصد جا چاک
زینت باغ ای بہشت پاک　　چہ کنم بی جمال تو چہ کنم
اے ز اہل مرد مزید حیات　　بے تو تلخ است جملہ لذات
شکر و شہد و ملک آب حیات　　چہ کنم بے جمال تو چہ کنم

تا شدم من ز بوئے زلفت دور　　ہمچو موئے تو درہم و رنجور
نکہت مشک و عنبر و کافور　　چہ کنم بے جمال تو چہ کنم

اے مرا بے رخت چو زندان باغ　　ز آتش ہجر تست در دل داغ
جای تو گر بود ہزار چراغ　　چہ کنم بے جمال تو چہ کنم

حضرت حاکم کے بعض اشعار میں فک اضافت کا عمل کھٹکتا ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے کس کے تتبع میں اس کو جائز رکھا ہے۔ ورنہ استادانِ نامی کا کلام تو اس نقص سے پاک ہے اس کا استعمال جائز تو ہے لیکن کثرت استعمال سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تنگی وزن کی وجہ سے برقرار رکھا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے ؎

ذات تو بودہ قدیم لم یزل! عالم نبود　　شد ز تکوینت مکوّن، اے مکوّنِ کائنات
حاکم بیچارہ را اندر رضای خویش دار　　در بہشت با جماعت صالحان میعاد کن

بعض اشعار میں زوائد اور متروکات بھی نظر آتے ہیں اور الفاظ کا خلاف محاورہ

استعمال بھی ملتا ہے۔ مثلاً تذکرہ صدر شعر میں "میعاد گن" نیا محاورہ ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں "کہ" اور "ہر" زوائد میں سے ہیں ؎

گو وہ ذلیل گرچہ کہ باشد عزیز مصر ۔۔۔ از امر فو الجلال ہر آن ہر کہ سر کشد

ایک اور شعر دیکھیے ؎

ای بسا تنہاء نازک نازپروردہ زخاک ۔۔۔ سر بسر ریزانی و ہم طعمہ کرمان کنی

اس میں تنہا، نازک کی ترکیب اور "ریزانی" کا فعل خلاف روزمرہ اور متروک ہے

٭

شیخ صدر الدین عارف نے عربی کے ایک قصیدہ میں سلطان حاکم کے مراتب عالی کا ذکر کیا ہے۔ تبرک کے طور پر ہم ان کے چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں۔

شبلی وقت فی الزمان رأیتہ ۔۔۔ فی الفضل شمسا طالعا بالاھتدی

اعنی حمید الحق قطب دیارنا ۔۔۔ وجنید ثان حابیاً اھل النھی

صدر المشائخ حاکم فی دھرنا ۔۔۔ احی رسوم الشرع من بین الوری

فی الفقہ ابحی والاصول مدارہ ۔۔۔ واعلم من علمائنا فی من بھا

ورع تقیٌ واصل الحق ذاتہ ۔۔۔ وازکی بفضل نبینا خیر الوری

مخدوم شیخ محمد الحسنی الجیلانی

اخبار الاخیار میں ان کا نام عنوان بالا کی طرح لکھا ہے۔ خزینۃ الاصفیا میں ان کو سید محمد غوث گیلانی الحسنی الحلبی الاچی، لکھا ہے۔ وہ شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

سید محمد غوث بن سید شمس الدین گیلانی بغدادی حلبی بن سید شاہ میر بن سید ابوالحسن علی بن ابوعلی بن سید مسعود بن سید ابوالعباس احمد بن سید صفی الدین المشہور سید صوفی بن سید سیف الدین بن عبدالوہاب بن شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی۔

خزینۃ الاصفیا میں شجرۃ الانوار مؤلفہ سید اصغر علی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب ہلاکو خاں نے تاخت و تاراج شروع کیا تو سید محمد کے بزرگوں میں سے سید ابوالعباس احمد اور ان کے بھائی سید ابوسلیمان احمد بغداد چھوڑ کر روم میں چلے گئے۔ کچھ امن ہوا تو وہ حلب میں چلے گئے۔ سید محمد وہیں پیدا ہوئے۔

جوانی میں ہی سیاحت عالم کو نکلے۔ عرب و عجم، خراسان، ترکستان کی سیر کی۔ کئی مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ ہندوستان بھی آئے۔ لاہور کے محلہ کوفنگراں میں قیام رہا کچھ عرصہ ناگور میں ٹھہرے اور وہاں مسجد بھی تعمیر کی۔ سیر و سیاحت کے بعد جب واپس حلب پہنچے تو پدر بزرگوار سے ہندوستان میں اقامت کی اجازت مانگی۔ سید محمد فرمان پدر کے مطابق ان کی وفات تک وہیں ٹھہرے بعد میں خراسان کے راستے ملتان گئے اور ۸۸۷ھ میں اُچ میں قیام فرمایا اور اپنے چشمہ فیض سے لوگوں کو سیراب کیا۔

سلطان سکندر لودھی بھی ان کے عقیدتمندوں میں تھا۔ سلطان قطب الدین لنگاہ حاکم اُچ و ملتان نے اپنی بیٹی دلیس کسائیں ان کے نکاح میں دی لیکن ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد سید اسحاق گازرونی میران بادشاہ لاہوری کے بھانجے سید ابوالفتح حسینی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ ان کے حلقۂ ازدواج میں آئی۔ جن کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ سید عبدالقادر ثانی۔ سید عبداللہ ربانی۔ سید مبارک حقانی اور سید محمد نورانی۔

سید محمد اچہ گیلانیاں میں ۹۲۳ھ میں وفات پا گئے۔

سید محمد عالم معقول و منقول تھے اور ظاہری و باطنی کمالات کے علاوہ شعرو سخن سے بھی دلبستگی رکھتے تھے۔ قادری تخلص کرتے تھے۔ دیوان بھی ترتیب دیا تھا دیوان کی موجودگی کا علم نہیں۔ اخبارالاخیار میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار موجود ہیں۔

رندیم و قلندریم و چالاک مستیم و معربدیم و بی باک
جامیم و صراحیم و بادہ در و صدفیم و لجہ و خاشاک
والی ولایت شش و پنج حامی بلاد فہم و ادراک
مجموعہ راز عالم دل منصوبہ کشای سر لولاک
بگذشتہ زخویش بی کدورت نگذشتہ زعشق جوہر خاک
آئینہ صاف باغل و غش صافی دل و پاک رای و شکاک
گر صاف شوی و پاک دائم میگوی چہ قادری تو ماناک

مابلبل بوستان قدیم
شہباز سفید دست النسیم

حیدر کلوچ

حیدر کلوچ شاہ اسماعیل صفوی کے زمانے میں پیدا ہوا۔ شہر ہرات کا رہنے والا تھا۔ شروع میں کلیچہ پزی[1] سے روزی کماتا تھا۔ بعد میں شاعری کی طرف رغبت ہو گئی۔ خوب شعر کہے۔ مرزا شاہ حسن کے عہد میں سندھ آیا اور یہیں وطن بنالیا۔ مرزا شاہ حسن کی مدح میں قصاید بھی لکھے ہیں۔ پاترہ میں وفات پائی جو سیوستان سے بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ تقی کاشی (فہرست مخطوطات اودھ ص ۲۲) اور آتشکدہ آذر کی رو سے سال وفات ۹۵۹ھ ہے۔

تحفہ سامی[1] میں لکھا ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد بیس ہزار تک پہنچتی ہے —
خلاصۃ الافکار کا مصنف اپنے تذکرہ ورق ۵۰۰ کے حاشیے پر لکھتا ہے کہ اس کے پاس دیوان حیدر کا نسخہ ہے۔ جس میں تین ہزار اشعار موجود ہیں۔ ید بیضا میں لکھا ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد قریباً دس ہزار ہے۔

روز روشن مؤلفہ محمد مظفر حسین میں آفتاب عالمتاب مؤلفہ قاضی محمد صادق کے حوالے سے لکھا ہے کہ حیدر کو کلیچہ پز کہنا سخت غلطی ہے در اصل وہ قریہ کلوچ کا رہنے والا تھا جو شہر رود کے کنارے قصبہ طارم میں واقع ہے۔ ایران کی موجودہ جغرافیائی تقسیم میں کلوچ نام کی کوئی بستی نہیں۔

---

[1] تحفہ سامی مرتبہ وحید دستگردی، تہران - ۱۳۱۴ ش، ص ۱۱۴-۱۱۵

سام مرزا[۱] نے حیدر ہروی کے ساتھ بے انصافی کی ہے جو لکھا ہے :" چونکہ وہ عامی تھا اس لئے اپنے شعر کو خود نہیں سمجھتا تھا اور یہ مطلع اس نے حسب حال لکھا ہے ؎

طوطی صفت حیران آن آئینہ رویم   کہ میگویم سخن اما نمی دانم چہ میگویم

اس شعر سے تو قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کے اشعار بے معنی ہیں اور وہ شعر تو کہتا ہے لیکن اسے خود معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتا ہے ۔ اس کا سارا دیوان پڑھ جایئے شاید ہی کوئی ایسا شعر ملے جس میں تعقید لفظی یا تعقید معنوی پائی جاتی ہو ۔ ہاں یہ کہئے کہ وہ عامی شاعر ہے ۔ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ۔ اس لئے خیال کی بلندی اور فکر کی گہرائی بہت کم ہے ۔ علوم و فنون کے اشارات اور تلمیحات نہ ہونے کے برابر ہیں وہ تو غزل کہتا ہے اور غزل کا مقصود اس کے ہاں محدود ہے ۔ اس کی غزلیات میں نپے تلے موضوعات ہیں وہ اپنے محبوب کے فراق میں روتا ہے اپنے غم کا اظہار کرتا ہے ۔ اس کے دیدار کے بغیر اس کی زندگی اجیرن ہے ' سرو و گل بیکار ہیں ، وہ وفادار ہے لیکن اس کا محبوب سنگدل ہے ۔ رقیبوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس کو تڑپاتا ہے ۔ اس کا معشوق گلی میں رہتا ہے جہاں کا کتا بھی اس کو عزیز ہے وہی اس کا رازدان ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی گلی کا کتا ہی بن جائے ۔ یہ اور اس قسم کے عاشقانہ خیالات ہر غزل میں پائے جاتے ہیں ۔ خیال میں شوخی یا اسلوب میں جدت بہت کم ہے لیکن بیان سادہ اور رواں ہے اور غزلوں کی بحریں بھی مختصر اور سادہ ہیں ۔ اس لئے یہ عوام پسند باتیں ضرور عوام میں مقبول ہوتی ہوں گی ۔ دو ایک جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا محبوب ایک ایسا شخص ہے جس کے چہرے پر بال اُگ آئے ہیں ۔ شاید عصر حاضر میں تو ایسے محبوب سے گھن آئے مگر شاعر کو سمن عارض پر سبزۂ خط بڑا مرغوب ہے ۔ اس نے لکھا ہے ؎

---

[۱] تحفۂ سامی مرتبہ وحید دستگردی ۔ ۱۳۱۴ ش ، ص ۱۱۴ - ۱۱۵

دمیده سبزۂ خط گرد آن عارض خوش است | چنانکه سبزۂ نورستہ در بہار خوش است
ای برسمنت سنبل مشکین شدہ پیدا | در ہر شکن زلف و صد چین شدہ پیدا

شاعر اس رسمی عشق کے علاوہ حقیقی عشق کی بلندیوں اور دشواریوں سے بھی آگاہ ہے۔ وہ عشق کی سختیاں اور جاں گدازیاں جانتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ عشق سے جان بچانا محال ہے ؎

وادی عشق دلا ورطۂ اندوہ و غم است | جان بردن ازین ورطہ محالست ترا

وہ چاہتا ہے کہ اپنے راز کو ظاہر نہ کرے لیکن اشک دمادم افشا کئے دیتے ہیں ؎

ما بکس راز دل خویش نگفتیم | ساخت رسوای جہان اشک دمادم مارا

اس کی آنکھوں کے پانی سے وہ ایک اور بھی کام لیتا ہے ؎

گلشن جانرا طراوت زان گلرد است دمن
تازہ میدارم بآب دیدہ این گلزار را

عشق پہ زور نہیں کا نازک مضمون اس طرح ادا کیا ہے ؎

دل بفرمان کس نیست وگرنہ در عشق | چہ نصیحت کہ نکردیم دل شیدا را

وہ عشق کرنے سے نادم نہیں بلکہ فخر کرتا ہے اور زاہد کو طعن بھی دیتا ہے ؎

بر ما چہ حسد می بری ای زاہد خود بین | ما زندہ بعشقیم بمیر از حسد ما

غزل کے عام رنگ میں جذبات کا تلاطم شاذ ہے لیکن کہیں کہیں حدت و جوش کا احساس ہوتا ہے مثلاً یہ غزل ؎

من دہجران وآن بدمہر وآہ جانگداز امشب | نہادیم بر زمین روی دعا با صد نیاز امشب
گہ از غم میگدازم گہ بداغ ہجر میسوزم | عجب افتادہ در بوتہ سوز و گداز امشب

پس از عمری کہ میخواہم بچنگ آرم سر زلفش
بیا ای بخت ناسازی مکن با من بساز امشب

جیدر کی معاشی حالت استوار نہیں تھی۔ بیچارہ ہاتھ پاؤں مارتا تھا لیکن زمانہ ساتھ نہیں دیتا تھا۔ طبیعت میں کچھ اپج اور ہمت تھی، ہندوستان اٹھ آیا۔ یہاں آکر بھی اسے خوش حالی نصیب ہوئی یا نہیں۔ اس کے متعلق ہمارے پاس اطلاعات نہیں لیکن اس کے اشعار میں زندگی کے شخصی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ ستم ہائے روزگار دیکھنے سے گھبرایا نہیں بلکہ اس نے زندگی گذارنے کے بارے میں ایک نظریہ بنالیا ہے اور غم دوش اور فکر فردا سے نجات پانے کی راہ ڈھونڈ لی ہے۔ پہلے اس کی غم زدہ زندگی کا حال اس کی زبانی سنیئے۔ پھر اس کا نظریہ ؎

حیدر از گلشن امید گلی در ہمہ عمر　　بمراد دل عمندیدہ نچیدہ ہرگز

باز نخلی چو ازین بلغ دریغا کہ نرست　　کہ بیاورد مرا میوۂ نومیدی بار

گر خاک من بباد رود بہ کہ ہر زبان　　می میرم و نمی کنم اظہار درد خویش

اب اس نامراد اور رنج و محن کی زندگی کا مقابلہ کیسے ہو۔ شاعر کہتا ہے میں غم نہیں کرتا۔ دل کو آزاد رکھتا ہوں اور زندگی کی موجودہ خوشیوں سے فائدہ اٹھاتا ہوں اور صرف زندگی کے حال سے واسطہ رکھتا ہوں وہ کہتا ہے ؎

باصد ہزار محنت و غم جید روزگار　　مارا اگر گذشت غم آن ہم نمیخوریم

پھر کہتا ہے ؎

ای دوست غم جہان فرسودہ مخور　　بیہودہ نہ، تو غم بیہودہ مخور

چون بودہ گذشت و آیندہ ندید　　خوش باش، غم بودہ و نا بودہ مخور

اس رباعی میں تو خیام بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ جیدر بھی یہی چاہتا ہے کہ اس غم بھری دنیا میں ملال آور صحبتوں سے بھی پرہیز کرو ؎

انیس صحبت مرمردہ دل مشو زنہار　　بزم زندہ دلان اندم خود باش

حدیث عشق مگو با کسی کہ محرم نیست　　ہمیشہ راز بخود گوی و محرم خود باش

ایک اور رباعی سنیے ؎

شد عمر تمام و ناتمامیم ہنوز صد بار بسوختیم و خامیم ہنوز
دردا کہ اسیر ننگ و نامیم ہنوز در گفت و شنود خاص و عامیم ہنوز

اس رباعی کو پڑھ کر تو کوئی مشکل سے ہی کہہ سکتا ہے کہ حیدر ایک عامی شاعر تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس کلام میں تو پختگی ہے۔ تجربہ کی گہرائی ہے اور زندگی کا درس ہے۔

حیدر کا کلام سادہ اور آسان ہے۔ کہیں ابہام اور تعقید نہیں، بیان رواں ہے۔ اس نے خود بتایا ہے کہ اسے خسرو و حسن کا انداز پسند ہے ایک جگہ کہتا ہے کہ میرے شعر میں کلام سعدی کی نمکینی ہے۔ ؎

مباش بی غزل عاشقانہ حیدر کہ یاد میدہد از خسرو و حسن را

ع۔ حیدر سخنت را نمک از گفتۂ سعدیست

میر معصوم (تاریخ سندھ ص ۲۰۶) نے لکھا ہے کہ حیدر مشہور شاعر ہے۔ علی شیر قانع (مقالات الشعراء ص ۱۸۵-۱۸۶) نے کلام پر اپنی رائے ظاہر نہیں کی۔ سام مرزا کی رائے تو آپ نے سن لی۔ حیدر کے دیوان کے انتخابات، خدا بخش لائبریری پٹنہ، بوہلو سیکشن، نیشنل لائبریری کلکتہ، اور شیرانی سیکشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہیں۔ دیوان کی کتابت اور آرائش سے ظاہر ہے کہ لکھنے والوں کو اس کے اشعار مرغوب تھے تبھی تو انہوں نے دلچسپی سے ان کو لکھوایا۔ اور اس کی آرائش پر خرچ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ صالح بن میرک نے لکھا۔ اچھے نستعلیق میں ہے۔ شروع میں رنگین و مطلا حاشیہ ہے اور باقی دیوان میں بھی طلائی جدولیں ہیں۔

سندھی ادبی بورڈ حیدر کلوچ کا ایک مفصل دیوان ترتیب دلوا کر شائع کروا رہا ہے

تذکروں اور دوسرے مآخذات سے اشعار جمع کئے جا سکتے ہیں۔ غزلیات کے علاوہ قصاید بھی ہوں گے۔ آتشکدۂ آذر میں اس کے مشہور قصیدے کے چند اشعار دیے ہیں۔ قصیدہ شاہ طہماسپ اوّل کی مدح میں کہا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے بھی پسند کیا اور دوسروں نے بھی تعریف کی کیونکہ جب وہ دوسری مرتبہ شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کو گیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو کیستی؟ اس نے کہا۔ "صاحب قصیدہ 'دلا مجنوں صفت . . . . ' ہستم۔" اس قصیدے کے چند اشعار دیکھیے۔ غزل کا انداز معلوم ہوتا ہے۔

دلا مجنوں صفت خود را خلاص از قید عالم کن	رہ صحرای محنت گیر و رو در وادی غم کن
بہر کس دوستی کردم، شد آخر دشمن جانم	بجز ذکر نیستی دشمن، بمردم دوستی کم کن
چو در خیل سگان یار جا داری، غنیمت دان	نمیگویم کنار از صحبت یاران ہمدم کن
بدرد و داغ تنہائی وفا از کس مجوای دل	نہ اظہار جراحتہای خود، نی یاد مرہم کن
منال از سستی عہد بتان سنگدل حیدر	اساس عقل برہم زن، بنای عشق محکم کن

وصف شمشیر میں یہ قطعہ بھی آتشکدہ میں درج ہے۔

آن چیست کاحنین تن و سیمین بر آمدہ

خونریز چون بتان پری پیکر آمدہ

ھاروت وار رفتہ گہی سرنگون بچاہ

گاہی زچہ چو یوسف مصری برآمدہ

پوشیدہ گاہ خلعت مشکین دلفریب

گاہی برہنہ صف شکن لشکر برآمدہ

در بر فکندہ جوش و برسر نہادہ خود

پاکردہ استوار و بمقصد سر آمدہ

آنہا کہ بر میان زدہ افتادہ از کمر

و آنہا کہ بر سر آمدہ، از پا در آمدہ

تحفۃ الحبیب فخری میں حیدر کی ایسی سترہ غزلیں درج ہیں جو اس کے منتخب دیوان میں موجود نہیں۔

نگارستان سخن مرتبہ سیّد نورالحسن میں، اس کی غزل کے دو مختلف شعر درج ہیں۔ ان سے غزل کی دلکشی نغمگی اور سوز کی جھلک ملتی ہے۔ مؤلف نے لکھا ہے —
اگر شعرش بشنوی از خود روی' ے

گر میسر نشود بوسہ زدن پالیش را — ہر کجا پای نہد بوسہ زنم جایش را

باز در دل تخم مہر گلعذاری کاشتم — گرچہ جز غم بر نخواہد داد باری کاشتم

نیازی

بعضوں نے لکھا ہے کہ سمرقندی ہے لیکن دراصل بخاری ہے جوان ہوا تو ہرات گیا۔ شاہ محمد سرنائی سے ساز بجانا سیکھا۔ بعد میں اس سے ناراض ہو کر اس کی ہجو میں شعر لکھے ے

سرنائی منافق بی حس و بی تمیز — آنکہ ہم نوای بد آموز می زند

سرنائی چو... خراست و بجیرتم — کاین بی ہنر ز.. چسپان گوز میزند

ہرات میں شاعرانہ تعلّی سے مولانا جامی کو اپنے سے کمتر شمار کیا۔ شعر یہ ہے ے

تا نیازی شدہ در ملک سخن خسرو عہد — جامی شدہ منسوخ کنون نام من است

لوگ ناراض ہوئے تو وطن چھوڑنا پڑا۔

ہرات کے بعد بلخ گیا۔ وہاں بن نہ آئی تو بلخ کی ہجو لکھی۔ لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ ناچار بھاگ کر کولاب گیا۔ وہاں میر حیدر علی پسر سلطان دیس سے تعشق کی وجہ سے نہ

ٹھہر سکا۔ بدخشان پہنچا۔ وہاں بھی سکون نہ ملا تو کابل گیا۔ وہاں اس پر رفض کا الزام لگا۔ وہاں سے سرو پا برہنہ بھاگا اور قندھار میں جاکر دم لیا۔ پہلی صحبت میں محمد بیرام خاں اس سے بدگمان ہوگیا۔ وہاں سے نکلا تو سندھ آ پہنچا۔ مرزا شاہ حسن والی سندھ کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کے لئے دیوان جامی سے فال نکالی۔ یہ شعر نکلا ؎

چرخ را جام نگون دان کزمی عشرت تہیست
بادہ از جام نگون جستن نشان ابلہیست

جب بخت سازگار نہ ہوا تو اہل سندھ کے ساتھ رہنے سہنے لگا۔ جب میرزا شاہ حسن کے بعد مرزا باقی خاں نے عنان حکومت سنبھالی تو اس نے نیازی کو اپنی عنایات سے نوازا۔ اس کی تمنا تو تھی کہ اکبر بادشاہ کے دربار میں پہنچے لیکن اپنی سیاہ بختی سے خوف زدہ تھا اور غیبی امداد کا منتظر تھا۔ آخر جب شاہ خواجہ حج سے لوٹ رہے تھے تو ان کے پاس جاکر عرض کی جو مقبول ہوئی۔ اس کی سفارش سے دربار سے حاضری کا فرمان بھی صادر ہوا لیکن فرمان پہنچنے سے پہلے وہ عالم بقا کو جاچکا تھا۔ یہ خوشگو کا بیان ہے[1] لیکن طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ وہ حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) کی خدمت میں رہا اور خلیفۂ الٰہی (اکبر) کی ملازمت بھی اسے نصیب ہوئی[2]۔

خوشگو نے لکھا ہے کہ نیازی شاعر ایہام بند، صاحب تلاش اور صاحب فضل و کمال تھا۔ علم معمّا سے واقف اور عروض سے آشنا۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

مردیم و پرسیدی از احوالِ غم ما   پیش تو مساوی بست وجود و عدم ما

---

[1] سفینۂ خوشگو قلمی پنجاب یونیورسٹی ورق ۵۴ [2] طبقات اکبری ج ۴۔ ص ۵۰۸

او بیچاره بحکم قضا از بلا گریخت　　زد طعنه جاہلی کہ فلاں از قضا گریخت

آنچہ فراق زلف تو با من مبتلا کند　　مو بموی گو بمیت عمر اگر وفا کند

خوبان ہزار و زہمہ مقصود ما یکیست　　صد پارہ گر کنند بہ تیغم سخن ما یکیست

در خرابی بدن کوشی گرت میل صفاست　　خانہ را مانع خورشید ہمین دیوار است

چو نخوانم کہ گرد قامت آن تندخو گردم　　رخش را در نظر آوردہ ہردم گرد او گردم

درد از فنا گنج بقا را بطلب　　در خاک وجود کیمیا را بطلب

بوی زلف آتشین زلف تو ای سیمیں ذقن پیچد

بلی چون موی بر آتش فتد بر خویشتن پیچد

بر فلک نیست شفق، بادہ گلفام من است

اندوہ درد کشم، طاس فلک جام نیست

در تحرک نیست از باد صبا پیراہنش　　بلکہ جانی یافتہ پیراہن از لطف تنش[۱]

۱؎ مقالات الشعراء - بحر قانع

میر معصوم[1]

محمد معصوم کے والد سید صفائی الحسینی اصلاً ترمذی تھے۔ پھر بھکر آ کر مقیم ہو گئے یہیں سیوستان کے سیدوں میں شادی کی۔ تین بیٹے ہوئے۔ ابوالقاسم، محمد فاضل اور محمد معصوم۔ محمد معصوم ۹۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سید صفائی، شاہ قطب الدین ہری کی وفات پر (۹۷۰ھ) بھکر کے شیخ الاسلام مقرر ہوئے بڑی محترم زندگی گزار کر ۹۹۱ھ میں وفات پا گئے۔

میر معصوم نے باپ کی وفات کے بعد ملا محمد ساکن کنکوہی سے صرف و نحو اور نثر و نظم میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ وہ قاضی الہ دتا سیوستانی کے درس میں بھی شریک ہوئے۔ شیخ حمید الدین، قاضی عبداللہ محدث سے دوسری کتب حدیث کے علاوہ شروع سے آخر تک مشکوٰۃ پڑھی۔

محمد معصوم کو جوانی میں شکار کا بہت شوق تھا۔ پیادہ پا میلوں تک شکار کو نکل جاتے جب افلاس و تنگدستی نے تنگ کیا تو اپنے شہر کے دو تین دوستوں کے ہمراہ پیادہ گجرات چلے گئے۔ شیخ اسحاق فاروقی ان کے ہمدرس وہاں تھے۔ ان کی وساطت سے خواجہ نظام الدین ہروی صاحب طبقات اکبری، دہاں کے دیوان سے ملاقات ہوئی۔ چونکہ انہیں بھی علم تاریخ سے شوق تھا۔ چند دنوں میں انکے

---

[1] تاریخ سندھ المعروف تاریخ معصومی، بمبئی ۱۹۳۱ (دیباچہ از ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ)

مصاحب و ندیم ہو گئے [1] محمد معصوم کس سال گجرات گئے۔ معلوم نہیں۔ طبقات اکبری میں ۹۸۴ھ کے احوال و واقعات کے تحت ان کا ذکر آیا ہے۔ ذخیرۃ الخوانین میں ذکر آیا ہے کہ وہ ۹۹۲ھ میں دوسرے امراء کے ہمراہ مظفر گجراتی کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ ۹۹۸ھ تک وہ ملکی خدمات میں مصروف تھے۔ خانخاناں کے توسط سے ملک گجرات دوبارہ شاہی تصرف میں آیا تو خانخاناں کو ملتان اور بھکر کی حکومت عطا ہوئی۔ محمد معصوم بھی ان کے ہمراہ رخصت ہوئے [2] اسی سال وہ لاہور میں شہنشاہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ تحائف بھی پیش کئے۔ بادشاہ نے پوچھا، کتنے سال ہوئے ہیں کہ اپنی والدہ سے جدا ہو۔ محمد معصوم نے بتایا کہ بیس سال کے قریب ہوتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگتا ہے کہ ۹۷۸ھ کے لگ بھگ اپنے شہر سے جدا ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے اس موقع پر گھر جانے کی اجازت دی اور انعام و اکرام سے بھی نوازا اور حسن خدمت کے صلہ میں پرگنہ دربیلہ کا کہری اور چندوکہ بطور جاگیر عطا ہوئے۔ محمد معصوم نے خود بتایا ہے کہ وہ ۱۴ صفر ۹۹۹ھ کو بھکر میں پہنچے۔ میرزا خانخاناں کے ہمراہ میرزا جانی بیگ خان کے مقابلے میں جنگ آزما رہے۔ فتح سندھ کے بعد دربار اکبری میں شرفیاب ہوئے۔ اکبر نامہ میں ۹۸۸ سے ۱۰۱۲ تک کے واقعات میں محمد معصوم کے کارناموں کا ذکر آیا ہے اور ابوالفضل نے ان کو دلاوران کار آگاہ و خدمت گزینان و مجاہدین اخلاص میں شمار کیا ہے [3]

۱۰۰۳ میں ان کو دو سو پچاس کا منصب عطا ہوا۔ ۱۰۰۴ تک وہ جنگی خدمات کے سلسلے میں قندھار میں تھے۔ ۱۰۰۸ میں وہ ناگور میں تھے۔ جہاں اپنے بیٹے میر بزرگ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ۱۰۰۸ میں جب شاہنشاہ اکبر تسخیر اسیر گڑھ کے ارادے سے نکلے تو یہ بھی اس مہم میں شریک ہوئے ۱۰۱۰ میں وہ ایران میں سفیر بنا کر بھیجے گئے

---

[1] ذخیرۃ الخوانین۔ شیخ فرید بھکری کراچی ۱۹۶۱، ص ۲۰۱ [2] ذخیرۃ الخوانین ص ۳۳، ۳۴، ۳۶
[3] سندھ کے بعض کتبے۔ اورنیٹل کالج میگزین۔ اگست ۳۰ ۱۹ء

شاہ عباس صفوی (۹۲۵-۱۰۳۸) نے مرحمت خسروانہ سے نوازا۔ ۱۰۱۳ میں وہ ایران سے واپس آئے۔ ۱۰۱۴ میں اکبر کا انتقال ہوا۔ جہانگیر نے ۱۰۱۵ میں ان کو بھکر میں امین الملک بنا کر بھیجا۔ اس وقت تک وہ ہزاری کا منصب پا چکے تھے۔ آخر انہوں نے اپنے وطن میں ۶ ذوالحجہ ۱۰۱۹ کو جمعہ کے روز وفات پائی۔ ع۔ بودہ نامی صاحب ملک سخن'' تاریخ وفات نکلی۔

بداؤنی نے لکھا ہے وہ" باخلاق درویشانہ متخلق وبفضایل و کمالات انسانی متصف وبدیانت وامانت و شجاعت وسخاوت مشہور۔"

محمد معصوم شاعر بھی تھے اور خوشنویس بھی۔ انہیں عمارتیں بنانے کتبے لکھنے اور کندہ کروانے کا بڑا شوق تھا۔ جہاں گئے وہاں اپنے ساتھ خوش نویس اور سنگتراش بھی لے گئے چنانچہ انہوں نے طاق بابر میں ایک کتبے کا اضافہ کیا اور اس میں ہمایوں اور اکبر کے نام لکھ کر تمام مفتوحہ ممالک کا ذکر کیا جو اس وقت تک شاہی تصرف میں آچکے تھے۔ بادشاہ کے ساتھ دکن کی مہم میں جہاں پہنچتے خود کتبہ لکھتے اور دوسروں سے کندہ کرواتے۔ چنانچہ برلات مسجد ریاست دھار میں ساد لپور اور کالبا دیہ میں کتبات موجود ہیں۔ فتح اسیر گڑھ کے موقع پر مسجد جامع کے ایک ستون پر ایک یادگار کتبہ لکھا۔" بگرفتہ کوہ اسیر" سے تاریخ نکالی۔ واپسی پر مختلف جگہوں پر بھی کتبے لکھائے مثلاً مانڈو میں قصر نیل کنٹھ میں مہیشور میں اندور کے نزدیک فتح پور سیکری میں دروازہ کلاں کے پہلو میں اور درگاہ شیخ سلیم چشتی پر سکھر میں ۱۰۰۲ ہجری میں ایک بلند عمارت اپنے مزار کے لئے بنا رکھی تھی اور خود ہی تاریخ بھی لکھی تھی

چو از دو بیر خرد سال این بنا جستم قلم گرفت، رقم زد، عمارت سر کوہ

انہوں نے کئی جگہ مسجدیں۔ کوئیں اور سرائیں تعمیر کرائیں سکھر میں ان کے بنائی ہوئی۔ تعمیرات میں سے منارہ مخصوص آرام گاہ اور گنبد دریائی معروف ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے دیباچہ تاریخ معصومی (اردو) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔

میر معصوم نہ صرف ایک بہادر سپاہی بلکہ ماہر طبیب بھی تھے۔ خوش نویسی ان کا ایک اور پاک مشغلہ تھا۔ شاعر خوشگو بھی تھے اور نامی تخلص کرتے تھے۔ ان کی تاریخ دانی کا بھی چرچا تھا۔ چنانچہ ہر فن میں ان کی معنوی یادگاریں باقی ہیں۔

علم طب پر ان کی دو کتابیں ہیں۔ ۱۔ طب نامی۔ اس کا ایک نسخہ سید منور علی معصومی کے پاس موجود ہے۔ ۲۔ مفردات معصومی۔ روہڑی میونسپل کمیٹی کے ایک رکن شیخ عبدالرحیم کے پاس کچھ حصے موجود ہیں۔

تاریخ سندھ یا تاریخ معصومی

یہ سندھ کی مختصر تاریخ ہے جس میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے لے کر غزنویوں غوریوں اور ان کے غلاموں، خلجیوں اور تغلقوں تک کے واقعات کا مختصر ذکر ہے خاندان سومرہ کی کوئی خاص تفصیل نہیں۔ البتہ حکام ارغونیہ کے عہد کے واقعات ذرا تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ خاص طور پر شاہ بیگ اور مرزا شاہ حسن کے بارے میں کافی تفصیلات موجود ہیں۔ سلطان محمود خاں کے بارے میں سال بسال واقعات کا ذکر ہے۔ ارغونیہ سے پہلے حکمرانوں کے حالات ۷۵ صفحات میں آگئے ہیں۔ صفحہ ۸۰ سے ۱۴۲ تک سلطنت ارغونیہ اور ترخانیہ کے واقعات کا بیان ہے۔ اس دور کے علماء و فضلاء کا بھی مختصر ذکر موجود ہے۔ آخر میں مرزا جانی بیگ کا حال ہے جس کے عہد میں سندھ جلال الدین اکبر بادشاہ کے مفتوحہ صوبوں میں شامل ہو گیا (۱۰۰۱ھ) چونکہ مصنف اس موقع پر خود موجود تھے اس لئے ان واقعات کا بیان معاصرانہ شہادت کی وجہ سے قابل اعتماد ہے۔

اس تاریخ کی وقعت اور اہمیت اس بنا پر ہے کہ اس میں ارغونی اور ترخانی

فرمانرواؤں کے حالات کچھ تفصیل سے موجود ہیں۔ چچ نامہ کے بعد دوسرے نمبر پر اس تاریخ کا نمبر آتا ہے جس میں قدیم حکمرانوں کا ذکر آتا ہے۔ تاریخ طاہری۔ بیگلر نامہ۔ ترخان نامہ۔ تحفۃ الکرام بعد کی تالیفات ہیں اور تاریخ معصومی کی خوشہ چین۔

یہ کتاب میر معصوم نے اپنے بیٹے میر بزرگ کے لئے تالیف کی تھی تاکہ وہ بزرگوں کے شائستہ اطوار سے سبق حاصل کرے اور غافل و کاہل لوگوں کے بداخلاق سے اجتناب کرے (ص ۳) مؤلف نے اپنے ماخذات کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا۔ ایک جگہ تاریخ سندھ معروف بہ "چچ نامہ" تاریخ گزیدہ اور تاریخ مرآۃ الجنان سے استفادے کا ذکر ہے۔ پرانی کتابوں سے اخذ و اقتباس کرتے وقت بھی احتیاط اور تحقیق سے کام نہیں لیا۔ فاضل مصحح ڈاکٹر عمر داؤد پوتہ نے تعلیقات میں جا بجا غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ کہیں نام غلط ہیں اور کہیں سالہائے تاریخ۔ بعض مقامات پر طبقات ناصری، تاریخ مبارک شاہی، طبقات اکبری اور مآثر رحیمی سے مقابلہ کرکے مزید صحیح اطلاعات کا اضافہ کیا ہے۔

کتاب کا عام اسلوب تحریر سلیس اور رواں ہے۔ مصنّف نے معاصر تاریخ طبقات اکبری کا طرز سامنے رکھا ہے۔ میر معصوم شاعر تھے لیکن انہوں نے اپنی تحریر کو شاعرانہ تکلفات سے بچائے رکھا ہے۔ سادہ نثر کا نمونہ یہ ہے۔

"عمارت پیش طاق کہ بفرمودۂ فردوس مکانی بابر بادشاہ در کوهی کہ موسوم بہ سرپنذہ است، از سنگ بریدہ اند و آن طاقیست در غایت ارتفاع و در مدت نہ سال ہشتاد نفر سنگ تراش ہر روز در آنجا کار کردہ باتمام رسانیدہ اند۔ الحق جای نفیس و فرح فزاست۔"

پرانی روایت کے مطابق سال و تاریخ کو عربی میں لکھا ہے مثلاً "در شہور

سنہ سبع وعشرین وسبعمایہ کشاد خاں را بولایت سند تعین نمود"۔

(۱) تاریخ معصومی ۱۹۳۸ میں بمبئی میں چھپ چکی ہے۔ ڈاکٹر داؤد پوتہ نے متن کی تصحیح کرکے تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ G. G. Millet نے کیا جو ۱۸۵۵ میں چھپا۔ سندھی زبان میں دوبار ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایک ترجمہ منشی سندیرام نے کراچی میں ۱۸۶۲ میں شائع کیا۔ دوسرا ترجمہ سندھی ادبی بورڈ کراچی کی طرف سے ۱۹۵۳ میں شائع ہو چکا ہے، ۱۹۶۰ میں اس کا اردو ترجمہ بھی سندھ ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اختر رضوی اس کے مترجم ہیں۔

نامی نے پنج گنج نظامی کے مقابل میں پانچ مثنویاں لکھیں۔

شاعری

۲۔ خمسۂ نامی کے نام ایک سنگی کتبہ سے معلوم ہوتے ہیں جو میر بزرگ پسر معصوم نے ۱۰۱۳ھ میں شیخ حمید الدین ناگوری کے مزار پر ثبت کئے ہیں۔ پانچوں کتابوں میں سے ایک ایک شعر بھی درج کیا ہے۔[1]

(۱) معدن الافکار مخزن الاسرار کے جواب میں۔

بحر زگرداب شدہ کاسہ گر تا کفی از جود تو یابد مگر

۲۔ حسن و ناز۔ خسرو شیریں کے تتبع میں۔

حدیث لعل آن سرچشمۂ نوش شدہ پیرایۂ لب چون درگوش

۳۔ اکبر نامہ۔ سکندر نامہ کے جواب میں۔

بگل چینی آن گلستان شدم سراپا صبا وار دامان شدم

---

[1] مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی۔ کراچی ۱۹۵۷ء ص ۸۰۰، ۸۰۱، پاورقی۔

۴۔ رای صورت۔ لیلیٰ و مجنوں کی تقلید ہیں۔

حسنت درم خریدۂ او　　خوبی گل آفریدہ او

۵۔ خمسۂ متحیرہ۔ ہفت پیکر کے مقابل ہیں

ہست بنامت ابتدای ہمہ　　بتو آغاز و انتہای ہمہ

(۳) جناب عبدالحی حبیبی افغانی نے مثنوی حسن و ناز کا ایک نسخہ مرحوم ہاشم شایق آفندی کے پاس دیکھا تھا اور اس سے اپنے لیے اقتباسات بھی کئے تھے، اس مثنوی میں چار ہزار اشعار ہیں۔ چند اشعار یہ ہیں۔ [۱]

آغاز مثنوی

خدا وندا دلی دہ شعلہ افروز　　درو جانی ز برق عشق درسوز
بدل دہ شعلہ آتش گدازم　　بریزان از مژہ اشک نیازم
بخاشا کی تنم در آتش انداز　　کہ دوزخ گردد از وی شعلہ پرداز
چنان کن موج زن اشکم سوی اوج　　کہ گردون چون خسی باشد بران موج
چناں دہ در درون سینہ سوزم　　کہ در وی خرمن ہستی بسوزم
چنان زان آتشم دل زندہ گردان　　کہ از غیرت بسوزد آب حیوان
دلی دہ سربسر شایستۂ درد　　درونم چون جراحت خستۂ درد
دلی کا و زخم از مرہم نداند　　متاع خوشدلی از غم نداند
دلی خواہم ندرد آزردہ و ریش　　کہ از درد ش بدرد آید مرہمش
بت فکرم کہ رخ بنمود از غیب　　برادا ریش از تہمت عیب
درونم را چنان کن آتش افروز　　کہ دوزخ را ازان آتش فتد سوز

---

[۱] مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی ۱۹۵۷، ص ۸۰۰، ۸۰۱، پاورق۔

جمالش را بہار تازگی دہ | چو حسن او بلند آوازگی دہ
ازین نامہ کہ نامش جاودان باد | ازو نام و نامم را نشان باد
بلاسں نیک نامی در برش کن | چو نامی در جہان نامم آورش کن

رسید اینک بہار عالم افروز | ز گلہا شد چمن روشن تر از روز
ہوا شستہ ز شبنم روی گلزار | چمن را غازہ کردہ رنگ و رخسار
نسیم صبحدم از جنبش خاص | ز سر تا پای گلبن کردہ رقاص
ز فیض صبحدم شد فیض گستر | ہوا افشاند ہر سو لولوی تر
بر آمد بر ہوا ابر طربناک | ز طنازی کشیدہ سر بر افلاک

---

(۴) میر معصوم نے دو دیوان مرتب کئے تھے۔ ایک کی نقل جناب پیر علی محمد راشدی کے پاس موجود ہے۔ اس میں حمد، نعت، منقبت اور مراثی شامل ہیں۔ تقی کاشی نے بتایا ہے کہ دو ساقی نامے بھی تھے جو کہیں موجود نہیں۔

نمونہ از خروارے دیکھنے کے لئے اس قصیدہ منقبت کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے جو میر معصوم نے عبدالغفار بدایونی کو احمد آباد سے بھیجا تھا ؎

دامی کہ بود ہر دلم از عشق در ازل | از دولت فراق تو با درد شد بدل
طوفان آتشی کہ دل از درد بر کشید | انگشتہ در مزاج زمین و زمان خلل
یادہ غمم تو می دہدم چاشنی درد | طعمہ فراق می دہدم لذت اجل
خوش آنکہ در طریق محبت قدم نہاد | چون شوق بملاحظہ چون عشق بی حیل
بی تابیم ز عشق دیوانگی کشید | آخر شدم من از تو بدیوانگی مثل
ناگشتہ حشر روز قیامت شود پدید | زین آتشی کہ از جگرم گشت مشتعل

در هر دو کون آتش دیوانگی زدم　　رمزی ز سر عشق تو ناگفته در غزل
آن دل که داشتم ز تو آمیخته بعشق　　خوناب گشت و از مژه‌ها ریخت بر طلل
آرایش عروس سخن چون بمدح تست　　بستم از معانی رنگین برو حلل

مجموعہ رباعیات بھی ان سے یادگار ہے۔ جس کا نام "نشترِ عشق" رکھا گیا تھا اس کا ایک نسخہ سرکاری کتب خانہ رامپور میں موجود ہے۔ عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں بہت سی رباعیاں نقل کی ہیں۔ ان کا اسلوب اور اندازِ فکر جاننے کے لئے ہم چند ایک یہاں لکھتے ہیں۔

در عشق بتان عشق جنون باید کرد　　جان را بغرق رهنمون باید کرد
چون شیشه تمام پر ز خون باید شد　　وانگاه دل از دیده برون باید کرد

گلزار جمال عارض دلدارم　　چو جلوه دهد بخاطر انگارم
دریا دریا جهان جهان خونریزم　　بستان بستان چمن چمن گلبارم

در بحر دل قلزم خون می‌جوشد　　صد دوزخ درد هم بدرون می‌جوشد
در وضع زمانه آتشی خواهم زد　　زینگونه که در دل جنون می‌جوشد

دلدار مجو تا همه دل خون نشوی
وز وی نشوی تا تو دگرگون نشوی
شوریده و شیدائی و مجنون نشوی
تا از روش زمانه بیرون نشوی

در دیده ز اندوه خبر می باید　　در ناله ز درد دل اثری باید
در سینه بجای دل شرر می باید　　در دیده بجای خون جگر می باید

هر سال که گل بجوستان می آید　　شادی و نشاط در جهان می آید
بر صفحهٔ گل ز بیوفائی حرفی　　سهل است که بلبل بفغان می آید

غزلیات میں سے چند شعر یہ ہیں —

چه خوش است آنکه از خود روم و تو حال پرسی
بتو شرح حال گویم بزبان بی زبانی

چون گریهٔ من دید مهمان کرد تبسم　　پیداست که این گریهٔ من بی اثری نیست
در عشق نشئه ایست که عشاق خسته را　　ذوقی است در فراق که اندر وصال نیست
داد پیغام بقاصد مردم من خنده کنان　　ظاهر است از سخن او اثر خنده هنوز

منتخب التواریخ

باز دل وصل چو مصلحت جان گذاشت　　آرزوی درد کرد و خواهش درمان گذاشت
نامی ز اندوه هجران سوی عدم رخت بست　　وای که جانم بغم دست و گریبان گذاشت

طبقات اکبری

نیم نگاهش بناز دین و دل از من ربود　　نیم نگاه دگر در گرو جان گذاشت

مطربی

دل کام خود از لعل لب یار طلب کرد　　در خنده شد و خنده اش آرایش لب کرد
در دلم صد سیل اشک و بر لبم صد برق آه　　عشق را نازم که پنهان آب و پیدا آتش است

روز روشن

مصلحت نیست که بی پرده جمالش بینی　　دیده بردوز که چشم تو حجاب نظر است

ریاض الشعراء

حسن است که او جلوه گر از پردهٔ ناز است　　عشق است که با حسن ازل محرم راز است

امشب به تمنای مه روی تو تا روز　　چشمم چو درِ خانهٔ ویران شده باز است

عاقبت برق محبت ز دل من سر زد　　آتش طور به بال مگسی افتاد است

امشب بسوز سینهٔ خوشم مهلت ای اجل

خاشاک نیم سوختهٔ مهمان آبست

مجمع النفایس

فخری ہروی[1]

سلطان محمد نام، فخری تخلص۔ باپ کا نام محمد یوسف امیری جو عہد شاہرخی کے ممتاز شعراء میں سے تھے۔ "تذکرۂ دولت شاہ، طبع براؤن" ص ۴۴۱-۴۴۳ پر سلطان بایسنغر کی مدح میں ان کا ایک قصیدہ درج ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں انہوں نے اپنے شعری مقام کی طرف توجہ دلائی ہے ؎

جہاں پناہا در مدح تو مرا شعریست   کہ صد زہ از رہ تحسین ستودہ جانش
کسی کہ کسوت شعرش چنین بود خوش نیست
کہ جز ثنای تو باشد طراز ایوانش

ریو کو فخری اور باپ کے نام میں اشتباہ ہوا ہے۔ میوزیم برطانی کی فہرست مخطوطات میں صفحہ ۳۶۵ پر انہوں نے لطائف نامہ کے دیباچہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

"تراب اقدام جرعہ نوشان جام الفقر فخری سلطان محمد بن امیری"

اور فخری کو نام سمجھ کر سلطان محمد کا بیٹا لکھ دیا ہے۔ روضۃ السلاطین کے دیباچے میں مؤلف نے اپنے آپ کو فخری بن محمد امیر الہروی لکھا ہے جو لطائف نامہ کے دیباچہ سے مختلف ہے[2]

---

[1] مجالس النفائس تالیف میر نظام الدین علی شیر نوائی مرتبہ علی اصغر حکمت تہران ۱۳۲۳، دیباچہ

[2] مقالہ روضۃ السلاطین مطبوعہ در ارمغان علمی۔ لاہور ۱۹۵۵ء

والہ داغستانی نے لکھا ہے کہ مولانا فخری زہد و ورع میں یگانۂ روزگار تھے اور تصوف میں بے نظیر۔ قاموس الاعلام میں لکھا ہے کہ وہ شاہ طہماسپ کے زمانے میں (۹۳۰ - ۹۸۴ھ) سندھ چلے گئے اور شاہ حسن ارغون اور مرزا عیسیٰ ترخان کے دربار وں سے وابستہ رہے۔ وہ ایران میں شاہ اسمٰعیل بن حیدر (۹۰۵-۹۳۰) شاہ طہماسپ اول (۹۳۰-۹۸۴) سام میرزا بن شاہ اسماعیل، امیر درمش خان شاملو اور وزیر خراسان خواجہ حبیب اللہ ساوجی کے مداحین میں سے تھے۔ تحفۃ الحبیب موخرالذکر وزیر کے نام سے ہی منسوب ہے لطائف نامہ میں خواجہ حبیب اللہ کو ولی نعمت کہا ہے اور یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

بہر لطف و کرم آصف سلیمان جاہ محب آل نبی والی حبیب اللہ

لطائف نامہ کے آخر میں اعتماد الدولہ میرزا کمال الدین شاہ حسین وزیر اعظم شاہ اسماعیل (مقتول ۹۲۹ھ) سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

فخری نے سندھ میں قرن دہم کے اواخر میں وفات پائی۔

مؤلفات

لطائف نامہ، جواہر العجائب، تحفۃ الحبیب، بوستان خیال۔

روضۃ السلاطین، ہفت کشور، صنایع الحسن

لطایف نامہ

لطایف نامۂ مجالس النفایس مؤلفہ علی شیر نوائی کا فارسی ترجمہ ہے۔ اصل کتاب ترکی میں ہے اور آٹھ مجالس میں منقسم ہے۔ مجلس اول میں وہ شعراء ہیں جن کے اشعار علی شیر نے دیکھے ہیں لیکن ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔ مجلس دوم میں وہ شعراء ہیں جنکو مؤلف

نے بچپن میں دیکھا۔ مجلس سوم میں وہ معاصر شعرا ہیں جن کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے مجلس چہارم میں وہ فضلاء ہیں جنہوں نے کبھی کبھی شعر کہے ہیں۔ مجلس پنجم میں وہ پادشاہ اور شہزادے ہیں جنہوں نے شعر کہے ہیں۔ مجلس ششم میں دیگر ممالک کے شعرا ہیں جن کا کلام خراسان میں پہنچا۔ مجلس ہفتم میں وہ پادشاہ اور شہزادے ہیں جنہوں نے شعر کہے ہیں۔ مجلس ہشتم میں سلطان حسین میرزا بایقرا کے اشعار درج ہیں۔

مجالس النفایس کو ایک مختصر سا تذکرۂ شعرا سمجھنا چاہیئے۔ اس میں بعض شعرا کی تاریخ ولادت، وطن اور تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے لیکن بعض کا صرف ایک ایک شعر نقل کیا ہے۔ اس اختصار کے باوجود تقریباً تین سو اسی پچاسی اشخاص کا تذکرہ موجود ہے۔ جس سے اس زمانے کے علم و فن اور ادب و شعر کی ایک جھلک نمایاں ہوگئی ہے۔ سمرقند و بخارا سے لیکر تبریز تک علم و ادب کی مرکزیت اور وسعت و وقعت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ایک طرف علی شیر نوائی کی ادب نواز اور شعر پرور شخصیت ہے۔ ہرات کا علمی و ادبی مرکز ہے، دوسری طرف سلطان حسین بایقرا شاہزادے اور امرا سب فن و ادب کے شیدائی نظر آتے ہیں۔

اس مختصر سے مجموعہ سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں شعراء تمام مروّجہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اشعار مصنوع اور قصاید مطول کا رواج تھا جن میں صنایع بدایع کا ماہرانہ فنی استعمال اور معما گوئی کا شعبدہ حیرت انگیز ہے۔ اس سلسلے میں کاتبی ترشیزی اہلی شیرازی اور شرف الدین یزدی کے اشعار قابل ذکر ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت "تذکرۃ الشعراء دولت شاہ اور تحفہ سامی کی درمیانی کڑی ہے جس سے تاریخ ادبیات کا ایک مسلسل و مربوط باب وجود میں آیا ہے۔

فخری یعنی مجالس النفایس کے مترجم نے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ اس کے زمانے میں ترکی زبان کی لطافتوں کو سمجھنے والے بہت کم ہیں اس لئے اس نے اس کتاب کا

ترجمہ فارسی میں کیا ہے تاکہ اہل فضل و کمال پر اس کی بدایع نگاری بے حجاب ہوجائے
یہ ترجمہ ۹۲۸ ہجری کے لگ بھگ ہوا ہے۔ اصل کتاب ۸۹۶ھ میں تالیف ہوئی تھی۔ فخری
نے بعض جگہ اپنی طرف سے سوانحی کوائف بڑھائے ہیں۔ علی شیر نوائی کے احوال زندگی بیان
کئے ہیں اور اصل کتاب پر مجلس نہم کا اضافہ کیا ہے جس میں ایک سو نواسی شعراء کا مزید
تذکرہ آگیا ہے۔

خلاصۃ الافکار کے مؤلف نے لکھا تھا کہ سلطان محمد امیری نے مجالس النفائس کا ترجمہ
کیا۔ سپرنگر کو شبہ ہوا تو اس نے یقین کر لیا کہ کتاب کا مترجم امیری ہے اور جواہر العجائب
کا مؤلف اس کا بیٹا فخری ہے۔ سپرنگر کا شبہ درست نہیں۔ سلطان محمد امیری سے مراد
سلطان محمد ابن امیری یعنی فخری ہے (فہرست مخطوطات کتاب خانہ شاہان اودھ، ص ۱)

لطایف نامہ کی عبارت سلیس و رواں ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے ہیں۔ انداز بیان
واضح اور صریح ہے۔ تکلفات و صنائع کا استعمال نہیں۔ نمونہ کے لئے یہ عبارت دیکھئے۔

مجلس اول۔ خواجہ ابوالوفا از اولیای کبار است و مردم خوارزمشاہ از غایت صفات
ملکی و بفرشتہ تشبیہ کردہ "پیر فرشتہ" می گفتہ اند۔ علوم ظاہر و باطن خواجہ درجۂ کمال
داشتہ۔ در تصوف مصنفات خوب دارد و مشہور است کہ علوم غریبہ ہم میدانست
اما از او ظاہر نمی شد بلکہ از غایت استغراق پروا نمیکرد۔ در علم ادوار و موسیقی نیز
مہارت داشت وانہ سالہ ای کہ خوشتہ معلوم است"

مجالس النفائس کا ایک اور ترجمہ حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی نے کیا ہے۔ مترجم چونکہ
ترکیہ میں طبیب شاہی کے منصب پر سرفراز تھا، اس لئے اس نے یہ ترجمہ سلطان سلیم بن
سلطان بایزید کے نام سے منسوب کیا۔ اس نے ترجمہ کے ضمن میں مفید اضافے کئے ہیں۔ اس
نے ترجمہ میں آٹھ مجالس کو آٹھ بہشت کہا ہے۔ بہشت ہفتم میں سلطان حسین بایقرا کا حال
بیان کر کے اس نے ترکی کے تمام اشعار حذف کر دیئے ہیں۔ بہشت ہشتم کو دو روضوں

میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے روضہ میں سلطان سلیم سے پہلے کے شعراء کا حال بیان کیا ہے
دوسرے روضہ میں سلطان سلیم اور اس کے دربار کے شعراء کا حال لکھا ہے۔ پہلا حصہ
تو بہارستان جامی سے منقول ہے۔ البتہ دوسرا حصہ معاصرین کا تذکرہ ہونے کی وجہ
سے اہم ہے اور مفید معلومات کا حامل ہے۔ بہشت ششم میں عراق و آذربائیجان کے
چالیس شعراء کا ذکر کیا ہے جو سلطان یعقوب آق قونیلو کے عہد میں اس کے دربار سے وابستہ
تھے۔ مترجم نے مولانا جلال الدین دوانی اپنے استاد کا حال نسبۃً مفصل لکھا ہے۔

فخری کے ترجمہ سے مقابلہ کرتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ قزوینی نے لفظی ترجمہ نہیں کیا۔
بلکہ مطالب کو حذف و اختصار سے لکھا ہے۔ لطائف نامہ کے مندرجہ بالا اقتباس کے
مقابل میں اس نے خواجہ ابوالوفا کا حال یوں رقم کیا ہے۔

"خواجہ از کبار اولیاء است و چون فرشتہ سیرت و خوش خلق بود مردم او
را "پیر فرشتہ" میگفتند و علوم ظاہریہ و حقیقتیہ و علوم غریبہ را بغایت
خوب و زیبا میدانستہ و در علم ادوار و موسیقی بی نظیر روزگار خود
بود و شعر میگفتہ"

یہ دونوں ترجمے تصحیح متن اور حواشی کے ساتھ علی اصغر حکمت کے اہتمام سے
تہران میں شائع ہو چکے ہیں۔

جواہر العجائب

یہ کتاب مختصر تذکرہ شاعرات ہے۔ سپرنگر نے کتاب خانہ شاہ اودھ کے نسخے میں
بیس شاعر عورتوں کے نام لئے ہیں۔ مطبوعہ نسخے میں (نولکشور۔ چاپ دوم۔ ۱۸۸۰ء)
تیئس عورتوں کا ذکر آیا ہے۔ حیات نام کی دو عورتیں ہیں۔ سپرنگر میں خواجہ بقائی شاعر
کی بیوی کا نام آتون لکھا ہے۔ مطبوعہ نسخے میں حیات ہے۔ سپرنگر نے ایک عورت کا نام

ابا فنہ بیکہ جلایر لکھا ہے۔ مطبوعہ نسخے میں آفاق جلاہر ہے۔ حکیم شمس اللہ قادری نے کتب خانہ آصفیہ کے نسخے سے مرتب کر کے رسالہ "اردو" میں 'جواہر العجایب' کو شائع کیا تھا۔ اس میں ۲۶ شاعرات کا ذکر ہے۔ متذکرہ مطبوعہ نسخے میں عفتی دختر قاضی سمرقندی اور قمر النسا دختر امیر یادگار کا ذکر نہیں۔

پسر نگر اور بوہر لائبریری کی فہرست کے مرتبین نے لکھا ہے کہ فخری نے جواہر العجایب میرزا عیسیٰ ترخان حاکم سندھ (۹۶۲ – ۹۷۴ھ) کے دربار میں تالیف کی۔ چنانچہ بوہر لائبریری کے مخطوطہ نمبر ۸۲ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جواہر العجائب کا موجودہ نسخہ ان کلمات سے شروع ہوتا ہے۔

"جنت مکانی شاہ حسن مرزا انار اللہ برہانہ از جہان فانی بسرای جاودانی رخت بست"

اس کے بعد یقیناً میرزا عیسیٰ ترخان کا ذکر آیا ہوگا جو شاہ حسن کے بعد تخت نشین ہوا۔ لیکن مطبوعہ نسخے میں میرزا عیسیٰ ترخان کا کہیں ذکر نہیں۔ مؤلف نے بیان کیا ہے کہ وہ شاہ طہماسپ صفوی کے عہد حکومت میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے نکلا تو سندھ میں وارد ہوا۔ کچھ عرصہ کے لئے اسے وہاں رہنے کا موقع ملا۔ انہی دنوں جلال الدین اکبر بادشاہ غازی تخت نشین ہوا۔ اس نے قصیدہ لکھ کر ہدیہ بھیجا۔ پھر خیال آیا کہ فردوس آئین دلشاد زمان دگوہر شاہ وان ماہم رحیمی بیگم معروف بہ ماہم انگہ (اکبر کی دودھ ماں)، کی مجلس شریف کے لئے بھی ایک تحفہ بھیجوں۔ چنانچہ ایک رات تحفۃ الحبیب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مسماۃ مہری کی غزل نظر سے گزری ؎

حل ہر نکتہ کہ بہ پیر خرد مشکل بود آزمودیم بیک جرعۂ می حاصل بود

مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ شاعرات کا مختصر سا تذکرہ اس بلقیس نشان کی خدمت میں پیش کروں۔ چنانچہ جواہر العجائب کا یہ نسخہ مرتب ہوا۔ تاریخ تالیف ۹۶۳ م ہو سکتی ہے جو

اکبر کی تخت نشینی کا سال ہے۔

تذکرہ شروع کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر مؤلف نے ان خواتین کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق قصوں میں مشہور ہے کہ وہ شعر کہتی تھیں مثلاً بہرام گور کی بیوی دل آرام حضرت زلیخا اور ام المومنین حضرت عائشہؓ۔

جواہر العجائب کی بیس بائیس شاعرات میں اکثر طبقہ امراء کی خواتین ہیں۔ شاہ بیگمات اور ان کی مصاحبات ہیں، بادشاہ خاتون۔ جہان خاتون، مغول خانم ساباق جلایہ وغیرہ۔ بعض شعراء کی بیویاں ہیں مثلاً آتون زوجہ مولانا لقائیؒ۔ حجابی دختر مولانا بدرالدین ہلالی۔ مساۃ مہستی، عہد سلجوق سے ' مساۃ اپاق ' عہد جلایہ سے بادشاہ خاتون عہد مغول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اکثر نہ صرف حسن و جمال میں بے نظیر تھیں بلکہ حسن ذوق، شوخی طبع اور ظرافت میں بھی نامور تھیں۔ بیجہ منجمہ معاصر مولانا جامی ظریفہ، عارفہ، منجمہ اور نادرۂ روزگار تھی۔ اس نے مولانا جامی کے مقابل میں حمام۔ مسجد اور مدرسہ تعمیر کرایا۔ ان کے درمیان رقابت بھی چلی، بیجہ نے مسجد تعمیر کی تو اکابر کو نماز کے لیے دعوت بھیجی۔ جامی نے قطعہ لکھا ؎

نگذارم بمسجد تو نماز زان کہ محراب آن نمازی نیست

بیجہ سن کر مضطرب ہوئی اور اس نے کہا۔

' ہرچہ ایشان ساختہ اند من ہم ساختہ ام ' و فضایلی کہ ایشان دارند من ہم دارم ' و ایشان شعر میگویند من ہم میگویم ' ایشان چہ چیز دارند کہ من ندارم '

مولانا جامی نے جواب دیا۔ چیزیکہ داریم او ندارد '

بیجہ نے جواب دیا۔ ' ما ہم چیزی داریم کہ او ندارد۔ بلکہ او را بما احتیاج است '

مولانا کو یہ جواب بہت پسند آیا اور وہ اس کے گھر چلے گئے۔

اس تذکرے میں عموماً شاعرات کی غزلوں کے نمونے دیئے ہیں۔ کہیں کہیں ایک آدھ شعر پر اکتفا کیا ہے۔ زیادہ قطعات و رباعیات ہیں جو ہزل و مطائبہ کے لئے کہے گئے ہیں۔ بعض ارتجالاً کہے گئے ہیں۔ کچھ میاں بیوی کی چہلیں ہیں اور بعض اشعار فحش کی حدوں کو بھی چھوتے ہوئے ہیں۔ مولانا بقائی اپنی بیوی کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

یاران ستم پیر زنی کشت مرا   کاواک شدہ چون نی از و پشت مرا
گر پشت بسوی او دمی خواب کنم   بیدار کند بضرب انگشت مرا

اس کی بیوی نے جواب دیا ؎

ملّا ہمہ ناز غمزہ الحق کشت مرا   تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا
شبہا ہمہ پشت سوی من خواب کنی   بگذار کہ دل گرفتہ از پشت مرا

دیکھیے مسماۃ مہری کی غزل کیسی خیال انگیز ہے جو مؤلف کو بہت پسند آئی اور جس سے الہام لے کر اس نے یہ تذکرہ مرتب کیا ہے ؎

حل ہر نکتہ کہ بر پیر خرد مشکل بود   آزمودیم بیک جرعۂ می حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت می   در ہر کس کہ زدم بیخود و لا یعقل بود
در چمن صبحدم از گریہ و از نالۂ من   لالہ سوختہ خون در دل و پا در گل بود
آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند   سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتی بود تماشای رخت مہری را   حیف صد حیف کہ آن دولت مستعجل بود

مغول خانم ترکی زبان میں شعر کہتی تھیں، اس کے اشعار بھی درج کیے ہیں۔

جواہر العجائب قدیم ترین شاعرہ عورتوں کا تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے صرف لباب الالباب میں رابعہ قزداری کا ذکر ہے یا تذکرۃ الشعراء دولت شاہ میں دو عورتوں کا ضمناً ذکر ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں مثلاً میر عمادالدین الہی، تقی کاشی اور

اوحدی نے اس کتاب سے شاعرات کے حالات نقل کیے ہیں۔

تحفۃ الحبیب فخری

تحفۃ الحبیب ہم قافیہ و ردیف غزلیات کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ مؤلف نے بڑی محنت اور کاوش اور حسن ذوق سے تقریباً دو سو چار شعراء کی غزلیات جمع کی ہیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ ۹۱۲ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ہر صفحے میں تیرہ سطریں ہیں۔ سائز ۴۳ × ۴/۱ ۷ خط جلی نستعلیق۔ استاد شعراء میں سے سعدیؒ، حافظؒ، سلمانؒ خواجوؒ، خسروؒ، کمالؒ، ہمام، نزاری، جامیؒ کی غزلیں تقریباً بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ دوسرے شعراء نے ان کی تقلید میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان سے کمتر تعداد میں آہی، اہلی، آصفی، حسن بنائی، خالقی، سہیلی، صالح، طاہری، علمی فریدوں، قاسم انوار، کاتبی، کاہی، کامی، شاہی۔ نادری۔ نسیمی۔ نرگس۔ ہلالی کی غزلیات ہیں۔ اکثر و بیشتر غزلیات جامی اور ان کے معاصرین کی ہیں۔ بادشاہوں اور شہزادوں کے بھی چند نایاب اشعار اس مجموعے میں آگئے ہیں مثلاً مرزا بایسنغر سلطان یعقوب، سلطان حسین بایقرا۔ شاہ حسن ارغون۔ کامران میرزا۔ مراد کوکلتاش کامران میرزا۔ ہمایوں بادشاہ کے اشعار۔

یقیناً بعض ایسے شعراء کا کلام بھی محفوظ ہوگیا ہے جو شاید کسی اور جگہ نہ ہو۔ بعض ایسے شعراء ہیں جن کا نام بہت کم سننے میں آیا ہے۔ مثلاً آبی۔ پورانی۔ بابا۔ جنذوی، دوامی، دوستی، طاقی۔ ظہوری ارلات۔ علمی فیضی۔ کمال الدین حسین بن نظام الملک۔ ہوائی۔ یتیمی وغیرہ

تحفۃ الحبیب کریم الدین خواجہ حبیب اللہ ساوجی کے نام سے منسوب ہے جو سام میرزا کے ساتھ ۹۲۷ھ میں خراسان کی وزارت پر نامزد ہوا اور ۹۳۰ھ تک

اس عہدے پر مامور رہا ۔ اس نے ۹۳۶ میں وفات پائی ۔ بڑا فاضل شخص تھا خواندمیر نے اپنی کتاب حبیب السیر بھی اسی کے نام سے منسوب کی ۔ فخری کے تحفہ کے شروع میں اس کو یوں مخاطب کیا ہے ۔

یمین شہنشاہ ترک و عرب حبیب المجیش نام و آصف لقب

لطایف نامہ کے دیباچہ میں اس کے متعلق لکھا ہے ۔

سپہر لطف و کرم آصف سلیمان جاہ محب آل نبی و ولی حبیب اللہ

امید وار چنانم کہ تا سپہر بلند دھد ز چشمہ خورشید آبروی بماہ

مباد رایت او کہ ز لشکر اسلام بجز اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

تحفۃ الحبیب کی تمام غزلیں حروف ہجا کی ترتیب سے درج کی گئی ہیں ۔ ز ۔ س ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ف ۔ گ کی ردیف میں غزلیں موجود نہیں ۔ مؤلف کو ایک قافیہ و ردیف میں جتنی غزلیں مل سکیں اس نے اکٹھی کی ہیں اگر تین غزلیں ملی ہیں تو اس نے چوتھی اپنی غزل "لجامعہ" کہہ کر درج کر دی ہے ۔ چنانچہ اس نے خود لکھا ہے ۔

اگر چار نامد گہی انتظام منش چار مین را نمودم قیام

اس طریق پر مرتب کئے ہوئے مجموعہ غزلیات میں فارسی شاعری اور خصوصاً غزل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑی دلچسپی کا سامان موجود ہے ۔ ہم اس مجموعے سے قرن ہشتم سے قرن یازدہم ہجری کے درمیانی عرصہ میں غزل کے نئے نئے روپ سے آشنا ہوتے ہیں ۔ ایک مضمون کو کئی ڈھنگ سے باندھنے کے اسلوب سامنے نظر آتے ہیں ۔ استادان سخن مجلس مشاعرہ میں طرحی غزلیں سنکر جو لطف اٹھایا جا سکتا ہے وہی لطف تحفہ کے ان حصوں کو پڑھ کر اٹھایا جا سکتا ہے جہاں آٹھ آٹھ نو نو غزلیں ایک ہی قافیہ و ردیف میں آگئی ہیں ۔ اس مجموعے میں استاد شعرا میں سے حافظ کی غزلیات کے بعض اشعار اپنے اصلی متن میں محفوظ ہو گئے ہیں ۔ ان کو سامنے رکھ کر ناقص

مطبوعہ نسخوں کی تصحیح میں مدد لی جا سکتی ہے۔ نوآموز شعراء کے لئے یہ مجموعہ نہایت کارآمد تحفہ ہے تاکہ وہ بھی سخنوران عالی مقام کی تقلید میں طبع آزمائی کرنا چاہیں تو ان غزلیات کو سامنے رکھیں

تحفۃ الحبیب میں مندرجہ ذیل شعراء کی غزلیات موجود ہیں۔ بعض غزلیات اور ابیات ایسے بھی ہیں جن میں شاعر کا نام موجود نہیں اور نہ غزل کے اوپر عنوان میں شاعر کا نام درج ہے۔ شعراء کی فہرست مندرجہ ذیل ہے تاکہ بغرض استفادہ رجوع کیا جا سکے۔

ا۔ آہی۔ آفندی۔ آبی۔ آگہی۔ اصغر مشہدی۔ امیری۔ اہلی۔ اسمعیلی۔ ابن حسام۔ امینی۔ انسی (میر حاج) آصفی۔ افضل (میرم) امیری۔ ابو الوجد۔ احمد جام۔ افسری۔ اوحدی۔

ب۔ بدیعی۔ بابا قلندر۔ بیکسی۔ بیضائی۔ باقی۔ بدخشی۔ بنائی۔ بیانی۔ بساطی۔

پ۔ پوراتی۔

ت۔ تابعی۔ تابشی۔

ج۔ جامی۔ جالی۔ جلالی رفیقی۔ جمشید معمائی۔ جلال عضد۔ جزوی بابا۔

ح۔ حافظ۔ حالی۔ حیرتی۔ حیدر۔ حسن۔ حسن قندھاری۔ حبیب کاشی۔ حسینی۔ حقیری۔ حکیمی۔ حسن شاہ۔ حامی (سلطان علی اوبہی) حلوائی سمرقندی۔ ملک حسام۔ شاہ حسین توکدری۔ حسن علی جلایر۔ حسینی (سلطان حسین مرزا)

خ۔ خسرو۔ خیالی۔ خالقی۔ خواجہ۔ خادمی۔ خیابانی۔ خواجہ کلان۔

د۔ درائی (سلطان علی) درویش حیدر تونبائی۔ دوستی۔ دیوانہ۔ دائی۔

ذ۔ ذو الفقار شروانی۔

ر۔ رامی۔ ریاض۔ راوی (ابراہیم دوست)

س۔ سعدی۔ سلمان۔ سپاہی (خواجہ کلان) سالمی۔ سہیلی۔ سروری۔ سائلی۔ سعد

سپاہی (شاہ حسین میرزا)

ش۔ شرف۔ شاہ جہانگیر۔ شہاب الدین ہندی۔ شہاب معمائی۔ شہیدی۔ شرقی (مقصود تیرگر) شمس شیرازی۔ شاہی۔ شمعی۔

ص۔ صفائی۔ صبحی۔ صالح۔ صانعی۔ صیرفی۔

ض۔ ضیا استرآبادی

ط۔ طاہری۔ طوسی۔ طالب جاجرمی۔ طالعی۔ طاقی (محمد)

ظ۔ ظہیر۔ ظہوری ادلات۔

ع۔ عالم۔ عماد فقیہ۔ علمی قانونی۔ عبید زاکانی۔ عصمت۔ علی شیر۔ عارفی۔ عطائی۔ عبداللہ مروارید۔ عراقی۔ عارف۔ عادل (بایسنغر مرزا) عابدی۔

غ۔ غیاث الدین احمد۔ غربتی۔ غیاثی۔ غریب (شاہ)

ف۔ فریدون۔ فخری۔ فیضی۔ (علمی) فضلی۔ فانی۔ فغانی۔ فارغی۔ فنرانی (ابوالبرکہ) فردوسی۔ فشانی۔ فنائی۔

ق۔ قبولی۔ قاسم انوار۔ قاسمی۔ قیدی۔

ک۔ کاہی۔ کاتبی۔ کمالی۔ کامی۔ کامران میرزا۔ کمال الدین حسین بن نظام الملک کوکبی۔

گ۔ گدائی۔

ل۔ لسانی۔ لطفی

م۔ میر الکبیر۔ مرادی۔ مہدی۔ محوی۔ ملک باخرزی۔ موید منہ۔ محمود۔ مانی۔ مغربی۔ محیی۔ منصور قمرالوعہ۔ مسیحی۔ محمد شاہی۔ معتبول۔ میرم۔ میرکی۔ مفلسی۔ مراد کوکہ کامران۔ مسیب۔ مجنون رفیقی۔ مسعود قمی۔ محمد (خواجہ) مشفقی۔ میرزا سراجہ۔ منصوری۔

ن۔ ناصر۔ نزاری۔ نادری۔ ناصر خسرو۔ نحوی۔ ندائی۔ نوری۔ نیازی۔ نسیمی۔ نامی۔ (صدرہ) نویدی۔ نعمت اللہ ولی۔ نظام بدر۔ نثاری۔ نرگسی۔ نظمی۔ نصیر۔

و۔ ولی۔ واحدی۔ وحید تبریزی۔ وصفی۔

ہ۔ ہمام۔ ہلالی۔ ہمایوں بادشاہ۔ ہادی۔ ہاشم کمانگر۔ ہمتی۔ ہاتفی۔ ہوائی۔ ہلاک۔

ی۔ یقینی۔ یوسفی۔ یوسف ممنہ۔ یعقوب (سلطان)، یتیمی۔

بوستان خیال

یہ کتاب بھی فخری سے منسوب ہے۔ اس کے قلمی نسخے کہیں کہیں دستیاب ہوتے ہیں۔ جناب پروفیسر محمد شفیع صاحب کی نوازش سے ان کا مملوکہ مخطوطہ دیکھنے کا موقع ملا۔ ۵۲۹ صفحات ہیں۔ ہر صفحے میں پندرہ سے اٹھارہ سطریں ہیں۔ خط رواں نستعلیق ہے قلم باریک۔ اکثر جگہ سے کرم خوردہ ہے۔ تاریخ کتابت ۱۲۷۲ھ ہے۔

تحفۃ الحبیب کی طرح یہ بھی ہم قافیہ و ردیف غزلیات کا مجموعہ ہے۔ اس کو تحفہ کا مختصر و ملخص اڈیشن کہنا چاہیئے۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ فخری نے پہلے 'بوستان خیال' مرتب کی اور بعد میں اضافات کے ساتھ تحفۃ الحبیب کو پیش کیا۔ یا تحفۃ الحبیب پہلے مرتب کی اور بعد میں "بوستان خیال" کو اختصار کے ساتھ مرتب کیا۔ فخری نے ایسا کیوں کیا، یہ بات بھی تحقیق طلب ہے۔

بوستان خیال کے مذکورہ مخطوطہ کے شروع میں ۱۳۱ شعراء کی فہرست دی ہوئی ہے جن کی غزلیات اس مجموعے میں درج ہیں لیکن بعض ناموں کی صحت مشتبہ ہے اس لئے شعراء کی تعداد ایک سو پچیس تک ہی رہ جاتی ہے۔ ہم نے دونوں کتابوں کے بعض حصوں کا مقابلہ کرکے دیکھا ہے عموماً دونوں میں ایک ہی غزل درج ہے۔ بوستان خیال

میں بعض شعرا کی غزلوں کو چھوڑ دیا گیا ہے مثلاً مندرجہ ذیل غزلوں کو دیکھئے۔

		تحفۃ الحبیب	بوستان خیال
۱-	جامی	مرغ جاں کردی ہوای دانہای خال او	۱
۲-	ریاضی	شب کہ گشت در دیدہ می آید خیال او	×
۳-	خواجہ حبیب	چشم شوخ یار در میان ہر دو ابرو خال او چشم شوخ در دنبال چشمہ آن خال او	۲
۴	ہلالی	آنکہ رفت امروز صد دل میرود دنبال او	۳
۵	ہلاکی	بر امید آنکہ در راہی شوم پامال او	×
۶	فانی	میرسد جاناں و جانم شد باستقبال او	×
۷	عابدی	دل کہ می سوزد ز شوقت گر نویسم حال او	۵
۸	فراقی (ابوالبرکہ)	میرود آن سرو من چون سایہ از دنبال او	۰۰
۹	دائمی	تا نیگرد و سرم در عاشقی پامال او	
۱۰	مراد کوکہ } میرزا کامران }	نرگسش خواہد فسون دلبری باحال او	×

تحفہ میں دس غزلیں ہیں اور بوستان خیال میں صرف پانچ۔ چوتھی پانچویں کی ترتیب میں بھی فرق ہے۔ ایک دوسری ردیف میں دونوں کتابوں کی مندرجہ غزلوں کا جائزہ لیجئے۔

		تحفۃ الحبیب	بوستان خیال
۱	سعدی	گر ماہ من بر افکند از رخِ نقاب را	×
۲	خسرو	مشکن بناز سلسلہ مشکتاب را	۱
۳	سلمان	زان پیش کہ اتصال شدی خاک و آب را	۲

۴	خواجہ کمال	وی چاشت کہ ز چہرہ فکندی نقاب را	۳
۵	خاتمی	ہر شب بآب دادہ ام از گریہ خواب را	×
۶	طوسی	دیدم ز دور آن روضہ پر عتاب را	×
۷	اصیلی	یارب کہ برگرفت ز رویت نقاب را	۴
۸	ابن حسام	روی تو چشم خیرہ کند آفتاب را	×
۹	سلطان ابراہیم امینی	ای آفتاب حسن برافگن نقاب را	۶
۱۰	آہی	از مہ رخت بہشت برافگن نقاب را	×
۱۱	اہلی	سرگشتہ ساخت ماہ رخت آفتاب را	

اس ردیف میں بھی "تحفہ" کی گیارہ غزلوں کے مقابل میں 'بوستان' میں چھ غزلیں ہیں۔ پانچویں چھٹی کی ترتیب بھی بدلی ہوئی ہے۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ 'بوستان خیال' تحفۃ الحبیب کا منتخب ایڈیشن ہے لیکن بوستان میں بعض ایسے شعراء کی غزلیات شامل ہیں جو تحفہ میں موجود نہیں مثلاً اشرف، ابن یمین، پیامی، پیروی، جمالی، حسامی، خالق، داعی، ساحری، شمس تبریزی، شیخی، صبوری، فراہی، عطار، عبدالواسع، جبلی، معین، موسوی، مومن، واقعی کی غزلیات۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض شعراء کی غزلیں تحفہ میں بھی موجود ہوں اور وہاں نام نہ درج ہوں۔ ہم بغرض استفادہ (مقابلہ 'بوستان خیال' کے شعراء کی فہرست درج کر دیتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت رجوع کیا جا سکے۔

بوستانِ خیال

ا انس، آہی، اہلی، اصیلی، امینی، آذری، احمد جام، اوحدی، آبی (؟)
امامی، اشرف، ابن یمین، آوذی،

ب - باقی، بنائی، بدیع الزمان، بساطی۔

پ - پیامی، پیردی۔

ت - تمنا

ج - جمالی، جمشید، جامی، جلالی۔

ح - حسامی، حیدر، حالی، حافظ، حسن، حالتی، حیرتی، حامی، حسن شاہ۔

خ - خواجو، خسرو۔

د - دقایہ (؟)، داعی، درویش، دیوانہ۔

ر - ریاض، رضا، رامی، روم (مولانا)

س - سلمان، سیفی، سہیلی، سایل، ساحر، سعدی، سلطان حسین۔

ش - شاہی، شرف یزدی، شمس تبریزی، شیخی۔

ص - صبحی، صرفی، صبوری، صیری (؟) صالح۔

ض - ضیائی۔

ط - طوس، طاہری، طبیب، طالب

ظ - ظہیری

ع - عماد، عالم، عصمت، عتیقی، شاہ غریب، عراقی، عبیدی، علی فانی۔
عطار، عارفی، عبدالواسع جبلی، عادل (میر)، عضد

ف - فانی، فخری، فضلی، فیضی، فراقی، فنائی، فراہی۔

ق - قبولی، قاسم انوار، قنادی۔

ک۔ کاہتی۔ کامی، کمال۔ کرمانی۔ کیفے (؟)

م۔ میر حاج۔ معطر۔ ملک۔ محمد صالح۔ محوی۔ مومن۔ محمد۔ محسنی۔ میر مفلس۔
معین۔ موسوی۔ منصور۔ مجنول۔ محمود۔

ن۔ نثاری۔ نرگس۔ نسیمی۔ نزاری۔ نامی۔ ناصر۔ نصاری۔ نظمی۔ نظامی۔

و۔ وصفی۔ واقعی

ھ۔ ہمام۔ ہلالی۔ ہمایوں مرزا۔

ی۔ یقینی۔ یحیی۔ یعقوب۔

ضایع الحسن

یہ بھی فخری کی تالیف ہے۔ اس کا موضوع علم بیان، معانی و بدیع ہے۔ یہ کتاب اس نے سندھ کے حاکم شاہ حسن ارغون (۹۲۸ - ۹۶۲ ھ) سے منسوب کی۔ جس کے بارے میں لکھا ہے سہ

رشک جم و فریدون نقد شجاع دوران
چشم و چراغ ارغون شاہ حسن خصایل

خدا بخش اورنٹیل لائبریری بانکی پور پٹنہ[1] بوڈلین لائبریری[2] اور سندھ ادبی بورڈ کی لائبریری میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ بانکی پور والے نسخے میں ۱۱۸ ورق ہیں، ہر صفحے میں تیرہ سطریں۔ سائز ۵" × ۸½" مولف نے دیباچے میں خود بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ممدوح کی مجلس میں اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ تو مجھے خیال آیا کہ ایک کتاب مرتب کر کے ان کی خدمت میں پیش کی جائے۔ اس نے کتاب کے شروع میں اپنے ماخذات کا

---

[1] فہرست ج ۹، ص ۱ [2] فہرست مرتبہ ریو۔ نسخہ نمبر ۱۳۷۱

ذکر کیا ہے۔

معیار الاشعار	خواجہ نصیر الدین طوسی
حدایق السحر و دقایق الشعر	رشید وطواط
مفشات در علم عروض	وحید تبریزی
انیس العشاق	شرف بن محمد الرامی
مفتاح	شمس قیس رازی
حدایق العجم	اخفش نحوی
رسالہ بدایع الصنایع	عطاء اللہ مشہدی
بدایع الافکار و صنایع الاشعار	حسین واعظ کاشفی

صنایع الحسن چونکہ ان محکم ماخذات پر مبنی ہے اس لئے یقیناً قابل اعتماد ہے اور اس موضوع پر مستند کتاب شمار ہونے کے قابل ہے۔

روضۃ السلاطین

روضۃ السلاطین بھی فخری کی تالیف ہے۔ کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے فخری کی تالیفات میں سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کتاب خانہ برلین اور کتاب خانہ ملی پیرس میں اس کے مخطوطات موجود ہیں۔ سندھی ادبی بورڈ لائبریری میں بھی اس کی ایک نقل موجود ہے۔ جناب احمد میاں اختر جوناگڑھی نے پیرس کے مخطوطہ کا روٹو گراف سامنے رکھ کر ایک مضمون میں اس کا تفصیلاً ذکر کیا ہے[1] یہ کتاب بھی شاہ حسن ارغون والی سندھ (۹۲۸ - ۹۶۲ھ) سے منسوب ہے اور ۹۵۹ اور ۹۶۲ھ کے درمیان کسی سال میں لکھی گئی ہے۔

---

[1] ارمغان علمی مرتبہ سید عبداللہ لاہور ۱۹۵۰ء

فخری دیباچے میں وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ حسن ارغون کے حضور میں سلطان حسین مرزا کا دیوان پیش ہوا جو انہوں نے بہت پسند کیا۔ اسی وقت مجھے خیال ہوا کہ ایک تذکرہ مرتب کیا جائے جس میں سلاطین شعراء کا ذکر ہو۔ چنانچہ روضۃ السلاطین اسی خیال کی تعبیر ہے۔ یہ تذکرہ ۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ سائز ۸ ½ - ۴ ½ کتاب سات ابواب میں منقسم ہے۔

باب اول وجہ تسمیہ شعر و احوال بہرام گور و ابتدای نظم فارسی و احوال سلطان سنجر ماضی و طغرل بیگ سلجوقی۔ گاہی بنظم التفات فرمودہ اند۔

باب دوم :- دربیان احوال پادشاہان ختائی اوزبک و سلاطین ایشان کہ اشعار خوب گفتہ اند۔

باب سوم :- دربیان احوال پادشاہان چغتائی از اولاد امجاد امیر تیمور کہ در سمرقند بخارا بودہ و دیوان غزل ترتیب دادہ اند۔

باب چہارم :- دربیان احوال پادشاہان عراق و روم کہ نظم گفتہ اند۔

باب پنجم :- دربیان احوال بعضی از ملوک ہندوستان و دیگر اطراف۔

باب ششم :- دربیان احوال امرای عالیشان بادشاہ ملتان کہ سر اطاعت بکس فرو نیاوردہ اند و ابیات خوب دارند۔

باب ہفتم :- در ذکر جمیل حضرت نواب و ختم کتاب۔

کل ۷۷ شعراء کا ذکر ہے۔ بعض سلاطین کا حال بہت مختصر لکھا ہے اور ان کے ایک ایک دو دو شعر نقل کیے ہیں۔ کہیں کہیں پوری پوری غزلیں۔ رباعیات اور قطعات بھی دیئے ہیں۔ فخری نے مجالس النفائس۔ تذکرۂ شعراء دولت شاہ سمرقندی۔ سلسلۃ الذہب از مولانا جامی۔ ظفرنامہ یزدی سے استفادہ کیا ہے اس نے لطائف نامہ کی مجلس ہفتم سے سلاطین شعراء کے حالات و اشعار بعینہ

نقل کیے ہیں۔ اگرچہ مجلس نہم بھی مجالس النفائس پر اس کا اپنا ہی اضافہ ہے۔ اس تذکرے میں بعض ایسے سلاطین شعراء کے دیوانوں سے ابیات نقل کیے گئے ہیں جو آج ناپید ہیں اس لئے یہ حصہ بڑا اہم ہے۔ باب پنجم میں ہندوستان کے بعض ایسے فرمانرواؤں کے اشعار محفوظ ہو گئے ہیں جن کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا۔ ان میں سے سلطان فیروز شاہ (تغلق) کی پانچ غزلیں، ابوالحسن لنگاہ حاکم ملتان کی ایک غزل، ملک شمس الدین بوزخان ملک فخرالدین اور ملک حسام الدین سلاطین شنسبانیہ کی ایک ایک غزل درج ہے۔ باب ششم میں مرزا شاہ بیگ ارغون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ شاعر بھی تھا اور نفسی تخلص کرتا تھا۔ مرزا کی شعرگوئی کے بارے میں کہیں اور مذکور نہیں۔ اس کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے جو اس نے قصیدہ دریای ابرار کے تتبع میں لکھا ہے ؎

بگسل و پیوند کن خود را بہ از خود رشتۂ

میوۂ کز شاخ پیوندی بود شیرین تراست

ساتویں باب میں شاہ حسین مرزا سپاہی کی چار غزلیں اور تین رباعیاں لکھی ہیں جو کسی اور معاصر تذکرہ نگار نے درج نہیں کیں۔

ہفت کشور

کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت مدینہ منورہ میں "ہفت کشور" کے نام سے ایک کتاب موجود ہے جس کے مؤلف فخرالدین بن امیری ہروی ہیں۔ قیاس ہے کہ جب فخری حج کو گئے تو وہاں انہوں نے یہ کتاب لکھی۔ کتاب کا موضوع تاریخ و اخبار بتایا گیا ہے۔

(بحوالہ مضمون مذکورہ بر روضۃ السلاطین) والہ داغستانی نے لکھا ہے کہ فخری نے چند مثنویاں بھی لکھی تھیں لیکن ابھی تک ان کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا۔

فخری شاعر

فخری نے غزلیں بھی لکھی ہیں اور قصاید بھی۔ تحفۃ الحبیب میں اس کی چوبیس پچیس غزلیں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ ریاض الشعراء میں نمونے کے چند اشعار موجود ہیں قصاید میں جلال الدین اکبر کی مدح میں چند شعر، ماہم انکہ کی ستایش میں چند شعر جواہر العجائب کے دیباچے میں نقل ہوئے ہیں۔ روضۃ السلاطین کے آخر میں شاہ حسن ارغون کی مدح میں اکسٹھ شعر کا لامیہ قصیدہ دیا ہوا ہے۔ فخری کے معلوم اشعار کی یہ ساری کائنات ہے۔ ان اشعار سے کچھ اندازہ لگانے میں مدد مل سکتی ہے وہ ایک متوسط درجے کا شاعر ہوگا۔ غزل کے مضامین مہجوری و مہجوری۔ محبوب کی ستم شعاری اور رقیب دوستی وغیرہ ہیں۔ غم جاناں کے علاوہ غم دوراں بھی ہے لیکن وہ مایوس ہونے کا قایل نہیں۔ خوش رہنا چاہتا ہے ؎

دی گذشت امروز خوش باش و غم فردا مخور

حال خوش دان در غم ماضی و مستقبل مباش

بدہ پیمانہ ساقی و مکن امروز و فردا

کہ دوران بست پیمانش ولانی نیست تاخیرش

تشبیہات معمولی ہیں اور تیر کمان، پیکان اور تیغ وغیرہ عسکری زندگی کے متعلق ہیں۔ عموماً کلام سادہ و رواں اور واضح ہے۔ تحفہ کی غزلیات میں تو کہیں کہیں کوئی شعر چمکتا نظر آتا ہے۔ ریاض الشعراء کے منتخب اشعار ہیں تو سبھی شعر پختہ ہیں۔ نمونے کے لئے ان تمام کو ہم یہاں لکھ دیتے ہیں۔

جا کن درون دل کہ ازین خوب تر شوی　　　تو قطرۂ چو در صدف آئی گہر شوی

خستہ چشم و لبت گردم کہ در تنہای شوق　　　این مرا چندان کہ بہ می کرد آن بیمار داشت

خیالِ خال و لب او مکن کہ دانہ دارد — چو در زمین دل افتد فغان و نالہ برآید
نگارِ مستِ من از حالِ کس نمی پرسد — گل است و ہیچ ز احوالِ خس نمی پرسد
عجب نباشد اگر یادِ من نکرد حبیب — زمانہ ایست کہ کس حالِ کس نمی پرسد
عالم بسوخت از غم و دل بر منش نسوخت — دل سوختم ز بہرِ وی و دامنش نسوخت
نادیدہ ما ز یار وفائی نمی رویم — در ہم رسد جفا ز جفای نمی رویم
ہر جا کہ می رویم دیارِ حبیب ماست — ما از دیارِ عشق بجای نمی رویم

لامیہ قصیدہ کے بھی چند اشعار دیکھ لیجیے۔ ان اشعار میں تو قصیدے کی شان ہے۔

ای تو اسکندر و دارا فر و خورشید ضمیر — ہست آئینۂ تو چرخ و مہ او صیقل
ضبطِ ملکِ تو چنانست کہ در کلِ امور — غیرِ تقدیر محالست کسی را مدخل
جہتِ سوختنِ خصم ہمانا کہ یکیست — لمعۂ تیغِ تو و شعلۂ شمشیرِ اجل
از سپاہِ تو قضا و قدر آید بجدال — با تو در مزحم کر از زہرہ و یارای جدل

تحفۃ الحبیب میں فخری کی غزلیات کے برگزیدہ اشعار درج ذیل ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اس کی غزل گوئی کے بارے میں اندازہ لگانے کا مزید موقع ہوگا اور اس کے اشعار بھی منظرِ عام پر آجائیں گے۔

من و شبہای ہجرانِ تو و تا روز یا ربہا — ندانم حال یا رب چہ خواہد شد درین شبہا
تعالی اللہ ز رخسارِ عرقناکت کہ پندارم — تماشا میکنم بر صفحۂ خورشید کوکبہا
مگو کز وصلِ جانان مردگان را زندہ میسازم
کہ مشتاقان ازین شادی تہی سازند قالبہا

زین گونه بودن تا بکی رسوای شهر از دست وی
غوغای اطفالم زپی در کوچه و بازارها
فخری مگو دل گشت خون چون شد؟، لاله گون
زانرو که احوال درون پیداست بر رخسارها
گفتم ای دل میشو دشوار کار از دیدنش
عاقبت دیدی بخود دشوار کردی کارها
سوی بستانم مخوان ای باغبان کز هجر یار　　آه من گرمست آتش میزنم گلزارها
گر سگ کویش زفخری بر حذر باشد چه عیب　　باید از دیوانه بودن بر حذر هشیارها

آتش بجان زدی درخ افروختی زمی　　تا هردم آتش تو شود بیشتر مرا
عالم بحال من همه حیران زعشق تو　　من خود چنانکه نیست زعالم خبر مرا
تا گفته ای که فخری سرگشته خاک ماست　　نبود بخاک پای تو پروای سر مرا

هر غمزهٔ شوخ تو بهر سو که گذشت　　آه از آن سر که نشد بسته فترک آنجا
بکجا شمع من آن روی دل افروز بری　　کز جانها نرود دود بر افلاک آنجا

تو جان من طلبی و من از تو دولت وصل　　چه دولتی که برآید ازین دو کار یکی
گله ز تفرقهٔ دوستان مکن فخری　　که این غم است بجان تو از هزار یکی
گفتم که ناله ام همه از درد عشق تست　　گفتا برو بنال که این درد بی دواست
گفتم هوای قد توام در سر است گفت　　بنشین بگوشه ای که بسی فتنه در هواست
از برای قتل فخری احتیاج غمزه نیست　　یک نگاه از چشم مستت همچو او صد را بس است

فخری از کار جهان نیست مرا هیچ مراد — عشق خوبان ز همه مرا وازده است
سنگ بیدادت چو آید سر وادارم به پیش — سرکشیدن از قضای آسمانی مشکلست
گشاده کار فخری از در پیر مغان دیدم — چنین باشد بلی کاری که با اهل کرم افتد

از دل جنون عشق تو زایل نمی شود — دیوانه جمال تو عاقل نمی شود
فخری مگو که کام دل از یار مشکل است — از جان گذر نخست که مشکل نمی شود

هر شب بخیال تو کنم دست در آغوش — یک لحظه بهوش آیم و یکدم روم از هوش
فخری چو بلبل لب او دیده ام از دور — خونابه دل بزند از دیده من جوش

دی گذشت امروز خوش باش غم فردا مخور — حال خوش دان در غم ماضی و مستقبل مباش

بده پیمانه ساقی و مکن امروز و فردا — که دوران مست پیمانش ولایق نیست تاخیرش
ندارد عاشقی زارم چو درمانش کنم فخری — ببدخویی گرفتارم ندانم چیست تدبیرش

زدست دل بجانم چون کنم یارب چه حالت است این
که بر حال دل من دوست حیرانست و دشمن هم
غریب افتاده ام در کوی آن نامهربان فخری
نه پای رفتن از کویش مرا نه روی بودن هم

گفت جانان سوی ما بگذر بسر گفتم بچشم
گفت ترک جان کن و در ماگمر بچشم
گفت فخری مهمان خواهی مرا گفتم بجان
گفت فرش راه می باید گهر گفتم بچشم

سه باره تو کر برمی آورم دست دعا   در دعای دیدن محراب ابروی تو ام

درای زلف خم اندر خم گرفتارم بجان و دل
که صد جان و دل شیدا گرفتار است در هر خم
بجلوة خانه دل جز خیالش ره مده فخری
درین خلوت نباشد دوست را جز دوست کس محرم

خواهم بخاک پای تو مالم رخ نیاز
زان پیشتر که روی نهم جانب عدم
برخشت آستان تو فخری نهاده سر
فارغ ز تاج شاهی دارا و تخت جم

تا بزمین گذاشتی گیسوی عنبرین فرو
رحمت حق ز آسمان آمده بر زمین فرو

چچنامہ یا فتحنامہ

نام متاخرین میں اس کتاب کا نام چچنامہ مشہور ہوگیا ہے لیکن کتاب کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اس کو فتحنامہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتہ کا خیال ہے کہ 'چچنامہ' 'فتحنامہ' کا محرّف ہے۔ فتحنامہ سندھ اس کتاب کا نام زیادہ موزوں ہے کیونکہ کتاب کا زیادہ حصہ عربوں کی فتوحات سندھ پر مشتمل ہے چونکہ عربوں کی آمد سے پہلے جو خاندان حکمران تھا اس کا جدّ اعلیٰ چچ تھا اور اس کا حال بھی کتاب کے شروع میں درج ہے اس لئے کتاب کا نام چچنامہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔

اصل کتاب عربی میں تھی اور اس کا نام منہاج الدین والملک تھا۔ مصنف کا نام معلوم نہیں۔ موجودہ کتاب فارسی ترجمہ ہے۔ صفحہ ۱۵۱ پر یہ عبارت ہے: "مصنف داستان خواجہ امام ابراہیم چنین روایت کند" مرتب کا خیال ہے کہ اصل عربی تاریخ کا مصنّف خواجہ امام ابراہیم ہے۔ یہ قیاس کچھ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ مترجم حرف ترجمہ کر رہا ہے نہ کہ اصل مصنف کی کسی عبارت کا حوالہ دے رہا ہے۔ مصنّف نے جا بجا اس طرح کے جملے لکھے ہیں، مصنفان تاریخ اور راویان احادیث اس طرح بیان کرتے ہیں وغیرہ۔

تاریخ تالیف اصل عربی کتاب کی تاریخ تالیف معلوم نہیں۔ چونکہ اکثر روایات ابوالحسن مدائنی نے بیان کی ہیں اور اس کی وفات ۲۱۵ یا ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ اس لئے خیال ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس تاریخ کے بعد ہی یہ کتاب مرتب کی گئی ہوگی۔ بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) نے فتوح البلدان میں بھی فتح سندھ کے متعلق ایک

باب لکھا ہے لیکن فتحنامہ سندھ کی نسبت اس میں اتنی تفصیل نہیں۔ بلاذری نے اپنی کتاب کے آخری ابواب ۲۵۵ھ میں مکمل کئے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ۲۱۵ سے ۲۵۵ کے درمیان مرتب ہوئی ہوگی۔

مترجم اس کتاب کا مؤلف یا مترجم علی بن احمد بن ابی بکر کوفی ہے۔ اس کتاب کا سبب تالیف اس نے خود بیان کیا ہے (ص ۸) لکھتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ عیش و عشرت میں گزارا۔ پھر بعض حوادث کی بنا پر اسے اپنے وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ آخر اُچھ (سندھ) میں آکر آرام لیا اور یہیں مسکن بنا لیا۔ یہاں بھی اس نے انقلابات زمانہ سے اچھے برے دن دیکھے آخر ۶۰۳ھ اٹھاون سال کی عمر میں ہنگامہ روزگار سے کنارہ کشی کر لی اور کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا پھر خیال آیا کہ فتح سندھ کے بارے میں کیوں نہ ایک کتاب مرتب کر لوں۔ اس سلسلے میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے اروڑ اور بھکر کا رخ کیا کیونکہ اس علاقے میں ابھی تک وہ لوگ آباد تھے جو عرب خاندانوں سے متعلق تھے۔ چنانچہ وہ قاضی اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے بتایا کہ ان کے آباؤ اجداد کی سندھ میں آمد اور اس ملک کی فتح کے بارے میں عربی میں ایک کتاب موجود ہے جو وراثۃً انکے قبضے میں چلی آرہی ہے، چنانچہ مؤلف نے ان سے حاصل کر کے اس کا ترجمہ کیا۔ اور ناصر الدین ابوالفتح قباچہ والی سندھ کے وزیر عین الملک حسین بن ابی بکر بن محمد الاشعری سے منسوب کیا۔

خصوصیات یہ کتاب فتح سندھ پر قدیم ترین ماخذ شمار ہوتی ہے جس تفصیل سے واقعات اس کتاب میں بیان کئے گئے اور کسی کتاب میں ان جزئیات کے ساتھ بیان نہیں ہوئے۔

(۲) اس تاریخ کی اہمیت اور وقعت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اس میں ان مکاتیب

کی نقول درج ہیں جو راجہ داہر اور محمد بن قاسم نے ایک دوسرے کو لکھے ۔ حجاج بن یوسف نے جو خطوط محمد بن قاسم کو بھیجے اور محمد بن قاسم نے جو تحریریں حجاج کو بھیجیں ان کی نقلیں بھی مندرج ہیں ۔ بعض خطوط پر تاریخ انشاء اور کاتب کا نام بھی درج ہے ۔

(۳) کتاب میں جابجا عربی اشعار درج کئے گئے ہیں جو خاص خاص موقعوں پر شعراء نے کہے ہیں ۔ اس قسم کی روایتوں سے واقعات صحیح اور سچے ہونے پر اعتبار اور اعتماد پیدا ہوتا ہے

(۴) یہ کتاب ایک مسلمان کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے کیونکہ کفار کے خلاف مصنف کا تعصب ظاہر ہے جب وہ راجہ داہر کو "لعین" کہتا ہے اور دشمن کے قتل کو "بدوزخ فرستاد" سے تعبیر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود واقعات کے بیان میں طرفداری سے کام نہیں لیتا کیونکہ ان حوادث کا بھی ذکر کیا ہے جہاں مسلمانوں کے آدمی مارے گئے ہیں یا منہزم ہوتے ہیں ۔

(۵) مصنف کا اسلوب بیان بہت واضح ہے اس نے جنگوں کے جو واقعات بیان کئے ہیں ان کے نقشے صریحاً آنکھوں کے سامنے جلوہ گر نظر آتے ہیں ۔ اس کی تحریروں سے اس زمانے کے دستور و آداب جنگ سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے ۔

(۶) مصنف نے بعض جگہ بڑی جاذب کہانیاں داخل کتاب کی ہیں ۔ ڈرامائی اسلوب بیان نے ان کو اور دلکش بنا دیا ہے مثلاً ۱۹۲ سے ۲۳۱ تک شبستان دروہر رائے کا ذکر ہے اس کی بہن جیسیہ اس پر عاشق ہو جاتی ہے اور رات تنہائی میں اس کے پاس جاتی ہے لیکن وہ اس کے مطالبے کو رد کر دیتا ہے ۔ مصنف نے اس انداز سے اس قصے کو بیان کیا ہے جیسے اس کا چشم دید واقعہ ہو ۔

(۷) مصنف نے بعض جگہ امثال و حکم بیان کئے ہیں اور سلاطین و وزراء کے لئے نہایت مفید نصیحتیں لکھی ہیں ۔

(۸) جہاں تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ کہانیاں بیان ہوئی ہیں وہاں اس زمانے

کے بعض معاشرتی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے مثلاً یہ کہ سندھ کا راجہ داہر پگڑی باندھتا تھا۔ شاہی مُردوں کو چوب صندل میں جلاتے تھے۔ تعدد ازدواج کا رواج تھا۔ بیوہ سے بھی شادی ہو سکتی تھی۔ از روئے مصلحت بہن کو بھی حبالۂ عقد میں لایا جا سکتا تھا منجموں سے مشورہ ضروری تھا انہی کے حکم سے راجہ داہر نے بہن سے شادی کی۔ بعض مقامات سے ان کے رسوم و رواج اور عبادت گاہوں اور مراسم مذہب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

(۹) کتاب کے ماخذ مصنفان احادیث اور مؤلفان تاریخ ہیں جیسا کہ مؤلف نے جا بجا خود بیان کیا ہے لیکن خبروں کے اصل ماخذ رواۃ ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے سے سن کر بیان کرتے ہیں مثلاً مصنف لکھتا ہے (ص ۸۰) مورخوں نے مہلب سے سنا اس نے حذلی سے، حذلی نے قاسم سے۔ اور اس نے کہا کہ میں نے نصر بن سفیان سے سنا۔ ان روایات کی رو سے یہاں تک معلوم ہے کہ محمد بن قاسم نے جب فلاں میدان جنگ میں لشکر آراستہ کیا تو میمنہ و میسرہ پر کون کونسے اشخاص تھے اور قلب ہراول میں کون کون تھے۔ ابوالحسن مدائنی سے اکثر باتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان راویوں میں سے ایک رام سیر برہمن بھی ہے جس نے داہر کے خلاف جنگ کے بارے میں بعض معلومات مہیا کی ہیں۔

تنقید (۱) ہچ ج برہمن تھا۔ بت پرست تھا۔ اس نے فتح ملتان کے موقع پر بُت کے سامنے سجدہ بھی کیا لیکن مصنف نے اس کی زبان میں ایسے کلمات رکھے ہیں جو ایک موحد کی زبان سے ہی نکل سکتے ہیں۔ مثلاً

"خدائے واحد بے مثال اور پروردگار عالم نے ملک عطا کیا۔ ہم اس سے مدد مانگتے ہیں۔ دوسرے سے امید نہیں رکھتے اور نہ اعانت چاہتے ہیں وہی میری مشکلات کا حل کرنے والا اور وہی فتح بخشنے والا ہے"!

(۲) مصنف نے کہیں کہیں اسلامی شوکت اور کرامات کا ذکر بھی کیا ہے (ص ۷۷)
کیکانان کی لڑائی میں مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے اس جوش سے لگائے کہ کافر خوفزدہ ہوئے بعض نے اسلام قبول کیا اور بعض شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ آج تک "موسم حرب" میں پہاڑوں سے صدائے تکبیر سنائی دیتی ہے۔

(۳) ص ۸۲ - بیان کیا ہے کہ سلمہ کو جب اولاد کی امید ہوئی تو رسولِ خدا نے فرمایا - اَبْشِر بِابْنِكَ پھر انہوں نے بچے کا نام "سنان" رکھا۔ اس قسم کی حدیثیں وضعی ہیں۔ لوگ اپنے خاص اشخاص کا احترام بڑھانے کے لئے اس کے متعلق باتیں پیغمبر خدا سے منسوب کر دیا کرتے تھے۔ خدا نے اپنے نبی کو اس قسم کی پیشگوئیاں کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ خدا نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ خدا کے سوا اس بات کا کسی کو علم نہیں کہ "ارحام" میں کیا پنہاں ہے۔ (۳۱/۳۴) سنان کا نام بھی اسلامی معلوم نہیں۔

(۴) مصنف نے بعض ایسی جزئی باتیں بھی تحریر کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات اکٹھی کرنے میں اس نے کتنی محنت کی ہے۔ مثلاً دریائے مہران سے عبور کے موقع پر جب لشکر عرب کے ہاتھوں داہر کی فوج کو شکست ہوئی تو ایک مصاحب داہر کو اس کی خوابگاہ میں اس شکست کی اطلاع دینے گیا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ داہر نے کہا "تم نے بری خبر سنائی"۔ پھر اس کو اپنے پاس بلایا اور غصے سے اس کی پشت پر ہاتھ مارا۔ داہر کا ہاتھ بھاری تھا۔ وہ شخص اس چوٹ سے مر گیا۔" اس قسم کی اطلاع مصنف کو کس ذریعے سے حاصل ہوئی اس کا حال خدا جانے۔

(۵) محمد بن قاسم کا انجام۔ مصنف نے بیان کیا ہے کہ داہر کی دو بیٹیاں گرفتار ہو کر ولید بن عبدالملک امیر المومنین کے پاس پہنچیں۔ ان میں سے بڑی کو ولید نے اپنے حرم کے لئے انتخاب کر لیا۔ جب وہ خلوت میں اس کے قریب ہونے لگا تو لڑکی نے کہا۔ یہ مستعمل کنیز آپ کے لائق نہیں ہے۔ محمد بن قاسم اس کو اپنے تصرف میں

لاچکا ہے۔ ولید کو غصہ آیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ محمد کو چمڑے سے باندھ کر صندوق میں بند کر کے بھجوا دو۔ محمد بن قاسم نے ولید کے فرمان کی بجاآوری کی۔ جب صندوق کھولا گیا تو اسے مردہ پایا گیا۔ بعد میں لڑکی نے ولید سے کہا۔ محمد بن قاسم پاک اور بے گناہ تھا۔ میں نے انتقام کی غرض سے ایسا کیا تھا کیونکہ اس نے ہمارے اعزاء و اقربا کو قتل کیا اور ہماری سلطنت کو تہ و بالا کیا۔ لیکن اس واقعہ سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ نہ تم دور اندیش ہو نہ محمد بن قاسم۔ اس لئے کہ تم نے بغیر تحقیق ایک شہوانی جذبے کے تحت ایسے شخص کو سزا کا حکم دے دیا جس نے دلیری اور جانبازی سے سندھ کو فتح کر کے عرب کی حکومت قائم کی۔ اور محمد بن قاسم اس لئے کہ اس نے اپنی بے گناہی کا ثبوت دیئے بغیر خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ جب ولید کو اس حقیقت کا انکشاف ہوا تو اس نے لڑکی کو مروا ڈالا۔" مصنف کا یہ مذکورہ بیان حقیقت پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ عربوں کی شہوت پرستی اور مغلوب الغضبی اور عاقبت نااندیشی کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے یہ قصہ گھڑا گیا ہے۔ بلاذری نے محمد بن قاسم کی موت کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے "ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک فرمانروا ہوا۔ سلیمان نے صالح بن عبدالرحمان کو عامل خراج بنایا اور یزید بن ابی کبشہ السکسکی کو سندھ کا والی مقرر کیا۔ یزید نے محمد بن قاسم اور معاویہ بن مہلب کو قید کیا اور صالح کے پاس بھیجدیا۔ صالح نے اس کو واسط میں قید کیا۔ صالح کا بھائی آدم خارجی تھا۔ حجاج نے اس کو قتل کیا تھا۔ اس عداوت کی بنا پر حجاج کے عم زاد اور داماد کو بھی سزا دی۔ محمد کو آل ابی عقیل کے حوالے کیا۔ انہوں نے بڑی تکلیفیں دیں۔ مارا پیٹا یہاں تک کہ اس کی جان گئی۔ (فتوح البلدان از احمد بن یحیٰی بن جابر البلاذری جزو دوم۔ ص ۱۹۲ - ۱۹۳۔ مترجم ابوالخیر مودودی ۱۹۴۰ حیدرآباد۔

اسلوب بیان

مترجم نے دیباچے میں اور انتساب کی تحریر میں شاعرانہ اسلوب اختیار کیا ہے اور بھاری بھرکم الفاظ لانے کی کوشش کی ہے۔ ایک آدھ جگہ مرصع و مقفی عبارتیں بھی لائے ہیں۔ مثلاً

آفریدگاری کہ شمس وہاج را   روز جمال صنع او آراست

پروردگاری کہ شب داج را   جلال قدرت او پیراست

اگرچہ یہ کتاب عربی تاریخ کا ترجمہ ہے لیکن قطعاً لفظی ترجمہ نہیں۔ مترجم نے جگہ جگہ مناسب فارسی اشعار اور رباعیات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ تشابیہ و استعارات بھی ایرانی الاصل ہیں۔ اسلوب بیان صریح اور واضح ہے۔ مفہوم میں ابہام نہیں۔ عربی الفاظ کا استعمال تو کثرت سے ہے لیکن مترجم کا اپنا انداز تحریر بھی صاف ظاہر ہے۔ اس کے انداز میں واقعیت اور تصویریت عیاں ہے۔ عبارتیں مغلق نہیں ہیں۔ البتہ مترجم نے الفاظ کو ایسے معنوں میں استعمال کیا ہے جو عام مروّج معنوں میں استعمال نہیں ہوتے۔ اس لئے مفہوم سمجھنے کے لئے ان کے اصل معنی جاننا ضروری ہے۔ افادے کی غرض سے ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں:۔

ص ۲۰ ۔ زن چون استبداد کردی۔ رای از انصاف او تجاوز نمودی و مکر او می خرید۔ انصاف فیصلہ کے معنوں میں اور مکر ناز و ادا کے معنوں میں۔

تقریر کرد = بیان کیا۔ باتو مصلحت دارد = تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہے (ص ۲۴)

از غصہ آن خواب نمی شدی = غصہ یعنی خوف۔ ضیاع او مضبوط کن = ضبط کر

این سلطنت بر راس ہیچ مستقیم شدہ = قائم۔

این مقالہ از وزیر استماع کرد ۔ مقالہ یعنی بیان گفتگو۔ بات وغیرہ۔

حصار کرد = قلعہ نشین ہوا (ص ۳۴)

قہر کرد = فتح کیا (ص ۳۸)

ترا متقلد عملی کنم :

آنرا باید عمارت کردہ شود ۔ تعمیر کی جائے ۔ مرمت کی جائے ۔ (ص ۴۷)

روشن کردن حد مکران : تعین

یوشاق منجم وصول کرد : پہنچا (ص ۵۵) ہزیمت شدند : شکست کھا گئے ۔

اجازت کرد ، راہہا را احتیاط کنند ۔ این بالفاق وصیت انہیاد ند

نصیحت ، مشورہ

ص ۲۰۹ ۔ مترجم نے لکھا ہے ۔ گزید و جزیہ قبول کنند ، گزید یا گزیت اور جزیہ ۔ دو چیزیں نہیں ۔ گزید ، جزیہ کا مفرس ہے ۔ مترجم کو یہاں اشتباہ ہوا ہے ۔

ص ۲۱۴ ۔ مترجم نے بیان کیا ہے ۔ یہود و ترسا و مغ (و نصرانی) و مجوس عراق و شام ۔

مترجم نے مغ اور مجوس کو الگ الگ لفظ سمجھ کر جداگانہ استعمال کیا ہے حالانکہ مجوس مغ کا ہی مفرس ہے اور یونانی Magi سے ماخوذ ہے ۔ مرتب نے خطوط وحدانی میں نصرانی کا لفظ بڑھایا ہے حالانکہ ترسا اور نصرانی ہم معنی الفاظ ہیں ۔

کتاب میں کہیں کہیں ہندی کے الفاظ بھی مستعمل ہیں ۔ مثلاً برسکال : برشکال برسات ۔

کنارہ ۔ کٹارہ ، چنڈالان گاو خوار و چنڈال ، وغیرہ

مطبوعہ نسخہ فتحنامہ سندھ یا چچنامہ ۔ عمر بن داؤد پوتہ نے بڑی محنت اور کوشش سے پرانے نسخوں سے تصحیح و مقابلہ کے بعد شائع کیا ہے لیکن قدیم کتاب ہونے کی وجہ سے اس کے بعض مقامات کی تصریح نہیں ہو سکی ۔ تعلیقات میں اضافہ کی مزید ضرورت ہے ۔ شہروں اور

جگہوں کا بھی پورے طور پر تعین نہیں کیا یا نہیں ہو سکا۔

مترجم اور شاعر بھی

چچ نامہ کے مترجم علی کوفی شاعر بھی تھے اور شاید سندھ میں پہلے آدمی ہوں جن کا تذکرہ ہم تک پہنچا ہے۔ دیباچہ میں اس نے ناصرالدین قباچہ کی مدح میں قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ وہی محفوظ رہ گئے ہیں ان کو تبرکاً محفوظ کر لینا چاہیے۔

خسروا ملک بر تو خرم باد	کل گیتی ترا مسلم باد
از تو آباد ظلم ویران شد	بتو بنیاد عدل محکم باد
خطبہ تعظیم یافت از نامت	ہمچنین سال و مہ معظم باد
وآنچہ در ملک جم نبود ترا	ہمہ زیر نگیں مختتم باد
چتر میمون و ہمت عالیت	سایہ دار سپہر اعظم باد
ہر دل کز تو حال عصیان است	ہمہ کارش چو زلف درہم باد
تا کم و بیش در شمار آید	دوستت بیش و دشمنت کم باد

بہمینت چو ملک داد یسار
دو یسار تو خاتم جسم باد

محمد عوفی[1]

احوال محمد عوفی کے والد کا نام بھی محمد ہے۔ کچھ اوپر کی پشتوں تک شجرۂ نسب یوں ہے۔ محمد بن محمد بن یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی۔ عوفی کے دادا ابو طاہر یحییٰ ماوراء النہر کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ماموں مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی بلند پایہ طبیب اور خان سلطان قلیج طمغاج ابراہیم حاکم ماوراء النہر کے مصاحب خاص تھے۔ عوفی کا لقب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے منسوب ہے جو رسولِ خدا کے صحابی تھے۔ لقب کے بارے میں اختلاف ہے۔ مرزا محمد قزوینی نے تاریخ گزیدہ مؤلفہ ۷۳۰ھ کے حوالے سے نور الدین کو ہی درست تسلیم کیا ہے لیکن ڈاکٹر نظام الدین کی تحقیق کے مطابق عوفی کا لقب سدید الدین ہے جس کے متعلق انہوں نے مندرجہ ذیل شہادتیں پیش کی ہیں۔

۱۔ محمد عوفی کے معاصر محمد بن عمر بن محمد سمرقندی نے عوفی کو قاضی امام اعز اخص امجد اشرف سدید الملک والدین ظہیر الاسلام والمسلمین، منشی النظم والنثر ملک الکلام افضل العالم محمد العوفی لکھا ہے۔ یہ صاحب عوفی کے فارسی ترجمہ "الفرج بعد الشدۃ" کے کاتب ہیں۔

---

[1] لباب الالباب ج ۱ مرتبہ ای۔ جی براؤن۔ لیدن ۱۹۰۲۔ ج ۲ مع حواشی و تعلیقات از محمد بن عبد الوہاب قزوینی ۱۹۰۶۔ لباب الالباب مرتبہ سعید نفیسی تہران ۱۳۳۵ ش۔ جوامع الحکایات ولوامع الروایات مترجمہ اختر شیرانی دہلی ۱۹۴۳۔ تاریخ ادبیات در ایران۔ ذبیح اللہ صفا۔ ج ۲ تہران

Introduction to the Jawami-ul-Hikayat wa Lawami-ur Riwayat of Muhammad Aufi by M. Nizamuddin London, 1929

۲۔ عوفی کے ایک اور معاصر مہذب الدین منصور بن علی الاسفزاری ہیں۔ عوفی نے لباب الالباب ج ۲ ص ۱۵۹ (مرتبہ براؤن) میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے ایک عربی قصیدہ میرے پاس بھیجا جس کا مطلع یہ ہے:۔

ما ابصرت ایام عمری طرفی فرما کریما کالسدید العوفی

اس شعر میں بھی اس نے عوفی کو سدید لکھا ہے۔

۳۔ جوامع الحکایات کے قدیم ترین نسخے (۷۱۰ھ) کے اختتام پر مولف نے خود اپنے آپ کو سدید عوفی لکھا ہے۔

۴۔ ۷۴۲ھ میں تجارب السلف کے نام سے کتاب الفخری کا ترجمہ ہوا۔ اس میں بھی عوفی کو امام سدید الدین لکھا ہے۔ اختر شیرانی نے ان شہادتوں پر ایک اور شہادت کا اضافہ کیا ہے۔ مولانا فخر الدین مبارک شاہ علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ - ۷۲۵ھ) کے مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے اپنے فرہنگ نامے میں عوفی کا شعر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا سدید عوفی گوید، سعید نفیسی صاحب اس تحقیق سے آشنا نہیں ہو سکے۔ چنانچہ انہوں نے محمد قزوینی کے بیان کی تردید تو کر دی کہ عوفی کا لقب نور الدین نہیں لیکن ان کی نظر ایک اور شعر پر پڑ گئی جس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عوفی کا لقب جمال الدین تھا عوفی نے سعد الدین مسعود دولتیار کا حال لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ (ص ۵۱۸ - ۵۱۹ لباب الالباب مرتبہ سعید نفیسی) اورا اشعار لطیف و خوبست، وقتی نزدیک این داعی قطعہ ای فرستاد، اس قطعے کا چوتھا شعر یوں ہے:

کہ دست فرقت تو، ای جمال دولت و دین مرا بہمہ مژہ ای در ناب می بندہ

یہ صحیح ہے کہ مسعود نے اس کو جمال الدین کہا ہے لیکن یہ محض احتراماً کہا ہے۔ سدید الدین مستقلاً ان کے نام سے پیوستہ رہا ہے اور عوفی نے خود بھی اسی کو اپنایا ہے۔

عوفی بخارا میں پیدا ہوئے اور یہیں اپنی ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی۔ انہوں نے اپنے بزرگ استادوں میں سے رکن الدین مسعود امام زادہ۔ برہان الاسلام تاج الملۃ والدین عمر بن مسعود اور مولانا قطب الدین سرخسی کے نام لئے ہیں۔ بخارا میں تعلیم سے فراغت کے بعد عوفی نے ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف شہروں اور بستیوں میں سفر کیا علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔ ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ شعراء سے ان کا کلام سنا۔ سمرقند میں محمد بن ابی بکر النسفی اور خوارزم میں شیخ الاسلام عمادی سے روایت حدیث کی اجازت بھی حاصل کی۔ اپنی علمی فضیلت کی بنا پر ہی امراء و ملوک کے درباروں میں رسائی بھی ہوتی رہی اور قدردانی بھی۔ ۵۹۷ھ میں سمرقند میں تھے اور شہزادہ قلیج ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان بن ابراہیم کے دربار سے وابستہ تھے۔ چنانچہ لباب الالباب میں اس وقت کے دو واقعات کا ذکر کیا ہے۔ سلطان طمغاج خان ابراہیم ابھی زندہ تھا۔ شہزادہ عثمان اس وقت چودہ پندرہ سال کا ہوگا۔ ایک دن دو فضلاء کے معاملے میں گفتگو ہوئی کہ ان میں سے کونسا فاضل ہے۔ اس کے استاد بہاء الدین امیر عمید نے کہا فلاں کو فلاں سے کیا نسبت اور یہ مثل کہی لا یقاس الملائکۃ بالحدادین بادشاہ نے پوچھا۔ فرشتوں کو لوہاروں سے کیا نسبت۔ اس مجلس میں اس کا صحیح جواب کوئی نہ دے سکا۔ عوفی نے اجازت لے کر اس مثل کی حقیقت واضح کی اور بتایا کہ یہ حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے۔ جب دوزخ کے بارے میں یہ آیت پڑھی گئی .... کہ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ عليها تسعة عشر یعنی آگ چمڑے کو جھلس دینے والی ہے اس پر انیس فرشتے ہیں۔ ابوالبشر عرب کا ایک گستاخ مشرک تھا۔ اس نے یہ آیت سنکر کہا انا اکفیکم ثمانية عشر فاکفونی کلکم واحداً یعنی اٹھارہ کے لئے تو میں کافی ہوں اور تم سب ایک کے لئے کفایت کرو۔ حضرت ابوبکرؓ نے سن کر کہا لا یقاس الملائکۃ بالحدادین یعنی معصوم فرشتوں کو یہاں کے

دربانوں سے کیا نسبت ہوسکتی ہے۔ حد کے معنی منع کرنے کے ہوتے ہیں۔ حدّاد یعنی بوّاب جو گھر میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ یہ تشریح سن کر بادشاہ خوش ہوا اور عوفی کو الطاف شاہانہ سے نوازا۔ ایک دن جمال الدین رشید دبیر خاص نے بادشاہ کی طرف سے اس کے بہنوئی ڈیج تگین کو خط لکھا۔ اس میں ایک جملہ یوں لکھا:۔۔۔۔۔ "خواہر داند کہ تگین کہ بعز قرابت مخصوص است" بادشاہ پڑھ کر ناراض ہوا اور کہا۔ جاؤ اس کو دوبارہ لکھو۔ تمہیں اتنا معلوم نہیں کہ "شوہر خواہر قرابت نبود" اور اس نے چاہا کہ اس کو پھاڑ ڈالے۔ عوفی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں ایک نگاہ کر لوں۔ میں نے چھری لی اور قرابت کا الف اڑا دیا۔ بادشاہ خوش ہوا اور دیوان انشاء کا کام میرے سپرد کیا۔ کچھ مدّت کے بعد عوفی وہاں سے الگ ہو گئے۔ اس کے مختلف بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۶۰۷ تک خوارزم۔ ہرات، نیشاپور اور سجستان میں سیر و سیاحت میں مشغول رہا اور مساجد میں خطبے پڑھتے رہے اور وعظ و نصیحت بھی کرتے رہے۔ یورش تاتار سے خوفزدہ ہو کر وہ ہندوستان کی طرف چلے آئے۔ لاہور میں بھی وہ کچھ عرصہ کے لئے ٹھہرے ۶۱۷ھ سے پہلے وہ سندھ میں ناصر الدین قباچہ (۶۰۲ - ۶۲۵ھ) کے دربار سے متوسل ہو چکے تھے۔ ۶۲۰ میں وہ نہر والہ (گجرات) میں قاضی مقرر ہوئے ۶۲۵ تک وہ اچھ میں مقیم تھے۔ اسی سال سلطان شمس الدین التمش نے لشکر کشی کی اور ناصر الدین قباچہ قلعہ بھکر میں منتقل ہو گیا۔ جب یہ قلعہ فتح ہوا تو قباچہ دریائے سندھ میں کود کر مر گیا۔ محصورین میں عوفی بھی تھے چنانچہ وہ بھی دلی چلے گئے ۶۳۰ تک وہیں مقیم تھے کیونکہ جوامع الحکایات کا سال اختتام یہی ہے۔ اس کے بعد ان کا کچھ حال معلوم نہیں۔

تالیفات

(۱) لباب الالباب۔ یہ کتاب ۶۱۸ھ میں تالیف ہوئی۔ مؤلف اس

وقت اُچ (سندھ) میں مقیم تھے۔ چنانچہ یہ کتاب ناصرالدین قباچہ کے وزیر عین الملک فخرالدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری سے منسوب کی ہے۔

یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ شروع میں دیباچہ ہے پہلے چار باب تو گویا دو دو تین تین صفحوں کے نوٹ ہیں۔ پہلا باب در فضیلت شعر و شاعری۔ دوسرے میں شعر کے لغوی معنی سے بحث کی ہے۔ تیسرے میں بتایا ہے کہ سب سے پہلے شعر کس نے کہا اور چوتھے میں یہ بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے فارسی شعر کس نے کہا۔ اس کے بعد اصل کتاب شروع ہو جاتی ہے۔ ان سلاطین۔ امراء۔ صدور وزراء اور علماء و فضلاء کا ذکر ہے۔ جنہوں نے تفریحاً شعر کہے ہیں۔ آٹھویں باب سے ان علماء شعراء کا بیان ہے جو ایران میں مختلف درباروں سے وابستہ رہے۔ آل طاہر سے لے کر مؤلف کے اپنے زمانے تک اور آخر میں ان علماء فضلا و شعراء کا ذکر ہے جو ناصرالدین قباچہ کے دربار سے متعلق ہیں۔

مصنف نے بتایا ہے کہ فارسی میں سب سے پہلا شعر بہرام گور کی زبان سے نکلا اور وہ یہ ہے۔

منم آں شیر گلہ، منم آں پیل یلہ نام من بہرام گور، کنیتم بو جبلہ

اس کے بعد لکھا ہے کہ بعد از اسلام عباس مروزی نے ۱۹۳ھ میں مامون الرشید کے لئے قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:

ای رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین

یہ بات ظاہر ہے کہ بہرام گور کے زمانے میں زبان پہلوی تھی۔ اس لئے بہرام گور اس قسم کی زبان میں شعر نہیں کہہ سکتا اور نہ دوسرا شعر عباس مروزی کا ہو سکتا ہے کیونکہ اس ابتدائی دور میں نہ تو زبان ہی اس قدر عربی آمیز تھی اور نہ اس زمانے میں ایسی بحر کا رواج تھا۔ جس میں یہ شعر لکھا گیا ہے اس لئے یہ فارسی کا قدیم ترین شعر نہیں ہو سکتا۔ محمد قزوینی نے اس بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔[1]

---

[1] بیست مقالہ قزوینی ج ۱ ص ۲۶ - ۲۹، بمبئی ۱۹۲۸ء

کہنے کو تو لباب الالباب تذکرۃ الشعراء ہے لیکن صحیح معنوں میں تذکرہ نہیں جس میں پہلے ہر شاعر کے بارے میں احوال زندگی درج ہوں۔ بعد میں اس کے اشعار کا انتخاب ہو۔ لباب الالباب میں کہیں کہیں امراء و علماء اور شعراء کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ لیکن ترتیب سے اطلاعات فراہم کرنے کا التزام نہیں کیا گیا۔ تاریخ ولادت اور تاریخ وفات بتانے سے بھی کوئی سروکار نہیں رکھا۔ بعض کے القاب اور کنیتیں بھی معلوم نہیں ہو سکیں۔ مؤلف نے اس کو مجموعہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اصل میں اس کو طبقات شعرائے عجم کہنا موزوں ہے کیونکہ جب عوفی نے اس کو مرتب کرنا شروع کیا تو اس کی نظر میں طبقات شعرائے عرب کے بارے میں چند تالیفات سامنے تھیں جیسا کہ انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔ مثلاً

طبقات ابن سلام، طبقات ابن قتیبہ، طبقات ابن المعتز۔ یتیمۃ الدہر، دمیۃ القصر اور زینۃ الزمان از شمس الدین محمود اندخودی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے پیشتر شعرائے عجم کے بارے میں کوئی تالیف نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوطاہر خاتونی کی مناقب الشعراء سے آشنا نہیں تھے۔ ابوطاہر عہد سلجوقیہ کے مشہور صدر اور فاضل شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے ۵۲۲ھ سے پہلے وفات پائی ہو گی۔ اس کتاب کے متعلق تذکرۃ الشعراء دولت شاہ سمرقندی میں حوالہ آتا ہے۔ نام سے معلوم ہوتا ہے اس میں مختلف شعراء کے بارے میں تعریفی کلمات ہوں گے اور ان کے اشعار کا انتخاب بھی ہوگا۔ لیکن شاید تاریخی ترتیب سے ان کے حالات درج نہ ہوں اور نہ ان کے اشعار پر تبصرہ ہو۔ چہار مقالہ مؤلفہ ۵۵۰ھ بھی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ایک مقالہ شعر و شاعری پر ہے اور حکایات کے ضمن میں شعراء کے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں۔ اس مقالہ کے شروع میں مختلف شاہی درباروں سے متوسل نامور شعراء کے نام درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عوفی اس کتاب سے بھی آشنا نہیں تھے۔ اگر واقف

بھی تھے تو انہوں نے اپنی کتاب میں ان شعراء کا ذکر نہیں کیا جو صاحب چہار مقالہ نے
درج کئے ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل وہ شعراء ہیں جن کا ذکر لباب الالباب میں نہیں حالانکہ
وہ اپنے وقت کے مشہور شاعر ہوں گے۔ طحاوی، قصار، راشدی، مظفری،
خلف، نوبی، کلابی، نجار ساغرجی، علی بانیذی، علی سپہری، جوہری،
پسر درغوش، جوہری، سغدی، پسر تیشہ، بندار، فرخی گرگانی، جعفر ہمدانی،
درفیروز فخری، عمید کمالی، رافعی نشاپوری، کفائی، کوسہ فالی، پورکلہ، ابوالقاسم
رفیعی، ابوبکر جوہری، علی صوفی۔

لباب الالباب کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ یہ قدیم ترین کتاب ہے جس میں ٦٠٠ ہجری سے پہلے کے شعراء اور ان کے کلام سے ہم آشنا ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی موجودگی اس لئے بھی غنیمت ہے کہ اس کے خطی نسخے بہت کمیاب ہیں۔ یورپ میں اس کے صرف دو نسخے تھے جن کی مدد سے یہ کتاب مرتب و تصحیح ہو سکی۔ ایران میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں، ہندوستان میں اگر کوئی نسخہ موجود ہے تو وہ بھی کامل اور صحیح صورت میں موجود نہیں۔ مصنفؒ نے بعض ایسے شعراء کا ذکر کیا ہے جن کے دیوان ابھی مرتب ہو کر شائع نہیں ہوئے تھے اور وہ یورش تاتار سے خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے اور صرف عوفی ان سے ملاقات کر کے ان کے اشعار محفوظ کر سکے۔ اب اسی کتاب کی برکت سے ان کا نام زندہ ہے۔ ہم ان کے اشعار کے مطالعہ سے حملہ مغول کے وقت شعر و شاعری کے بارے میں کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسلوب بیان

لباب کا اسلوب متکلف اور متصنع ہے۔ تشبیہ و استعارات کا جا بجا استعمال ہے۔ تجانیس اور مراعات لفظی عام ہیں۔ کہیں کہیں مسجع اور مقفی جملے لانے کی بھی کوشش کی ہے۔ عربی کے نامانوس الفاظ بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔

ایسی پر تکلف عبارات سے معانی کو نقصان پہنچا ہے۔ عبارت سے شاعر کی شخصیت یا اس کے کلام کی خصوصیات واضح نہیں ہوتیں۔ کچھ مثالیں دیکھئے۔

۱۔ صاحب تحسین و بلاغت و والی عزّد براعت، نور حدیقۂ کفایت و نور حدقۂ درایت۔

۲۔ بساحری در شاعری مشہور و در صیاغت زر سخن چون سامری مذکور۔

۳۔ آسایشہا دیدہ و شآل افضال و قبول از آن مہب اقبال بر نہال احوال او وزیدہ۔

۴۔ بآداب و فضایل قدوۂ سحبان وائل۔

اس کتاب کی عبارات میں کوئی ایسی صرفی و نحوی خصوصیات نہیں جن کا ذکر کیا جائے البتہ ایک ممیز بات یہ کھٹکتی ہے کہ دو عطفی جملوں میں اگر پہلے جملے کا فاعل متکلم یا مخاطب ہے تو دوسرے جملے میں اس کے لئے غائب کا صیغہ لایا گیا ہے۔

مثلاً ۔ سبزۂ بر چشمۂ یاقوت بست و دیدم و گفت یعنی گفتم

دادی بوصل وعدہ و آنگہ بطنز گفت یعنی گفتی

مطبوعہ نسخے

پروفیسر ایڈورڈ براؤن نے ۱۹۰۳ء میں لباب الالباب کا دوسرا حصّہ تصحیح کر کے شائع کیا اور پہلا حصہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مقابلہ و تصحیح اور حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے ۱۹۰۶ء میں شائع کیا۔

۱۳۳۵-۶ ش میں سعید نفیسی نے ان دونوں حصوں کو ایک جلد میں شائع کیا۔ اور مزید حواشی و تعلیقات کا اضافہ کیا خصوصاً دوسرے حصے پر نئے تعلیقات لکھے۔ محمد قزوینی کی بعض غلطیوں کی طرف توجہ دلائی اور کہیں کہیں متن میں بھی اصلاحات کیں۔

۲۔ جوامع الحکایات و لوامع الروایات

عوفی نے یہ کتاب ناصر الدین قباچہ کی فرمائش پر ہی مرتب کرنا شروع کی تھی لیکن جب اس کی سلطنت کا زوال ہوا تو انہوں نے اس کو مکمل کر کے شمس الدین التتمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی کے نام سے منسوب کیا۔ یہ کتاب ۶۲۵ھ کے قریب تالیف ہوئی۔

مطالب

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ مختلف حکایات و روایات کا مجموعہ ہے۔ فارسی ادبیات میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے جو اس جامعیت سے مرتب ہوئی۔ یہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں معرفت آفریدگار، ذکر انبیاء و اولیاء اور تواریخ ملوک۔ دوسرے حصے میں پسندیدہ اخلاق، تیسرے میں مذموم اخلاق اور چوتھے میں عالم خشکی و تری اور حیوانی طبائع کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ ہر حصے میں پچیس پچیس ابواب ہیں۔ حکایات کی کل تعداد ۲۱۱۳ ہے۔ ان کہانیوں میں کوئی تاریخی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جن خلفاؤ امراء اور سلاطین کے متعلق واقعات کا ذکر ہے۔ ان کے ساتھ مصنفین کا بہت کم ذکر ہے۔ ورنہ تاریخی اعتبار سے بھی اس کی بہت اہمیت ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود بعض شخصیتوں کے بارے میں بڑی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر نظام الدین نے کتاب کے تمام مشمولات کا مطالعہ کر کے اس کو نئی ترتیب سے تقسیم کیا ہے۔ اگر کتاب کو اس ترتیب سے شائع کیا جائے تو مطالب کی تلاش میں آسانی ہو اور کتاب ماخذ کے طور پر بھی سہولت سے استعمال ہو سکے۔ انہوں نے پہلے نیم تاریخی واقعات، پھر تاریخی واقعات اسلام سے پہلے، اس کے بعد اسلامی تاریخ کے ابواب ترتیب دیے ہیں جن میں ان حکایات کو شامل کیا ہے ... جو علی الترتیب خلفاء راشدہ، امیہ اور عباسی اور ضمناً برمکیوں کے متعلق ہیں اس کے بعد

طاہری، صفاری، سامانی، زیاری، ایلک خانی، آل بویہ، غزنوی، سلجوقی اتابک، خوارزمشاہی، غوری، سلاطین دہلی کا ذکر آجاتا ہے۔ اس کے بعد مختلف عنوانات کے تحت شخصیتوں کا بیان ہے مثلاً اولیاء، قضاۃ، علماء، وزراء، دبیر، اطباء، شعراء، منجم، حکماء اور خواتین۔ آخر میں اخلاق کے علاوہ دو باب عجائبات عالم۔ قدرتی اشیاء کی خصوصیات پر مشتمل ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اس میں جن کتابوں سے مطالب اخذ کئے گئے ہیں وہ آج کم یاب ہیں یا بالکل معدوم ہیں اور صرف یہی ایک کتاب ہے۔ جن میں ان کا ذکر موجود ہے۔ مولف نے خود ۹۴ کتابوں کا ذکر کیا ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اور ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے سینتیس[۳۷] کے بارے میں تعارف کرایا ہے۔ تینتالیس[۴۳] ایسی ہیں جن کے وجود کا نشان ملتا ہے لیکن پندرہ ایسی ہیں جو بالکل معدوم ہیں یا کسی ذرائع سے ہم تک ان کی اطلاع نہیں پہنچی۔ مثلاً مندرجہ ذیل کتابیں، لطایف الا اشارات۔ مجمع الامثال۔ لطایف قصص الانبیاء۔ کتاب جاما از حکماء ہند، روضۃ العلما۔ سیر الملوک از شعبی، تاریخ سکندر رومی۔ تاریخ بنی مروان، تاریخ خوارزمیاں وغیرہ۔

کہانیوں کے لحاظ سے تو یہ کتاب دلچسپ ہے۔ اپنے اسلوب و انداز بیان کے نقطۂ نظر سے بھی خاص مقام رکھتی ہے۔ عوفی نے لباب الالباب میں شاعرانہ پر تکلف اسلوب بیان اختیار کیا تھا۔ لیکن جوامع الحکایات میں اس کے برعکس سیدھا سادہ اور رواں انداز بیان ہے۔ متقدمین کی کتابوں میں سے کسی ایک کے طرز نگارش سے عوفی ضرور متاثر ہوئے ہیں کہ انہوں نے پہلا اسلوب چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لیا یا یہ بھی سبب ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع تاریخ اور حکایات تھا۔ اس لئے اس کا فائدہ عام کرنے کے لئے بھی ضروری سمجھا ہوگا کہ عبارت کو آراستہ پیراستہ نہ کیا جائے مثال کیلئے

ایک کہانی سے یہ چند جملے ملاحظہ کیجئے۔

"آوردہ اند کہ در آنوقت کہ یعقوب لیث ہنوز منتظم نشدہ بود جمی از عیاران بوی گرد آمدند۔ گفتند صلاح ما آن است کہ بسر راہی میرویم و کاروانی را بزنیم تا ما را استعدادی بدست آید پس بصحرا رفتند و خبر شنیدند کہ از جانب ملتان کاروانی میآید و مال بسیار دارد۔ یعقوب خواست ایشان را بزند اما بجست آنکہ یارانش اندک بودند و کاروان بسیار اندیشید کہ بحیلہ پیش کاروان باید رفت ـــ"

مطبوعہ نسخے

یہ کتاب ابھی تک کامل طور پر شائع نہیں ہوئی۔ محمد تقی بہار نے وزارت فرہنگ کے حکم سے تصحیح و مقابلہ کے بعد اس کو مرتب کیا تھا مگر اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی اور صرف دبیرستان کے لئے منتخب جوامع الحکایات شائع ہو سکی۔ سعید نفیسی صاحب نے بھی صرف ان حکایات کا ایک نسخہ مرتب کر رکھا ہے جو ایران کے متعلق ہیں وہ بھی نہیں چھپ سکا۔ سب سے کامل صحیح اور مستند وہی نسخہ ہوگا جو ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے مرتب کر رکھا ہے چونکہ وہ نسخہ بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کیا گیا ہے اس لئے چھپنے کے لئے بھی وقت اور زر کی ضرورت ہوگی لیکن ابھی تک کوئی شخص اس کو شائع کرنے کا کفیل نہیں ہو سکا۔ ۱۹۴۳ء میں انجمن ترقی اردو نے بعض حکایات کا ترجمہ دو جلدوں میں شائع کرایا تھا۔ اختر شیرانی اس کے مترجم تھے۔

۳۔ الفرج بعد الشدۃ

اس نام کی اصل کتاب عربی میں ہے جس کے مصنف

قاضی ابوعلی المحسّن بن ابی القاسم علی التنوخی ہیں (۳۲۷ - ۳۸۴ھ) المحسن تنوخی اپنے زمانے کے معتزلی محدث، شاعر اور فاضل قاضی شمار ہوتے تھے - الفرج الشدۃ حیرت انگیز تاریخی حکایات کا مجموعہ ہے جس میں زندگی کے مختلف لرزہ خیز واقعات و تجارب کا بیان ہے۔ تنوخی سے پہلے بھی اسی نام کی کتابیں موجود تھیں۔ مؤلف نے اپنے معاصرین کی تالیفات مثلاً کتاب الوزراء از ابوبکر الصولی اور کتاب الاغانی سے بھی استفادہ کیا ہے اور اپنے دور کی حکایات اکٹھی کرنے کے لئے ہر قسم کے اشخاص سے معلومات حاصل کی ہیں۔ اکثر کہانیاں بغداد، بصرہ، کوفہ، اہواز اور دوسرے متمدن شہروں سے متعلق ہیں۔ عوفی نے پہلے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ پھر اس کی اکثر حکایات کو جوامع الحکایات میں شامل کر لیا۔ یہ ترجمہ بھی امیر ناصر الدین قباچہ سے منسوب ہے۔

اس ترجمہ کے صرف انڈیا آفس لائبریری میں دو ناقص اور محرف نسخے موجود ہیں۔ ترجمہ صحیح ہے۔ کہیں کہیں اختصار سے کام لیا ہے لیکن اصل سے انحراف نہیں کیا ہے۔ انداز بیان سادہ اور سلیس ہے۔ اس کتاب کا ایک اور ترجمہ حسین بن اسعد الدہستانی نے کیا تھا اپنے کا خیال تھا کہ یہ قدیم ترجمہ ہے لیکن ڈاکٹر نظام نے ثابت کیا ہے کہ یہ ترجمہ عوفی کے بعد ۶۵۱ - ۶۶۸ھ کے درمیان مکمل ہوا۔

۴ - مدائح السلطان

یہ کتاب شاید قصاید کا مجموعہ ہو گی۔ عوفی نے جوامع الحکایات میں اس کے بارے میں خود لکھا ہے: "و دواعی دولت این معنی را در کتاب مدائح السلطان بلباس نظم پوشانیدہ است"

عوفی شاعر بھی تھے۔ جوامع الحکایات میں گاہ گاہے انہوں نے اپنے اشعار نقل کیے ہیں اور نظام الملک جنیدی کی مدح میں بھی ان کا ایک قطعہ موجود ہے۔

شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج[1]

حضرت شکر گنجؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ کے جو ملفوظات فوائدالسالکین کے نام سے مرتب کئے تھے ان کی تمہید میں اپنا نام فریدؒ[2] مسعود اجودھنی لکھا ہے۔ اصل میں مسعود ان کا نام ہے اور فریدالدین لقب اور شکر گنج کے نام سے عوام میں مشہور ہیں ۔ شکر گنج کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تین سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ میں ایک سخت مجاہدہ کا عزم کر رہا ہوں۔ فرمایا تین دن کا روزہ رکھو۔ تیسرے دن ایک شخص روٹی لایا۔ انہوں نے سمجھا کہ غیب سے رزق آیا ہے، روٹی کھالی۔ لیکن وہ ہضم نہ ہو سکی۔ قے ہوئی اور باہر نکل گئی۔ انہوں نے اپنے پیر سے اس کا ذکر کیا۔ مرشد نے فرمایا اچھا ہوا کہ وہ روٹی تمہارے پیٹ میں نہ رہی۔ وہ ایک شراب فروش کے گھر سے آئی تھی۔ انہوں نے فرمایا پھر سے تین دن کا روزہ رکھو۔ افطار کے وقت جو کچھ غیب سے پہنچے وہ کھا لینا۔ اتفاق سے افطار کے وقت کوئی غذا نہ پہنچی۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تو بھوک کا غلبہ ہوا اور جسم حرارت چھلکنے لگا۔ زمین کی طرف ہاتھ پھیلایا تو اس میں

---

[1] سیرالاولیاء: محمد مبارک معروف بامیر خورد مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، اخبارالاخیار۔ عبدالحق: راحت القلوب نظام الدین اولیاء؛ فوائدالسالکین۔ فریدالدینؒ؛ اسرارالاولیاء۔ بدر اسحاق کانپور، ۱۹۱۷ء؛ بزم صوفیہ صباح الدین عبدالرحمن اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء؛ فوائدالفواد دہلی ۱۸۶۵ء

[2] روایت ہے کہ انہوں نے شیخ فریدالدین عطار کی نسبت سے تبرکاً اپنے نام کے ساتھ فرید کا لقب اضافہ کیا۔

کچھ کنکریاں آئیں۔ اٹھا کر منہ میں ڈال لیں۔ وہ شکر بن گئیں۔ انہوں نے خیال کیا۔ یہ بھی کہیں کوئی فریب نہ ہو بشکر منہ سے باہر پھینک دی۔ آدھی رات گزر گئی اور ضعف غالب ہوا۔ پھر کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈالیں وہ بھی شکر بن گئیں۔ تین مرتبہ ایسا ہوا آخر جانا کہ یہ فضل خداوندی ہے۔ صبح ہوئی تو یہ واقعہ مرشد کو بتایا۔ انہوں نے فرمایا اچھا ہوا۔ یہ غیب سے افطار تھا " برو ہمچو شکر خواہی بود " اس دن سے ان کو شکر گنج کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ مشہور ہے کہ ایک سوداگر شکر لادے جارہا تھا شیخ فریدنے اس سے شکر مانگی۔ اس نے کہا یہ شکر نہیں نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ اچھا نمک ہوگا۔ سوداگر نے منزل پر پہنچکر جب بوریاں کھولیں تو سارا نمک تھا۔ وہ شخص پھر شیخ کے پاس آیا اور منت کی اور کہا کہ دعا کیجئے کہ نمک پھر شکر ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا۔ اچھا شکر ہو جائے تو نمک شکر بن گیا۔ یہ بات خوب مشہور ہوئی۔ خانخاناں بیرم خان نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے ؎

کان نمک، جہان شکر، شیخ بحر و بر   آن کز شکر نمک کند و از نمک شکر

رباعی

کان نمک، جہان شکر، شیخ فرید   کز گنج شکر کان نمک کرد پدید

در کان نمک کرد نظر گشت شکر   شیرین تر ازین کرامتی کس نشنید

تیسری وجہ سیر الاقطاب میں یوں بیان ہوئی ہے۔ ان کی امی ہر رات عشاء کی نماز کے بعد ان کے لئے شکر رکھتی تھی تاکہ ان کو بچپن سے ہی نماز کی عادت ہو جائے۔ ایک دن وہ شکر رکھنا بھول گئیں لیکن شیخ فرید نے حسب معمول عشاء کے بعد اپنی جگہ سے شکر اٹھا کر کھالی۔ جب ماں کو یاد آیا تو انہوں نے شیخ فریدؒ سے پوچھا کیا نماز نہیں پڑھی۔ انہوں نے کہا۔ نماز بھی پڑھی اور شکر بھی کھائی۔ ماں نے کہا بیٹا۔ اب میرا دل مطمئن ہو گیا ہے کہ پروردگار تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔

تجھے اس شکر کی طرح شیریں بنائے گا۔ اس وجہ سے وہ شکر گنج کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

شیخ فرید کے والد جمال الدین سلیمان، سلطان معز الدین سام غوری کے عہد سلطنت میں کابل سے لاہور آئے۔ کچھ عرصہ قصور میں ٹھہرے۔ پھر ملتان گئے۔ وہاں ملا وجیہہ الدین خجندی کی بیٹی قرسم خاتون سے شادی کی۔ ان سے تین بیٹے ہوئے۔ اعز الدین محمود۔ فرید الدین مسعود۔ نجیب الدین متوکل۔ ان کا نسب آٹھ واسطوں سے فرخ شاہ والی کابل تک اور تیئس واسطوں سے حضرت فاروق اعظم عمرؓ بن خطاب تک پہنچتا ہے۔ پورا نسب نامہ یوں ہے:۔

فرید بن جمال الدین سلیمان بن شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بہ فرخ شاہ بن نصیر الدین بن محمود المعروف بہ نشیمان شاہ بن سلمان شاہ بن سلیمان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ واعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن قطب العارفین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین فاروقؓ۔

نسب نامہ کی یہ ترتیب قابل اطمینان نہیں، شیخ فرید کا فاروقی ہونا بھی مشتبہ ہو جاتا ہے کیونکہ تمام رجال و اسناد کی کتابوں میں عبداللہ ابن عمرؓ کے کسی بیٹے کا نام ناصر نہیں۔ دوسرا سقم یہ ہے کہ ابراہیم بن ادھم عجلی النسب تھے ان کا اس سلسلے میں ذکر غلط ہے

شیخ فرید کھوتی والی یا کھوتووال میں پیدا ہوئے جسے آج کل مشائخ کی چاولی یا دیوان صاحب کہتے ہیں جو پاکپتن اور مہاراں شریف کے درمیان واقع ہے۔ منڈی بورے والہ سے کچی سڑک پر تین گھنٹے کا راستہ ہے۔ تاریخ ولادت یقینی نہیں سیر الاولیاء

اور اخبار الاخیار کے مطابق انہوں نے ۵ محرم ۶۶۴ ہجری میں پچانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس حساب سے سال ولادت ۵۶۹ ھ ہونا چاہیئے۔

شیخ فرید نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کیا اور تحصیل علوم سے فارغ ہوئے ایک مرتبہ ملتان میں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں کتاب نافع پڑھنے میں مشغول تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار مسجد میں تشریف لائے۔ پوچھا۔ میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو۔ کہا 'نافع'، فرمایا "نافع خواہد شد انشاء اللہ تعالیٰ"۔ شیخ پر ان کی بات ایسی مؤثر ہوئی کہ ان کے مرید ہو گئے۔

ملتان میں نصاب تعلیم سے فارغ ہو کر قندھار گئے، وہاں سے تحصیل علم کے بعد بغداد پہنچے۔ دوران سیاحت میں غزنی، بدخشان، بخارا اور بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی، سیف الدین باخرزی، سعد الدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین محمد نیشاپوری جیسے بزرگوں سے فیض صحبت حاصل کیا۔ پھر دہلی آئے اور اپنے پیر طریقت خواجہ بختیار کاکی کے زیر نظر ریاضت و مجاہدہ کیا اور روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے۔ اور خرقہ خلافت پایا۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ وہ ریاضت کرتے کرتے نڈھال ہو گئے تھے اور اٹھنا چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت بختیار کاکیؒ اور ان کے مرشد حضرت معین الدین حسنؒ سجزی نے ان کو بغل سے پکڑ کر اٹھایا اور حضرت معین الدینؒ نے فرمایا:۔ ای قطب الدین، این بیچارہ را تاکی از مجاہدہ و ریاضت بسوزی۔ بیا۔ ما و تو ہر دو بخشش کنیم"۔ خواجہ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:۔ الٰہی فرید را قبول کن۔ بمرتبہ درویشان اکمل برسان"۔ اس مجلس میں شاعر نے کہا ؎

بخشش کونین از شیخین شد   پادشاہی یافتہ از پادشاہانِ جہاں

پھر فرمایا:۔ بابا قطب الدین شاہبازی عظیم در دام آوردی کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نگیرد"۔ شیخ فرید نے اپنے پیر طریقت کے ملفوظات فوائد السالکین کے نام سے

مرتب کئے۔ ان سے ظاہر ہے کہ وہ رمضان ۶۵۵ھ سے ذی الحجہ ۶۵۸ھ تک اپنے مرشد کی مجالس میں شریک ہوتے رہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ ملفوظات انہی مہینوں کی مختلف یادداشتوں سے مرتب کئے تھے۔ پیر کی رحلت کے بعد پہلے وہ ہانسی میں ٹھہرے۔ انبوہ عام خلق سے گھبرا کر اجودھن (پاک پٹن) چلے گئے اور دم واپسیں تک وہیں قیام رہا۔

کچھ عرصہ کے لئے ریاست فرید کوٹ میں ان کا ٹھہرنا یقینی ہے۔ فرید کوٹ کا قدیم نام موکل نگر تھا۔ شیخ فرید وہاں ٹھہرے تو راجہ کے آدمیوں نے ان کو بیگار میں پکڑ لیا جب راجہ کو ان کی بزرگی معلوم ہوئی تو اس نے ان سے معافی مانگی اور ان کے نام سے موکل نگر کا نام فرید کوٹ رکھا۔ فرید کوٹ میں اب بھی تین جگہیں مقدس شمار ہوتی ہیں۔

(۱) قلعہ کے اندر زنانہ محلات میں جہاں راجہ نے ان سے معافی مانگی تھی۔

(۲) چلہ بابا فرید جہاں گارے کی ٹوکری ان کے سر سے اتاری تھی اور انہوں نے گارے والے ہاتھ درخت سے صاف کئے تھے۔

(۳) تیسری جگہ فرید کوٹ سے دو میل باہر ہے جہاں وہ آکر ٹھہرے تھے اور ٹیلہ بابا فرید صاحب کے نام سے مشہور ہے؎۔

غیاث الدین بلبن نے اپنی بیٹی ہزیرہ ان سے بیاہ دی تھی؎۔ جن کے بطن سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ شیخ عبداللہ۔ شیخ بدرالدین سلیمان۔ شہاب الدین گنج العلم۔ نظام الدین۔ نصیرالدین۔ بی بی فاطمہ۔ بی بی مستورہ۔ بی بی شریفہ۔

فقر و فاقہ، عبادت و ریاضت آخری عمر تک ان کا شیوہ رہا۔ وفات کے وقت ضعف کا غلبہ تھا کہ بے ہوش ہو جاتے تھے لیکن جب ہوش آتا تو نماز ادا کرتے۔ انہوں نے عشاء کی نماز تین مرتبہ پڑھی۔ آخر یا حی یا قیوم کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ تاریخ وفات

؎ اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۴۱ء، مقالہ نسب نامہ حضرت بابا فرید شکر گنجؒ
؎ معاصر تاریخوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

کے بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ، سیرالاقطاب میں ۶۹۰ھ اور خزینۃ الاصفیاء میں ۶۷۰ھ درج ہے۔ لیکن صحیح وہ ہے جو سیرالاولیا اور اخبار الاخیار میں لکھا ہے یعنی ۶۶۴ھ۔ اس کی تائید سیرالعارفین کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ شیخ صاحب ۵۸۴ کے بعد اسی سال زندہ رہے اس حساب سے بھی تاریخ وفات ۶۶۴ھ نکلتی ہے فوائد الفواد کا بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ سعدالدین حموی۔ سیف الدین باخرزی۔ بہاءالدین زکریا۔ اور فرید مسعود ایک دوسرے سے تین تین سال کے وقفے کے بعد وفات پا گئے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مطابق باخرزی ۶۵۸ھ میں، اخبار الاخیار کے مطابق بہاءالدین زکریا ۶۶۱ھ میں اور شیخ فرید ۶۶۴ھ میں وفات پا گئے۔ اگر یہ تاریخیں صحیح تسلیم نہ کی جائیں تو خواجہ نظام الدین اولیاء کا مذکورہ بیان غلط ثابت ہوگا۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنے پیر طریقت یعنی بابا فرید شکر گنج کے ملفوظات "راحت القلوب" کے عنوان سے لکھے تھے اور بدر اسحاق ان کے داماد اور خلیفہ نے اسی طرح کی یادداشتیں "اسرار الاولیاء" کے نام سے مرتب کی تھیں۔ جو خواجہ فرید کے سوانح زندگی اور ان کے عقائد و آراء کے لئے بہترین ماخذ ہیں خواجہ فرید نے خود بھی اپنے مرشد کے ملفوظات "فوائد السالکین" کے نام سے مرتب کئے تھے۔ ان سے بھی ان کی تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے حضرت فرید مسعودؒ کی زندگی کا جو خاکہ ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اعلیٰ روحانی مدارج حاصل کرنے کے لئے سخت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ بھوکوں رہے۔ راتوں جاگے۔ چلے کئے۔ نفس کشی کے لئے سخت سے سخت مصائب جھیلیں۔ ایک مرتبہ اوچ میں چلہ معکوس کیا یعنی ساری رات انکو اوندھا کر کے درخت سے باندھ دیتے اور صبح کھول دیا جاتا۔ دیلہ اور کریل جیسی بے مزہ چیزیں کھاتے تھے۔ جب اجودھن یعنی پاک پٹن میں مقیم ہو گئے اور دور و نزدیک

شہرت پھیل گئی تو لوگ ہزار قسم کی چیزیں ماکول و مشروب پیش کرتے لیکن وہ سب تقسیم کر دیتے۔

شیخ فرید بڑے رقیق القلب تھے۔ اولیاء اللہ کی زندگی کے کمالات بیان کرتے راہِ خدا میں ان کی کوششیں، ان کی ریاضتیں، ان کے کمالات، ان کی قربانیاں سناتے تو رو پڑتے۔ چونکہ وہ سماع کے قائل تھے۔ اس لئے جب کبھی حقیقت و معرفت کی دل لگتی بات آجاتی تو وجد و رقص کا یہ عالم ہوتا کہ سات سات دن عالم سکر میں رہتے[1] صرف نماز کے وقت بیداری کی حالت میں آجاتے۔

شیخ فریدؒ شہاب الدینؒ سہروردی کے خاص معتقد تھے۔ بغداد میں ان کی صحبت سے فیض بھی پایا۔ ان کی تصنیف عوارف المعارف کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھا کرتے کہ سننے والے بہت لطف اٹھاتے۔ نظام الدین اولیاء نے لکھا ہے کہ ان پر ایسی بے خودی طاری ہو جاتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو بڑی دولت ملتی۔

حضرت فریدؒ طریقت کے ساتھ شریعت کے پیرو تھے۔ اس لئے نماز روزہ کے پابند تھے۔ فقہی مذاہب میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب کو دیگر مذاہب سے افضل جانتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ پہلا مذہب امام اعظمؒ کا ہے و الفضل المتقدمین و حق عند اللہ تعالےٰ۔

تصانیف و تالیفات

۱۔ راحت القلوب، ۲۔ اسرار الاولیا۔ ۳۔ فوائد السالکین۔ ۴ گنج اسرار ۵۔ رسالہ وجودیہ۔ ۶ جگی نامہ

---

[1] راحت القلوب، قلمی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ ص ۲۶،

۱۔ راحت القلوب

یہ کتاب عقاید و آرا یا واقعات کا یادداشت نامہ ہے۔

اس کو شیخ فریدؒ کے مرید اور خلیفہ نظام الدین اولیاءؒ نے مرتب کیا۔ راحت القلوب نام رکھا۔ یہ گویا ایک قسم کی ڈائری ہے۔ مؤلف نے گیارہ رجب ۶۵۵ھ سے یکم آخر صفر ۶۵۶ھ تک کی مختلف مجالس کا حال لکھا ہے۔ مطالب کے لحاظ سے اس کو فریدالدینؒ شکر گنج کی تصنیف کہہ سکتے ہیں لیکن تحریر کے اعتبار سے یہ نظام الدین اولیاءؒ کی تالیف ہے لیکن چونکہ مضمون کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اس لئے ہم اس کو گنج شکر کی تصانیف میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ... "از عین لفظ مبارک ایشان کہ بسمع میرسد... نبشتہ آمد[1]"۔ چونکہ اکثر جگہ الفاظ بھی انہیں کے محفوظ رکھے گئے ہیں اس لئے شیخ فریدؒ کی تصانیف میں اس کا شمار ہونا چاہیے۔

راحت القلوب میں مصنف کی نجی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے جو اس کتاب کی عدم موجودگی میں شاید مؤرخ کی نظروں سے اوجھل رہ جاتے۔ ضمناً ان مجالس کے دوسرے مصاحبین مثلاً خود مؤلف کے متعلق بھی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کتاب میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ.... سعدالدین حمویہ، سیف الدینؒ باخرزی، اوحدالدین کرمانیؒ، بہاء الدین زکریاؒ، حمیدالدین ناگوریؒ۔ اور خاص طور پر ان کے مرشد قطب الدین بختیار کاکیؒ کے متعلق بھی اطلاعات حاصل ہوتی ہیں۔

فقیری اور درویشی کی باتیں کتاب کا عام موضوع ہیں۔ ایک دو مجالس میں اوراد و وظائف

---

[1] راحت القلوب قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ ص ۲

کا ذکر ہے۔ رجب میں معراج، رمضان میں روزہ، محرم میں عاشورہ اور صفر کی خصوصیات کا بیان ہے۔ یہ عموماً وہی روایات ہیں جو اکثر مواعظ میں سننے میں آتی ہیں۔ ضمناً ایسے اقوال زرین بھی آگئے ہیں جو مصنف کی دانشمندی پر گواہ ہیں۔ مثلاً اسراف کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ "ہرچہ بہ نیت نام دہند و برای رضای خدای تعالی ندہند، آن اسراف است، و اگر ہمہ عالم دہند و برای رضای خدای تعالیٰ دہند اسراف نیست"[۱]

ایک مرتبہ فرمایا زکوٰۃ تین قسم کی ہے۔ (۱) زکوٰۃ شریعت، (۲) زکوٰۃ طریقت (۳) زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ دو سو درم ہوں تو ان میں سے پانچ اللہ کی راہ میں دے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درم سے پانچ رکھے اور باقی اللہ کی راہ میں دے۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ دو سو میں سے اپنے لئے کچھ نہ رکھے اور سب اللہ کی راہ میں دے ڈالے[۲] ایک موقع پر ایک سوال یہ ہوا کہ جب تمام روحوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں 'بلیٰ' کہا تو پھر یہودی، نصرانی اور ہندو کیوں ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا روحوں کے چار گروہ تھے (۱) وہ جنہوں نے دل و زبان سے 'بلیٰ' کہا یہ اولیاء و انبیاء تھے (۲) وہ جنہوں نے دل میں کہا اور زبان سے نہ کہا یہ لوگ وہ ہوں گے جو پہلے ہندو ہوں گے بعد میں مسلمان ہو جائیں گے۔ (۳) وہ جنہوں نے زبان سے کہا اور دل سے اقرار نہ کیا۔ یہ لوگ پہلے مسلمان ہوں گے بعد میں کافر ہو کر مریں گے (۴) وہ جنہوں نے نہ 'بلیٰ' کہا اور نہ سجدہ کیا[۳]

یہ کتاب علمی لحاظ سے بھی بلند مرتبہ رکھتی ہے کیونکہ مصنف نے اپنے بعض بیانات کی توثیق کے لئے کتابوں کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے ان میں ایسے لکھا دیکھا۔ کتابوں کے نام یہ ہیں[۴]

---

[۱] راحت القلوب۔ قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۲، [۲] ص ۳ [۳] ص ۱۰ [۴] پنج گنج ملفوظات۔ دہلی ۱۳۱۹ھ

ص ۱۴۳	تحفۃ العارفین	از شبلیؒ
" "	رسالہ حمدہ	خواجہ جنیدؒ
" "	حقائق الانوار	-
" ۱۴۵	اسرار العارفین	-
" ۱۵۰	سیر العارفین	-
" ۱۵۲	دلیل الشافی	شفیق بلخی
" "	سلک سلوک	-
" ۱۵۳	شرح الاسرار	خواجہ یوسف چشتی
" ۱۶۱	راحۃ الارواح	قاضی حمید الدین ناگوری
" ۱۶۷	کتاب مفصل	-
" ۱۸۲	شرح اولیاء	خواجہ مودود چشتی
" "	تفسیر زاہدی	-
" "	اسرار تابعین	-
" ۱۸۳	شرح مشائخ	-
" ۱۸۴	فتاویٰ کبریٰ	-
" "	قوت القلوب	-
" ۱۸۵	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی
" ۱۹۷	کتاب روضہ	فقیہہ ابوالحسن زندوسی
" ۱۹۸	فتاویٰ ظہیری	
"	جامع الحکایات	
" ۱۹۹ ــ ۱۹۸	کتاب امام محمد شیبانی	

ص ۲۰۳	قوت القلوب	ابو طالب مکی
	کفایہ	امام شعبی

مصنف نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو محض روایات ہیں۔ وحی خداوندی سے ان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ان میں ایسی احادیث بھی شامل ہیں جن میں مبالغہ آمیز ثواب کا ذکر ہے اور جو عموماً وضعی سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ مَن صَامَ یوم عاشوراء فکانما صام الدهر کله۔ جس نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا گویا اس نے ساری عمر روزہ داری میں گزاری (ص ۲ قلمی)

۲۔ ہر کہ بشارت دہد از بیرون رفتن ماہ صفر بشارت دہم او را در آمدن بہشت (ص ۶۴)

۳۔ جو کوئی رات کو داڑھی میں کنگھا کرے گا۔ کبھی اس پر مفلسی و محتاجی کی آفت نہیں آئے گی۔ ہر بال کے عوض ایک بندہ آزاد کرنے کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ ایک کنگھا دو آدمی نہ کریں کہ جدائی کا سبب ہے۔ (مجلس ۱۰ ذیقعد ۷۵۵ھ)

بعض احادیث میں سنیوں اور شیعوں کی کار فرمائیاں نظر آتی ہیں۔ مدح صحابہ کے جوش میں ایک جگہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تیزی سے سورج کی طرف دیکھا تو آفتاب کا نور چھن گیا۔ ایک دفعہ انہوں نے مدینہ میں بیٹھے ایسا دُرّہ مارا کہ شاہنشاہ روم کے محل کی دیوار پھاڑ کر وہ دُرّہ بادشاہ کی گردن پر لگا کہ سر جسم سے الگ ہو گیا (ص ۲۹-۳۰)

شیعہ حضرات نے یہ روایت بنائی ہے کہ ایک دفعہ معاویہؓ یزید کو کندھے پر اٹھائے ہوئے رسولؐ خدا کے سامنے آئے تو انہوں نے فرمایا کہ دوزخی بہشتی کے کندھے پر۔ حضرت علیؓ نے پوچھا یہ کیسے؟ پیغمبرؐ نے جواب دیا "این بدبخت یزید کسی بود کہ حسن و حسین و تمام آل مارا بشہادت رساند و بکشد" پھر دونوں شہزادوں کو

گود میں لے کر نعرہ لگایا اور رو دیئے۔ رسول اللہ نے جبرئیل سے پوچھا جب ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا تو کون ان کی تعزیت کرے گا۔ کہا یا رسول اللہ آپ کی امت آپ کے فرزندوں کی تعزیت کرے گی۔ اور ایسا ماتم کرے گی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ (ص ۱۰۰-۱۰۱)

مصنف نے ایک مجلس میں (ص ۲۸ - ۲۹) بیان کیا ہے کہ درویش کو ہمیشہ کرامت چھپانا چاہیے کیونکہ یہ اپنے راز کا افشا کرنا ہے جو عرفاء کو پسند نہیں۔ لیکن اس کتاب میں ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں مصنف کی کرامات کا اظہار ہے۔ مثلاً درود کی برکت سے کھجور کی گٹھلیاں سونے کی ہوگئیں (ص ۵۱)، شہاب الدین غزنوی نے سو کے بجائے پچاس دینار دیئے اور پچاس اپنے پاس رکھ لئے۔ شیخ فرید نے اس کی خیانت معلوم کرلی (ص ۲۲) آسمان کی طرف پرواز کر گئے ص ۸۔ اور بھی بہت سی کرامتیں بیان ہوئی ہیں۔ کیا یہ قول و فعل میں تضاد نہیں؟

اگر ان ملفوظات میں تحریف و الحاق نہ ہو تو یہ نہایت ثقہ اور قابل اعتماد اشخاص کا بیان ہونے کی وجہ سے تاریخ کا بہترین ماخذ شمار ہو سکتے ہیں لیکن طبع و نشر کے وسائل نہ ہونے اور انقلابات زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے کتابیں اصلی حالت میں موجود نہیں رہیں۔ اس لئے ان کے مطالب کو احتیاط سے پرکھنے کی ضرورت ہے مثلاً راحت القلوب کا ترجمہ چھپ چکا ہے مگر اصل کتاب نہیں چھپی۔ یقیناً اس کے مکمل نسخے بعض گھرانوں میں محفوظ ہوں گے۔ کاتبوں کے نقل در نقل کرتے سے بھی غلطیوں کا احتمال ممکن ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس نسخے کا اُس ترجمے کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ یا تو یہ نسخہ ناقص ہے یا جس نسخہ سے ترجمہ کیا گیا ہے اس میں بعض مجالس کا بیان الحاقی ہے۔ مثلاً قلمی نسخے میں ۲۷ رجب ۶۵۵ھ (ترجمہ میں شعبان لکھا ہے) کی مجلس کے بعد دس، گیارہ، تیرہ، پچیس شعبان، بارہ ذیقعدہ اور ستائیس صفر

۶۵۶ کی مجالس کا بیان موجود نہیں ترجمے میں ۲۸ صفر کے بجائے ۲ ربیع الاول کی مجلس کا ذکر ہے۔

ترجمے کی وہ مجالس کے الحاقی ہونے یا کم سے کم مندرجہ ذیل بیان کے الحاقی یا وضعی ہونے کے ثبوت میں داخلی شہادت موجود ہے۔

۱۳ شعبان ۶۵۵ھ کی مجلس میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسے وہ وفات پا چکے ہیں اور یکم محرم ۶۵۶ھ کی مجلس میں تو شیخ فرید کو الہامی طور پر معلوم ہوا کہ وہ وفات پا گئے ہیں چنانچہ انھوں نے حاضرین کے ساتھ مل کر نماز جنازہ پڑھی۔ شیخ بہاؤ الدین کی تاریخ وفات ۶۶۱ھ ہے اس لئے یہ بیانات حقیقت پر مبنی نہیں۔

۲۔ اسرار الاولیاء شیخ فرید کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے جسے خواجہ بدرالدین اسحٰق نے مرتب کیا تھا۔ راحت القلوب میں مجالس کا تاریخ وار حال درج ہے۔ اس میں مکالمات کا بھی انداز ہے اور جا بجا واقعات کا بھی ذکر ہے لیکن اسرار الاولیاء کا انداز مختلف ہے۔ مؤلف نے اس کو کتاب کی شکل دی ہے اور بائیس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر باب یا فصل میں ایک موضوع رکھ کر پھر شیخ فریدؒ کے عقاید و آراء کا ذکر کیا ہے۔ ہر فصل کے شروع میں لکھا ہے کہ مجھے پا بوسی کا شرف حاصل ہوا؟ پھر اس مجلس کے چند مخصوص حاضرین کے نام بھی لکھے ہیں اور آخر میں تحریر کیا ہے کہ شیخ الاسلام مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور دعا گو مجلس سے لوٹ آیا۔ ہر فصل کے دوران میں شیخ فریدؒ سامع کو "ای درویش" کہہ کر مخاطب بھی کرتے ہیں۔

صرف پہلی فصل کے آغاز میں ۱۸ شعبان ۶۳۱ھ درج ہے کسی اور فصل میں تاریخ کا ذکر نہیں۔ پندرھویں سے انیسویں فصل کے شروع میں حاضرین میں سے مولانا نظام الدین

بدایونی کا نام بھی لیا ہے جو ۶۵۵ - ۶۵۶ھ کے درمیانی عرصہ میں حضرت فریدشکر گنج کی مجالس میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ راحت القلوب کی تواریخ سے ظاہر ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسرار الاولیاء میں ۶۳۱ سے ۶۵۶ کے درمیانی عرصہ کی مختلف مجالس کا ذکر ہے لیکن کتاب کے آخر میں مؤلف نے خود لکھا ہے کہ

"این بود اسرار و انوار و الفاظ در دربار شیخ الاسلام کہ در مدت دوازدہ سال شنیدہ است درین مجموعہ نبشتہ آمد"

مگر مؤلف ہر مجلس سے اٹھنے کے بعد اس کی ساری روئداد قلمبند کر لیتے تھے تو اس مجموعہ کے موثق ہونے میں کچھ شبہ نہ ہوتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا رہا کتاب سے تو ظاہر ہے کہ وہ صرف بائیس مجالس میں شریک رہے لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ بارہ سال کے عرصے میں وہ صرف بائیس مرتبہ ان کی محفل میں حاضر رہے ہوں۔ کتاب سے تو یہ ظاہر ہے کہ مؤلف مختلف موضوعات پر ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں، اور صوفیاء، عرفاء اور خاص طور پر شیخ فرید مسعود شکر گنج کے عقاید و آراء نقل کر رہے ہیں۔

کتاب کے موضوعات میں فقر، درویشی، تعظیم مرشد، کشف و کرامات، مجاہدہ شامل ہیں۔ اخلاق تصوف میں سے توکل۔ توبہ۔ محبت و عداوت پر تفصیلی گفتگو موجود ہے اور صوفیا کے مخصوص آداب میں سے گلیم و صوف پہننے، سر پر طاقیہ اوڑھنے، پیر کے ہاتھ پر بوسہ دینے کے متعلق اقوال و آراء لکھے گئے ہیں۔

کتاب ۸″ × ۵″ سائز پر ۹۳ صفحات پر چھپی ہے بعض موضوع پر چھ چھ سات سات صفحات لکھے ہیں اور ہر موضوع پر جامع، پر حکمت اقوال درج کئے ہیں۔ قرآنی آیات۔ احادیث اور دوسرے صوفیاء کے اقوال جابجا نظر آتے ہیں شیخ فریدؒ نے بعض بعض موقعوں پر اپنی زندگی کے واقعات و حوادث کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے اکثر باتیں راحت القلوب میں بھی آچکی ہیں۔ شیخ فرید نے اپنے مرشد شیخ

قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ جنید بغدادیؒ۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، اور رابعہ بصریؒ کے بہت سے اقوال اور ان کی زندگی کے واقعات کا ذکر کیا ہے بعض موضوعات پر مسلسل بیانات سے خیال ہوتا ہے کہ مصنف کا حافظہ بہت قوی تھا جو ان کو اس قدر بزرگوں کے اقوال حفظ تھے اور پھر مرتب نے بھی لفظاً لفظاً ان کو محفوظ کیا ہے۔ بعض فصلوں کے مضامین پر شبہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے مضمون مرتب کرنے میں کتابوں سے مدد لی ہوگی مثلاً چھٹی اور ساتویں فصل میں قرآن کی مختلف صورتیں پڑھنے کے فوائد لکھے ہیں اور ہر ایک کے پڑھنے کی تعداد کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کا تمام وکمال یاد رکھنا مشکل ضرور ہے۔ ایسی چیزیں بیاض میں محفوظ ہوتی ہیں اور وقت ضرورت دیکھی اور بتائی جا سکتی ہیں۔

راحت القلوب میں شیخ نے اپنی گفتگو کے دوران میں کافی کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان کو ہم لکھ آئے ہیں لیکن اسرار الاولیاء میں صرف تین کتابوں کا ذکر ہے۔

ص ۸۔ زاد المحبین

ص ۱۳۔ تواریخ قاضی حمید الدین ناگوری

ص ۵۲۔ حجۃ العارفین

اگر راحت القلوب اور اسرار الاولیاء کے مصنف یعنی گفتگو کرنے والے ایک ہی شخص ہیں تو اسرار الاولیاء کی مجالس میں بھی انہی مباحث کے بارے میں کتابوں کا ذکر آنا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ممکن ہے مرتب نے ان کا ذکر کرنا ضروری نہ سمجھا ہو یا ان کو ذہن میں محفوظ نہ رکھا ہو۔

اسرار الاولیاء کے مرتب بدر الدین اسحٰقؒ ہیں۔ دیباچے میں انہوں نے اپنے آپ کو خادم الفقراء والمساکین بدر اسحاق لکھا ہے اس لیے تمام مجالس میں جب انہوں نے شروع میں لکھ دیا کہ "سعادت پابوس حاصل شد" تو پھر اپنی موجودگی کا

ذکر بے معنی ہے لیکن چودھویں فصل میں جہاں مجلس میں مولانا بہاء الدین بخاری — مولانا شہاب الدین غزنوی وغیرہ کا ذکر کیا ہے تو وہاں مولانا بدر الدین اسحاق" کا نام بھی درج ہے۔ اس اندراج سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ الحاقی ہے۔ مؤلف خود تو اپنا نام اس طرح نہیں لکھ سکتے تھے۔

مصنف کے بعض بیانات کھٹکتے ہیں لیکن جب فقیری، درویشی اور کشف و کرامات کا ذکر آتا ہے تو اس کے رد و قبول میں یا اس کے صحیح و غلط ہونے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن بعض بیانات ایسے ہیں جو محض روایات پر مبنی ہیں جن کی تصدیق نص سے نہیں ہوتی۔ مثلاً"

ص ۷۔ جب حضرت موسیٰؑ نے کہا "رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ" تو خدا کا حکم آیا کہ این چہ گستاخی است کہ در حضرت ما میکنی ما وعدہ کردہ ایم با محمد پیغامبر آخر الزمان و امتان او کہ محب من است تا او و امتان او دیدار نہ بینند، ہیچ کس دیدار ما نہ بیند۔"

اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے خدا کی زبان سے کہلوایا ہے کہ اے موسیٰ ایک ذرہ تجلی سے بے خود ہو گئے اور ہمارے راز کو افشا کر دیا۔ آخر الزمان میں امت محمدؐ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن پر اس قسم کی ہزاروں تجلیاں ہوں گی مگر وہ" از خود تجاوز نخواہند کرد بلکہ فریاد خواہند کرد۔" انا مشتاق الی الحبیب" یہ روایات وضعی ہیں اور حضرت موسیٰ پر امت محمدؐ کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔

صفحہ ۱۴ پر شیخ فرید کے اس بیان کو بھی دیکھ لیجئے۔

"سوگند میخورم ہر کہ در دنیا از مسلمانان دست من گرفتہ باشد یا مرا مصافحہ کردہ باشد یا دست فرزندان من گرفتہ باشد و یا کسی کہ دست مریدان من گرفتہ باشد یا از خانوادۂ من

کسی بود، آتش دوزخ بروی حرام بود۔"

شیخ صاحب کا یہ بہت بڑا دعویٰ ہے خدا کے حضور میں کوئی شخص کسی کی مغفرت کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ اس کے حضور میں اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتے روتے ہیں، ان سے کمتر شخص خواہ اللہ کو کتنا پیارا کیوں نہ ہو خدا کی طرف سے اس قسم کا قول نہیں دے سکتا۔

اس کتاب کا اسلوب بیان سادہ واضح اور صریح اور تکلفات سے مبرا ہے۔ ایک جگہ ہندی کا لفظ لنگوتہ (لنگوٹا) (ص ۴۳) اور ایک جگہ کلمہ (نانہ) استعمال ہوا ہے جو ایرانی استعمال نہیں کرتے۔ 'حضرت' کے لئے 'مہتر' کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بجائے "مہتر یوسف"۔ جہاں پیغمبر اور جبرئیل کا نام آیا ہے وہاں بھی اس کے پہلے 'مہتر' کا لفظ لایا گیا ہے۔

اسرارالاولیا ۱۹۱۷ء مطبع نولکشور کانپور میں چھپ چکی ہے۔

۳۔ **فوائدالسالکین** شیخ فرید کی تالیف ہے اس میں انہوں نے اپنے پیر طریقت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے، اس میں سات مجالس کا ذکر ہے جس میں انہوں نے رمضان ۵۸۴ھ سے ذی الحجہ ۵۸۴ھ کے درمیانی چار مہینوں میں مختلف موقعوں پر شرکت کی۔

کتاب کا موضوع سلوک و درویشی۔ تجرد۔ اخفائے راز۔ مردان کامل۔ مردان غیب اور کشف و کرامات ہے لیکن ان موضوعات کے متعلق گفتگو کے دوران میں ذکر آیا ہے۔ اسرارالاولیا؛ کی طرح ایک ایک موضوع پر فصلوں کی صورت میں مضامین نہیں لکھے گئے۔ خواجہ قطب الدین کے پند و نصائحؒ کے علاوہ اس کتاب میں خواجہ معین الدین سجزی

کی زندگی کے بعض سوانح اور اقوال کا بھی ذکر ہے۔ خواجہ قطب الدین اور حمید الدین ناگوری کی ہم مشربی کے ساتھ ساتھ وہ واقعات بھی بیان کئے ہیں جو ان دونوں کو ہم سفری میں پیش آئے۔ گفتگو کا انداز ناصحانہ ہے۔ مرشد اپنے مرید کو اے درویش اور اے فرید کہہ کر مشورے دیتا ہے۔

اس کتاب میں بھی بزرگوں کی کشف و کرامات کا اکثر ذکر آیا ہے "مانو یا نہ مانو" والی بات ہے۔ بعض باتیں تو محال نظر آتی ہیں۔ مثلاً شیخ عثمان مرید ابو بکر شبلیؒ ہر روز ہزار قرآن مجید پڑھتے تھے (مجلس دوم) فرشتوں کو حکم ہوتا تو خانہ کعبہ کو چشت میں پہنچا دیتے۔ خواجہ مودود چشتی طواف کرتے نماز پڑھتے اور فرشتے پھر کعبہ کو اس کے مقام پر پہنچا دیتے (مجلس دوم) خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رات رات میں ملتان سے دہلی پہنچ گئے تاکہ شیخ جلال الدین تبریزی کی براءت پر گواہ بنیں۔

بعض فرضی حکایات کا بیان بھی یقینیات کی طرح کیا گیا ہے مثلاً حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر اس لئے رہ گئے ہیں کہ آلائش دنیا سے ان کے پاس ایک سوئی اور کاسۂ چوبی تھا۔ وغیرہ۔ مجلس دوم میں ایک پیش گوئی کا ذکر ہے کہ سلطان شمس الدین التمش، بارہ سالہ لڑکا تھا۔ وہ پیالہ ہاتھ میں لئے گزرا۔ خواجہ معین الدین نے فرمایا یہ لڑکا دہلی کا بادشاہ ہوگا۔ لکھا ہے اس موقع پر۔ اوحد کرمانی۔ شہاب الدین سہروردی، اور دعا گو (قطب الدین بختیار) ایک جگہ بیٹھے تھے۔ ان میں شہاب الدین سہروردی کا نام یقیناً الحاقی ہے یا غلط ہے کیونکہ یہ قصہ دہلی کا ہوگا اور سہروردی کا دہلی آنا معلوم۔ بخیال ہے کہ یہ مولانا شہاب الدین اوشی ہوں گے۔ جس کا ذکر مجلس ہفتم میں ہے۔

مجلس ششم یعنی ذی الحجہ ۵۸۴ھ کی ایک مجلس میں سلطان شمس الدین التمش کی نیک سیرت درویشانہ زندگی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ وہ راتوں کو بازاروں کوچوں میں جاتا اور محتاجوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا۔ اس نے زنجیر معدلت لٹکا رکھی تھی تاکہ

فریادی جب چاہے بادشاہ کے حضور داد رسی کے لئے حاضر ہو سکے یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن ۴۸۵ھ کی محفل میں اس کا ذکر کیسے آسکتا ہے کیونکہ التمش ۷۰۰ھ میں بادشاہ بنا۔

۴ --- گنج اسرار

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو بڑے سائز کے دس صفحوں پر مشتمل ہے۔ موضوع سلوک و تصوف ہے۔ ایک مرشد اپنے مرید یا عزیز کو اسرار طریقت سمجھا رہے ہیں اس لئے اس کو مخاطب بھی کرتے جاتے ہیں۔ اور اے عزیز۔ عزیز من! اور برادر اے عزیز' جیسے کلمات استعمال کر کے اس کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔ رسالے کے مضمون سے ظاہر ہے کہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو پختہ فکر ہے۔ اسے اپنے موضوع پر عبور ہے اور وہ اس کو اختصار اور جامعیت سے بیان کر رہا ہے۔ جا بجا قرآن و احادیث سے اپنے بیان کی توثیق کے لئے استدلال کیا گیا ہے۔ تصوف کی اصطلاحات کی تعریف و توضیح کی ہے مثلاً تزکیہ' تصفیہ و تجلیہ۔ ذکر جلی و ذکر خفی۔ طاعت ظاہر و طاعت باطن۔ شریعت، طریقت۔ اور حقیقت۔ بعض باتیں صوفیا کے روایتی اسرار و غوامض ہیں جو تمثیلی رنگ میں بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً

> درون دل ہفت پہلو است۔ در ہر پہلو گوہر لیست۔ اوّل گوہر ذکر۔ دوم گوہر محبت۔ سوم گوہر عشق۔ چہارم گوہر ستر۔ پنجم گوہر روح۔ ششم گوہر معرفت۔ ہفتم گوہر فقر"

یہ گویا مقامات ہیں جن میں سے ایک صوفی کو روحانی ارتقا میں گزرنا پڑتا ہے۔ مصنفؒ نے آیہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں نور کے معنی روشنی نہیں بلکہ روشن کنندہ آسمانہا و زمین لکھے ہیں۔ استدلال یہ کیا ہے کہ اگر 'نور' معنی

کہیں تو نورِ عرش ہے جو قائم بغیر ہے اور ذات خداوندی کے نقیض ہے۔

آفرینش آدم اور تخلیق کائنات کی عجیب و غریب تشریح کی ہے۔ نور دل نو لاکھ سال حضرت خداوندی سے جدا رہا۔ دل نے عرض کیا کہ میں اتنی مدت تاب جدائی نہیں لا سکتا۔ خدا نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اظہار وحدانیت کے لیے پیدا کیا ہے۔ نور دل نو لاکھ سال اور جدا رہا۔ پھر اس نے آنکھوں سے اسقدر پانی بہایا کہ بحرالحیوان بن گیا۔ حضرت عزت نے تازیانہ قہر مارا جس سے آگ کے دو شعلے نکلے ایک نور عزرائیل دوسرا نور گندم۔ اس کے بعد نور دل نو لاکھ سال اور آسمان کی طرح گردش میں رہا۔ خداوند تعالیٰ نے نور دل کے اجزا کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے سر پیدا کئے۔ دوسرے حصے سے جانیں، تیسرے حصے سے نور۔ پھر بقیہ اجزائے نور نو لاکھ سال تک اس وسیع عالم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آفریدگار عالم نے نور دل سے دس گوہر پیدا کئے جن کو نو لاکھ سال تک نظر حکمت سے پرورش کیا۔ پہلا گوہر وہ جس سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ دوسرا گوہر عشق، تیسرا گوہر کرسی، چوتھا گوہر لوح، پانچواں گوہر قلم، چھٹا گوہر بیت المعمور۔ ساتواں گوہر دوزخ، آٹھواں گوہر شمس، نواں گوہر قمر، یہ سب مل کر گوہر دل کی تشکیل میں معاون ہوئے۔ یہ دل خزانۂ الٰہی ہے۔

گنج اسرار اصل اور اردو ترجمہ کے ساتھ شایع ہو چکا ہے۔ مترجم پیر غلام دستگیر نامی ہیں اور ناشر ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور ہیں۔ نامی صاحب نے خاندانی کتب خانہ۔ رتہ پیران۔ تحصیل شاہدرہ۔ ضلع شیخوپورہ سے اس کتاب کا نسخہ حاصل کیا۔ اس رسالے کا ایک قدیم نسخہ سندھ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔

۵۔ **جوگی نامہ** اس رسالے کا ذکر تذکرۃ الاصفیا از شیخ یوسف بن شاہ محمد مکی

از مریدان سید حسین خوند میر' مؤلفہ ۹۵۱ھ میں موجود ہے لکھا ہے۔" مقالات مخدوم شیخ فریدالدین گنجشکر کہ با جوگیان شدہ بود"۔ اس کا مخطوطہ نظر سے نہیں گزرا تذکرۃ الاصفیاء کا ایک نسخہ بیاقت نیشنل لائبریری کراچی میں موجود ہے۔

۶۔ رسالہ وجودیہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں رسالہ وجودیہ کے نام سے ایک مخطوطہ موجود ہے جس کے مصنف شیخ فرید شکر گنج بتائے گئے ہیں۔ چونکہ اس کا نسخہ نایاب ہے۔ اس لئے ہم اسکو ہو بہو یہاں محفوظ کئے دیتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخطوطہ نمبر ۵۰۲ پشاور یونیورسٹی لائبریری

مجموعہ رسائل (۱) از گفتار شیخ المشائخ حضرت مخدوم شیخ فرید گنجشکر قدس اللہ سرہ۔ لاہوت بیخ است۔ ملکوت شاخ است آن شجر جبروت برگ آن نگر، ناسوت، ہچو بر۔ ناسوت زبانست کہ روح القدس خبر آنرا مہتر جبرئیل داند۔ جبرئیل خاکی است، مقام محمود این خاک۔ رنگ زرد دارد۔ بوی لذت او سرد دارد۔

فاما ازین دوازدہ انگشت دم بیرون میرود۔ آنرا در ہندوی ناسک کنول گویند۔ ملکوت در چشم است۔ مقام او در تارک سر است خبر آنرا مہتر میکائیل داند۔ آبی است۔ مقام چشم نیز آبست۔ رنگ سفید دارد۔ بوی لذت دارد۔ فاما شانزدہ انگشت دم بیرون میرود۔ آنرا در ہندوی شش کنول گویند۔ جبروت در بینی۔ مقام او ناف است خبر آنرا مہتر اسرافیل داند و بادلیست۔ و ناف نیز بادلیست۔ رنگ او

سبز است . بوی لذت ترش دارد - فاما ازین نه انگشت دم بیرون میرود ودهندوی نابه کهنول گویند- لاهوت در گوش است - خبر آنرا مهتر عزرائیل داند - عزرائیل آتشی ست، مقام در گوش دارد - رنگ او سرخ است . بوی لذت تلخ است . فاما چهار انگشت دم بیرون میرود - ودهندوی برهنه کهنول گویند -

مقام اول لاهوت - دروازه او گوش - قرارگاه آتش است - بارگاه روح . خبر او عزرائیل داند - آتشی رنگ سرخ است - مرکب او شیر است . مقام دوم ملکوت - قرارگاه آبست - خبر او میکائیل داند - رنگ سفید - دروازه او چشم ، مرکب او نهنگ است - خبر او میکائیل داند - مقام سوم ناسوت ، اسرافیل بادیست رنگ او سبز دارد - دروازه او بینی - مرکب او طاؤس - خبر او اسرافیل داند -

مقام جبروت خاکی - دروازه او زبان - خبر او جبرئیل داند - جبرئیل خاکی - رنگ زرد دارد سلطان فقر او مقام محمود انوار جلالی - انوار جمالی و انوار احمد دنود محموده اصل تن لطیف و تن کثیف - تن بقا و تن فنا بدانکه ای طالب - قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ !

(۲) پروردگار جهانیان وجود آدمی را با ریج عناصر آفریده است خاک و بادو آب و آتش - شش جهات علوی سفلی و جنوبی و شمالی و مشرقی و مغربی - صانع پاک در وجود زیر شش جهات پنج کرده است ، زیر و بالا و یمین و یسار و پیش و پس - حق تعالی ترا ده خواص داده است پنج ظاهر و پنج باطن - پنج ظاهر آنست ، ذوق و مشام و سمع و بصر و لمس دیگر خواص باطن آنست خیال و وہم و فہم و فکر و حفظ - دیگر از کلام لطافت تر بعنت اندام داده است دو دست و دو پای و پشت و سینه -

این جمله هفت اندام میشود. ازین هفت اندام چهار جواهر تابع است - یکی روح - دوم عشق - سیوم عقل - چهارم نفس - نفس را خدای تعالی چهار خصال داده است - اوّل امّاره - دوم مطمئنه - سیوم لوامه - چهارم ملهمه - پروردگار عالم روح و نفس و عقل و نفس را تابع عنصر آفریده است. باد تعلق روح دارد. آتش تعلق عشق دارد. و آب تعلق عقل دارد و خاک تعلق نفس دارد و خاک و روح نیز تعلق بعنصر.

چنانچه اماره تعلق بخاک دارد و مطمئنه تعلق باتش دارد و لوامه تعلق بباد دارد و ملهمه تعلق باآب دارد. دیگر حق تعالی هرچه آفریده است بر حکم این است سنریهم آیاتنا فی الآفاق فی انفسکم افلا تبصرون حق تعالی بر آسمان را دوازده بروج گذاشت. چنانچه حمل سر. ثور گردن. جوزا هر دو دست. سرطان پستان. اسد سینه. سنبله روده. میزان. عقرب ذکر قوس رانها. جدی ساقها. دلو شکم، حوت کفپای. دیگر ستارها نیز نموده است چنانچه خورشید دل، قمر گرده. مریخ سپرز. عطارد دماغ. مشتری جگر. زهره شش. زحل زهره. دیگر سال را سه صد شصت روز است - مثال در وجود آدمی نیز ثابت است. سه صد شصت استخوانها و رگها بمانند جوبهاست و استخوانها بمانند کوه است و موها بمانند گیاه است و وجود بمانند درخت است و شکم مانند دریا. پشت مانند ویران است. این چهار فصل در جهات است. مثال بهار طفلی ست. تابستان جوانیست و خزان پیریست و زمستان نیز پیریست تا نزدیک مرگ رسیدن. آواز تو رعد است و چشم تو برق است و اشک تو سیل است و گوش تو آب از زهره میخورد از آن تلخ است و چشم تو آب جگر و زهره میخورد.

ازان شور است و بینی تو آب از شش میخورد ازان جہت گندہ است۔ و زبان تو آب از دل میخورند ازان شیرین است۔ و مسکن عقل در دماغ است و حیا در چشم است۔ فہم در گوش است۔ علم در سینہ۔ فکر در دل۔ ہفت آسمان بمانند ہفت پردہ است۔ در اندرون فرق سر ہفت پردہ کشیدہ است۔ بالا مغز ترا آن ہفت پارچہ است۔ در بمانند ہشت پردہ زمین۔ دیگر حق تعالیٰ از قدرت بالغہ خویش از زبدہ خاک نباتات و از زبدہ نبات حیوانات و انسان آفرید چراکہ زبدہ انسان کامل است۔ بدانکہ انسان را چہار آفریدہ است۔ جمادی نباتی۔ جسمانی و انسانی۔ روح نبات از آب زندہ است۔ قولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ روح حیوانی بدمیدن زندہ است قولہ تعالیٰ فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن كُلِّ رُوحٍ۔ روح انسانی بلذت امر خدا زندہ است قولہ تعالیٰ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ بدانکہ روح جمادی صورت است و روح نباتی نفس و روح حیوانی انسان است و روح انسانی عقل است۔ قالب بمشابہت زجاج است۔ روح انسانیت در دماغ بمشابہت روغن است از غایت صفا و لطافت۔ میخواہد کہ ببیند و بداند بدانکہ نار پیوند جملہ نور گشت۔ پردہ درمیان حایل گشت۔ ہمہ بماند قولہ تعالیٰ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ مراد ازین نار چون بروح انسانی پیوست نور شد بعینہ نور علیٰ نور گشت قولہ تعالیٰ يَهْدِي اللَّهُ بِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔

شاعری

شیخ فرید نے پنجابی، ہندی اور فارسی میں اشعار کہے ہیں۔ پنجابی کے اشعار

مشہور ہیں اور شلوک بابا فریدی کے نام سے شایع ہو چکے ہیں۔ سری گورو گرنتھ صاحب میں ان کے ۱۳۰ شلوک اور چار شبد موجود ہیں۔[1]

فارسی کے چند ابیات اور رباعیات یہ ہیں۔

عشق تو مرا اسیر و حیران کردہ است — در کوی خرابات پریشان کردہ است
با این ہمہ رنج و محنت ای دوست ببین — اسرار تو در دلم کہ پنہاں کردہ است

آنانکہ در ہوای تو شیدا نشستہ اند — از جملہ کس بریدہ و تنہا نشستہ اند
خود را فدای نام تو ای دوست کردہ اند — آن عاشقاں کہ بر تو رہ؟ شیدا نشستہ اند
در عالم تفکر بر دل نہادہ اند — گہی فتادہ و گہی برپا نشستہ اند
چو در دیش را کار بالا کشید — بیک لحظہ سر در ثریا کشید
چنان غرق گردد بدریای عشق — کہ یکدم سر از عشق بالا کشید

اصل ہمہ عاشقی ز دیدار آید — چون دیدہ بدید آنگہ در کار آید
در دام بلا نہ مرغ بسیار آید (؟) — پروانہ بطمع نور در نار آید

گر می ندہد ہجر تو وصلت یارم — با خاک سر کوی تو کاری دارم

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی — در روز دوای شخص بیمار کنی
تا دل نکنی ز غصہ و کین خالی — صد خرمن گل بر سر یک خار کنی

---

[1] مقالہ نسب نامہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ۔ اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۴۱ء

مجمع النفائس میں ان کے یہ اشعار مندرج ہیں[1]۔

هر سحر بر آستان سر میزنم | بو طریق دوستی سر در میزنم
همچو مرغ نیم بسمل بر درت | در میان خاک و خون پر میزنم
او مرا در عشق قربان میکند | بر آن الله اکبر میزنم

اس غزل کے باقی چار اشعار روز روشن میں دیئے ہیں

تا دم آتش شوم پروانه وار | خویش را بر شمع انور میزنم
چون شدم سلطان ملک چار طبع | پنج نوبت همچو سنجر میزنم
گر ضعیفم از رقیبان قوی | گام بر راهش برابر میزنم
تا مگر روزی بگوید ای فرید | روز و شب بر آستان سر میزنم

شب نیست که خون دل غمناک نریخت | روزیکه نه آبروی من پاک نریخت
یک شربت انجوش نخوردم عمری | تا باز زراه دیده بر خاک نریخت

تذکرہ شمع انجمن میں ذیل کی رباعی موجود ہے

دوشینه شبم دل حزینم بگرفت | و اندیشهٔ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسرو دیده دوم بردارد | اشکم بدوید و آستینم بگرفت

---

[1] مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری - ص ۲۸۰

کتاب الاوراد

کتاب الاوراد کے مؤلف شیخ بہاؤ الدینؒ زکریا ملتانی[1] ہیں جن کے توسط سے ہندوستان میں سلسلہ سہروردی کو فروغ ہوا۔ ان کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ سے خوارزم آئے اور پھر ملتان میں آ بسے۔ ان کے بیٹے شیخ وجیہہ الدین کی شادی کوٹ کروڑ (ضلع مظفر گڑھ) میں مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ انہی کے بطن سے شیخ بہاء الدین زکریا، ۲۷ رمضان ۵۶۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ بارہ برس کے تھے کہ والد انتقال کر گئے۔ سات سال تک خراسان میں ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل میں مشغول رہے۔ بخارا میں بھی بزرگان دین کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے۔ وہاں سے مدینہ منورہ میں گئے جہاں پانچسال تک کمال الدینؒ محمد یمنی سے حدیث پڑھی۔ مدینہ سے بیت المقدس کی سیر کرتے ہوئے بغداد میں شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کی خدمت میں صرف سترہ دن رہ کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ انہی کے حکم سے ملتان میں آ کر مقیم ہو گئے اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑی مقبولیت ہوئی۔ یہیں عراقی اور میر حسینی آ کر مرید ہوئے۔ بیٹے صدر الدین عارف اور پوتے رکن الدین عالم نامور خلفا ہوئے۔

---

[1] ان کے حالات کیلئے دیکھئے اخبار الاخبار، اخیار، تاریخ فرشتہ، سیر الاولیاء، بہاؤ الدینؒ زکریا از نور احمد فریدی ملتان ۱۹۵۰ء

شیخ بہاءالدینؒ کو غنی فقیر کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کے پاس بہت مال آتا تھا ان کی وفات پر شرعی تقسیم کی رو سے ہر فرد خاندان کو سترہ لاکھ دینار حصے میں آئے گھر برتن اس کے علاوہ۔ ۶۵۵ میں جب تاتاریوں نے حملہ کر کے ملتان کو برباد کیا تو انہوں نے اپنی جیب سے لاکھ دینار ادا کر کے اس شر کو رفع کیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے، متاع الدنیا قلیل۔ اس قلیل میں سے ہمارے پاس کیا ہو سکتا ہے۔ مال اگرچہ سانپ ہے لیکن اس کی محبت اس کو ضرر پہنچا سکتی ہے جو اس کا افسوں نہ جانتا ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ "غنا نیل رخسارۂ جمال ماست" ان کا قول ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک مال کا عدم و وجود برابر ہے۔ نہ جانے کا غم نہ آنے کی خوشی۔

شیخ بہاؤالدینؒ نے دین و دنیا میں بڑا مرتبہ پایا۔ مشائخ کبار نے بھی ان کی تعظیم کی اور بادشاہان زمانہ نے بھی ان کے سامنے سر انکسار جھکایا۔ امیر حسینی کے ان اشعار سے ان کے مرتبہ کا اندازہ کیجیے۔

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیاء   واصل حضرت، ندیم کبریا
مفخر ملت بہای شرع و دین   جان پاکش منبع صدق و یقین
سالکان را علمش اوستاد آمده   قدوۂ ابدال و اوتاد آمده
از وجود او بہ نزد دوستان   جنت الماوی شده ہندوستان

شیخ نے ۶۶۱ھ میں وفات پائی۔

تذکرہ روز روشن میں مندرجہ ذیل دو شعر ان سے منسوب کئے ہیں ؎

صفای دل ز فیض پیر کامل میشود پیدا   چو دل آئینہ میگردد مقابل میشود پیدا

دوستان را غنیمتی پندار
کہ سرای چند روزہ مہمان است

شیخ صاحب کی تالیفات میں سے "کتاب الاوراد" کا تذکرہ ملتا ہے۔ استاذ معظم مولوی محمد شفیع صاحب نے اس کے ایک قدیم نسخے کا حال بیان کیا ہے جس سے اس کتاب کی تفاصیل سے آگاہی ہوتی ہے[1]۔ یہ کتاب ۷×۵ انچ تقطیع کے ۲۹۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر فصل کا عنوان لفظ ذ سے شروع ہوتا ہے۔ پانچ نمازوں کے علاوہ نماز اشراق، نماز تسبیح، نماز چاشت، نماز تہجد، نماز احزاب، نماز استخارہ، نماز جنازہ اور نماز خواجہ اویس قرنی کی تفاصیل لکھی ہیں۔ طہارت، مسجد میں آمد و رفت، خورد و نوش، غسل و لباس، خواب و بیداری کے آداب بیان کئے ہیں۔ ورق ۱۹۹ سے آخر تک ہر مہینے کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں روزہ و حج کی تفاصیل بھی آگئی ہیں۔ ماہ و سال کے تمام مبارک موقعوں پر جن اوراد و ادعیہ کا پڑھنا خیر و برکت کا باعث ہے ان کو بیان کیا ہے

یہ کتاب شیوخ میں مقبول رہی ہے اور مریدوں کے لئے لائحہ عمل۔ ان تمام عبادات۔ مناجات۔ اوراد و ادعیہ کا منتہائے مقصود تزکیۂ نفس ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ میں مؤلف لکھتے ہیں :-

"چوں نفس تزکیہ یافت از صفات ذمیمہ بعد ازاں در دل کشادہ گردد و واردات کہ مواہب الٰہی است بر دل او فرود آید و دل او منور شود بنور حق سبحانہ و تعالیٰ و آں بابی شریفست و درینجا سخن بسیار است۔ بیش ازیں نشاید گفت کہ بگفت و گوی راست نیاید"

تحریر کا اسلوب پختہ اور واضح ہے۔ مناجات کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔ انداز میں خلوص موجود ہے

---

[1] صنمیہ اورینٹل کالج میگزین مئی۔ اگست۔ نومبر ۱۹۵۵ء

نگاہدارا! کارہا و کاروان ہمہ مسلمانان را در عافیت و در رضاء خود باصلاح آر۔ کردۂ مارا درگذار و آیندہ را نگاہدار۔ مارا بغیر خود مخزول مکن۔ مارا بدون خود مشغول مکن۔ مارا از یاد خود معزول مگردان۔ اگر پرسی حجتی ندارم اگر بسوزی طاقت ندارم۔

اس کتاب کی ایک مفصل شرح موجود ہے جس کا نام کنز العباد فی شرح الاوراد ہے۔ اس کے مصنف حضرت رکن عالمؒ کے ایک مرید مولانا علی احمد غوری ہیں۔ شرح میں تفسیر، فقہ اور فتاوی کی پچاس ساٹھ کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ اس شرح کا ایک ناقص نسخہ آستانہ زکریا ملتان میں موجود ہے لیکن پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ دو جلدوں میں موجود ہے۔ شروع سے چند اوراق گم ہیں۔ تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الاوراد کے حواشی پر جو شرح موجود ہے وہ کنز العباد کے ہی بعض اقتباسات ہیں مثلاً کتاب الاوراد کے صفحہ ۴۰ کے حاشیے پر جو عبارت درج ہے وہی کنز العباد ج ۲، صفحہ ۳۶۱ پر درج ہے۔ حاجی خلیفہ نے کنز العباد کو اوراد الشیخ الاجل محی السنتہ شہاب الدین سہروردی کی شرح بتایا ہے[1] جو غلط ہے۔ فہرست مخطوطات بوہار لائبریری کلکتہ اور فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری میں بھی حاجی خلیفہ کی تقلید میں الاوراد کو شہاب الدین عمر سہروردی سے منسوب کیا گیا ہے حالانکہ شہاب الدین سہروردی نے فارسی میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔

ایک صاحب نظام احمد ہیں جنہوں نے آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں ادعیہ و اوراد پر ایک کتاب مرتب کی۔ اس کا ایک قدیم نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ فاضل محقق مولوی محمد شفیع صاحب نے اپنے محولہ بالا مضمون میں

---

[1] کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۵۱۷۔

اس کی تفاصیل پیش کی ہیں۔ اس کتاب میں مولف نے اوراد شیخ کبیر بہا الحق والدین زکریا قریشی کا تذکرہ کیا ہے۔

تذکرہ حمیدیہ

یہ ایک رسالہ ہے جو شیخ حمیدالدین حاکم (۷۰۰ - ۳۴۷ھ) کے احوال و اذکار پر مشتمل ہے۔ اس کا اصل مخطوطہ محررہ ۱۱۱۰ھ غلام دستگیر نامی صاحبؒ کے پاس موجود ہے انہوں نے ۱۹۱۵ء میں اس کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں اس کو دوسری مرتبہ چھاپا۔ اصل کتاب اٹھاون صفحوں پر مشتمل ہے لیکن حواشی و تعلیقات کے ساتھ کل بہتر صفحات ہو گئے ہیں۔

اس کتاب میں کشف و کرامات کے علاوہ جو سوانحی تفاصیل موجود ہیں ان کو ہم حمیدالدین حاکم کے تذکرہ میں لکھ آئے ہیں، یہ کتاب اس لئے بڑی اہم اور قابل قدر ہے کہ کسی اور کتاب میں ان کی زندگی کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں۔ اخبار الاخیار مؤلفہ شیخ عبدالحق دہلوی نے تقریباً ان کے تمام معاصرین حضرات جلال الدین بخاری راجو قتالؒ، مخدوم جہانیاںؒ، بہاءالدین زکریاؒ، صدر عارفؒ، رکن الدین . . . مسعود فریدؒ، اور نظام الدینؒ اولیا، اور دہلی کے دوسرے عرفا کا ذکر کیا ہے لیکن شیخ حاکم ان کے تذکرے میں جگہ نہیں پا سکے۔ پرانے تذکروں میں سے انیس الواصلین اذکار ابرار اور تذکرہ قطبیہ میں ان کا مختصر حال درج ہے۔

اس کتاب کے مؤلف شیخ شہر اللہ بن رحمۃ اللہ بن حاجی بن کالو لانگاہ ہیں جنہوں نے خود اس کتاب کا سبب تالیف یوں بیان کیا ہے کہ جب سلطان سکندر لودھی (۸۹۴-۹۲۳ھ) نے سلطان حسین شاہ لانگاہ شاہ ملتان پر حملہ کرنے کے لئے فوجیں

روانہ کیں تو سلطان حسین نے مؤلف سے درخواست کی کہ وہ ان کی فتح و کامرانی کے لئے دعا کریں۔ شہر اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے اور میرے آباؤ اجداد کو قدوۃ السالکین سلطان التارکین قطب العالمین، غوث السالکین، بدر الطریقہ، برہان الحقیقۃ، عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، حضرت عالم، عارف عاشق حمید الملۃ والشرع والدین مخدوم شیخ حمید الدین حاکم ابوالغیث قریشی ہکاری آل رسول اللہ الہاشمی سے گہری عقیدت رہی ہے۔ اس لئے میں ان کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوا اور سلطان حسین کی کامیابی کی بشارت پائی۔ اسی موقع پر میں نے ان کے حسب و نسب اور زندگی کے دیگر حالات قلمبند کئے۔

سلطان حسین لانگا کا عہد حکومت ہے اس لئے قیاس ہے کہ یہ کتاب ۹۰۰ ھ کے آس پاس لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں بھی بعض جگہ ملتانی اور سندھی کے اشعار اور دوہے مذکور ہیں جن سے اس زمانے کی زبان کے نمونے سامنے آتے ہیں۔

اس تذکرہ کا انداز بیان سادہ، واضح اور رواں ہے عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

"جدّوی (یعنی جدّ سلطان حاکمؒ) سلطان السلاطین سلطان قطب الدین والی کیچ مکران بود و در ہمان عہد حضرت سید السادات صاحب العرفان والتحقیق سلطان سید احمد توختہ قدس سرہ العزیز تشریف ارزانی در شہر مکران فرمودند از بلدہ ترمذ دختر خود باسم بی بی حاج برای شہزادہ سلطان بہاء الدین نسبت فرمودند"۔۔۔

"توختہ در ترکی استادہ را گویند" یہ خطاب آپ کو اپنے مرشد سے ملا تھا کیونکہ وہ شب بھر ان کی خدمت میں کھڑے رہتے تھے۔

(نقل از تذکرہ قطبیہ مطبوعہ ص ۳۱، پا ورق)

تذکرۂ قطبیہ

اس کتاب کے مصنف جمال الدین ابوبکر ہیں جو شیخ عبدالجلیل حادثی القریشی الہنکاری ہاشمی کے مرید، خلیفہ اور چھوٹے بھائی ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالجلیل ۹۱۰ھ میں وفات پا گئے۔ ان کا مزار اب بھی میکلوڈ روڈ پر واقع ہے۔ وہ لودھی خاندان کے عہد حکومت (۸۵۴ — ۹۳۰ھ) کے زوال سے بیس سال پہلے تک ہدایت و ارشاد کا سرچشمہ تھے۔ تذکرہ قطبیہ انہی قطب عالم کے احوال و اذکار و کرامات پر مبنی ہے۔

شیخ جمال الدین اور ان کے پیر طریقت حضرت حمید الدین حاکم کی اولاد میں سے ہیں۔ مصنف نے اپنا نسب نامہ خود بیان کیا ہے۔

جمال الدین ابوبکر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شہاب الدین بن شیخ نورالدین بن سلطان التارکین تاج الاولیا، حمید الملت والشرع والدین شیخ حاکم اٹھارہویں پشت تک سلسلہ نسب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف تک پہنچتا ہے۔ شیخ جمال اپنے آبائی وطن مومبارک (بہاولپور) سے لاہور میں آگئے اور اپنے برادر معظم شیخ جلیل سے ظاہری اور باطنی تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ یہیں اپنے بھائی کے روحانی کمالات دیکھ کر ان کی بیعت کی۔ سلطان سکندر لودھی کے بھائی سلطان بابک کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ اپنے پیر کی ہدایت پر حصار فیروز شاہ کی طرف چلے گئے۔ یہ انتقال مکانی شیخ طریقت کے سال وفات یعنی ۹۱۰ھ سے کچھ ہی پہلے کی بات ہوگی کیونکہ مرشد نے بتایا کہ جیسے صدرالعارف کی وفات پر

رکن عالم موجود نہیں تھے اور شیخ فریدؒ شکر گنج کی وفات پر ان کے خلیفہ نظام الدینؒ اولیاء موجود نہیں تھے تم بھی میرے سفر آخرت پر موجود نہیں ہو گے۔ تذکرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں پھر لاہور آ گئے کیونکہ کتاب میں مرشد کی وفات کے بعد کے واقعات کا بھی ذکر موجود ہے۔ شیر شاہ سوری (۹۴۵ - ۹۵۲ھ) حضرت عبدالجلیل کے مزار پر حاضر ہوئے اور لنگر کے لئے زمین موقوفہ میں اضافہ کیا اور فرمان پہ مہر لگا دی۔ اذکار ابرار مؤلفہ ۱۰۱۴ھ کے مطابق جمال الدین سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں ہی آگرہ چلے گئے تھے۔ قیاس ہے کہ عہد شیر شاہ سوری میں ہی وفات پا گئے اور آگرہ کے قریب ایک بستی جوگی پورہ میں مدفون ہوئے۔

اذکار ابرار میں لکھا ہے کہ وہ علوم ظاہری میں بھی متبحر تھے اور انہوں نے وصایای امام محمدؒ اور اصول بزدوی کی شرح لکھی تھی۔ لیکن محمد غوثی مصنف اذکار نے شیخ جمال الدینؒ کی اس تصنیف یعنی تذکرہ قطبیہ کا ذکر نہیں کیا۔ مصنف اپنے آپ کو داعی کافہ اہل اسلام جمال الدینؒ ابا بکر لکھتے ہیں۔

تذکرہ قطبیہ کی تاریخ تصنیف ۹۴۷ھ کے نزدیک سمجھنی چاہیئے کیونکہ اس تاریخ کے بعد یعنی شیر شاہ سوری کی تخت نشینی کے بعد کا واقعہ مذکور نہیں۔ اس تذکرے میں لاہور کے ایک جلیل القدر صوفی درویش کی زندگی کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ تذکرے کا زیادہ حصہ ان کے روحانی کمالات اور کرامات پر مشتمل ہے چنانچہ ان کے کمالات میں سے مٹی کا سونے میں تبدیل ہو جانا۔ دریا کا رخ بدل جانا۔ تھوڑا کھانا زیادہ آدمیوں کے لئے کافی ہو جانا۔ اپنے جسم کو غائب کر لینا۔ اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ دودھ کا خون میں تبدیل ہو جانا۔ کھاری پانی کا شیریں ہو جانا وغیرہ مذکور ہیں۔ پیر غلام دستگیرؒ نامی نے تاریخ جلیلہ میں اس کتاب میں مذکورہ کرامات کو شمار کیا ہے۔

یہ تذکرہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں نویں صدی کے اواخر میں لاہور کی ایک جھلک ملتی ہے۔ قبرستان میانی صاحب کی جگہ جو "ڈھیرہ" کہلاتی تھی خانقاہ جلیلہ کے قریب کا علاقہ کوٹ کروڑہ کہلاتا تھا۔ یہاں افغان امرا کی عمارات تھیں۔ غازی خانی کا تالاب، دولت خاں کی باولی قریب ہی واقع تھی۔ موجودہ لنڈا بازار اور میکلوڈ روڈ کے درمیان دریائے راوی کی گذرگاہ تھی۔ شیخ عبدالجلیل کے زمانے میں ہی دریا نے اپنا راستہ بدل لیا۔ موجودہ شالامار باغ کے قریب ہی موضع ہانڈہ گوجر تھا جس کے "تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ شیخ نے مسجد تعمیر کروائی جس کا سنگ بنیاد دولت خان لودھی نے رکھا۔ اس کتاب میں لاہور کو لہانور لکھا ہے۔ یہ نام پہلی مرتبہ کشف المحجوب میں مذکور ہوا ہے۔ لاہور کے قریب رسول کوٹ بھی ایک بارونق بستی تھی۔ شیخ کے ارشاد پر ہی رائے رام دیو نے بٹالہ کی بنیاد رکھی۔

اس تذکرے کی وساطت سے ہم اس زمانہ کے ان برگزیدہ صوفیا اور نومسلم کی شخصیتوں سے بھی آشنا ہوتے ہیں جو خانقاہ جلیلہ سے وابستہ رہے اور جنہوں نے شیخ بزرگ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت کے بھائیوں اور بھتیجوں کے علاوہ مصنف نے جابجا شیخ یونس، شیخ جلال، شیخ مولہ نجار، شیخ مٹھو سیاہ پوش، شیخ موسیٰ آہنگر، ملا قرن، شیخ زین العابدین، شیخ راجو ولد شیخ لدھا کمبوہ کا ذکر کیا ہے جو مرشد کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

تذکرہ کے آخری بیس تیس صفحوں میں شیخ عبدالجلیل کے طریق اذکار، وجد و سماع کی کیفیات، پاس الانفاس اور حفظ قلوب کے طریق۔ تلقین مریدان کے لئے مختلف ہدایات اور اوراد و وظائف مذکور ہیں۔ مرشد جن جن سلسلہ ہائے صوفیہ کی طرف سے خرقۂ خلافت بخشنے کے مجاز تھے۔ ان کا بھی ذکر کیا ہے یعنی خلافت سہروردیہ، خلافت جنیدیہ، سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ مداریہ کے ان واسطوں کے نام لئے ہیں جن سے

ان کو ارشاد وہدایت اور خلافت کا منصب تفویض ہوا تھا۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے اپنے مرشد کے بعض ملفوظات بھی لکھے ہیں جو پند و حکمت سے معمور ہیں۔ مصنف شادی پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔ ان کو یوں تلقین کی ہے۔

"برو آن سنت آن سرور علیہ السلام بجا آر۔ نہ بینی کہ در آب جاری اگر کسی نظر کند از بیقراری او محجوب ماند و اگر در آوندش کنند بقرار آید۔ درو خود را مشاہدہ می توان کرد پس در معنی ازین یک تسکین ظاہری خود پیدا می شود، آزادگی دل است از مادون اللہ نہ آزادگی تن" ص ۴۰

ایک اور نصیحت ملاحظہ فرمائیے۔

"چوں آدمی بہ مجلس اہل دنیا برود باید کہ او زبان خود را از ناگفتنی نگہدارد تا عزت او فوت نشود و چون کسی بملازمت درویش برود باید کہ دل خود را از خطرات لایعنی نگاہدارد تا باو مضرت نرسد" ص ۶۹

کتاب میں دو تین جگہ سندھی دوہڑے اور پنجابی جملے بھی نقل کئے گئے ہیں۔ جن سے اس زمانے کی مروجہ زبانوں کے نمونے دستیاب ہوتے ہیں۔ پنجابی کے یہ نمونے دیکھئے۔

مانہ جواری روٹیاں اتنے مولی پت ص ۵۷

کنکر توں شنگرجے سائیں بھاوے تاکنت گھر آوے ص ۳۱

مصنف خود بھی فارسی عبارتوں میں پنجابی الفاظ استعمال کر جاتے ہیں، مثلاً

"ہیچ سواد این طعام نمی شد (مزہ) ص ۵۷

اکثر شہر دیہج (جہیز) داد ص ۵۸

روغن تلخ ۔۔ ہمہ فلیل اعلیٰ گشت (پھولوں کا عطر) ص ۶۱

تذکرہ کی زبان سادہ اور بے تکلف ہے، اسلوب بیان رواں اور مستقیم ہے لیکن فارسی میں مقامی عنصر نمایاں ہے۔ بعض جملوں کی ساخت ایرانی انداز بیان سے مختلف ہے۔ شیخ عبدالجلیل کے القاب کی ترکیب ہی میں مقامی محاورہ شامل ہے حضرت بندگی یا چوہڑ شاہ بندگی کہنے سے غیر آدمی مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ مثال کے طور پر یہ جملہ دیکھئے۔

"ملک بجلی خانی ۔۔۔۔ حضرت بندگی ۔۔ وانسبت عاجزۂ خود بزنی دادہ"!

یعنی اپنی لڑکی ان سے بیاہ دی۔ ایرانی اس بات کو اس محاورے میں نہیں لکھتے۔

تذکرہ کی عام عبارت کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

"روزی زوجہ دولت خان بخدمت بندگی حضرت قطب العالم علم اللہ تعالیٰ پسر خود آورد و عرض نمود کہ یا شیخ من زوجۂ ملک فہیم چوہان بودم۔ چون او در جنگ کشتہ شد و دولت خان مارا مسلمان ساختہ در عقد آورد۔ از ملک فہیم فرزندی دارم بنام ملک شرق بخدمت آنحضرت برای مرید کردن آوردہ ام"

جمال الدین ابابکر مطالب کو نظم بھی کر لیتے تھے چنانچہ انہوں نے کتاب کے آخر میں اپنی ایک عارفانہ غزل بھی لکھی ہے ؎

ہر جا کہ ہست پرتو روی تو لامع است
ای از جمال تو ہمہ غوغا برای چیست
اسلام و کفر ہر دو در انجا برابر است
فرق میان مومن و ترسا برای چیست

امروز چون جمال تو بی پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برای چیست

زاہد لطیفہ گفت کہ روی بتان مبین
ای بی تمیز دیدۂ بینا برای چیست

دلق جمال از گرو بادہ جام شد
تسبیح و طیلسان و مصلا برای چیست

تذکرۂ قطبیہ کا ایک قلمی نسخہ محررہ ۱۱۸۵ھ پیر غلام دستگیر نامی متولی خانقاہ جلیلہ کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے اسی نسخے کی بنا پر ۱۹۵۲ء میں اس کو شائع کیا۔ پروفیسر محمد شجاع الدین استاد تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے اس کتاب کے دیباچے میں اس کی تاریخی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہیں کی فرمائش پر نامی صاحب نے یہ کتاب شائع کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تاریخ طباعت کے ضمن میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شجاع الدین ایم اے نے جو چاہا
خدا کے فضل سے پورا ہوا ہے

سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاںؒ

مخدوم جہانیاں، سید جلال سرخ بخاری کے پوتے ہیں اور اُچ کے نامور روحانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۷۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ جلال الدین بخاری نام اور مخدوم جہانیاں لقب پایا۔ چونکہ اطراف جہاں میں سفر کیا۔ اس لئے جہانگشت کے لقب سے بھی مشہور رہے۔ شریعت میں بھی اور طریقت میں بھی بڑا مرتبہ پایا۔ بڑے بڑے بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کیا۔ شروع میں اپنے چچا شیخ صدرالدین قتال بخاری سے خرقہ ارادت پہنا۔ شیخ رکن الدین کی نگرانی میں ملتان میں مولانا حمیدالدین اور استاد موسی سے ہدایہ اور بزودی کا سبق پڑھا۔ شیخ الاسلام سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبدالمطری کی خدمت میں دو سال تک حرم نبوی میں رہے۔ کتاب عوارف اور دوسری تصوف کی کتابیں ان سے پڑھیں اور طریقت و تلقین ذکر انہیں سے حاصل کیا۔ سات برس تک مکہ میں امام عبداللہ یافعی کی صحبت میں رہے شرف الدین محمود شاہ تستری کی خدمت میں عوارف پڑھ کر سنائی تاکہ مصنف کے ساتھ روحانی پیوند ہو جائے۔ کیوں کہ انہوں نے خود شیخ الشیوخ سے عوارف پڑھی تھی۔[1]

اسرار الابرار (ص ۱۵) میں سراج الہدایہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں نے مندرجہ ذیل مشائخ و اولیاء سے بلاواسطہ فیض حاصل کیا۔[2]

---

[1] اخبار الاخیار [2] اسرار الابرار مولفہ داؤد مشکواتی۔ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

شیخ جلال الدین برکی، شیخ حمید الدین محمود، شیخ شہاب الدین ابی سعید
شیخ مجد الدین عبید المغنی، شیخ صدر الدین محمد بخاری۔ مخدوم سید احمد کبیر بخاری،
شیخ رکن الدین المشتہر بشاہ رکن عالم۔ شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری،
شیخ نصیر الدین محمود اودھی، شیخ سید حمید الدین محمود سمرقندی و شیخ المحدثین
عفیف الدین و شیخ امام گازرونی۔ شیخ شمس الدین اودھی۔ شیخ
امین الدین گازرونی۔

سلطان محمد تغلق کے عہد میں مخدوم جہانیاں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے۔
سیوستان میں چالیس خانقاہیں ان کے تصرف میں کر دیں[1] لیکن کچھ عرصہ کے بعد سب کچھ
ترک کر کے حج کو چلے گئے۔ سلطان فیروز تغلق کے عہد میں کئی مرتبہ اُچہ سے دہلی جاتے
رہے۔ بادشاہ عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ ملاقات کے وقت تخت سے کھڑے
ہو جاتے۔ ان کی قیام گاہ پر بھی تشریف لے جاتے۔ سید مخدوم بادشاہ کے حضور
میں حاجت مندوں کی درخواستیں بھی پیش کرتے اور بادشاہ ان پر مناسب حکم لکھ دیتے۔

سندھ میں مخدوم صاحب کا بڑا اثر تھا۔ جام جونہ اور بانبیہ جب گجرات اور پنجاب
میں فتنے اٹھا رہے تھے اور فیروز شاہ تغلق نے ٹھٹہ پر حملہ کیا تو مخدوم نے ہی سفارش
کر کے ان کو معافی دلائی۔

۷۸۵ھ میں وفات پائی اور اُچہ میں مدفون ہوئے۔

داؤد خاکی کشمیری نے مخدوم جہانیاں کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار
میں ان کی صفات گنوائی ہیں۔

علامہ عصر خویشتن بود | در فقہ و حدیث و علم تفسیر

---

[1] الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم، ص ۲۵۵

بعضی ز صفات او مریدان — کردند بچند جلد تحریر
تصنیف او خزانہ جلالی است — مشحون ز ہر آنچہ کردہ تقریر
چہل سال بہ بحر و بر سفر کرد — در کسب فضایل او بتوفیر
بگذاردہ ہفت حج اکبر — از یاری حق حقیقی تکبیر
بشنید سلام را جوابی
از قبر نبی بدون تاخیر

ملفوظات مخدوم جہانیاں [1]

مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے تین مجموعے موجود ہیں۔ یہ تحریریں علمی، تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے بڑی اہم شمار ہونے کے قابل ہیں کیونکہ ان نجی مجلسی صحبتوں میں مختلف موضوعات پر بے تکلف گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اس لئے علمی فوائد کے علاوہ اس زمانے کے بعض ثقافتی اور سیاسی گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے
ڈاکٹر ریاض الاسلام نے ان تینوں مجموعوں کا مختصر تعارف کرایا ہے جو انہوں نے رامپور سٹیٹ لائبریری اور ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ میں دیکھے تھے [1]

ایک مجموعے کا نام خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم ہے۔ اس کے مرتب ابو عبداللہ علاء الدین علی بن سعد القرشی الحسینی ہیں جو حضرت مخدوم کے ساتھ شب و روز ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۰ محرم ۷۸۲ھ تک دہلی میں رہے۔

---

1 Collections of the Malfuzat-i-Makhdoom-i-Jahaniyan an article by Dr. Riazul Islam, published in the Proceedings of Pakistan History Conference, 1951.

یہ کتاب حضرت مخدوم کے معتقدات پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔ نہ صرف ایک عالم درویش کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ اس زمانے کے حنفی شافعی علماء کے فقہی اختلافات تک کا اس میں ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید کی قرات، تفسیر، صوفیہ کے اوراد و وظایف اور صوم و صلوٰۃ، دوسرے مشاغل کو تاریخ و وقت کی قید سے بیان کیا گیا ہے چونکہ بعض مریدان سے قرآن، حدیث اور عوارف کو درساً پڑھتے تھے۔ اس لئے سبق کے دوران میں بہت سے علمی ادبی نکات پیدا ہوتے تھے مرتب نے ان کو بھی قلمبند کیا ہے۔ چونکہ سید مخدوم کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا ایک خدمت گذار ان کے ملفوظات کو قید تحریر میں لا رہا ہے اس لئے وہ خود بھی مطالب و معانی بیان کرنے کے بعد مرتب کو مخاطب کر کے کہتے "فرزندِ من این فائدہ کہ گفتم بنویسید یا ایں غریب است بنویسید؛

اس کتاب کے بیانات سے ظاہر ہے کہ حضرت مخدوم کی شخصیت بڑی محترم تھی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے بیٹے۔ پوتے۔ خان جہان۔ شیخ الاسلام۔ کوتوال اور دوسرے امرا، ان کی ملاقات کو آتے تھے۔ کتاب میں بادشاہ کے ساتھ دو ملاقاتوں کا ذکر ہے۔ حضرت مخدوم بعض کاموں کے لئے بادشاہ کے پاس سفارش کرتے تھے اور روزینے مقرر کر دلاتے تھے۔

مرتب نے ۱۹۵ شعبہ ہائے علوم دین و تصوف کے نام لئے ہیں جن پر حضرت مخدوم کو عبور تھا مختلف مجالس میں جو قسم قسم کے سوالات و موضوعات زیر بحث آتے تھے وہ اس بات کی شہادت ہیں کہ واقعی حضرت مخدوم کو علوم دین و تصوف میں کمال حاصل تھا۔ حافظہ بھی قوی تھا۔ بے شمار احادیث بزرگوں کے اقوال اور عربی فارسی اشعار اسناد کے طور پر پیش کرتے جاتے تھے۔

اس کتاب میں مخدوم جہانیاں کے معاصر یا قریب العصر اولیاء اللہ مثلاً شیخ رکن الدین

شیخ جمال الدین اچی، شیخ بہاؤ الدین۔ شیخ صدر الدین عارف۔ شیخ فرید الدین۔ شیخ عبد اللہ مطری کی زندگی کے بارے میں بھی بعض واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ بعض کے روحانی کمالات اور ان کی کرامات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین کی برکت سے فرشتے آئے اور مغلوں کو ملتان سے بھگا دیا (ص ۲۹۶، الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم) شیخ صدر الدین عارف نے یا حی یا قیوم قم باذن اللہ کہہ کر بڑھیا کے جوان بیٹے کو زندہ کر دیا (ص ۲۹۷)

اپنی زندگی کے تجربوں میں سے بعض عجیب واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ جن سے مسلمانوں کے معتقدات پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً بیان کیا ہے کہ ملک یمن اور بلاد عرب میں رواج ہے کہ اس طرف خواجگان تجار خانقاہیں بالائی منزل میں بناتے ہیں اور ان کے نیچے حجرے بناتے ہیں۔ کنیزکان سریہ یعنی لونڈیاں بازار سے خریدتے ہیں۔ جب کوئی مسافر آتا ہے۔ اگر وہ جورو والا ہے تو لونڈی کو ہبہ کر دیتے ہیں یعنی بخش دیتے ہیں اور اسکی ملک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ خلوت کے واسطے ملک شرط ہے جس وقت وہ جاتے ہیں اس بخشی ہوئی لونڈی کو مالک کے سپرد کر دیتے ہیں اور اگر مسافر جورو نہیں رکھتا تو اس کے ساتھ نکاح کر دیتے ہیں جب جاتا ہے چھوڑ دیتا ہے اور مالک کو سونپ دیتا ہے . . .
(الدار المنظوم ص ۲۶۹ - ۲۷۰) معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم اس قسم کے متعہ کو جائز سمجھتے تھے چنانچہ بعد میں انہوں نے کہا ہے کہ اس طرف یہ بات نہیں۔ اگر حاضر کو حاجت ہو تو وہ کہاں جائے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت کے وقت تک لونڈیوں کی خرید و فروخت جائز سمجھی جاتی تھی۔ اور محدود وقت کے لئے ان کے استعمال کی اجازت تھی۔ منکوحہ عورتوں کے علاوہ لونڈیاں رکھنا بھی جائز خیال کیا جاتا تھا چنانچہ شیخ جمال الدین اُچی معظم درویش کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ہاں ایک لونڈی سے بچہ ہوا تو ان کے دوسرے بیٹوں نے اس کو اپنا بھائی قرار دینے

سے انکار کردیا لیکن حضرت مخدوم کی تصدیق کے بعد انہوں نے اس کو بھائی سمجھا (ص ۶۲۲)

ایک اور عجیب واقعہ روافض کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ خود ایک دن ایک گھر میں مہمان ہوئے گھر کی عورت نزدیک آکر بیٹھی اور اس نے کہا حرمت علی زوجی وحللت لک مادمت فی البیت (میں نے اپنے آپ کو خاوند پر حرام کرلیا اور جب تک تو میرے گھر میں ہے میں نے تیرے لئے حلال کرلیا) فرماتے ہیں میں خطرہ دیکھ کر وہاں سے چل دیا۔ (ص ۳۲۵)

سید مخدوم نے ترہیب و ترغیب والی احادیث کو بھی جا بجا بیان کیا ہے اور تصوف و درویشی کے متعلق تصوف کی کتابوں میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان کو بھی جرح و تعدیل کے بغیر نقل کیا ہے ان میں سے بعض احادیث کو بایزید انصاری نے اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے خاص طور پر تابعث شیخ کے بارے میں ان کی احادیث کو وضعی مانا گیا ہے اور ملا اخوند درویزہ نے ان کو برا بھلا کہا ہے۔ مثلاً یہ احادیث دیکھئے۔

الفقری فخری (ص ۲۷۱)

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ (ص ۲۳۱)

من مات من العشق فقد مات شہیداً (ص ۸۳۲)

ترک الدنیا راس کل عبادۃ (ص ۲۱۵)

خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم کے تین قلمی نسخے رامپور سٹیٹ لائبریری اور ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی ذوالفقار احمد نے ۱۳۰۹ ہجری میں کیا تھا جو مطبع انصاری دہلی میں دو جلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔

اسلوب تحریر میں کوئی خاص بات نہیں، گفتگو کے انداز میں مطالب کا اظہار کیا گیا ہے جیسا مطلب ویسا انداز عبارت، عموماً سادہ ہے۔ مثال کے طور پر یہ نمونہ دیکھئے۔

"عقل نوریست در تن آدمی، روشن میکند بدان راه از ابتدا تا انتہا یعنی از آغاز کار تا پایانِ کار۔ اگر اینچنین می شود، دریافت حواس شود و اگر این نباشد مجنوں گویند مسلوب العقل۔ عاقل آنست که اندیشه کند پایانرا۔ پس ظاهر می شود بدان عقل مطلوب دل، پس درمی یابد آنرا بتامل"

سراج الہدایہ

ملفوظات جلال الدین حسین ابن احمد بن حسن الحسینی البخاری۔

ان ملفوظات کے مرتب نے دیباچہ میں اپنے آپ کو احمد برنی لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ۔۔ رجب ۷۷۲ھ میں سید السادات ٹھٹھہ کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی میں آئے تو ان کو دس ماہ تک حضرت کی خدمت میں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ مرتب نے حضرت کی اجازت سے ان کے ملفوظات کو قلمبند کرنا شروع کیا اور جگہ جگہ سوالوں کے لئے ان سے کتابوں کے نام بھی پوچھتے رہے۔ حضرت مخدوم کے ایک انیس وجلیس سید قاسم نے ان کو ایسا کرنے سے روکا لیکن انہوں نے جواب دیا۔ چونکہ حضرت کے پاس دینی کتب کا ذخیرہ بھی ہے اور علماء و مشائخ بھی ان کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے استفادہ مناسب ہے۔ چنانچہ انہوں نے تفسیر و احادیث مسائل حکایات مشائخ کبار اشعار و ابیات وغیرہ جمع کئے اور ان کو نو ابواب میں تقسیم کر کے سراج الہدایہ نام رکھا۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد ایک صاحب نے اپنے آپ کو احمد معین سیاہ پوش علوی نبیرہ...... نور الحق والدین سید مبارک غزنوی لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ قطب العالم ۷۸۰ھ میں اچہ سے دہلی آئے۔ ان کی آمد سے پہلے ان کے بیٹے مخدوم زادہ سید عبداللہ، سلطان فیروز شاہ کو اطلاع دینے کے لئے دہلی آئے۔ یہ صاحب مخدوم سید عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ فوائد دینی کے متعلق حضرت کے مرتبہ نسخہ کتابی عنایت فرمائیں تاکہ ہم تبلیغ دین میں اور زیادہ کوشش

کریں۔چنانچہ انہوں نے ملفوظات کا نسخہ عنایت کیا اور ہم نے اسے نقل کیا اور وہ مندرجہ ذیل نو ابواب پر منقسم تھا۔ یہ بیان مرتب کے پہلے بیان سے مختلف ہے اگر دوسرا بیان صحیح ہے تو احمد معین محض کاتب ہیں اور مؤلف یا مرتب مخدوم زادہ سید عبداللہ ہیں یا اور کوئی صاحب۔

ابواب:

۱۔ دربیان احادیث

۲۔ دربیان روایات فقہ واحکام پیر ومسائل دین و مرید گرفتن۔

۳۔ دربیان فواید احکام شرع کہ جملہ نصیحت است (قصہ قوم لوط وفضیلت حروف مقطعات)

۴۔ دربیان حکایات۔

۵۔ درقصص انبیاء۔ دربیان نماز ودعا کہ برآمدن حاجات را شاید۔

۶۔ دربیان ہفتاد و دوملت۔ گروہ بنی آدم وبیان مذہبہا۔

۷۔ دربیان احادیث مصباح ودربیان فضائل میوہ ھا وخضریات برحکم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وحدیث طبقات وبیان خرابی دیارہا۔

۸۔ دربیان اشعار عربی ونظم فارسی برطریق فضائل وفضیلت سورۂ فاتحہ وجزاں۔

۹۔ دربیان مسائل متفرقہ۔

مندرجہ بالا دو بیانات مرتب کے ملفوظات کے متعلق شک کی گنجایش پیدا کرتے ہیں۔اس لئے عبدالقدوس صاحب مؤلف تذکرہ صوفیائے پنجاب نے 'بزم صوفیہ' مؤلفہ صباح الدین عبدالرحمٰن کے حوالے سے لکھا ہے کہ سراج الہدایہ کا ایک نسخہ رامپور میں موجود ہے جس کے مرتب احمد برنی ہیں پھر ایک دوسرے مخطوطہ مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علیگڑھ) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے جامع سید عبداللہ ہیں اور سال ترتیب ۷۸۰ھ ہے لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ اس کے مرتب کے بارہ میں ضرور تسامح

ہوتا ہے ۔ سراج الہدایہ کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے اصل مرتب احمد برنی ہیں ۔ اور سال ترتیب ۷۷۲ھ ہے احمد معین سیاہ پوش کوئی دوسرے بزرگ ہیں ۔ جنہوں نے مخدوم سید عبداللہ سے یہی نسخہ حاصل کر کے اپنے لئے لکھا ۔ سال تحریر ۸۰۷ھ ہے ۔ اس سال قطب العالم مخدوم جہانیاں زندہ نہیں تھے وہ تو ۷۸۵ھ میں وفات پا چکے تھے ۔ اس لئے یہ سال تالیف و ترتیب نہیں ہو سکتا چونکہ ان احمد معین صاحب نے احمد برنی اصلی مرتب کی تمہید کے بعد اپنا تمہیدی بیان داخل کر دیا ۔ اس لئے پروفیسر خلیق صاحب یا عبدالقدوس صاحب کے لئے مغالطہ کا باعث بنا ۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ ۱۴۵ اوراق پر مشتمل ہے ۔ تقطیع ۶½" × ۱۰ - ۱۰" ہر صفحہ پر انیس سطریں اور ہر سطر میں گیارہ بارہ لفظ ہے ۔ مکتوبہ ۱۱۳۰ھ ۔

جامع العلوم کی طرح سراج الہدایہ بھی معلومات کا ایک ذخیرہ ہے ۔ مرتب نے اس کو مجالس کے لحاظ سے تاریخ وار مرتب نہیں کیا بلکہ مختلف ابواب کے زیر عنوان معلومات کو جمع کر دیا ہے ۔ مندرجہ ذیل ابواب کے ما سوا ہر باب میں مختلف و متفرق مسائل و مباحث پر گفتگو آ گئی ہے ۔ کسی خاص موضوع کو مد نظر رکھ کر باب نہیں باندھا گیا ۔ (۱) قصص الانبیاء ؛ (۲) در بیان فضایل میوہ ھا و خضریات ۔

۳ ۔ در بیان ہفتاد و دو ملت ۔ ۴ ۔ در بیان اشعار عربی و فارسی ۔

گفتگو کے وقت مرتب سوال بھی کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب پاتے ہیں ۔ جواب کو "قطب العالم دامت برکاتہ میفرمودند" سے شروع کرتے ہیں ۔ جن جن کتابوں سے مسائل کے جوابات اخذ کئے گئے ہیں ان کے حوالے بھی موجود ہیں ۔ مثلاً مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر موجود ہے ۔

الفتاوی العتابیہ (ص ۵) مختصر النوادر الہشام (ص ۵) تفسیر زاہد (۷)

خزانۃ الفقہ (۸) مجمع النوادر (۱۴ ل) نوادر الفتاوی (۱۵) روضۃ العلماء (۱۰)
بدر السعادۃ (۱۸ ل) جامع الفتاوی (۱۹) ارشاد المریدین (۲۲) عماد السعادۃ (۲۲ ل)
نقابۃ الفقہا، (۲۳) فتاوی خانی (۲۳) الہدایہ (۲۶) آداب المریدین (۳۶)
مرصاد العباد (۲۶) فتاوی ظہیری (۲۷) مدارک (۲۷) ترغیب الصلوٰۃ (۲۷ ل) صلوٰۃ
مسعودی (۲۸) شرح الطحاوی (۲۸) تفسیر مولانا فخر الدین رازی (۲۸ ل) روح الارواح
(۲۹ ل) تفسیر امام قفال شاشی (۳۲ ل) کتاب الاسولہ (۳۳ ل) احیاء العلوم (۳۷ ل)
بدر السعادۃ (۳۸) مبسوط (۳۹) فتاوی ابو اللیث (۳۹) الطحاوی (۴۱ ل)
عوارف (۴۲) کتاب الشفا (۴۴) فتاوی الواقعات (۴۵ ل) کفایۃ الفقہا (۴۶)
مجمع المسائل (۴۴ ل) رسالہ القشیری (۴۶ ل) فتاوی البدیعہ (۴۶ ل) جامع العلوم
(۴۷) کتاب السیر (۵۰) فتاوی قاضیخان (۵۱ ل) فتاوی ذخیرہ (۵۲ ل) سراجیہ
(۵۷) واقعات الکابل (۵۸) نصاب الاحتساب (۵۸) جامع الصغیر (۵۸)
کشف المکتوم (۵۸) مفاتیح المسائل (۵۸ ل) شرح کتاب الصلوٰۃ (۵۸ ل) کافی
(۵۹) ذخیرہ (۵۹) النوازل (۵۹) زاد المومن (۵۹ ل) فتاوی سمرقندی (۶۰)
جامع الاوحدی (۶۰ ل) حسامیہ (۶۰) خزانۃ الفقہ (۶۰ ل) الوالوالجی (۶۱ ل)
الشفاء فی اوصاف المصطفیٰ (۶۸) معرفۃ المذاہب (۱۰۹ ل) کشف الاسرار (۱۳۵)

ملفوظات کا بیشتر حصہ مذہبی نکات و مسائل کی وضاحت پر منحصر ہے۔ حدیث تفسیر۔ فقہ۔ تصوف۔ فقر، آداب صوفیہ۔ نماز۔ صدقہ، اوراد و وظائف۔ انبیاء۔ جزا و سزا۔ قیامت۔ نکاح۔ ولادت و وفات۔ شب براۃ۔ آتشبازی زیارت قبور۔ قرآن، اس کے حروف، الفاظ و آیات کا شمار۔ شجرات چشتیہ۔ قادریہ، سہروردیہ۔ شاعری۔ موسیقی اور لباس، غرضیکہ زندگی کے متعلق بے شمار باتیں آگئی ہیں جن کے بارے میں مخدوم جہانیاں جہانگشت نے مذہبی

نقطہ نظر سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

احادیث میں ثقہ اور ضعیف میں امتیاز نہیں کیا گیا۔ ترغیب و ترہیب کی بے شمار احادیث آگئی ہیں مثلاً "من مات وفی قلبہ حب آل محمد و علی و فاطمہ مات شہیدا"۔ جس کے دل میں آل محمد، علی و فاطمہ کی محبت ہو اور وہ مرگیا وہ گویا شہید مرا۔

من أکل البنج (بنگ)، فکانما زنی مع امہ سبعین مرۃ فی جوف الکعبہ جس نے بھنگ کھائی گویا اس نے کعبہ کے اندر اپنی ماں سے سو مرتبہ زنا کیا۔

ہر کہ کتاب و نامہ غریبی بغیر اذن او مطالعہ کند فردا قیامت فرمان شود تا دو آتش دوزخ نظر کنند (ص ۴۲ ا) ہر کہ یک لقمہ از خربزہ بخورد بنویسد حق تعالیٰ بنام او ہزار ہزار نیکی و دور کند ہزار ہزار بدی۔

بعض اقوال ایسے بھی پیغمبر خدا صلعم سے منسوب کئے ہیں جو اسلامی تعلیم کے منافی نظر آتے ہیں۔ مثلاً

قال النبی من تزوج القرابۃ القریبۃ خرج عنہا آثار المودۃ و نقص منہما اساس المحبۃ۔ (ص ۱۲ ا)

جس نے اپنے قریبی رشتہ دار سے شادی کی ان میں سے الفت نکل گئی اور محبت کی بنیاد ڈھے گئی۔

فرمود علیہ السلام طعام مخورید برابر نہ نفر از مردان یکی حجام و دوم مردہ شوی سوم دبہ گر۔ چہارم کفش دوز۔ پنجم کمانگر، ششم تیر گر، ہفتم گازر۔ ہشتم شراب خوار نہم ربوٰ خوار۔

اسلام تو جمہوریت اور مساوات کا مؤید ہے۔ چھوٹا بڑا قانون کی نگاہ میں

یکساں ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مملکت میں بادشاہت کا تصور اس قدر ذہنوں میں راسخ ہو گیا کہ علماء و دینی پیشواؤں نے بھی ان کو بلند مقام بخشا۔ چنانچہ مخدوم صاحب بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہان روئے زمین خدا کے بزرگ و برتر کے برگزیدہ ہیں۔ کسی طرح بھی ان کی اہانت یا ان کے احکام کی نابجا آوری شرعاً جائز نہیں۔ اس کی تائید میں رسول خدا کی حدیث بھی پیش کی ہے۔

من اطاع السلطان فقد اطاع الله فهو مغفور (صفحہ ۱۱) ایک جگہ لکھتے ہیں۔ اگر بادشاہ زنا کند حدش نزنند اما بزہ مند باشد و جز بادشاہ ہمہ را حد لازم و واجب است۔ یعنی بادشاہ اگر زنا کرے تو اس پر شرعی حد نہیں لگتی۔

بعض معمول و مروج رسم و روش کے برعکس جرأت مندانہ رائے کا اظہار کیا ہے مثلاً لکھا ہے۔ کہ

اگر مومن متقی نامحرم کیوں نہ ہو اس کے سامنے عورتوں کا آنا جائز ہے (ص ۴۴)

قبروں پر غلاف چڑھانا۔ پھول اور روپیہ پیسہ چڑھانا۔ عود جلانا وغیرہ سب مکروہ ہے اور دین اسلام میں جائز نہیں یہ تو نصاریٰ کی سنت ہے (ص ۴۸)

مومنا نرا یکدیگر پای بوسیدن شرعاً آمدہ است (ص ۹۲)

افغان سام کی اولاد ہیں۔ اس لئے افغانوں میں شفقت و محبت و پاس محبت اور رعایت معروف نہیں ہوتی۔

جو شخص یہ کہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور ابو بکرؓ نے ظلم و جور سے تصرف کر لیا ہے وہ کافر ہے۔

بعض علمی سوالوں کے جواب کچھ اس طرح دیئے ہیں کہ آج کل علم اور سائنس کی دنیا میں وہ محض اعتقادی اور بے سر و پا نظر آتے ہیں۔ مثلاً

ایک دفعہ پیغمبرؐ نے جبرئیل سے پوچھا کہ مکھی کے پیٹ میں شہد کہاں سے

آتا ہے۔ جبرئیل نے کہا دنیا میں زہر سے زیادہ تلخ ایک گھاس ہے۔ شہد کی مکھیاں اسے کھاتی ہیں پہلے تجھ پر درود بھیجتی ہیں جس کی برکت سے وہ تلخ گھاس ان کے پیٹ میں میٹھا شہد پیدا کرتی ہے (ص ۲ ل)

سوال کیا کہ برف کہاں سے آتی ہے۔ قطب العالم نے جواب دیا کہ خدا نے دنیا کے آسمان میں ایک برف کا پہاڑ پیدا کیا ہے جب وہ دنیا میں سردی لانا چاہتا ہے تو اس پہاڑ سے ہر جگہ برف باری ہوتی ہے (ص ۴۳ ل)

انسانی جسم میں چھ ہزار آٹھ سو رگیں ہیں جن میں تین سو ساٹھ بڑی ہیں۔

مخدوم صاحب کے نزدیک رقص و سرود و ساز بجانا ظرافت ہنسی مذاق کی باتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ بربط و چنگ۔ جلاجل و مزامیر کی آواز سننا حرام ہے (ص ۴۴ ل)

سرود شنیدن و رقصیدن در خاندان سہروردیہ حرام است (ص ۶۷)

ہر کہ سخن گوید تا مردمان بخندند سالہای مدید او را درون دوزخ بدارند (ص ۴۳)

اس نقطہ نظر سے تو بھانڈوں مسخروں اور فلمی جوکروں کی خیر نہیں جن کا فن ہی دوسروں کو ہنسانا ہے۔ البتہ شعر پڑھنے اور سننے کے متعلق لکھا ہے کہ منع نہیں — اور سنت ہے۔ (ص ۱۳۴)

سراج الہدایہ کی بعض تفاصیل سے ظاہر ہے کہ جناب مخدوم کی مجالس میں ارکان سلطنت اور بادشاہ بھی شریک ہوتے تھے اور سوال کرتے تھے۔ مثلاً ایک مجلس میں خان اعظم ظفر خان نے مسجد میں درخت لگانے کے متعلق سوال کیا۔ (ص ۵۰)، سلطان فیروز شاہ نے "حد اسراف" کے متعلق دریافت کیا (ص ۵۲ ل) یہ بھی ظاہر ہے کہ جناب مخدوم کا اثر و رسوخ بھی تھا اور بادشاہ ان کے ممنون تھے۔ تھٹہ کی فتح انہیں کی دعاؤں سے ہوئی۔ لکھا ہے کہ قطب العالم کی دعا سے جام ہالہ جفیہ لڑائی

ترک کر کے اپنے ہمراہیوں سمیت عماد الملک کے پاؤں میں آگرا جس نے بعد میں اس کو سلطان فیروز شاہ کے سامنے پیش کیا (ص ۹۶ — ۹۸ ل) ایک اور واقعہ نقل کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ امراء تک ان کی کرامات اور روحانی قوت سے خائف تھے اور ان کی رضا و خوشنودی کے متمنی رہتے تھے۔ ایک رات خان اعظم ظفر خان قطب العالم کو ملنے آئے۔ دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے ان کے دل میں گزرا کہ ایسی حالت میں سید السادات کو نماز میں حضور کیسے حاصل ہوتا ہوگا۔ رات جب ظفر خان جا کر سوئے تو دو آدمی آئے جنہوں نے ان کا گلا گھونٹا۔ ظفر خان نے فریاد و زاری کی۔ انہوں نے کہا جب تک تو اس بات سے توبہ نہیں کرے گا تمہارا حلق نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ جب ظفر خاں نے توبہ کی تو انہوں نے چھوڑا۔ ظفر خان نے صبح سید کے پاس جا کر دوبارہ اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔

اس کتاب میں جناب مخدوم کے وقت کی مروجہ پنجابی زبان کا ایک دوہا یادگار رہ گیا ہے جس کے متعلق مرتب نے لکھا ہے کہ وہ اکثر پڑھا کرتے تھے وہ دوہا یہ ہے۔

(ص ۱۰۶)

جس نوں رکھے سائیاں مار نسا کے کوہی
بال نہ بیکا کر سکے جے جگ بیر ہوی

ایک مجلس میں سید السادات نے ایک عجیب معلومات افزا خبر دی ہے ۔ کہ پیغامبر نے اپنی زندگی میں سات فارسی الفاظ استعمال کئے ہیں اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو تبرک کے طور پر محفوظ کرنے کے قابل ہے۔

(۱) ایک مرتبہ انگور کا طبق لائے صحابہ بہت سے تھے۔ رسولؐ خدا نے فارسی لفظ استعمال کیا اور کہا " العنب دودو "

(۲) ایک مرتبہ صحابہ نے رسول اکرمؐ سے پوچھا کہ فرشتوں نے قوم لوط پر کس

چیز سے رجم کیا۔ انہوں نے فرمایا' سنگ و کلوخ'۔

(۳) رسول خدا نے معاویہؓ کے جبّہ پر کھٹمل دیکھ کر فرمایا۔ ہذا ششپش

(۴) جنگ احد میں سواری کے لئے اونٹ لائے تو پیغامبرؐ نے فرمایا ہذا شتر۔

(۵) ایک مرتبہ عائشہ کے ہاتھ میں سیب تھا انہوں نے مزاح سے پوچھا یہ کسے دوں رسولؐ خدا بولے 'مرا بدہ'

(۶) رسول خدا اندھیری رات میں فاطمہؓ کے گھر جا رہے تھے جب گھر کے سامنے پہنچے تو حضرت علیؓ و فاطمہؓ نے بلند آواز سے پوچھا۔ کون ہے وہ بولے۔ 'منم محمد'

(۷) ایک مرتبہ مشرکوں نے پوچھا اللہ ایک ہے یا دو۔ رسول خدا نے فرمایا 'وی یکی است' (ص ۷۰-۷۱ ا)

جناب مخدوم کبھی کبھی اپنے خیالات کو نظم بھی کر لیتے تھے۔ چنانچہ باب ہشتم میں انہوں نے چند ابیات اور رباعیات مندرج کی ہیں۔ ان میں سے چند تبرک کے طور پر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

از وقت سحر بوئے تو بیدارم　　از جام تو گاہ مست وگاہ ہشیارم
من معترفم از آن کہ بد کردارم　　یا رب تو بعفو کن نکو کارم

دلرا بجمع مال پریشان چہ میکنی　　دین را ز بہر دنیا ویران چہ میکنی

مال و فرزندان محنت جانست　　خدمت حق آبروی دو جہانست
چیست مالت دستال خسان　　چیست فرزند دشمن جانست

گر روی بازار در جمع خلق | یا بگیری گوشہ از بہر حق
با ہمہ حالی کہ باشی بباش | با خدای خویش از دل بی قلق

این دولت بہر کس ندہند | این منزل بخفتگان ندھند
در عالم عشق آنچہ بی عقلان راست | یکذرہ بصد ہزار عاقل ندھند

شرم نداری کہ گنہ میکنی | نامہ خود را چہ سیہ میکنی
سگ نکند باسگ دیوانگان | آنچہ تو در حضرت ما میکنی

دل بی تو قراری نگیرد چکنم | وین آتش عشق می نمیرد چکنم
صد روی نکو عرضہ کنم بر دل خویش | جز روی تو دل می نپذیرد چکنم

ان ملفوظات میں سید جلال الدین بخاری نے جابجا اپنی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ مکہ، مدینہ، بغداد، شام میں دوران سیاحت میں اولیاء اللہ سے اپنی ملاقاتوں کا بھی حال لکھا ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریا اور اپنے مرشد شیخ رکن الدین عالم کے اقوال و افکار کو بھی بیان کیا ہے جو ایک معاصر کا مستند بیان ہونے کی وجہ سے تاریخی و سوانحی نقطہ نظر سے بہت اہم شمار ہونے کے قابل ہیں۔

خزانہ جلالی

اصلی نام خزانۃ الفوائد جلالیہ ہے۔ مرتب کا نام احمد المدعو بہ بہاء بن یعقوب ہے۔ انہوں نے ان ملفوظات کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

این فواید غیبی و فرایدلاریبی از مجلس سید شریف فقیہ محدث مفسر عالم زاہد باذل مفتی المشرق محیی طریقۃ السلف استاذ العصر فرید الدہر قرۃ عین البتول افتخار آل رسول قطب العالم جلال الحق والشرع والدین حسینی الحسنی والبخاری متع اللہ المسلمین بدوام بقائہ قدس اللہ سرہ العزیز التقاط کرد بندہ کمینہ احمد المدعو بہ بہاء بن یعقوب بن حسین بن محمد بن سلیمان التلبنی بندہ این گوہر فوائد دسلک تحریر منسلک گردانید و خزانۃ الفوائد الجلالیہ نام نہادم۔

خزانہ جلالی سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ ذکر التوبہ ۲۔ ذکر الاذکار ۳۔ ذکر الصلوٰۃ ۴۔ ذکر الصلوٰۃ
۵۔ ذکر الموت والزیارت ۶ ذکر الزکوٰۃ و السخاوت
۷۔ ذکر الحج و المدینہ ۸۔ ذکر الصوم والاعتکاف ۹۔ ذکر السفر والتجارۃ
۱۰۔ ذکر الاکل والاصناف ۱۱۔ ذکر النکاح و الطلاق ۱۲۔ ذکر حلیۃ الرسولؐ
۱۳۔ ذکر اولاد الرسول اللہؐ وازواجہ ۱۴۔ ذکر فضائل صحابہ واہل بیت رسولؐ اللہ
۱۵۔ ذکر تعظیم الولات و آدابہم ۱۶۔ ذکر مناقب الاولیاء والمشائخ
۱۷۔ ذکر ستہ خرقۃ المشائخ والصوفیہ

خزانہ جلالی کے مندرجہ ذیل قلمی نسخوں کے متعلق اطلاع ملتی ہے [۱]

۱۔ نسخہ کتب خانہ اچ گیلانی مملوکہ مخدوم شمس الدین ثامن مکتوبہ ۱۲۴۴ھ۔
۲۔ نسخہ خطی مملوکہ نو بہادر شاہ اچ بخاری۔ مکتوبہ ۱۳۲۵

---

[۱] مخدوم جہانیاں جہاں گشت محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۳ء

۳۔ نسخہ خطی سنٹرل لائبریری حیدرآباد دکن

۴۔ نسخہ خطی کتب خانہ واں میانہ شریف (ضلع سرگودھا) مکتوبہ ۱۰۳۲ھ

۶۔ نسخہ خطی۔ لیاقت لائبریری۔ کراچی

جواہر جلالی ملفوظات حضرت مخدوم۔ مرتب فضل اللہ بن ضیاء العباسی مرتبہ ۷۸۱ھ

یہ کتاب مندرجہ ذیل ابواب وفصول پر مشتمل ہے۔

۱ عدد رکعات فرائض نماز شب و روز ۲۔ واجب و سنت ۳۔ فرائض اندر نماز

۴۔ واجبات نماز۔ سنن نماز۔ مستحبات نماز۔ قرآن و احکام نماز۔ آداب نماز۔ کرامت نماز۔ قاطع نماز۔ اوراد و فرائض بامداد۔ درود یا دعاہا۔ دعا بعد پنج فریضہ۔ نماز اشراق و کیفیت فضائل، در صلوٰۃ عید الاضحیٰ و کیفیت ادعیہ۔ بیرون آمدن مسجد۔ تلاوت کلام پاک۔ ذکر اللہ۔ مراقبہ تفکر و شرائط و کیفیت خلوت و عزلت۔ اسرار عارفان۔ قیلولہ و کیفیت نماز زوال و ادعیہ۔ نماز پیشین۔ صلوٰۃ العصر۔ صلوٰۃ مغرب، صلوٰۃ عشاء۔ صلوٰۃ وتر و دعاء قنوت۔ مشغولی با وراد۔ سلام گفتن بروح رسول و صحابہ و مشائخ۔ خواب کردن۔ طعام خوردن۔ آب خوردن۔ ضیافت آداب دعوت۔ جامہ پوشیدن۔ بناء خانہا و عمارت۔ حلق سر، شارب و ناخن۔ جماعت کردن۔ زکوٰۃ مالی۔ ہدایا و فتوح۔ تحیۃ و سلام۔ دیدن ماہ نو۔ ماہ ذی الحجہ۔ تعریف کیفیت دعا و تکبیرات تشریق۔

خزانہ جلالی کے معلوم مخطوطات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نسخہ خطی مملوکہ نو بہار شاہ سجادہ نشین۔ اوچ۔

۲۔ نسخہ خطی۔ سنٹرل لائبریری۔ حیدر آباد (دکن)

۳۔ تلخیص جواہر جلالی، مملوکہ خلیفہ اللہ داد خان ساکن اوچ

۴۔ نسخہ خطی۔ لیاقت نیشنل لائبریری، کراچی

مظہر جلالی حضرت مخدوم کا ایک اور ضخیم مجموعہ۔ اس کا قلمی نسخہ نوبہار شاہ سجادہ نشین اوچ بخاری کے پاس موجود ہے۔ اس میں بھی نماز اور اس کے متعلقات کی جزئی تفاصیل موجود ہیں۔

ترجمہ فارسی رسالہ مکیہ اس رسالہ کے مصنف شیخ قطب الدین دمشقی ہیں، حضرت مخدوم کے استاد شیخ عبداللہ یافعی اس کا درس دیا کرتے تھے۔ مخدوم صاحب نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کے قلمی نسخے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری اور پرنسٹن لائبریری (امریکہ) میں موجود ہیں۔

مکتوبات مخدوم جہانیاں جہانگشت کے مکاتیب کا مجموعہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ لائبریری میں 'سفر نامہ' کے عنوان سے موجود ہے۔ یہ مجموعہ ۷۷۰ھ میں مرتب ہوا۔ اور بیالیس خطوط پر مشتمل ہے۔ اعجاز الحق قدوسی نے اپنی کتاب تذکرہ صوفیائے پنجاب میں صفحہ ۲۰۸ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ان مکتوبات کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں بھی موجود ہے۔ دیکھئے فہرست مخطوطات فارسیہ مرتبہ منظور حسن عباسی شمارہ ۵۶۸۔ یہ نسخہ ایک سو بائیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں اکتالیس جگہ 'مکتوب' لکھا ہے۔ آخری صفحے کی آخری سطریں مٹی ہوئی ہیں اس لئے اس کی تمامیت اور کمی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ علیگڑھ والے

نسخہ کی طرح اس میں "مقرر نامہ" کا عنوان درج نہیں۔

مخدوم جہانیاں نے یہ خطوط تاج الحق والدین احمد بن معین سیاہ پوش علوی کو مخاطب کرکے لکھے گئے ہیں اور یہی ان خطوط کے مرتب ہیں۔ انہوں نے ان مکاتیب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے دل میں خیال آیا کہ دریافت کریں کہ کونسا علم نافع ہے اور کونسا غیر نافع ہے چنانچہ انہوں نے مخدوم جہانیاں جہانگیرؒ سے درخواست کی کہ وہ استقامت دنیا و دین اور ازدیاد منافع کے لیے چند ورق لکھ کر بھیجیں چنانچہ انہوں نے یہ مکاتیب لکھ کر بھیجے۔ مخدوم جہانیاں نے مکتوب الیہ کو سیّد السادات منبع العلوم والسادات عالم و عامل دین اطہر جبید تاج السیادہ فی العالم صحیح النسب مجمع الفضائل والآداب قرۃ عین الرسول فلذۃ کبدۃ البتول المخصوص بعنایتہ اللّٰہ الاحد الصمد تاج الحق والدین احمد بن معین سیاہ پوش علوی کے القاب سے مخاطب کیا ہے۔

ہر مکتوب "مقرر فرزندی باد" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے علیگڑھ والے نسخے میں مرتب نے ان مکاتیب کا نام "مقرر نامہ" رکھ دیا ہے۔ کسی خط میں تاریخ درج نہیں اور نہ تخاطب کے الفاظ درج ہیں۔ خیال یہ ہے کہ مصنف نے وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر ایک کامل نصیحت نامہ مرتب کیا ہے اور ایک موضوع کے بعد دوسرا موضوع شروع کرتے وقت "مقرر فرزندی باد" کے الفاظ دہرائے ہیں۔ ایک دو مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "مقرر نامہ" قسطوں میں بھجوایا گیا ہوگا۔ یہ مکاتیب بعض مختصر ہیں یعنی دس دس سطر کے ہیں اور بعض چار چار پانچ پانچ صفحات پر مشتمل ہیں۔

مصنف نے مکاتیب کے اس مجموعے میں فقر و درویشی ادب و اخلاق، ریاضت و عبادات، کے متعلق آیات و احادیث اور حکایات و اقوال بندگان دین سے استدلال کرکے مفید اور آزمودہ نصیحتیں لکھی ہیں اور عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔

علم کے ساتھ عمل کی ضرورت ۔ حلال خوری ، آداب پیری مریدی ۔ شرائط سجادہ داری مناظرہ مباحثہ سے اجتناب اور مراقبہ و محاسبہ کے متعلق ہدایات لکھی ہیں ۔ ایک مکتوب میں ماہ رجب ، شعبان ۔ رمضان ۔ جمعہ و عیدین وغیرہ کے مواقع پر مستجاب دعائیں لکھی ہیں ۔ جابجا رباعیات و ابیات لکھ کر مطالب کو دلچسپ بنایا ہے ۔

یہ مکاتیب نجی خطوط نہیں بلکہ ایک علمی رسالہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں کیونکہ مصنف نے اکثر جگہ مندرجہ ذیل کتابوں سے مطالب اخذ کر کے درج کیے ہیں ۔

تفسیر امام قفال شاشی ۔ تفسیر امام زاہدی ۔ عین المعانی ۔ اسرار العارفین ۔ العوارف ۔ مرصاد العباد ۔ زبدۃ الحقایق ۔ روح الارواح ۔ روضۃ العلماء احیاء العلوم ۔ خزانۃ الفقر ۔ زاد المبین ۔ آداب المریدین ۔ المحیط عمدۃ الامراء اور خواجہ حسن بصری ۔ سفیان ثوری ۔ ذو النون ۔ خواجہ جنید امام اوزاعی ۔ معروف کرخی ۔ خواجہ شبلی ۔ خواجہ بایزید اور سری سقطی جیسے اولیاء اللہ کے اقوال و اعمال درج کئے ہیں ۔

مصنف کا زمانہ یعنی ساتویں آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان میں تصوف و درویشی کے لئے بڑا بابرکت دور شمار ہوتا ہے ۔ اس عہد میں بڑے نامور اولیاء اللہ گزرے ہیں ۔ ملتان ، اچھ ، دہلی ، پاک پٹن ، گویا سرچشمہ فقر و تصوف تھے ۔ خیال ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی روحانی تربیت اور دینی اثر و رسوخ سے اسلامی اخلاق کی ضرور نشوونما ہوئی ہوگی ۔ لیکن خود مصنف نے مندرجہ ذیل رباعی لکھ کر بتایا ہے کہ یہ زمانہ بھی اسلامی اقدار سے دوری کا زمانہ تھا ۔ ؎

یک عالم متقی در ایام نماندہ ۔ یک ذرہ خوف در دل عام نماندہ
شد پیشہ حرام و غیبت و ظلم ۔ افسوس ز اسلام بجز نام نماندہ

قرآن مجید میں خدا کہتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب پکارنے
والا پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان
براہ راست تعلق ہو سکتا ہے۔ خدا کی مثال اس بادشاہ کی طرح نہیں ہو سکتی ہے جس
تک رسائی کے لئے وزراء کی سفارش کی ضرورت ہو لیکن مصنف نے اس طرح
استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ (ص ۷۶)

نخست بخدا نتوان رسید تا اوّل بہ بندگان خدا رسد
اگر یکے خواہد تا بر در بادشاہ رود اوّل ارکان را ملاقات کند۔

مکاتیب کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ جملے طویل اور پیچیدہ نہیں۔
نمونے کی عبارت یہ ہے۔

"ہر کرا ادب نباشد، شایان تعظیم نیست۔ زیرا کہ برتر از
اسلام علم است و برتر از علم ادب است و ہر کہ نعمت
یافت از ادب یافت و آنکہ بی نعمت شد از ترک
ادب شد"

مسافر نامہ

اس عنوان سے ایک مخطوطہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے کل ۹۰ صفحات
ہیں۔ سائز ۸" × ۵" ہر صفحے میں چودہ سطریں ہیں اور ہر سطر میں دس گیارہ لفظ ہیں،
خط نستعلیق ہے۔ نہ کاتب کا نام درج ہے اور نہ مقام و تاریخ کتابت۔
کاتب صاحب بے احتیاط ہیں۔ اغلاط کی کمی نہیں۔ کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ

یہ مسافر نامہ قطب الاقطاب، شیخ العلماء۔ افضل الاولیاء۔ سراج المتقین۔ زبدۃ المحققین، سید جلال الدین محمد قدس اللہ سرہ العزیز کا ہے۔ آغاز سے تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مخدوم جہانیاں کی اپنی تحریر ہے۔ لیکن صفحہ ۷ سے واحد متکلم میں بیان شروع ہو جاتا ہے مثلاً لکھتے ہیں کہ "از انجا بہ بیت المقدس رخ نہادم"

اس سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ایران و عراقین، عرب، شام و بربر، سراندیپ اور چین تک کا سفر کیا ہے۔ بلخ، بخارا، مشہد، ہمدان، تہران، کرمان، شیراز، اصفہان، بغداد، مکہ، مدینہ، بصرہ میں جانے کا ذکر ہے۔ جہاں انہوں نے اولیاء اللہ کے مزارات، مساجد و مقابر کی زیارت کی وہ پہلے کسی خاص جگہ یا خاص چیز کو بیان کرتے ہیں۔ بعد میں لکھتے ہیں کہ "این فقیر رفتہ زیارت کردہ" دور دراز مقامات میں سراندیپ۔ سد سکندری۔ اور دیوار قہقہہ کا ذکر کیا ہے۔

مسافر نامہ کی بعض تفصیلات سے گمان ہوتا ہے کہ وہ عالم ماوراء سے تعلق رکھتی ہیں۔ مصنف کو بارہ ہزار کا عدد بہت مرغوب ہے وہ اس کو متعدد بار استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں:۔

مسجد جامع دمشق میں بارہ ہزار محرابیں ہیں (ص ۸)

بارہ ہزار اولیاء اللہ سلطان محمود غزنوی کے آستانہ مقبرہ پر محو خواب ہیں (ص ۲۰)

جلال الدین رومی کے بارہ ہزار مرید تھے (ص ۲۷) وغیرہ۔

مصنف نے بعض ایسی نادر، اعجوبہ اور حیرت انگیز باتیں بیان کی ہیں جن کو پڑھ کر بہتوں کو یقین نہیں آئے گا۔ ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ص ۱۹۔ جس مقام پر شیریں کی خبر وفات سنکر فرہاد نے تیشہ مار کر اپنی جان دے دی تھی اس جگہ انار کا درخت اگا تھا۔ اس پر دو قسم کے انار لگے تھے

ایک انار ہیں سرخ دانے اور دوسرے میں صرف خون ۔ مصنف فرماتے ہیں ۔۔۔

"این فقیر رفتہ زیارت کردہ معاینہ نمودہ!"

ص ۳۰۔ شام میں ایک صخرہ نام کا پتھر ہوا میں معلق دیکھا ۔ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے بیت المقدس جاتے ہوئے اس پر اپنا پاؤں رکھا تھا ۔ پتھر نے فریاد کی کہ اگر مجھ پر کسی اور کا قدم آپڑا تو یہ بے احترامی ہوگی ۔ اس لئے ان کی دعا سے وہ ہوا میں معلق ہوگیا ۔

ص ۹ ۔ کربلا کے اس مقام کی مٹی زخموں کو مندمل کرتی ہے ۔ لنگڑوں اپاہجوں کو تندرست بناتی ہے جہاں حضرت امام حسین کا خون گرا تھا ۔

شیریں خسرو کا قصہ مشہور ہے ۔ کہانی میں اختلافات بھی ہیں لیکن مصنف نے جو مختصر قصہ اس کتاب میں بیان کیا ہے وہ کافی مختلف ہے لکھا ہے ۔ شیریں خسرو کی کنیز تھی ۔ ایک دفعہ حاجی نام عرف فرہاد نے اس کو دیکھ لیا اور فریفتہ ہوگیا بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے فرہاد سے کہا کہ کوہ بیستون کو چیر ڈال ۔ تمہیں شیریں عطا ہوگی فرہاد نے پہاڑ میں سوراخ کردیا ۔ بادشاہ غمگین ہوا کہ اسے شیریں سے ہاتھ دھونا پڑے گا ۔ بادشاہ شکار کو نکلا ۔ شیریں نے محل خالی پاکر خواجہ سرا کو ساتھ لیا اور فرہاد کے پاس پہنچی اور کہا اب مجھے قبول کر ۔ فرہاد نے کہا جب تک تو مجھ پر حلال نہ ہوجائے قبول نہیں کروں گا ۔ شیریں یہ جواب تلخ سن کر محل کی طرف رواں ہوگئی ۔ بادشاہ شکار سے غمناک لوٹا ۔ ایک بڑھیا نے تجویز کیا کہ مجھے نان وحلوا دو تاکہ فرہاد کو آزماؤں کہ وہ سچا عاشق ہے یا جھوٹا ۔ عورت فرہاد کے پاس پہنچی اور کہا کہ بیٹا کیا بیٹھے ہو ۔ شیریں تو اس جہان سے چل بسی ۔ یہ نان وحلوا اس کی ارواح بخشی کے لئے کھاؤ ۔ فرہاد نے یہ سن کر ایک آہ کھینچی ۔ جگر پر پتھر مارا اور وہیں جان دے دی ۔ عورت نے بادشاہ کو اس ماجرا کی خبر دی ۔ بادشاہ نے کہا کہ فرہاد کو محل میں لاؤ ۔ شیریں کو بھی اس کی خبر مل گئی ۔ وہ فرصت

پاکر فرہاد کے پاس پہنچی اور اس نے منہ پر منہ رکھ کر جان دے دی۔ خسرو یہ کیفیت دیکھ کر تخت بردار ہو کر آوارہ ہو گیا۔

نوشیرواں اور بڑھیا کا قصہ بھی نیا معلوم ہوتا ہے، طاق کسریٰ کے قریب ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ جب نوشیروان مسند پر بیٹھتا وہ گائے چھوڑتی جو مسند پر جاکر پیشاب پاخانہ کر دیتی۔ بادشاہ حیران رہ جاتا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں بڑا محل تیار کرائے دیتا ہوں۔ تم وہاں چلی جاؤ لیکن وہ جگہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی۔

اس کتاب میں مصنف کے متعلق کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ یہ تو واضح ہے کہ مصنف اولیاء اللہ سے فیضیاب ہونے کے لئے دور دراز علاقوں میں پہنچے اور انہوں نے کائنات کے عجائب دیکھ کر معرفت خداوندی کے سبق پڑھے۔ ان کی شخصی زندگی کے بارے میں دو تین باتیں قابل ذکر ہیں۔ یہ کہ وہ مدینے سے نقش قدم رسول صلعم لائے۔ دہلی میں آئے تو فیروز شاہ تغلق اس کو سر پر اٹھا کر جلوس کی صورت میں لے گیا۔ آخر یہ نقش قدم فتح خان پسر سلطان فیروز تغلق کی وفات پر اس کے سینے پر رکھا گیا۔ مصنف دو سال شیراز میں رہے جہاں شہاب الدین بخاری کا وعظ سنتے رہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ جیسا سنگدل آدمی بھی ان کی مجلس وعظ سے رو کر اٹھتا۔ (ص ۵۱)

کتاب کا اسلوب بیان سادہ آسان اور بیانیہ ہے کوئی ادبی خصوصیت نہیں رکھتا۔

عین الملک ماہروؒ

عین الملک نے منشآت ماہرو میں اپنا نام عبداللہ محمد شرف لکھا ہے اور اپنے القاب کو یوں ظاہر کیا ہے۔ ملک المشرق والوزراء، عین الملک، عین الدولہ والدین عبداللہ ماہرو۔ ضیاء الدین برنی نے اس کو ملک عین الملک ملتانی لکھا ہے[1] عین الملک کے باپ کا نام ماہرو تھا کیونکہ ابن بطوطہ نے اس کو عین الملک بن ماہرو لکھا ہے[2] اور اس کے بھائیوں کے نام شہراللہ، فضل اللہ اور نصراللہ بتائے ہیں۔ چوتھے کا نام نہیں لیا۔ منشآت ماہرو میں مصنف نے اپنے بھائیوں کے نام فخرالدین معزالدین اور نظام الدین لئے ہیں[3]۔ کسی مآخذ سے اطلاع حاصل نہیں ہو سکی کہ آیا وہ ملتان میں پیدا ہوئے یا دیر تک وہاں رہنے کی وجہ سے ملتانی معروف ہو گئے شمس سراج عفیف نے لکھا ہے[4] کہ عین الملک کو ماہرو بھی کہتے ہیں۔ اس کی زندگی کے متعلق تفصیلی حالات یکجا نہیں ملتے۔ برنی کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاءالدین خلجی کے عہد حکومت میں (۶۹۵ - ۷۱۵ھ) کسی نہ کسی عہدے پر سرفراز تھا۔ ۷۰۰ ہجری میں علاؤالدین خلجی نے مفسدوں کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کو مالوہ بھیجا[5]۔ قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد سلطنت (۷۱۰ - ۷۲۱ھ) میں وہ "یکی از اکابر امرای ملوک عصر"

---

[1] تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ۱۸۶۲ء ص ۲۴۱-۲۴۲، ۲۹۷۔ [2] رحلۃ ابن بطوطہ قاہرہ ۱۲۲۷ جزو دوم ص ۶۴۔ [3] فہرست مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۱۴۸۔ [4] تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ۱۸۹۵ء ص ۴۰۶۔ [5] تاریخ مبارکشاہی یحییٰ ابن احمد، کلکتہ ۱۹۳۱ء، ص ۱۷

شمار ہوتا تھا (ص ۳۹۲) اس بادشاہ نے اس کو دیوگیر کی وزارت دی تھی (ص ۳۹۸) خسرو خان نے تخت سنبھالتے ہی ۷۲۱ھ میں ملوک علائی کے ساتھ عین الملک کو بھی منتشر کر دیا[1] سلطان محمد تغلق کے زمانۂ حکومت (۷۲۵ - ۷۵۲ھ) میں وہ اقطاع اودھ اور ظفر آباد کا نائب حاکم تھا۔ برنی نے اس کی کارگزاریوں کے متعلق ذرا تفصیل سے لکھا ہے (ص ۴۸۵ - ۴۹۱) اس کا بیان ہے کہ عین الملک اور اس کے بھائیوں نے وہاں کے سرکشوں کو سزا دے کر ان دونوں علاقوں کو اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ قحط باراں اور کمی غلہ کی وجہ سے لوگ شہر دہلی چھوڑ کر ان علاقوں کی طرف چلے آئے تھے سلطان محمد بھی شہر سے نکل کر سرگدواری میں ٹھہرا ہوا تھا۔ عین الملک اور اس کے بھائیوں نے ستر اسی لاکھ تنکہ کا غلہ جنس اور کپڑا پہنچایا۔ بادشاہ کو اس کی لیاقت پر اور بھی اعتماد پیدا ہوا۔ خبریں آ رہی تھیں کہ دیوگیر میں قتلغ خاں کے کارکن محصول کم کر رہے ہیں اور خود حرص و ہوا میں مشغول ہیں۔ بادشاہ نے دل میں ارادہ کیا کہ عین الملک کو دیوگیر کی وزارت دے کر اس کے بھائیوں کے ہمراہ وہاں بھیج دے اور قتلغ خاں کو دہلی بلالے۔ عین الملک نے بادشاہ کے اس ارادے کو اس کے مکر پر محمول کیا کیونکہ دہلی کے بہت سے اکابر بادشاہ کی سیاست سے خوفزدہ ہو کر اور گرانیٔ غلہ کا بہانہ بنا کر عین الملک کے علاقے میں آکر آباد ہو گئے تھے اور اس کی زیر حمایت زندگی گزار رہے تھے۔ بادشاہ کو کئی مرتبہ اس امر کی اطلاع پہنچ چکی تھی اور وہ انکی طرف سے دل میں ناراض تھا۔ ایک مرتبہ سرگدواری میں بادشاہ نے عین الملک سے کہا کہ بعض اشخاص کے بارے میں سزا کا حکم ہو چکا ہے اور وہ اودھ اور ظفر آباد میں آگئے ہیں ان کو جبراً دہلی واپس بھیجو۔ عین الملک اور اس کے بھائی اس خیال سے اور بھی خوفزدہ ہو گئے اور سمجھے کہ بادشاہ

---

[1] تاریخ مبارک شاہی - ص ۸۷

ان کو دیوگیر بھیجکر ہلاک کروا دے گا۔ اس لئے وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

عین الملک اور اس کے بھائی ایک رات تین چار سو سوار لے کر سُرگدواری میں لئے اور شاہی فوج کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو آگے لگا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ سلطان محمد نے سامانہ، امروہہ، برن اور کول سے فوجیں مانگیں اور احمد آباد سے بھی لشکر منگوایا۔ بادشاہ قنوج میں خیمہ زن ہوا۔ عین الملک مقابلے میں آیا اور تیر اندازی شروع کی۔ بادشاہ کی ایک فوج نے حملہ کر کے عین الملک کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کے دو بھائی جنگ میں مارے گئے۔ بادشاہ نے عین الملک کو سزا نہ دی اور کہا کہ وہ غلطی سے اس حادثے کا شکار ہو گیا ہے اور ایک لائق ہنرمند اور تجربہ کار شخص ہے۔ انہی دنوں اس کو رہا کر دیا اور اپنے پاس بلا کر خلعت عطا کی اور بڑے کاموں پر مامور کیا۔ اس کے بیٹوں اور خاندان کے دوسرے افراد کو بھی اس کے حوالے کر دیا۔

ابن بطوطہ نے بھی عین الملک کی اس بغاوت اور شکست کا حال بیان کیا ہے وہ اس موقع پر خود وہاں موجود تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ عین الملک کے ایک نائب نے اس کو بالوں سے پکڑا اور دوسروں نے گھوڑے کو چابک مار کر بھگا دیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ وزیر نے جب اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو وہ بیل پر سوار تھا اور پھٹے ہوئے کپڑے سے ستر گاہ کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ اس کپڑے کو اس سے باندھ کر گردن میں ڈالا گیا تھا۔ امیر زادے اس کو گالیاں دیتے تھے اور اس کے منہ پر تھوکتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا تم نے کیا کیا۔ عین الملک خاموش رہا۔ بادشاہ کے حکم سے اس کو چار بیڑیاں پہنائی گئیں، اور ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ کر وزیر کے سپرد کیا گیا۔ عین الملک کا ایک بھائی نصر اللہ قتل ہوا۔ اس کے دوسرے بھائی بیوی اور بچوں کو لے کر بھاگ گئے۔ ایک بھائی نے عین الملک کی بیوی سے کہا کہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میرے ساتھ بھاگ چلو۔ اس نے کہا کیا میں کفار کی بیویوں سے بھی گئی گزری ہوں۔

جو اپنے شوہروں کی وفات پر اپنے آپ کو جلتی آگ میں ڈال دیا کرتی ہیں رہیں تو اپنے شوہر کے ساتھ جیوں گی اور اس کے ساتھ مروں گی۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آئی، اس نے عین الملک کے قریب ہی اس کا خیمہ لگا دیا اور اس کو ملنے کی اجازت دی۔ اڑھائی سال کے بعد جب بادشاہ دہلی واپس آیا تو اس نے عین الملک کا قصور معاف کر دیا اور اس کو اپنے باغات کا ناظر مقرر کیا۔ خلعت و سواری عطا کی اور روزینہ مقرر کیا[1]

سراج عفیف نے عین الملک کے ساتھ بادشاہ کی مصالحت کا حال یوں بیان کیا ہے۔ (ص ۴۰۶) ایک مرتبہ سلطان محمد نے دربار لگایا جس میں علماء و مشائخ، وزراء و امراء اور منصب دار جمع ہوئے۔ بادشاہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا، ہم آپ سے ایک سوال پوچھتے ہیں۔ ایک کے پاس ایک قیمتی موتی تھا وہ کہیں گم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اتفاق سے وہ موتی نجاست میں پڑا مل گیا کیا وہ اس کو اٹھا لے یا نہ اٹھائے؟ ارکان دربار میں سے سب نے کہا۔ اس کو اٹھا لینا چاہیئے۔ چھوڑنا مصلحت نہیں، اس کے بعد بادشاہ نے صراحتہً کہا "وہ موتی ہمارا عین الملک ہے جو بھائیوں کی نجاست میں پڑا ہوا تھا، ہم نے اپنا موتی پا لیا ہے، اس کے بعد اس کو تخت کے متصل بچھے ہوئے قالین پر بیٹھنے کا حکم دیا۔"

فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں (۷۵۲ - ۷۹۰ھ) خانجہان وزیر اور عین الملک میں سخت رقابت تھی۔ ۷۵۲ء میں عین الملک مشرف ممالک تھا، خانجہان اور وہ بھرے دربار میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ دونوں دہلی سے باہر شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ عین الملک بھولے سے خانجہان کے خیمے میں داخل ہو گیا لیکن جب اسے اپنی غلطی معلوم ہوئی تو وہ خان جہان کو ملے بغیر واپس آ گیا۔ خانجہان

---

[1] رحلۃ ابن بطوطہ، قاہرہ، ۱۲۸۷، ص ۶۴ - ۶۷

اطلاع پاکر بادشاہ کے پاس پہنچا اور عین الملک کے آنے اور لوٹ جانے کا واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ نے عین الملک سے اس کا سبب دریافت کیا۔ عین الملک نے کہا۔ میں ارادتاً وہاں نہیں گیا تھا۔ چونکہ بادشاہ کا خیمہ بھی سرخ ہے اور وزیر کا بھی وزیر کی دہلیز، بارگاہ اور خوابگاہ بھی بادشاہ جیسی ہے اس لئے میں غلطی سے وہاں چلا گیا۔ خانجہان نے یہ طنز سنکر کہا کہ اب اس ملک میں نہیں ٹھہر سکتا۔ میں خانہ کعبہ جاؤں گا۔ میرے لئے زادراہ مہیا کیا جائے۔ بادشاہ خلوت میں جاکر دونوں کے اختلافات کے بارے میں سوچنے لگا۔

ایک مرتبہ دربار میں خانجہان وزیر نے عین الملک کو حرام خور، بدکردار کہا، عین الملک نے بھی اس کی خوب بے عزتی کی۔ خانجہان نے خلوت میں جاکر بادشاہ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور کہا۔ آپ نے مجھے منصب وزارت دیا۔ اگر کوئی شخص مجھ سے دربار میں حسد کی وجہ سے میری بے عزتی کرے تو میرا کیا وقار رہے گا۔ آپ مسند وزارت عین الملک کو دے دیں۔ بادشاہ نے کہا۔ ہم نے تمہیں وزیر بنایا ہے جسے تم چاہو رکھو اور جسے تم چاہو معزول کرو۔ اگر عین الملک تمہاری توہین کرتا ہے تو اسے مشرفی سے ہٹادو۔ خانجہاں خوشی خوشی گھر واپس آگیا اور عین الملک کی معزولی کا حکم صادر کیا۔ عین الملک دو دن دربار میں نہ گیا۔ تیسرے دن سلام کو حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اپنے پاس بلایا۔ اور کہا۔ آپس کے جھگڑوں سے سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ چونکہ تمہارے اور خانجہان کے درمیان رقابت ہے اس لئے میں ملتان، بھکر اور سیوستان کے علاقے تمہاری تحویل میں دیتا ہوں۔ وہاں جاؤ اور وہاں کا انتظام سنبھالو۔ عین الملک نے کہا۔ میں وہاں کا انتظام کروں گا لیکن دیوان وزارت کو وہاں کا حساب پیش نہیں کروں گا، صرف حضور کو پیش کروں گا۔ بادشاہ نے اقطاع ملتان دیوان وزارت سے خارج کر دیئے۔

عین الملک کی شکست دیکھ کر خواص دربار ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ

یہ اچھا نہیں ہوا۔ آج اس وزیر کی وجہ سے عین الملک معزول ہوا۔ کل دوسروں کا بھی حال ہوگا۔ ان سب نے فیروز شاہ کے پاس جا کر وزیر کے خلاف باتیں کہیں۔ شاہ دور اندیش نے کہا اگر عین الملک یہاں ہوتا تو اس سے مشورہ کرتے۔ عین الملک دہلی سے چوبیس کوس دور جا چکا تھا۔ بادشاہ نے فرمان بھیجا کہ سامان وہیں رکھ کر دہلی چلے آؤ۔ ایک اہم معاملہ کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ عین الملک واپس آیا۔ بادشاہ امراء کے ساتھ خلوت میں بیٹھا اور وزیر کو اتنے اختیارات دیے جانے کے بارے میں مشورہ کیا۔ عین الملک نے کہا۔ خانجہاں دانا اور منفرد وزیر ہے اس کو ہٹانے سے امور مملکت میں خلل پڑے گا۔ بادشاہ سے کہا۔ خانجہاں کو بلا کر اس کے دل سے تمام خطرات کا اندیشہ دور کر دینا چاہیے تاکہ وہ دلجمعی سے امور مملکت میں دلچسپی لے۔ بادشاہ نے اسی وقت خان جہاں کو بلایا اور حالات سے باخبر کیا۔ خانجہاں نے عین الملک سے بغل گیر ہو کر کہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تمہیں مجھ سے اس قدر محبت ہے میں غلطی پر تھا۔ عین الملک نے کہا۔ میرے اور تمہارے درمیان جو عداوت ہے وہ اسی طرح قائم ہے۔ میں نے جو کچھ تمہارے متعلق کہا ہے وہ استحکام سلطنت کے لئے کہا ہے۔ خانجہاں نے بہت زور لگایا کہ اس کو اپنے گھر لے جائے لیکن وہ نہ گیا۔

ضیاء برنی نے عین الملک کے بارے میں مندرجہ ذیل اوصاف گنوائے ہیں۔

"عین الملک ماہر و باوصاف حمیدہ و ہنرمندیہا ی گوناگون و دقایق کفایت و حقایق درایت موصوف است و از علوم بہرۂ تمام دارد و بمکارم اخلاق و محاسن اشفاق ممتاز است — ہم حسیب است ہم نسیب واز جملۂ برکشیدگان و مقربان درگاہ شہنشاہی فیروز شاہی است"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۵۸۲

شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ محمد شاہ اور فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اس نے کئی کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک ترسّل عین الملکی ہے جو ہر جگہ معروف ہے۔

منشآت ماہرو

شمس سراج نے جس کتاب کو ترسّل عین الملکی کہا ہے وہ دراصل منشآت ماہرو ہے اور جس کا ایک نامکمل نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجموعہ مخطوطات میں موجود ہے۔ ایوانو نے اس کے مشمولات کی تفصیل بتائی ہے[1]۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید سابق صدر شعبہ تاریخ علیگڑھ یونیورسٹی نے مجلہ اسلامک کلچر ۱۹۴۲ء میں (ص ۲۷۸ - ۲۹۵) اس کتاب کا تعارف کرایا اور اس کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈال کر تین تحریروں کے ترجمے بھی پیش کیے۔ بعد میں انہوں نے اس کتاب کو انشائے ماہرو کے نام سے علیگڑھ میں شائع کیا۔ سننے میں آیا ہے کہ ایک دو نسخوں کے علاوہ اس کتاب کے باقی تمام نسخے تلف ہو گئے ہیں۔

انشائے ماہرو کے دو اقتباسات "درباری فارسی" میں شائع ہو چکے ہیں[2]۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مخطوطہ کے مندرجات حسب ذیل ہیں۔

ا:- حکومت مرکز کی جانب سے خطوط

تفویض اقتلیم سند بر مجلس عالی خان اعظم وخاقان معظم اعظم ہمیون فتح خان لازوال عالیا . . . . .

---

[1] Description catalogue of Persian manuscripts of the Asiatic Society of Bengal, Mss. No, 338.

[2] "درباری فارسی" مرتبہ شیخ محمد اکرام و ڈاکٹر وحید قریشی لاہور ۱۹۶۱ء (ص ۱۱۳ - ۱۱۶)

تفویض شغل وزارت از حضرت خدایگان بجانب مسند عالی اعظم همایوں۔
تفویض نیابت اقطاع ملتان کہ بجانب بندۂ درگاہ اعلیٰ صادر شدہ بود۔

ب: اپنی جانب سے نوشتہ خطوط

اعطاء خانقاہ......

اعطاء خانقاہ بہ شیخ زادہ ابوبکر بن شہاب الدین یزدی دہ نہروالہ بجانب ائمہ و سادات و مشائخ و خانان و ملوک و کافہ رعایا و عامہ برایا ملک لکھنوتی شغل دادبکی و احتساب خطہ ملتان۔

ہندو امراء کے نام خطوط۔

عہد نامہ برای ملوک پیشگاہ و امرای نامدار و مخلصان درگاہ و خوانین بارگاہ۔
عرضداشت از زبان ملک الریاق شہاب الدولہ.. متضمن تعزیت سلطان شہید و تہنیت جلوس محمد شاہ۔

شخصی خطوط

عرضداشت در جواب فتحنامہ جاجنگر کہ بجانب بندۂ درگاہ اعلیٰ صادر بود۔
مندرجہ ذیل مشائخ و قضاۃ کے نام خطوط او قاف اور متعلقہ امور کے بارے میں ہیں۔

محمد اسماعیل، ریاض الدین، سید جلال الدین بخاری۔ حسن سر برہنہ قاضی منہاج الدین عبداللہ، جلال الدین، معز الدین حاکم اُچہ، قاضی رکن الدین، شمس الدین متوکلی۔ شہاب الدین، رفیع الدین۔ شمس الدین یحیٰ گردیزی، اعزالدین بن قطب الدین۔

نصیر الدین حاکم لاہور کے نام
بجانب مجلس عالی خان کبیر و خاقان کشور کبیر اعظم ظفر خان۔

فـ ـیدالدین. صاحب دیوان کے نام
شمس الدین محمود ملک الملوک الشرق. سیدالحجاب وحید قریشی. سیدالحجاب نصیرالدین۔ برہان الدین اخص الخواص ایغ قتلغ خاص حاجب۔ نورالدین حاکم خطہ ملتان۔ تاج الملک صاحب دیوان، نصرالدین محمود بیگ، کمال الدین حاجری۔ عمادالدین پسر مصنف، بہاءالدین پسر مصنف۔ حسین ملتانی کے نام

کل ۲۶۷ اوراق ہیں۔ بہت کم ایسے خطوط ہیں جن پر تاریخ تحریر درج ہے لیکن ان میں جن مشہور شخصیتوں کا ذکر ہے یا جو واقعات بیان کئے گئے ہیں دوسرے ذرائع سے ان کی تاریخیں متعین کی جا سکتی ہیں۔ نام اور تاریخیں درج نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی نظر آتا ہے کہ ان منشآت کو کتابی صورت دینے کا مقصد یہ تھا کہ متعلمین انشاء کے لئے ادبی انشاپردازی کے نمونے مہیا کئے جائیں۔ آٹھویں صدی ہجری کی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لئے اس کتاب میں مصدقہ معلومات کافی مل سکتی ہیں۔

ماہرو کا اسلوب تحریر سادہ، واضح اور بیانیہ ہے۔ رنگین نہیں اور نہ ہی بھاری بھرکم عربی الفاظ سے بوجھل ہے اور نہ جملہ در جملہ کی ترکیب سے معانی میں پیچیدگی اور ابہام ہے۔ البتہ ہندوستانی الفاظ اور مصطلحات کا آنا ظاہر ہے۔ اس لئے بعض جگہ مصنف کی فکر ہندوستانی ہے اور محاورہ بھی ہندوستانی ہے۔ اس طرز محاورہ سے ناآشنا شخص درک معانی میں کوتاہی محسوس کرتا ہے۔ اب دونوں طرزوں کے نمونے دیکھ لیجئے۔

(۱) 'با دوستان آنحضرت دوست باشم و با دشمنان دولت دشمن باشم و در مدت حیاتِ خود بدین شرائطِ ثبات نمایم و بہ ہیچ حال بہیچ وجہ حشم و خدم و در پیوستگان و مخلصان درگاہ را مخالف نباشم و از فرمان پادشاہ بحق

بیرون نباشم و با مخالفان این درگاه نه پیوندم و باید اندیشان این حضرت یار نشوم و به تصریح و کنایت قول و فعل و قلم درین درگاه بد نکنم "۔

(۲) دانشمندان و مشائخ مذکور دعاگویان خاص خداوند عالم اند و فقیر اند۔ دران وقت که رایات اعلیٰ در ممالک شرقی برصوب جاج نگر سایۂ چتر افگنده، ایشان بختمات قرآن مشغول بوده اند۔ اگر حصہ دیوانی بوجہ صدقہ مرحمت شود، ہمہ مستحق اند. تمامی حاصل آن اوقات چیزے سہل است "۔

خلاصہ جواہر القرآن فی بیان معانی لغات الفرقان

اس کتاب کے مؤلف ابوبکر بن ابی الحسن الحافظ الصوفی البکری الملتانی ہیں۔ یہ نام اور القاب انہوں نے خود اپنی اس کتاب کے ابتدائیہ میں لکھے ہیں۔ پورا نام اس طرح ہے۔ ابوبکر اسحاق بن تاج الدین ابی الحسن علی بن ابوبکر بن ابوسعید الحافظ الصوفی البکری الملتانی الحنفی ۔۔۔ ابن التاج کے نام سے مشہور تھے۔ اس کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ خلاصۃ الدین لکھ کر فارغ ہوا تو دوستوں اور عزیزوں نے جواہر القرآن کا ملخص لکھنے کی فرمائش کی جو مصنف نے پوری کی۔ ۷۱۰ھ میں مکمل کر کے اس کا پورا نام جواہر القرآن فی بیان معانی لغات الفرقان رکھا۔

یہ کتاب قرآن مجید کی مختصر سی عربی فارسی لغات ہے۔ اس کو حروف ہجا کے اعتبار سے ترتیب نہیں دیا گیا بلکہ سورتوں کی ترتیب سے الفاظ کے معانی لکھے ہیں۔ آخری سورۃ الناس سے شروع کر کے ایک ایک سورت پیچھے آتے آتے سورہ بقرہ تک پہنچے ہیں۔ البتہ شروع میں صرف سورۂ فاتحہ کے معانی بیان کئے ہیں۔ عموماً ایک لفظ کے ایک یا دو معنی بتائے ہیں۔ شروع شروع میں یعنی تیسویں انتیسویں اور اٹھائیسویں پارے کی سورتوں کے تقریباً تمام مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں لیکن بعد کم سے کمتر ہوتے چلے گئے ہیں۔ سورہ یونس، سورہ انفال، سورۃ الحجر اور سورۃ الرعد کے سات سات آٹھ آٹھ لفظ دیے ہیں۔ مصنف نے لغت کی یہ ترتیب ارادۃً رکھی ہے کیونکہ الفاظ کا زیادہ اور مشکل ذخیرہ آخری پاروں میں ہے۔ اگر ایک شخص ان کو

یاد کرے تو پھر پہلی سورتوں کے سمجھنے میں بہت آسانی محسوس ہوتی ہے۔

مصنف نے تبرکاً چالیس احادیث کو الفاظ کی تشریح میں استعمال کیا ہے مثلاً لفظ کے معنی بتا کر موافقت میں حدیث بھی نقل کی ہے۔ مثلاً الحمد ستودن وسپاس وستائش و فی الحدیث الحمد راس التشکر۔ البصر بینا گردانیدن و فی الحدیث اذا اراد اللہ بعبد خیراً بصرہ بعیوب نفسہ۔

بعض الفاظ کی وضاحت میں دوسروں کے اقوال یا شرع میں اصطلاحی معنی بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً

الظلم: ستم کردن وستم و فی الشریعۃ۔ وضع الشیئی فی غیر موضعہ
و فی الحدیث۔ الظلم ظلمات

علیین۔ جایگاہ بلند۔ قیل لوح من زبرجد خضر معلق تحت العرش او قایمۃ الیمن
اوساقہ وقیل السماء السابعہ

التقوی پرہیزگاری۔ و فی الشریعۃ اقتراب المامور و اجتناب المحظور۔

شروع شروع میں تفصیل کی طرف زیادہ رجحان رہا ہے ایک جگہ اسم انت لک اور الذی کے پورے صیغے لکھ دیئے ہیں۔

عموماً افعال کے مادے لکھ کر معنی بتائے ہیں اور باب افعال اور تفصیل کو زیادہ استعمال کیا ہے۔ اگر ایک لفظ مختلف مصادر میں استعمال ہوتا ہے تو ان سب کا ذکر کر کے معنی بتائے ہیں۔ مثلاً البغتۃ، والبغاء والابتغاء جستن۔ الجسم، جرم، جسد۔ تن۔ الھدم والتھدیم: خراب کردن السحت والاسحات۔ ہلاک کردن۔ التنبیہ والانباء، آگاہانیدن۔ الرضاء الرضوان والمرضاۃ: خوشنود شدن۔ الرحم، الرحمۃ والمرحمۃ: بخشودن۔

الاشتکاء والشکایۃ والشکویٰ. گلہ کردن و نالیدن۔ الضوء الضوءُ والمضرۃ

اکثر الفاظ کے اصلی معانی دیے ہیں جس سے عصرِ حاضر میں اس لفظ کے ارتقائی معنی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور حقیقت کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ مثلاً التسویل آراستن، اطمینان و آرامیدن، الاکناز = دردل پنہاں داشتن، الخزانہ نگاہ داشتن۔ التحریر = بندہ آزاد کردن، التماس = یکدیگر را بسودن، التبسم = دندان سپید کردن بخندہ، الاظہار = تشبیہ کردن منکوحہ بہ پشت مادر۔ المشیج والمشیج۔ آب مرد و زن آمیختہ، المعاشرہ = باکسی خوش زندگانی کردن۔ الزہد۔ بے رغبت و ناخواہان شدن۔

الفاظ کا ترجمہ اکثر نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ یہ لغت مختصر ہونے کے باوجود مفید ہے لیکن وہی شخص اس سے مستفید ہو سکتا ہے جو پہلے سے عربی فارسی سے آشنا ہو۔ مصنف نے بعض سورتوں کے نام مختلف دیے ہیں۔ مثلاً

سورۃ الاسریٰ	سورۃ بنی اسرائیل (اسم معروف)
سورۃ الملئکۃ	سورہ فاطر "
سورۃ الطباقات	سورۃ الصافات "
سورۃ الشریعۃ	سورۃ الجاثیہ "
سورۃ ن	سورۃ القلم "

اس کتاب کا قلمی نسخہ توبنگن Tubingen یونیورسٹی لائبریری (مغربی جرمنی) میں موجود ہے۔ ہم لائبریری کے ارباب اختیار کے سپاسگزار ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کا مائیکروفلم بنا کر بھیجا۔ یہ نسخہ مصنف نے خود قاہرہ میں ۷۴۳ھ میں لکھا ہے۔ کل تئیس صفحات ہیں، ہر صفحے پر ۲۲، ۲۶ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ۱۶، ۱۷ لفظ ہیں خط تعلیق ہے الفاظ اس قدر ایک دوسرے سے پیوستہ لکھے ہیں کہ پڑھنا دشوار ہے۔

ملّا احمد ٹھٹھوی

ملّا احمد کے والد نصر اللہ ٹھٹھہ کے قاضی اور رئیس تھے اور ابو حنیفہؒ کے پیرو۔ احمد نے ابتدائی تعلیم ٹھٹھہ میں ہی تمام کی۔ بچپن میں ہی اہل عراق سے ایک عرب ٹھٹھہ آیا جو قاضی صاحب کے پڑوس میں ٹھہرا۔ اس نے عرب و ایران کے رہنے والوں کے احوال و اعتقادات سے آشنا کیا اور مذہب امامیہ کا تعارف کرایا۔ جوانی میں ہرموز سے ایک شخص میرزا حسن ٹھٹھہ میں آیا جس نے تفسیر کشاف پڑھنے کی ترغیب دلائی۔ اور بالمشافہہ عقاید شیعہ کے اصول سمجھائے۔ پس وہ عقاید شیعہ کے حامل ہو گئے۔

نور اللہ شستری نے ملّا احمد کی زبانی سنکر نقل کیا ہے کہ وہ اکتساب علم سے فارغ ہو کر قلندر کی طرح سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ مشہد میں مولانا افضل قاضی جیسے علمائے امامیہ سے علم کلام۔ حدیث، فقہ امامیہ اور فنون ریاضی میں درس لیا۔ پھر یزد و شیراز میں ملّا کمال الدین طبیب، میرزا جان شیرازی وغیرہ سے کلیات قانون۔ شرح تجرید اور اس کے حواشی پڑھے۔ اس کے بعد ایران کے دارالسلطنت قزوین میں پہنچے اور بادشاہ سے انعام و اکرام پایا۔ ۹۸۴ھ میں مخدوم شرقی مؤلف کتاب النواقد کی صحبت میں عراق میں مزارات مقدس کی سیر کرتے ہوئے حرمین اور بیت المقدس کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ اثنائے سفر میں بہت سے علمائے شیعہ اور علمائے اہل سنت سے کسب فیض کیا۔ پھر سمندر کے راستے دکن میں ریاست "گلکنڈہ" کے بادشاہ قطب شاہ کے دربار میں پہنچے اور نوازشات خسروانہ سے مالامال ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ۹۸۹ھ میں

فتح پور آئے اور جلال الدین اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی ۔ ۹۹۳ھ میں اکبر کے حکم سے تاریخ الفی لکھنے پر مامور ہوئے ۔ ۹۹۱ھ میں مرزا فولاد کے ہاتھوں لاہور میں قتل ہوئے ۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ وہ شیعی عقاید کو بہت ہوا دیتے تھے اور صحابہؓ کو برا کہتے تھے ۔ نوراللہ شستری نے بھی اس بات کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ "از مومنان فدائی و شیعان تبرائی" میں سے تھے ۔ ایک رات مرزا فولاد نے اس بہانے سے ان کو گھر سے باہر بلایا کہ ظل الٰہی نے انہیں یاد فرمایا ہے جب وہ باہر نکلے تو ان پر تلوار کا وار کیا ۔ صاحب ماثرالامراء کے بیان کے مطابق ان کا ایک بازو کٹ گیا ۔ وہ بازو اٹھا کر پناہ کے لئے حکیم حسن خاں کے پاس چلے گئے ۔ تین دن کے بعد زخموں سے جانبر نہ ہو سکے مرزا فولاد گرفتار ہوا ۔ اس نے ابوالفضل ۔ خانخاناں اور آصف خاں کے سامنے جرم کا اقرار کر لیا ۔ اکبر کے حکم سے اس کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ بندھوا کر مروا ڈالا گیا ۔ بدایونی بتاتے ہیں کہ جب بادشاہ کشمیر چلے گئے تو لوگوں نے ملا احمد کی نعش کو قبر سے نکال کر جلا دیا ۔

بداؤنی لکھتے ہیں اس خدا کی قسم جس کی خدائی میں کوئی شک نہیں ۔ اس کا چہرہ خنزیر کی طرح نظر آتا تھا ۔ اس لئے اس کی تاریخ وفات 'خوک سقری' سے نکالی گئی [2]

تالیفات

ملا احمد کی مندرجہ ذیل تالیفات کے نام ہم تک پہنچے ہیں ۔ تاریخ الفی ۔ رسالہ در اخلاق ۔ رسالہ در تحقیق تریاق فاروق ۔ رسالہ در احوال حکماء مسمّیٰ بخلاصتہ الحیوٰۃ ۔ رسالہ در اسرار حروف ۔ رموز اعداد ۔

---

[1] مجالس المومنین ، نوراللہ شستری ، تہران ۱۲۹۹ھ ۔ ص ۲۵۴ ۔ ۲۵۵

[2] منتخب التواریخ نولکشور ایڈیشن ۔ ص ۱۶۸ ۔ ۱۶۹ ماثر الامراء

تاریخ الفی

تاریخ الفی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ ہے۔ کہتے ہیں کہ ۹۹۳ھ میں جلال الدین اکبر نے حکم دیا کہ ایک تاریخ مرتب کی جائے۔ ہدایات یہ تھیں کہ ایک تو زبان آسان ہو۔ دوسرے تاریخ کا سال ہجرت کے بجائے رحلت رسولؐ سے شروع ہو۔ سات آدمی مقرر کئے کہ ایک ایک سال کا حال لکھتے جائیں۔ نقیب خاں، شاہ فتح اللہ۔ حکیم ہمام۔ حکیم علی۔ حاجی ابراہیم سرہندی، میرزا نظام الدین احمد عبدالقادر بدایونی۔ اسی ترتیب سے ایک ہفتہ میں ۳۵ سال کے حالات مرتب ہو گئے۔ چھتیسویں سال سے حکیم ابوالفتح کی سفارش سے ملا احمد لکھنے پر مامور ہوئے۔ انہوں نے ۹۸۴ سال رحلت یعنی زمانہ چنگیز تک کے حالات لکھے، وہ ۹۹۶ میں قتل کر دیئے گئے۔ کتاب کی دو جلدیں مکمل ہو چکی تھیں۔ تیسری جلد آصف خاں نے مکمل کی۔ عبدالقادر نے ۱۰۰۰ ہجری میں ایک سال تک اصلی ماخذوں سے مقابلہ کر کے دو جلدوں کی تصحیح کی۔ تیسری جلد آصف خاں نے خود دیکھی۔

بدایونی کے بیان کے مطابق تاریخ الفی تین جلدوں میں مرتب ہوئی۔ لیکن موجودہ نسخوں میں یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلی جلد ۱۳۵ رحلت تک، دوسری جلد ۵۱۰ رحلت تک، تیسری جلد ۶۹۲ھ تک اور چوتھی جلد ۹۸۷ رحلت یعنی ۹۹۷ ہجری تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔

تاریخ میں ایک ایک سال کے تحت مشہور مشہور واقعات کا ذکر کیا ہے۔ خلفائے راشدہ، بنو امیہ، بنو عباس کے زمانہ ہائے سلطنت کا ذکر ہے، ضمناً عراق و عرب، مصر و ایران کے دوسرے خاندان سلطنتی کا بیان ہے۔ ان میں غزنوی، سلجوقی، اتابکی، منگول اور تیموری اہم ہیں۔ بعض مشہور جنگوں کی تفاصیل بھی درج ہیں۔ اسماعیلیوں کا حال اور خصوصاً حسن بن صباح کی زندگی کے سوانح بھی مندرج ہیں لیکن حیرت کی بات ہے

کہ قادسیہ جیسی مشہور فاتح ایران جنگ کا ذکر نہیں کیا۔

ہر عہد کے نامی گرامی علماء، و فضلاء، اور دوسرے سربرآوردہ شخصیتوں کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی زندگی اور ان کی تصانیف یا دوسرے کارہائے نمایاں کا بھی مختصر تذکرہ کیا ہے۔

اس تاریخ کے ماخذات میں تقریباً تمام عربی۔ فارسی کی کتابیں شامل ہیں جو شاہی کتاب خانے میں میسر آسکتی تھیں، اکثر روضۃ الصفا، کشف الغمہ، مداینی، تاریخ ابن جریر طبری، تاریخ ابن کثیر، تاریخ حافظ ابرو، تاریخ ابن اثیر جزری کے حوالے ملتے ہیں، بعض جگہ محض یہی لکھا ہے ۔ "در بعضی تواریخ آوردہ اند یا بعض مؤرخین گفتہ اند یا در تواریخ معتبرہ مسطور است۔"

ملا احمد جو اس کتاب کے اصل مولف ہیں، شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے اس لئے بعض بیانات سے ان کا تعصب واضح ہے۔ اول تو یہ تعصب اندازِ بیان سے ہی ظاہر ہے جہاں ائمہ کا ذکر ہے وہاں ان کے نام کے ساتھ "علیہم السلام" لکھا ہے لیکن خلفائے راشدہ کا صرف نام لکھا ہے اور مروجہ دعائیہ کلمات "رضی اللہ عنہم" نہیں لکھے۔ ملا احمد اپنی مرتبہ تاریخ اکبر بادشاہ کو سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس نے پوچھا کہ تم نے حضرت عثمانؓ کے دورۂ خلافت کے بارے میں اتنا زیادہ کیوں لکھا ہے۔ اس نے سنی امراء کی موجودگی میں کہا:۔ "وہ عہد روضۃ الشہداء ہے" لیکن یہ بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملا احمد نے تو چھتیسویں سال سے لکھنا شروع کیا تھا اور حضرت عثمان کا عہدِ خلافت ۳۵ ہجری میں ختم ہو جاتا ہے۔

تاریخ الفی اگرچہ مستند ماخذ پر مبنی ہے لیکن اس کی ترتیب نے اس کی وقعت کو بہت کم کر دیا ہے۔ واقعات کے سال بسال اندراج نے تاریخ کا تواتر غتر بود کر دیا ہے۔ ایک واقعہ جو کئی سالوں میں پھیلا ہوا ہے اس کا ذکر یکجا نہیں ملتا اور اس کے

نتائج وعواقب پر ایک جگہ بحث نہیں ہو سکتی۔ کسی واقعہ کے بارے میں کتاب کی طرف رجوع کرنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے اور مختلف جگہوں سے تلاش کرنے میں وقت ضائع ہوتا ہے۔

تاریخ الفی کی ترتیب سے پہلے ہی اکبر نے مؤلفین کو تاکید کر دی تھی کہ اس کی زبان واضح اور صریح ہو۔ کہیں وصاف کا نمونہ سامنے نہ پیش آئے۔ اس لئے کتاب کی زبان مشکل۔ مغلق اور پیچیدہ نہیں ہونے پائی۔ عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

"از جملہ وقائع این سال والی گردانیدن مامون، علی بن موسی الرضا علیہ التحیۃ والسلام را و مخالفت نمودن عباسیان در بغداد با مامون و توجہ او بجانب بغداد و کشتہ شدن فضل بن سہل در سرخش۔ در روضۃ الصفا آوردہ کہ چون بواسطہ امارت حسن بن سہل اطراف حجاز و یمن و اکثر بلاد عرب پُر فتنہ و آشوب شدند و در ہر شہری یکی از علیان دعوئی خلافت میکردند و فضل بن سہل این معنی را بامامون نمیگفت اما ہمیں قدر بعرض او میرسانید کہ در ہر شہری اولاد علی بن ابی طالب علیہ السلام ظہور کردہ دعوی خلافت میکنند و مردم متابعت ایشان نمودہ اند و ہرج و مرج بدریای عرب راہ یافتہ۔"

۲۔ خلاصۃ الحیوٰۃ

یہ کتاب ۹۹۳ ہجری میں لکھی گئی اور ابوالفتح عبدالرزاق گیلانی متوفی ۹۹۷ ہجری سے منسوب ہُوا۔ شروع میں فاتحہ کے عنوان سے ایک باب ہے جو پانچ فتحوں میں منقسم ہے۔ ان کے علاوہ دو مقصد ہیں اور ایک خاتمہ۔ پہلے

فتح میں حیات عرصہ عالم کے بارے میں گفت گو کی ہے۔ دوسرے فتح میں انسان کے مذاہب کی تقسیم و تبویب کی ہے۔ تیسرے میں تصوّر فلسفہ کی تعریفات ہیں۔ چوتھے میں طب کے اصل و آغاز اور پانچویں میں یونان کی قدیم تاریخ و حکمت و جغرافیہ کا بیان ہے۔ پہلے مقصد میں اسلام سے پہلے کے حکمآ و اولیاء۔ دوسرے مقصد میں اسلام سے بعد کے حکماء کا ذکر ہے۔ خاتمہ میں مختلف مذاہب کے متعلق تذکرہ ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخے میں دوسرا مقصد اور خاتمہ موجود نہیں۔

محبوب الالباب[1] میں اس کا نام خاصیت الحیات لکھا ہے۔

۳۔ دیگر رسائل کی موجودگی کا کچھ علم نہیں۔

---

[1] محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب۔ ص ۳۲۵۔

مرکز ادب

کشمیر

کشمیر

خانوادہ ہائے سلطنتی

(۱)

سلطان صدرالدین	۷۲۷ھ
کوتہ رین (ملکہ)	۷۲۷ -- ۷۴۲ھ
شمیر یعنی سلطان شمس الدین	۷۴۳ — ۷۴۷ "
سلطان علاء الدین جمشید پسر	۷۴۷ - ۷۵۸ "
سلطان شہاب الدین پسر	۷۵۸ - ۷۷۰ "
سلطان قطب الدین برادر	۷۷۰ - ۷۹۶ "
سلطان سکندر بت شکن	۷۹۶ - ۸۲۰ "
سلطان علی پسر	۸۲۰ - ۸۲۷ "
سلطان زین العابدین برادر	۸۲۷ - ۸۷۸ "
حیدر شاہ پسر	۸۷۸ - ۸۸۰ "
حسن شاہ پسر	۸۸۰ - ۸۹۳ "
محمد شاہ پسر	۸۹۳ - ۹۴۴ "
شمس الدین شاہ پسر	۹۴۴

اسمٰعیل شاہ پسر محمد شاہ

ابراہیم شاہ پسر

نازک شاہ پسر فتح شاہ

حبیب شاہ ولد اسماعیل شاہ ۹۶۲ھ

۲- خاندان چک

غازی چک	۹۶۲	۹۷۲ ؍
حسین شاہ چک	۹۷۰	۹۷۸ ؍
علی شاہ چک	۹۷۸	۹۸۷ ؍
یوسف شاہ چک	۹۸۷	؍
سید مبارک شاہ بیہقی	۹۸۷	؍
لوہر شاہ چک	۹۸۸	۹۹۴ ؍
یعقوب شاہ چک	۹۹۴	

۳- مغل

اکبر ۹۹۴ - ۱۰۱۴ھ

کشمیر میں اسلام

کشمیر کے تمام مؤرخین متفق ہیں کہ ۷۲۵ھ میں سید عبدالرحمٰن عرف سید بلبل شاہ ترکستان سے کشمیر میں آئے۔ اس وقت راجہ رنتبو حکمران تھا اور ساری رعایا غیر مسلم تھی راجہ مذہب کے بارے میں غیر مطمئن تھا اور سچے دین کی تلاش میں تھا۔ ایک رات اس نے طے کیا کہ جو شخص صبح سب سے پہلے نظر آئے گا وہ اسی کا دین قبول کرے گا۔ علی الصباح اس نے دریا کے کنارے سید بلبل شاہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ قریب جاکر اس کے دین کے اصول و قواعد دریافت کئے اور ان سے متاثر ہو کر دین اسلام قبول کیا۔ پھر اس کے اہل خانہ، امراء، اراکین سلطنت اور عوام اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے[1] اس بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ یا اس کا مصاحب فارسی زبان جانتا ہو گا یا بلبل شاہ کشمیری زبان جانتے ہوں گے جس میں انہوں نے راجہ کو ارکان دین سمجھائے ہوں گے۔ یہ راجہ صدرالدین کے اسلامی نام سے معروف ہوا۔

بلبل شاہ سے پہلے بھی کشمیر میں مسلمانوں کی آمد و رفت تھی۔ وہ ہندو راجاؤں کی فوج میں ملازمت بھی کرتے تھے چنانچہ راجہ رنتبو کا سپہ سالار شاہ میر مسلمان ہی تھا جو بعد میں سلطان شمس الدین کے نام سے کشمیر کا حکمران بنا۔

اس واقعہ کے بعد بیرونی ممالک سے خصوصاً ایران سے مسلمانوں کی آمد کا راستہ کھل گیا۔ سید حسین سمنانی ۷۷۳ھ میں پیر پنجال کے راستے کشمیر میں آئے[2] پھر ۷۸۱ھ میں امیر کبیر سید علی ہمدانی سات سو سیدوں کے ہمراہ یہاں آئے۔ انکے بعد ان کے فرزند سید محمد ۷۹۶ھ میں چھ سو رفیقوں کے ساتھ آئے اور تعلیم و تبلیغ سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ خانقاہیں بنیں، مسجدیں تعمیر ہوئیں اور مدارس کھلے۔

---

۱ واقعات کشمیر، لاہور، ۱۳۳۳ھ ص ۲۱ ۲ تحائف الاسرار، محی الدین مسکین امرتسر ۱۳۲۲، ص ۹

کشمیر میں فارسی زبان و ادب

صوفیا کی وساطت سے ہی یہاں دین پھیلا۔ شروع میں جو بزرگ یہاں آئے وہ عالم و فاضل تھے یقینی طور پر انہوں نے فارسی زبان کی وساطت سے ہی تعلیم دی ہوگی۔ اور درس و تدریس کے لئے کتابیں بھی فارسی میں لکھی ہوں گی جن تصانیف کے نام ہم تک پہنچے ہیں وہ انہی بزرگوں نے لکھی ہیں جو ایران سے آئے۔ بعد میں کشمیر کے اصل باشندوں نے زبان سیکھی۔ اس میں مہارت حاصل کی۔ پھر خود کتابیں لکھیں جب فارسی کا چرچا ہوا تو زبان درباروں تک پہنچی اور شعراء بھی بادشاہوں سے متوسل ہوئے۔

قطب الدین شاہ (۷۷۰ - ۷۹۶ھ) کے عہد میں سید علی ہمدان کی تصانیف کی اشاعت ہوئی ہوگی۔ تحائف ابرار (ص ۱۱) میں لکھا ہے کہ سید کی ایک سو ستر تصانیف تھیں۔ سلطان سکندر (۷۹۶ - ۸۱۶ھ) کے عہد سلطنت میں بھی تصنیف و تالیف کا کام شروع ہوگیا تھا۔ سید محمد بن سید علی ہمدانی کی دو تصانیف کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔

رسالہ در تصوف اور رسالہ در شرح شمسیہ (منطق)

ان کے رفقاء میں سے سید احمد سامانی نے رسالہ تنویر در شرح فرائض سراجی اور سید محمد خاوری نے شرح لمعات عراقی لکھی۔ سید محمود سیفی اس عہد کے معروف شاعر تھے۔

سلطان زین العابدین (۸۲۷ - ۸۷۸) کا زمانہ رونق و آبادی کا زمانہ تھا۔ یہ بادشاہ بڈشاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ علم و ادب کی اشاعت کے لئے بھی یہ عہد زریں شمار ہوتا ہے۔ بادشاہ خود فاضل تھا اور علم و فضل کا مربی۔ اس نے خراسان و توران سے

کتابیں منگوائیں۔ کاغذ سازی اور جلد بندی میں تربیت حاصل کرنے کے لئے آدمی بھیجے جنہوں نے واپس آکر اپنے وطن میں اس صنعت کو فروغ دیا۔ اس بادشاہ کی اپنی تصانیف میں سے دو نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سوال و جواب۔ آتش بازی کے بارے میں

۲۔ شکایت - بے ثباتی روزگار، زمانہ اور اولاد ناخلف کی شکایت۔

اس کا تخلص قطب[1] تھا اور اس نے دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ بہارستان شاہی میں اس کے دو شعر درج ہیں۔[2]

ای بگرد شمع رویت عالمی پروانہ ای وز لب شیرین تو شور لبست در ہر خانہ ای

قطب مسکین گو گناہی میکند عیبش مکن عیب نبود گر گناہی میکند دیوانہ ای

اس غزل کا ایک اور شعر حسین ملک نے اپنی تاریخ کشمیر میں ضبط کیا ہے۔[3]

من بچندین آشنائی میخورم خون جگر آشنا را حال اینست وای بر بیگانہ ای

اس عہد کے شعراء میں سے ملک الشعراء ملا نادری، ملا احمد، سلطان محمد اویسی اور منصور بن محمد کے نام مشہور ہیں۔ اس بادشاہ کے حکم سے سنسکرت کتابوں کے فارسی میں ترجمے ہوئے اور دوسری تالیفات بھی مرتب ہوئیں۔ مثلاً

وقائع کشمیر ترجمہ راج ترنگنی مصنفہ پنڈت کلہن، مترجم ملا احمد

ترجمہ مہابھارت مترجم ملا احمد اور سوم پنڈت

تاریخ کشمیر ملا نادری

تاریخ کشمیر قاضی حمید

مقامات حاجی بابا ادہم

---

[1] کراچی یونیورسٹی لائبریری۔ مائیکرو فلم نمبر ۲۸۔ [2] تاریخ کشمیر اعظمی (ص ۳۵) میں یہ تینوں شعر سلطان قطب الدین (۷۹۶-۷۸۰ھ) سے منسوب ہیں۔

کفایہ (طب) منصور بن محمد

سلطان زین العابدین کے بعد کشمیر کو اس جیسا لائق بادشاہ نصیب نہ ہوا۔ اس کے اخلاف میں یقیناً علم وادب کا سلسلہ جاری رہا ہوگا لیکن مؤرخوں نے کسی بڑی شخصیت کا ذکر نہیں کیا۔ ۹۴۸ھ میں میرزا حیدر دغلات نے کشمیر پر قبضہ کر لیا یہ وہی میرزا حیدر ہیں جن کی تاریخ رشیدی مشہور ہے۔ ۹۶۲ھ سے چک خاندان حکمران رہا۔ چک خود اہل تشیع تھے۔ اس لیے انھوں نے مذہب امامیہ کی اشاعت کی۔ کشمیر کے صوفیا اور دیگر علما ان کے اس تعصب سے خوش نہیں تھے۔ اس لیے اس خاندان شاہی کو رعایا کی حمایت و رضایت حاصل نہ ہوئی۔ آخر کشمیر کے چند برگزیدہ علما اکبر بادشاہ کے پاس فریاد لے کر گئے اور ۹۹۵ھ میں قاسم جہاں کے ہاتھوں کشمیر فتح ہو کر سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا۔ چکوں میں سے حسین شاہ چک خود شاعر تھا اس کے عہد کے شعرا میں سے مولانا میر علی، مولانا نامی، اور ملا نامی ثانی مشہور ہیں۔ اسی بادشاہ کے عہد میں قاضی حبیب اللہ نے عقیدہ نصریہ در بحث امامت و خلافت کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ یوسف چک بھی شاعر تھا۔ اس کا ایک شعر صاحب ہفت اقلیم نے محفوظ کیا ہے

لیلی جماز ہ بر مجنوں بخود نماند زور کمند جذبۂ معجز نمای اوست

عہد چکاں کے دوسرے شعرا میں سے مولانا مہری اور مولانا محمد ابن مستغنی نامور ہیں۔ اکبری عہد میں شیخ یعقوب صرفی، مظہری کشمیری اور بابا طالب اصفہانی بلند پایہ شاعر شمار ہوتے ہیں۔

۷۲۷ سے ۱۰۱۴ھ تک کے فارسی ادب کا جائزہ لیتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں تین قسم کے موضوع پر کتابیں تالیف و تصنیف ہوتی رہیں۔

۱۔ پہلی قسم میں درسی کتابیں یا بعض مستند درسی کتابوں کی شرحیں ہیں۔ مثلاً

شرح شمسیہ در منطق سید محمد ہمدانی

رسالہ شرح تنویر السراج در علم فرائض	سید احمد سامانی
رسالہ در جمع احادیث	سید حسین سابق قاضی شیراز
شرح لمعات	سید محمد خاوری
شرح قصیدہ میمیہ فارضیہ	سید علی ہمدانی
فتاویٰ شہابی	ملا احمد
قصیدۂ نصریہ در بحث امامت و خلافت	قاضی حبیب اللہ

۲ - دوسری قسم میں تصوف و اخلاق اور احوال صوفیا کے متعلق کتابیں ہیں - مثلاً

ہدایۃ المخلصین	میر حیدر تیلہ مولی
رسالہ سلطانیہ	شیخ احمد چاگلی.
راحۃ الطالبین در مقامات حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ	خواجہ حسن قاری
حلیۃ العارفین، سوانح و کمالات شیخ حمزہ	خواجہ اسحاق قاری
تذکرۃ المرشدین	خواجہ میرم بزاز
تذکرۃ العارفین	بابا علی رینہ
رشی نامہ اور سلطانیہ	ملا بہاء الدین متو
اسرار الابرار	داؤد مشکواتی
رسالہ شہاب ثاقب در علم تصوف	ملا احمد
مقامات مرشد، مناقب الاولیاء	یعقوب صرفی

سکندریہ رسالہ در تصوف	سید محمد ہمدانی
مقامات صرفی	حبیب اللہ حبّی
روائح	صرفی
رسائل و تالیفات	سید علی ہمدانی
راحت القلوب	حبیب اللہ حبّی
مرآۃ الغیوب	
تنبیہ القلوب	
دستور السالکین، شرح وردالمریدین	داؤد خاکی

۳۔ تیسری قسم میں احوال و واقعات کشمیر پر کتابوں کا ذکر آتا ہے۔

۴۔ چوتھی قسم میں شعراء کے دیوان ہیں یا دوسری مثنویاں۔

شعراء میں مندرجہ ذیل نام ملتے ہیں۔

سید علی ہمدانی	ملا احمد هروی
بابا میر اویسی	مولانا میر علی
مولانا نامی	مولانا نامی ثانی
محمد امین مستغنی	بابا داؤد خاکی
محمد یعقوب صرفی	حبیب اللہ حبی
مظہری کشمیری	نجمی
علی صرفی	مہدی علی لدنی

سیّد علی ہمدانی

سیّد علی ان کا نام ہے۔ وہ امیر کبیر علی ثانی اور شاہ ہمدان کے القاب سے مشہور ہیں۔ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ (۱۳۱۴ء) ہمدان میں پیدا ہوئے۔ رحمۃ اللہ سے تاریخ پیدائش نکلتی ہے، خلاصۃ المناقب میں ان کا شجرہ نسب اس طرح دیا ہے۔ سید علی بن سید شہاب الدین بن محمد بن علی بن یوسف۔ بن محمد بن محمد۔ بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن حسین بن علی بن زین العابدین بن حسین۔ بن علیؓ۔ انہوں نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کیا پھر دوسرے علوم پڑھے۔ اپنے ماموں سید علاؤ الدین سمنانی سے تصوف کی تربیت حاصل کی۔ وہ شروع میں شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی کے مرید ہوئے اور ان کی وفات کے بعد شیخ شرف الدین محمود مزدقانی سے رشتہ ارادت استوار کیا۔ اسی بزرگ کے ارشاد پر وہ سیاحت عالم کو نکلے۔ اکیس برس میں تین مرتبہ مختلف ممالک کی سیر کی۔ اس عرصہ میں چودہ سو اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا۔ جب ایران میں تیمور کی یلغاروں کا زور ہوا تو انہوں نے سات سو سیدوں کے ہمراہ ترک وطن کر کے کشمیر کی راہ لی کہتے ہیں تیمور نے کہا ہماری سلطنت سے باہر نکل جاؤ۔ وہ اسی وقت شہر سے اٹھ کر مسجد میں آگئے اور فرمایا — این ملک خدا است از ملک پادشاہ بیرون شدم۔ سات سو کی تعداد میں کچھ مبالغہ ضرور ہے۔

ﻪ خزینۃ الاصفیاء غلام سرور نول کشور۔ ج ۲ ص ۲۹۳—۲۹۸

Kashir by G.M.D. Sufi, vol. I. pp. 84-9[illegible]

سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت یعنی ۷۷۴ھ میں کشمیر میں وارد ہوئے۔ اس وقت شہاب الدین دی ہند[1] میں مصروف جنگ تھا اور اس کا بھائی قطب الدین کشمیر میں اس کا جانشین تھا۔ سید علی چار مہینے کشمیر میں ٹھہرے۔ پھر محاذ جنگ میں پہنچکر فریقین کو لڑائی سے دستکش ہونے کا مشورہ دیا اور جنگ بند کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وہ حج کو چلے گئے اور ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں کشمیر لوٹ آئے۔ اب کہ اڑھائی سال قیام رہا ۷۸۳ھ میں لداخ کے راستے ترکستان چلے گئے۔ تیسری مرتبہ وہ ۷۸۵ھ میں کشمیر آئے لیکن صحت خراب ہونے کی وجہ سے پھر یہاں سے چل دیئے۔ راستے میں دس دن تک پکھلی (ضلع ہزارہ) کے حاکم سلطان محمد[2] کی درخواست پر وہاں ٹھہر گئے۔ کونار (کافرستان) میں پہنچے کہ ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ کو وہیں وفات پا گئے۔

تابوت ۲۵ جمادی الاولیٰ کو ختلان میں پہنچا اور وہیں خانقاہ میں دفن ہوئے۔ مولانا یعقوب صرفی نے ایک جگہ تو یہی لکھا ہے کہ

ع مزارش بختلان و مولد عراق (ص ۸ مغازی النبی) لیکن دوسری جگہ لکھتے ہیں

بکولاب ابراہیم رو نمود ۔۔۔ باسرار پنہاں و کنہ وجود
مشرف شد آنجا فقیر حقیر ۔۔۔ بطرف مزار امیر کبیر
مزار پر انوار سید علی، ۔۔۔ کہ ہستم بجان بندۂ آن ولی

(ص ۱۱ مغازی النبی)

ڈاکٹر صوفی نے اپنی کتاب کاشیر' ج ۲، ص ۱۱۲ (۷) میں ایک روسی دوست سے اطلاع حاصل کر کے لکھا ہے کہ جس شہر میں سید علی دفن ہیں اس کا نام پہلے ختلان تھا

---

[1] تاریخ کشمیر اعظمی محمد اعظم ۴۸۔ تحائف الابرار۔ محی الدین مسکین۔ امرتسر ۱۳۲۲، خلاصۃ المناقب روٹو نمبر ۱۳۸ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

[2] خلاصۃ المناقب صفحہ ۸۵ و حاکم کا نام ملک خضر شاہ لکھا ہے۔

لیکن اب کولاب ہے جو تاجکستان میں واقع ہے لیکن مولانا حرفی کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں کولاب کا نام معروف تھا۔ اسی کتاب "کاشیر" میں ص ۱۱۶ (ح) پر A. Kolebaroff کا مضمون نقل کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ سید علی ہمدانی کولاب میں مقیم ہو گئے اور وہاں انہوں نے مسجد اور مزار بنانے کے لئے زمین خریدی۔ روسی دوست کی اطلاع کا ماخذ کیا ہے۔ اس کی ہمیں خبر نہیں لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود جا کر وہاں مقیم ہو گئے ہوں اور اپنے لئے مسجد اور مزار بنائے ہوں۔ واقعات کشمیر[1] مؤلفہ ۱۱۴۸ھ میں لکھا ہے کہ سید علی جب "کبر" کے نزدیک پہنچے تو وفات پائی۔ اہل کشمیر، رفقائے سید اور سلطان محمد والی پکھلی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ہر گروہ ان کو اپنی زمین میں دفن کرنا چاہتا تھا۔ سید صاحب کے ایک رفیق شیخ قوام الدین بدخشی نے تجہیز و تکفین کے بعد کہا کہ جو شخص بھی آپ کا تابوت اٹھا لے وہ اپنی طرف لے جائے ہر شخص نے کوشش کی لیکن کوئی نہ اٹھا سکا۔ صرف شیخ قوام الدین اٹھا سکے۔ چنانچہ وہ ہمراہیوں کے ساتھ کوہستان چراز کے راستے ختلان لے گئے اور پانچ جمادی الاخری کو وہاں دفن کیا اور زیارت گاہ کی تعمیر کی۔ واقعات کشمیر میں تاریخ وفات کا یہ قطعہ درج ہے

رہبر عارفان شہ ہمدان — کز دمش باغ معرفت بشگفت

عقل تاریخ سال رحلت او — "سید علی ثانی" گفت

خلاصۃ المناقب، نور الدین بدخشی کی تالیف ہے جو سید علی کے مرید تھے، انہوں نے اپنی کتاب میں شاہ صاحب کے ملفوظات جمع کرنے کے علاوہ ان کی زندگی کے بعض واقعات بھی بیان کئے ہیں وہ اپنے مرشد کے روحانی کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہر بات جو میرے دل میں ہوتی تھی بتا دیا کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے — ان کی

---

[1] واقعات کشمیر مشہور بتاریخ کشمیر اعظمی لاہور ۱۳۰۳، ص ۳۷

طبیعت بڑی جلالی تھی۔ غصے سے بھڑک اٹھتے اور دوسروں کو تاہیوں پر ملامت کرتے تھے لیکن انہیں اپنی اس افتادِ طبع کا احساس تھا وہ کہا کرتے تھے۔

"غضب ما رحمت است بر مغضوب الیہ۔ زیرا کہ در اوائل سلوک مارا در ہر دو شنبہ بحضرت مصطفیٰ صحبت خاصہ می بود و از غضب خود ملالت در خاطر می آمد، لاجرم حضرت مصطفیٰ فرمود کہ ملول مشو کہ غضب تو رحمت است" ص ۶۲

ان کی جفاکشی اور نفس کشی کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ۱۷۰ دن تک مسلسل کوئی چیز نہ کھائی۔ (ص ۶۴)

سید صاحب نے خود اپنی زندگی کا ایک واقعہ یوں بیان کیا کہ "ایک دفعہ میں نے دیار روم میں قیام کیا۔ رات کو احتلام ہو گیا۔ سخت سردی تھی۔ نفس نے نہانے میں سستی دکھائی۔ آخر اس کی سرکشی توڑنے کے لئے میں نے رات کو بھاری پتھر اٹھایا اور یخ بستہ پانی پر چل کر برف کو توڑا اور نہایا۔ چالیس دن تک ایسا کیا۔ پھر بتایا کہ میں نے سات سال تک خرقہ پہنا ہے اور کرتہ نہیں اوڑھا اور صرف روٹی کے سوا کچھ نہیں کھایا۔ آخر رسولِ خدا کے اشارے سے لذیذ کھانا کھایا (ص ۶۴) انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ کشتی ٹوٹ گئی۔ وہ ایک تختے پر کئی روز چلتے رہے۔ تین ماہ کے بعد ایسی جگہ پہنچ سکے جہاں غذا موجود تھی۔ (ص ۷۹)

سید صاحب نے بتایا ہے کہ وہ سراندیپ میں قدم گاہ آدم علیہ السلام دیکھنے گئے۔ ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی جسے پکڑ کر اوپر پہاڑ پر چڑھے۔ تین دن تک وہاں ٹھہرے پتھر پر صرف ایک پاؤں کا نشان کٹا ہوا تھا۔ (ص ۸۰)

انہوں نے کئی مرتبہ حج کیا۔ ایک روز اٹھائیس روز کھانے پینے کے بغیر سفر کیا۔ قافلے میں سے ایک شخص پانی لے کر آیا تو انہوں نے پانی لینے سے انکار کر دیا۔ جب پانی پینے کی ضرورت

ہوئی تو خود ٹوٹا ہوا پیالہ لے کر اہل کارواں کے پاس گئے۔ سامنے وہی شخص نظر آیا جس کے ہاتھ سے پانی پینا گوارا نہیں کیا تھا، اس لئے پانی مانگے بغیر واپس آ گئے اور پیالہ توڑ دیا۔ آخر ایک کوئیں پر پہنچے۔ اپنے آپ کو اس میں گرا دیا۔ ایک شخص نے پگڑی لٹکا کر ان کو باہر نکالا" (ص ۸۱)

ایک مرتبہ سید صاحب حج کے لئے نکلے۔ قریہ علیشاہ سے یزد تک ہی زادِ راہ ختم ہو گیا۔ یزد میں پہنچے تو ایک عورت نے بارہ ہزار درہم لا کر دیے اور کہا کہ رسولِ خدا کے اشارے سے یہ رقم لے کر آئی ہوں۔ یہ درہم میں نے حج کے ارادے سے جمع کئے تھے۔ سفر کی قوت نہیں رہی۔ رسول اللہ نے خواب میں بتایا کہ اپنے بیٹے سید علی ہمدانی کو دے دو۔ ایک سال سے قافلہ والوں میں سراغ لگا رہی ہوں۔ آج آپ مل گئے ہیں۔ سید صاحب نے اس رقم سے سامان خریدا اور اونٹوں پر لاد کر سفر شروع کیا۔ لوگ یہ لاؤ لشکر دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ اتفاقاً قافلہ راستے سے بھٹک گیا اور آہستہ آہستہ زادِ راہ ختم ہو گیا۔ آخر انہی اونٹوں کا سامان کام آیا (ص ۸۳)

صاحب مناقب نے ایک اور واقعہ کی اطلاع دی ہے کہ ایک مرتبہ سید صاحب کی حق بات علما، کو ناگوار گزری۔ انہوں نے دعوت کر کے شربت میں زہر ملا دیا۔ گھر آئے تو قے اور اسہال سے زہر کا اثر زائل ہو گیا (ص ۸۳)

کشمیر میں شاہ صاحب کی آمد سے اسلام کی اشاعت میں بڑی ترقی ہوئی۔ وہ محلہ علاؤ الدین پورہ میں اترے تھے اور دریائے "بہت" کے کنارے چبوترے پر بیٹھ کر نماز پڑھتے اور وعظ کہتے تھے۔ ان کی شخصیت اور کرامات سے لوگ متاثر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی مقام پر زیارت کے نام سے ان کی یاد میں شاندار عمارت موجود ہے، سلطان قطب الدین شاہ ہر روز ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس بادشاہ نے دو بہنوں کے ساتھ بیاہ کر رکھا تھا جو حکم خداوندی کے خلاف تھا۔ سید صاحب کے کہنے پر بادشاہ نے ایک کو طلاق

دے دی۔ بادشاہ ہندوانہ لباس پہنتا تھا وہ بھی ترک کر دیا۔ ایک مرتبہ سید والا نے اس کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی۔ جس کو وہ تاج شاہی کے اندر پہنتا تھا۔ اسی سلسلہ خاندان کے آخری فرمانروا فتح شاہ تک یہ رواج رہا۔ آخری بادشاہ کی وصیت کے مطابق یہ ٹوپی کفن میں لپیٹ کر اس کے ساتھ ہی دفن کر دی گئی۔

علامہ اقبالؒ نے شاہ صاحب کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے جن سے ان کی حرمت و عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سید السادات سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیر امم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت — ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آن خطہ مینو نظیر — میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطہ را آن شاہ دریا آستین — داد علم و صنعت و تہذیب دین
آفرید آن مرد ایران صغیر — با ہنرہای غریب و دلپذیر

تصانیف

سید ہمدانی کی بہت سی تصانیف ہیں۔ فارسی میں بھی اور عربی میں بھی۔ اکثر چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں۔ ان کی فارسی تصانیف میں سے مندرجہ ذیل کے نام ہم تک پہنچے ہیں تحائف الابرار میں مذکور ہے کہ ان کی ایک سو ستر (۱۷۰) تصانیف تھیں (ص ۱۱)

کتاب خانہ برٹش میوزیم کے مجموعے میں مندرجہ ذیل رسائل شامل ہیں (ج ۲، ص ۸۳۵، ۸۳۶)

رسالہ نوریہ، رسالہ مکتوبات، اسناد اوراد فتحیہ من المریدین۔ در معرفت صورت و سیرت انسان۔ دربیان آداب مبتدی وطالبان حضرت صمدی، ہمدانیہ، مکتوبات امیریہ، رسالہ داؤدیہ، مکارم اخلاق، کشف الحقائق، مشارب الاذواق رسالہ اعتقادیہ، رسالہ درویشیہ، رسالہ فتوحیہ، کتاب عنایہ فی الرؤیا — شرح مشکل حل، رسالہ مشبہ، اسناد حلیہ حضرت رسالتؐ، رسالہ خطبہ امیریہ،

رسالہ خواطریہ، رسالہ سادات نامہ، رسالہ مناجات، درحقائق توبہ، رسالہ واردات، عقل، سیر الطالبین، دہ قاعدہ، حل الفصوص۔

ذخیرۃ الملوک۔ ج ۲، ص ۷۴۴، چہل اسرار (غزلیات)

اسرار النقط (مذکور خزینۃ الاصفیا ج ۲، ص ۲۹۴)

علم القیافہ مذکور فہرست بوڈلین لائبریری نمبر ۱۲۴۱، اوراق ۲۶۳ - ۲۶۵

نیشنل لائبریری پیرس میں مندرجہ ذیل رسائل موجود ہیں۔ ص ۱۵۶ - ۱۵۷

مرآۃ التائبین، رسالہ ذکریہ امیریہ، رسالہ اصطلاحات الصوفیہ، منازل السالکین، کتاب الواردات الغیبیہ و لطائف قدسیہ، رسالہ در بیان روح و نفس مطبوعہ مع رسائل دیگر عشقیہ از قاضی حمید الدین ناگوری۔ مطبع قیصریہ دہلی۔ ۱۳۳۲ھ

شرح علی المیمیہ لابن الفارض، منہاج العارفین، رسالہ وجودیہ، رسالہ التنقیہ نوریہ، رسالہ فی الطب، رسالہ معرفت نفس، انسان نامہ۔

مستورات (انڈیا آفس لائبریری۔ مخطوطہ نمبر ۱۸۵۰)

تعلیمات

برٹش میوزیم کے مجموعہ رسائل کی مائیکرو فلم حاصل کر لی گئی تھی۔ ان رسائل میں سے ذخیرۃ الملوک اور چہل اسرار شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے متعلق ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ دوسرے رسائل میں سے بعض تو دو دو تین تین صفحات پر مشتمل ہیں مثلاً "رسالہ نوریہ، دہ قاعدہ، رسالہ خطبہ امیریہ، رسالہ مناجات۔ لیکن باقی عموماً سات آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں۔ سب سے مفصل رسالہ درحقائق توبہ ہے جو ۳۲۶ سے ۳۴۷ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ ان رسائل میں ان کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے لئے سب سے اہم اشاد و اوراد فتحیہ۔ دربیان آداب مبتدی و طالبان حضرت صمدی۔ دہ قاعدہ

اور مکارم اخلاق ہیں۔ سید علی ہمدانی ایک صوفی باصفا اور عارف پاکباز تھے۔ اسلئے ان کا طریق تصوف و درویشی ہے جس میں سب سے اہم مرحلہ عبادات کا ہے۔ اذکار اور اوراد سے مقصود ریاض و مجاہدہ نفس ہے تاکہ درویش علائق دنیا سے کٹ کر یادالہٰی میں مشغول رہنا سیکھے۔ اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق تزکیہ نفس، تصفیہ باطن اور تجلیہ روحانی کی منازل طے کرتا جائے۔ اس طریق وسلوک میں قدم رکھنے والے کے لئے مخصوص آداب ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ سب سے پہلے مخلص ارادت ہے پھر تثبیت و تحقیق ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو مکارم اخلاق سے مزین کرنے کا مرحلہ ہے اور ذمائم اخلاق سے پرہیز ہے۔ سید صاحب نے اپنے طریق میں بخل، خشم، آز، حقد، شہوت اور کبر و حسد کو ذمائم اخلاق میں شمار کیا ہے۔ اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لئے انہوں نے دس بنیادی قاعدے بتائے ہیں جن کی تفصیل و تشریح ان کے رسالہ دہ قاعدہ میں موجود ہے۔ انہی قواعد میں ان کی تعلیم کا خلاصہ آجاتا ہے۔ مختصراً انہوں نے بتایا ہے کہ پہلا قاعدہ تمام خطاؤں لغزشوں سے باز آنا اور خدا کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ کرنا ہے۔ دوسرا قاعدہ زہد ہے یعنی مال و جاہ و ناموس کی طلب سے باہر آنا۔ تیسرا قاعدہ توکل ہے یعنی تمام اسباب و وسائل کا خیال چھوڑ کر خدا پر توکل رکھنا۔ چوتھا قاعدہ قناعت ہے جس سے مقصد آرزوہائے نفسانی اور تمتعات بہیمی کو ترک کرنا ہے۔۔۔۔ پانچواں قاعدہ عزلت ہے یعنی شیخ کامل کی صحبت کے سوا خلائق کی صحبت و آمیزش سے اپنے آپ کو دور رکھنا ہے۔ اصل میں عزلت سے مقصد حواس کو یعنی آنکھ کو دیکھنے، کان کو سننے اور زبان کو ناشائستہ کلمات کہنے سے پاک کرنا ہے۔ چھٹا قاعدہ ذکر ہے یعنی غیر حق سے منہ موڑنا۔ ذکر الہٰی سے روحانی بندشوں اور قلبی بیماریوں سے نجات ملتی ہے اور ذاکر شواہد جمال حق میں محو ہو جاتا ہے۔ ساتواں قاعدہ توجہ ہے یعنی سالک غیر حق محبوب و مطلوب کی طرف توجہ نہ کرے اور ایک لمحہ کے لئے

محبوب حقیقی سے غافل نہ رہے۔ آٹھواں قاعدہ صبر ہے جو عبادات و مجاہدات میں ثبات ہے۔ نواں قاعدہ مراقبہ ہے یعنی حصول مطلوب کے لئے امید رکھنا۔ سالک تزکیۂ نفس کے بعد مواہب الٰہیہ کے افتتاح کا امیدوار رہتا ہے اور انوار صمدی سے اپنی تاریکیوں کو دور کرتا ہے ۔۔ دسواں قاعدہ رضا ہے یعنی اپنی رضا سے محبوب کی رضا میں داخل ہونا۔ اس منزل میں سالک اوصاف ربانی سے متصف ہوتا ہے اور انوار قدوسی سے تابدار ہو کر فضائے لاہوتی میں پرواز کرتا ہے۔

ذخیرۃ الملوک

سید علی ہمدانی کی یہ کتاب اچھی خاصی مقبول رہی ہے۔ نام سے تو یہی ظاہر ہے کہ یہ بادشاہوں کے لئے لکھی گئی ہوگی اور ایک شیخ بزرگ اور درویش مخلص نے ملک کے حکمرانوں کو ایسی نصیحتیں کی ہوں گی جو سلطنت کی تاریک راہوں میں ان کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیں مگر اس کے مشمولات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کے علاوہ اس کتاب میں اسلام اور اس کے بنیادی عقاید پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے اور صوفیانہ اخلاق اور درویشانہ مسلک کی تفسیر بھی موجود ہے۔

کتاب دس ابواب پر منقسم ہے۔ پہلے باب میں ایمان اور اس کی جزئی تفاصیل پر بحث ہے دوسرے باب میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے متعلق احکام کا بیان ہے۔ تیسرے میں مکارم اخلاق کا ذکر ہے۔ رحم و دیانت، صبر و سخا کے فضائل اور بخل، کذب اور ظلم کے عیوب گنوائے ہیں۔ چوتھا باب مفصل ہے جس میں حقوق والدین، زوج و زوجہ، اولاد و خدام، احباء و اقرباء کے بارے میں فقہی مسائل بیان کئے ہیں۔ پانچویں باب میں اصل موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ شرائط پادشاہی اور فرائض حکومت کی تفاصیل بتا کر بادشاہ کے حقوق رعایا پر اور رعایا کے حقوق بادشاہ پر بیان کئے ہیں۔ آخر میں کافر رعایا کے بارے میں حکام کی ذمہ داریاں بیان کی ہیں۔ چھٹے باب میں حواس خمسہ کے اعمال کا تجزیہ کر کے منطقیانہ استدلال سے جسمانی لذائذ کی خرابیاں بتائی ہیں اور ان اعمال کی طرف رغبت دلائی ہے جو روحانی تقویت کیلئے ضروری ہیں۔ ساتویں باب میں امر معروف اور نہی منکر کی بحث ہے۔ اسلامی سلطنت

میں محکمہ احتساب کے فرائض بیان کئے ہیں۔ عنوان کتاب کے لحاظ سے یہ باب بھی بڑا اہم ہے ان منکرات اور جرائم کا ذکر کیا ہے جو ہماری اجتماعی زندگی میں واقع ہوتے رہتے ہیں۔ عصر حاضر کی جمہوری حکومتوں میں اس قسم کے منکرات کا انسداد، پولیس اور بلدیاتی اداروں کے ذمے ہوتا ہے۔ محکمہ تعمیرات عامہ نے شاہراہوں پر عمارتوں کی تعمیر اور رکاوٹ پیدا کرنے والی چیزوں کے بارے میں جو ضمنی قواعد و ضوابط بنائے ہیں شاہی حکومتوں کے زمانۂ اقتدار میں اس قسم کے قوانین کا نفاذ محکمہ احتساب کے ذمہ ہوا کرتا تھا۔ آٹھویں باب میں اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے اور برکتیں حاصل کرنے کا بیان ہے۔ نویں باب میں صبر کے اقسام اور اس کے فضائل کا ذکر ہے۔ دسویں باب میں تکبر و غضب کی مذمت اور تواضع کی فضیلت بیان کی ہے۔

اس کتاب کا انداز بیان کشف المحجوب سے ملتا جلتا ہے۔ ہر موضوع کی تشریح کے لئے مصنف پہلے قرآن کی آیات پیش کرتے ہیں۔ پھر احادیث لاتے ہیں اور آخر میں صحابہ و مشائخ کے اقوال سے اپنے بیان کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ مصنف ہر موضوع کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے گفتگو کرتے ہیں اور مطالب کو بڑی خوبی سے تحلیل اور تجزیہ کر کے واضح کرتے ہیں۔ حقوق و فرائض کے ضمن میں انہوں نے میاں بیوی، خادم و آقا، اولاد و احباب اور بادشاہ و رعایا کے حقوق کا تجزیہ دقت نظر سے کیا ہے۔ ایک جگہ منکرات کے اقسام بیان کئے ہیں دوسری جگہ شکر کی آٹھ حالتیں بیان کی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایک قانون ساز کی طرح شق در شق تجزیہ کر کے موضوع کو پیش کیا ہے۔

ایک موقع پر مصنف نے حاکم و پادشاہ کے لئے دو فراستوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے فراست شرعی اور فراست حکمی۔ فراست شرعی تو ایک مسلم حکمران کے لئے واجب ٹھہری کیونکہ احکام خداوندی سے استنباط و استدلال کا ملکہ ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنی بصیرت سے مفدات

کو سمجھے اور فیصلہ کر سکے لیکن دوسری فراست حکمی یعنی قیافہ شناسی ہے، مطلب یہ ہے کہ حاکم آدمی کے رنگ، اعضاء کی ساخت و نمو اور علامات و نشانات سے اس کی عادات کو سمجھے اور اس کے ساتھ ویسی ہی مراعات رکھے۔ سید صاحب نے مختلف علامات و نشانات بتا کر ان خصوصیات اخلاق و کردار کا بھی ذکر کیا ہے جو ان سے وابستہ ہیں۔ یہ سب باتیں قیاس و توہم پر مبنی ہیں بعض آزمائش اور تجربہ میں آئی ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ سچی بھی ہوں مگر محض ان نشانات پر اعتبار کر کے کسی کی شخصیت کے بارے میں حکم لگانا خطرات سے خالی نہیں۔ کلام خداوندی کے واضح احکام کے مقابلے میں ان مشتبہ ذرائع کی کچھ حقیقت نہیں۔ ان پر اعتماد کرنا پُرخطر ہے۔

تنقید

۱۔ مصنف کی علمی فضیلت میں کیا شک ہو سکتا ہے اور ان کے زہد و تقویٰ کے متعلق تو دشمن کو بھی انکار کا یارا نہیں۔ قرآن و حدیث پر ان کی نظر ہے لیکن بعض ایسے عقائد ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں مگر مصنف نے ان کو بھی ایمانیات میں بیان کیا ہے مثلاً صفحہ ۸ پر لکھا ہے۔ عذاب قبر، سوال منکر و نکیر، حساب، ترازو، رویت جل و علا۔ شفاعت انبیاء، سب حق ہیں اور سب پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ حالانکہ خدا نے عذاب قبر سے کہیں نہیں ڈرایا۔ اور پھر یہ کیا یقینی ہے کہ ہر مسلمان قبر میں ہی دفن ہو۔ اس دنیا میں تو ایسے حوادث ہوتے ہیں کہ لاشوں تک کا سراغ نہیں ملتا۔ جب قبر نہیں تو سوال منکر و نکیر نہیں۔ اعمال کا ترازو میں تُلنا ایک تمثیل ہے۔ جلوۂ خداوندی کسی صورت میں نہیں ہوگا۔ تمثل ذات خداوندی کے منافی ہے۔ شفاعت انبیاءؑ کا عقیدہ بھی گنہگاروں نے اپنی تسلی کے لیے بنا رکھا ہے۔ اس کے متعلق خدا کے واضح احکام موجود ہیں۔ خدا نے کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں دی۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (۲۵۵/۱) کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔

۲۔ سید صاحب نے بعض ایسی احادیث نقل کی ہیں جو ترغیب وترہیب کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ان میں ثواب کی بشارتیں ہیں اور عذاب کی وعیدیں لیکن خدا نے اوامر و نواہی کے بارے میں کوئی وعدے نہیں کئے۔ مثلاً

(i) ص ۵۰۔ رسول اللہ نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے اور بعد میں شوال کے چھ روزے رکھے اس نے گویا زندگی بھر روزے رکھے۔

(ii) عاشورا کا روزہ ایک سال کے گناہوں کو پاک کرتا ہے اور عرفہ کا دو سالوں کے گناہوں کو پاک کرتا ہے۔ سال گذشتہ کے اور سال آئندہ کے۔

(iii) ص ۱۱۔ جس نے شرابی کو ایک لقمہ کھلایا۔ اللہ نے اس کی قبر پر ایک سانپ اور بچھو کو مسلط کر دیا۔ جس نے اس کی کوئی حاجت پوری کی اس نے گویا اسلام کی تخریب میں اللہ کی نافرمانی کی۔ جس شخص نے اس سے ہم نشینی اختیار کی، اس کو اللہ روز قیامت اندھا اٹھائے گا۔

(iv) جس شخص نے شرابی کو سلام کیا اور مصافحہ کیا خدا نے اس کے چالیس برس کے اعمال کو ضائع کر دیا۔ موجودہ زمانے میں جب کہ یورپ، امریکہ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں شراب پینا ایک فیشن ہو گیا ہے۔ مسلمان کے لئے اس حکم کی تعمیل کس قدر دشوار ہے اور شاید ناممکن العمل بھی ہے مثلاً کیا اسلامی ریاست کا صدر رخروشیف یا کینیڈی کے ساتھ ہاتھ ملانے سے انکار کر سکتا ہے۔ اگر انکار کرنے پر کسی نے پوچھا تو کہنا پڑے گا کہ آپ شراب پیتے ہیں اور فرمان رسولؐ کے مطابق آپ کے ساتھ ہاتھ ملانے سے چالیس سالوں کے اعمال صالحہ برباد ہو جائیں گے۔ ہمارے اس عمل کو دیکھ کر اسلام کے متعلق جو رائے قائم کی جائے گی وہ ہر صاحب علم پر واضح ہے

(۷) ص ۱۴ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - قبر میں کافر پر ۹۹ سانپ مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو اس کے گرد لپیٹے ہیں اور اس کو کاٹتے رہتے ہیں اور قیامت تک ایسا ہوتا رہتا ہے ۔ ان سانپوں میں سے اگر ایک سانپ پھنکار دے تو زمین پر کہیں سبزہ نہ اگے حدیث وضع کرنے والا بھول گیا کہ بعض ممالک ایسے ہیں جہاں کفار کے لئے قبریں نہیں بنتیں بلکہ ان کی نعشوں کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے ۔

۳-۱) مصنف نے بعض احادیث کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا اور صحت کے اعتبار سے ان کو جانچ کر نہیں لکھا ۔ مثلاً روایت ہے ۔ ابراہیمؑ در عمر خود سہ دروغ گفتہ بود (ص ۱۶) حضرت ابراہیم وہ نبی ہیں جن کی صداقت پر خدا نے خود گواہی دی ہے ۔
وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا (۱۹ / ۴۱)

(ii) ص ۲۵۵ - رسولِ خدا اس طرح خفا ہوتے کہ ان کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور فرمایا کرتے ۔ اے خدا ! میں آدمی ہوں ۔ غصے میں آجاتا ہوں جیسا کہ دوسرے آدمی خشمناک ہو جاتے ہیں ۔ پس ہر اس مسلمان کے لئے میری خفگی بخشش کا سبب بنا دے جس کو میں غصے کی حالت میں گالی دوں ۔ لعنت کروں یا ماروں ۔

اس حدیث سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر ایک مغلوب الغضب انسان تھے اور غضب کی حالت میں گالی دیتے ۔ لعنت کرتے اور مارتے تھے خدا جس نبی کو رحمۃ اللعالمین کہے وہ بد دعائیں کیسے دے سکتا ہے ۔ اور لوگوں کو لعنت خداوندی کا کیسے سزاوار بنا سکتا ہے وہ نبی جس کا کردار مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہو وہ گالی دے کر کیا اعلیٰ نمونہ پیش کر سکتا ہے اور حکم خداوندی ' کَاظِمِینَ الْغَیْظَ وَالْعَافِینَ عَنِ النَّاسِ پر کیسے عمل پیرا ہو سکتا ہے ۔ اس قسم کی روایت یقیناً اس سراپا عفو و حلم رحم و انکسار پیغمبرؐ کی شخصیت کو داغدار بنانے کے لئے کسی دشمن نے وضع کی ہے ۔

(iii) ص ۱۷ - حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک مرتبہ خشمناک ہوئیں ۔

رسول اللہؐ کے سینۂ مبارک پر ہاتھ مارا اور کہا کہ تو ہے کہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں رسولِ خدا مسکرا دیئے اور اپنے کرم و رحم سے ان کی بات کو برداشت کیا۔ یہ حدیث بھی وضعی معلوم ہوتی ہے اور جنگ جمل کے کسی مخالف نے حضرت عائشہؓ کے متعلق نفرت پھیلانے کے لئے بنائی ہے۔ اگر ام المومنین اپنے شوہر سے اس قدر گستاخ ہو سکتی ہے تو اوروں کا کیا کہنا اور پھر شوہر بھی اللہ کے نبیؐ جن کے بارے میں مومنوں کو حکم ہے کہ پیغمبرؐ سے بلند آواز میں گفتگو نہ کریں اور ایک دوسرے کی طرح بلند آواز سے ان کو مخاطب نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں (۴۹) اگر رسولِ خدا کی ازواج مطہراتؓ اس قسم کا گستاخانہ سلوک کر سکتی ہیں تو وہ دوسری عورتوں کو اطاعت شوہر کا کیا سبق دینگی۔

(۱۷) ص ۴۴۴۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا کی کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھتے تھے اور بنی اسرائیل ان کو بار بار غذا دیتے تھے۔ ایک دن حضرت موسیٰؑ اپنی اس حالت سے بہت غمگین ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ اے خدا! یہ کیا ذلت ہے کہ تو نے مجھے اپنے بندوں میں خوار کیا ہے کہ ایک مجھے صبح کا کھانا دیتا ہے تو دوسرا شام کا۔ خدائے بزرگ نے وحی کی۔ اے پسر عمران! ہم اپنے دوستوں کا رزق غافلوں کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں تاکہ وہ ان کو روزی دے کر ثواب حاصل کریں۔ یہ حدیث بھی موضوع معلوم ہوتی ہے۔ اوّل تو ایک اولوالعزم پیغمبرؑ کی زبان سے خدا کے خلاف ایسا شکوہ ہی سیرت نبوی کے خلاف ہے۔ پھر صحیح تاریخ کے مطابق بنی اسرائیل ایسے دولت مند کہاں تھے۔ جن کے ہاتھوں حضرت موسیٰؑ کو مجبوراً غذا کے لئے ذلیل ہونا پڑتا۔ قرآن میں بنی اسرائیل کے بارے میں تفصیلات کے مطابق حضرت موسیٰؑ تو ان کو صحراؤں میں مارے مارے لئے پھرتے رہے اور خود حضرت جل وعلا سے دعائیں مانگ مانگ کر ان کے لئے غذا کا سامان مہیا کرتے رہے۔ پھر قوانین الٰہی کے مطابق خدا کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندے کو روزی کے لئے غافل بندوں کا محتاج کر دے۔ اس روایت کے الفاظ سے ہی تکذیب ہو رہی ہے۔ اگر

دولت مند غافل ہیں تو وہ بھلا خوشنودی خدا کے لئے غریبوں محتاجوں میں کیوں رزق تقسیم کریں گے۔

۴۔ مصنف نے بعض روایات کو بھی تحقیق کئے بغیر لکھ دیا ہے۔ ان کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔

(ا) ص ۶۹۔ مصر میں رواج تھا کہ کسی کے احترام کے لئے بادشاہ کو تخت سے نہیں اٹھنے دیتے تھے اگر وہ اٹھتا تو کہتے کہ اس کے اٹھنے میں زوال مملکت کا خطرہ ہے جب حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کو دیکھنے آتے تو لوگوں نے ان کو تخت سے اٹھنے پر روکا۔ حضرت یوسفؑ نہ اٹھے، خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے وحی آئی کہ اے یوسفؑ! تو نے فانی مملکت کی خاطر باپ کا احترام نہیں کیا۔ ہم اپنی عزت و جلال کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ ہم تیری نسل سے کوئی پیغمبر پیدا نہیں کریں گے۔

یہ قصہ من گھڑت اور ایک بلند کردار نبی کی توہین کے مترادف ہے۔ وہ شخص جو عزیز مصر کے بلانے پر قید خانے سے باہر آنے کو تیار نہ ہو جب تک کہ اس پر لگائے ہوئے الزام کی تحقیق نہ ہو جائے اور اس کو جرم سے بری الذمہ نہ ٹھہرایا جائے وہ پاک سیرت شخص ایک موہوم رسم کی تقلید میں کیسے گوارا کر لیتا کہ اپنے ماں باپ کے احترام میں تخت سے اٹھ کر کھڑا نہ ہوتا۔ خدا نے خود اپنے کلام میں اس امر کی تردید کر دی ہے اور بتایا ہے کہ "اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور ان کو تخت پر بٹھایا"۔ (سورہ یوسف۔ آیہ ۹۹-۱۰۰)

(ii) ص ۴۷۔ روایت ہے کہ رسولِ خدا اپنی ایک اہلیہ کے گھر میں تھے۔ کھانا لایا گیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اس میں سے کوئی چیز زینب کے ہاں بھیجی۔ زینبؓ کو غیرت آئی اور انہوں نے واپس بھجوا دی۔ اس اہلیہ نے کہا اس چیز کے واپس کرنے سے زینبؓ نے تمہاری اہانت کی۔ رسولؐ اللہ غضب میں آگئے اور فرمایا خدا کے نزدیک تم اس سے زیادہ خوار ہو کہ میری اہانت کرتی ہو پس وہ تمام ازواج سے ایک ماہ کیلئے الگ ہو گئے اور کسی سے بات تک نہ کی۔

سخت حیرت ہوتی ہے کہ سید علی جیسے بزرگ نے اس قسم کی کہانیوں کو تحقیق کئے بغیر اپنی کتاب میں داخل کیا۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ کتاب حکام و سلاطین کے لئے ہدایت نامہ ہے اور مصنف تہذیب کردار کے لئے پیغمبرؐ کی ازدواجی زندگی سے نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اگر پیغمبر کی ازوج مطہرات اس طرح رسولِ خدا کی توہین کر لیا کرتی تھیں اور ان کی ازدواجی زندگی میں اس قدر ناخوشگوار واقعات پیش آیا کرتے تھے تو پھر عوام جہلا کا خدا حافظ ہے۔ اس حدیث سے تو یوں جان پڑتا ہے کہ رسول اللہؐ مغلوب الغضب تھے اور بے انصاف تھے۔ ایک بیوی پر ناراض ہوئے تو سب سے ترک موالات کر دیا۔ اس برگزیدہ خاتم النبیین کے اخلاق کے متعلق اس قسم کا تصور کرتے ہوئے میری روح کانپتی ہے۔

(۱۱) ص ۷۵۔ روایت ہے کہ ایک شخص سفر پر گیا اور اپنی بیوی سے کہہ گیا کہ جب تک میں نہ آؤں تم مکان کی بالائی منزل سے نچلی منزل میں نہ آنا۔ عورت کا باپ جو نچلی منزل میں رہتا تھا بیمار پڑ گیا۔ اس عورت نے رسولِ پاک کے پاس ایک شخص بھیجا اور اجازت مانگی تاکہ باپ کو دیکھنے کے لئے اوپر سے نیچے چلی جائے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اپنے شوہر کا حکم بجا لاؤ۔ بعد میں وہ شخص وفات پا گیا۔ اس عورت نے نیچے جانے کے لیے رسول صلعم سے اجازت مانگی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ شوہر کا حکم بجا لاؤ۔ پھر اس شخص کو دفن کر دیا گیا۔ اور عورت اوپر سے نیچے نہ آئی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ قد غفر ابیہا لطاعتہا لزوجہا (بے شک اللہ تعالیٰ نے اطاعت شوہر کی برکت سے اس کے باپ کو بخش دیا)

اس روایت کی شکل بھی حدیث ہی کی ہے کیونکہ اس میں رسولِ خدا کے ارشادات موجود ہیں۔ یہ روایت بھی ایک قصہ ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ جابر مردوں نے عورتوں سے مطلق اطاعت حاصل کرنے کے لیے گھڑا ہے۔ اس روایت میں چونکہ بیوی مسلمان ہے اسلیے مشورے کے لئے نبی اکرمؐ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اگر اس کا خاوند مسلمان ہے اور باپ بھی

مسلمان ہے اور اغلب ہے کہ دونوں مسلمان ہوں گے۔ اس لئے ایک مومن اپنی بیوی کو اس قسم کا غلط حکم نہیں دے سکتا۔ چونکہ والدین کی خدمت کرنا بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال کرنا فرض ہے۔ اس لیے اگر ایک خاوند اپنی بیوی کو ایسا ناجائز حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت جائز نہیں، کیونکہ خدا نے رسولؐ کی اطاعت کو بھی اسی حال میں جائز رکھا ہے کہ وہ طاعت معروف ہو (۲۳/۵) شوہر کی نامعقول اطاعت تو پھر کسی لحاظ سے قابل عمل نہیں۔ رسولِ اکرمؐ ایک مومنہ کو ایسا حکم کیسے دے سکتے تھے کہ وہ بالائی منزل سے نچلی منزل میں اپنے قریب المرگ باپ کی عیادت کے لئے بھی نہ جائے۔ یہ کوئی ایسا خلاف شرع کام یا جرم نہیں تھا۔ عورت کا شوہر مسلمان تھا۔ تو رسول اکرمؐ کی اجازت کے مقابل میں اس کا حکم امتناعی کچھ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ نبی مکرمؐ بیٹی کو باپ کی بیمار پرسی سے کب روک سکتے تھے۔ اس روایت میں رسول کا یہ قول کہ اللہ نے اس عورت کے باپ کو اطاعت شوہر کی وجہ سے بخش دیا۔ یہ بھی اصولاً غلط ہے۔ باپ اپنے اعمال کے مطابق ہی جزا و سزا پائے گا۔ اگر بیٹی نے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کی تو اس کی برکت سے باپ کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی خدا کا صریح حکم موجود ہے۔

۵۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ اسلام ذمیوں سے فیاضانہ سلوک کا دعویدار ہے اور تاریخ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان فاتحین نے مفتوح رعایا کے ساتھ بڑی رواداری، نرمی اور رحم و کرم کا برتاؤ کیا۔ عصر حاضر میں ہم اپنی اقلیتوں کو اسلام کے نام پر ہی تو یقین دلاتے ہیں کہ ان کے مال و ناموس کی حفاظت ہوگی۔ قانون کی نظر میں ان کی حیثیت مسلمانوں کے ساتھ مساوی ہوگی۔ ان کو اپنے مذہبی رسوم و فرائض کے ادا کرنے میں آزادی ہوگی۔ لیکن کتاب زیر بحث میں (ص ۱۱۶/۱۱۱) مصنف نے کافروں اور ذمیوں کو وہ مراعات دینے کی نصیحت کی ہے جو حضرت عمرؓ نے نصارا و اہل کتاب سے معاہدہ کرتے وقت دی تھیں۔ مصنف نے بیس شرائط درج کی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

(۱) نیا دیر اور بتخانہ نہ بنائیں، (۲) پرانی عمارتوں کی تجدید نہ کریں، (۳) اگر مسلمان تین دن تک ان کے گھروں میں ٹھہریں تو ان کی مہمان داری کریں، (۴) اگر ان کی مجلس میں مسلمان آجائیں تو وہ ان کے لئے جگہ خالی کر دیں (۵) مسلمان سے ملتا جلتا لباس نہ پہنیں۔ (۷) زین ولگام والے گھوڑے پر سوار نہ ہوں (۸) مہردار نگینے والی انگوٹھی نہ پہنیں (۹) مسلمانوں کی ہمسائیگی میں مکان نہ بنوائیں (۱۰) اپنے مُردوں کو مسلمانوں کے مقابر کے نزدیک نہ لیجائیں (۱۱) مُردوں کے ماتم میں آواز بلند نہ کریں —— ان شرائط کو پڑھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ رعایا مجبور و مقہور ہوگی اور اپنے آپ کو آزادی سے محروم خیال کرتی ہوگی۔ ممکن ہے ان حالات میں رعایا پر اعتماد نہ ہو اور حکام کو ان کی سازش اور بغاوت کا شبہ ہو۔ اس لئے وہ ان کو محکوم و مقید رکھنا چاہتے ہوں لیکن عصر حاضر میں نئی اقتدار جمہوریت کے زمانے میں ان شرائط کے ہوتے ہوئے کوئی محکوم رعایا خوش نہیں رہ سکتی۔

مصنف نے ایک طرف تو یہ فرمایا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ ان کی شرائط پر معاہدہ کر کے ان کے جان و مال کا ذمہ لینا چاہیے جو اپنے عہد میں حضرت عمرؓ نے ان سے طے کی تھیں۔ دوسری طرف خود ایسی شرائط بتائی ہیں جن کا معاہدات میں ذکر نہیں ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا شرائط میں سے بہت کم ایسی ہیں جن کا ذکر خلفائے معاہدوں میں ملتا ہے۔ مولانا شبلیؒ نے ذمی رعایا کے حقوق کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے اور بعد کے مخالفین نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب بھی دیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ اعلانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے، ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے"[1]

---

[1] الفاروق ص ۱۲۰ — ۱۳۹

۷۔ مصنف نے بعض ایسی احادیث یا روایات بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا، خلفاؓ، اور بعض حکام کی زندگی بڑی احتیاج اور تنگدستی میں گزرتی تھی۔ مثلاً

ص ۹۹ (i) ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے۔ خدا کی قسم رسولِ خدا نے کبھی مسلسل دو روز پیٹ بھر کر جَو کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ وفات پاگئے۔

ص ۹۹ (ii) انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی مہینہ مہینہ چالیس چالیس دن گزر جاتے۔ رسولِ خدا کے حجروں میں دھواں نہ ابھرتا اور چولھے پر ہنڈیا نہ چڑھتی اور حجروں میں اس غذا کے سوا کچھ نہ ہوتا جو انصار کے گھروں سے آتا اور کسی کو اس حال سے اطلاع نہ ہوتی۔

ص ۹۹ (iii) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ نے وفات پائی تو ان کے بدن پر اون کی ایک قمیص تھی جس پر بارہ پیوند لگے تھے۔ ان میں سے بعض بکری کے کھال کے تھے۔ ان پر ستر ہزار درہم قرض تھا جو فقیروں اور محتاجوں کو دیا تھا۔ علیؓ نے وہ قرض ادا کیا۔

ص ۱۰۱ - ۱۰۲ (iv) حضرت علیؓ پیوند لگا کرتا پہنتے تھے اور جَو کا آٹا کھاتے تھے کھجور کے پتوں کا بنا ہوا جوتا پہنتے تھے۔

ص ۹۸ (v) عمران بن حسین کا بیان ہے کہ وہ رسولِ خدا کے ہمراہ حضرت فاطمہؓ کی بیمار پرسی کے لئے گئے۔ فاطمہؓ کے پاس ایک چادر کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں تھا جس سے پوری طرح تن ڈھانپ سکیں۔ رسولِ خدا نے اپنے کندھوں سے پیوند لگا ہوا کمبل اتار کر ان کو دیا۔ احوال پرسی سے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں اور تین دن سے بھوکی ہیں۔

ص ۱۰۰ (vi) روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابودرداءؓ کو شہر حمص کی حکومت

کے لئے بھیجا۔ اس کے گھر میں ایک پرانی چٹائی، تلوار، قرآن، لوٹا اور پھٹی ہوئی چادر کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ وہ روز شہر سے باہر جاتے اور صحرا میں طہارت کرتے۔ اس طریق سے انہیں تکلیف تھی۔ ایک دن بیت المال سے ڈیڑھ درم لے کر بانس خریدا اور ایک درم مزدوری دی اور اپنے مکان کے پیچھے جائے طہارت بنالی۔ حضرت عمرؓ نے سنا اور معزول کر دیا۔

مندرجہ بالا بیانات سے دو خیال ذہن میں آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ واقعی اقتصادی حالت اس قدر غیر تھی کہ پیٹ بھرنے کو غذا اور تن ڈھانپنے کو کپڑا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اگر ایسی حالت تھی تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسولِ خدا کے زمانے میں مسلمانوں کو خوشحالی میسر نہیں ہوئی، اور پھر ایک بہت بڑا اعتراض یہ عاید ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خدا کی طرف سے اقتصادی اور معاشی نظام کو بہتر بنانے کے لئے اصول و قواعد نہیں ملے جس سے پیغمبر خود اپنے زمانے میں عملی طور پر جنتی معاشرہ قائم کر سکتے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پیغمبرؐ کے پاس مالِ غنیمت اور دوسرے ذرائع تجارت سے مال تو آتا تھا لیکن وہ سب کچھ دوسروں پر خرچ کر دیتے تھے اور اپنے لئے اور اہل و عیال کے لئے تنگی کی زندگی پسند فرماتے تھے۔ یہ جواب اس حد تک تو معقول نظر آتا ہے کہ شاید کچھ عرصے تک ہنگامی حالات پیدا ہو گئے ہوں کہ پیغمبر کو اپنی امت کے لئے سب کچھ قربان کرنا پڑا ہو لیکن مستقلاً تا وفات یہ حالت قابلِ اطمینان معلوم نہیں ہوتی کیونکہ خدا نے رزق کی فراوانی کو نعمت کہا ہے (۱۶/۱۱۲) اور تنگی معیشت کو اعراض 'ذکر' کی سزا کہا ہے (۲۰/۱۲۴) خدا نہ کرے کہ مسلمانوں کی زندگی پر دونوں میں سے کوئی صورت منطبق ہوتی ہو۔ دوسرا خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رسولِ خدا اپنے ہر عمل میں اپنی امت کے لئے اسوۂ حسنہ تھے اور احکام خداوندی کی اطاعت اس طریقے سے بجالاتے تھے کہ ان کے فرمانبردار بھی انہیں کے نمونے پر عمل کر اطاعت کر سکیں تو جب خدا نے یہ فرمایا ہے کہ حلال رزق میں سے کھاؤ اور اسراف

تدبیر سے بچو اور اللہ کی زینتوں سے بھی استفادہ کرو کیا رسول اور ان کے صحابہ کے سامنے یہ قرآنی آیات نہ تھیں۔ متذکرہ بالا احادیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود پیغمبرؐ خلفاءؓ اور دیگر حکام نے یا تو ارادۃً اپنے اوپر خدا کی نعمتیں یعنی پاک غذا اور زینتیں حرام کر لیں یا پھر وہ ان نعمتوں سے محروم رہے دونوں صورتیں ایسی ہیں جو خدا پر ایمان رکھنے والوں، اس کے احکام پر عمل کرنے والوں کے لیے خوش آیند نظر نہیں آتیں۔ ایک اپنی جان پر تنگی اور دوسرے خدا کی نعمتوں سے محرومی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ روایات تماماً صحیح نہیں۔ مثلاً یہ بیان غلط ہے کہ وفات کے قریب پیغمبرؐ پر ستر ہزار درہم قرض تھا جو حضرت علیؓ نے ادا کیا۔ یہ بات ہر تاریخ کی کتاب میں موجود ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عام مجمع کے سامنے رسولِ خدا نے پوچھا اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ بتا دے۔ چنانچہ جب ایک صاحب نے کہا کہ حضورؐ نے چند درہم کسی محتاج کو دلوائے تھے تو وہ اسی موقع پر ادا کر دیے گئے۔ پیغمبرؐ اور ان کے صحابہ سادہ زندگی تو ضرور بسر کرتے ہوں گے لیکن اس قدر تنگی و افلاس کی زندگی تو بہت دردناک ہے۔ زندگی کا جو نقشہ ان احادیث میں نظر آتا ہے وہ فقرا اور صوفی درویشوں کا نقشہ ہے جو انہوں نے زہد و ریاضت کی زندگی میں اپنے لیے پسند کر لیا تھا۔

۷۔ ص ۴۳۔ مصنف لکھتے ہیں کہ "زکوٰۃ واجب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل دل کا فاقہ رک جائے اور اللہ والوں کو فراغت حاصل ہو تاکہ وہ اپنے تمام اوقات کو اوراد و اذکار اور تلاوت وغیرہ عبادات میں مصروف رکھیں اور اپنے اوپر وسایل تجارت اور کاروبار کا دروازہ بند رکھیں اور اختلاط سے دور رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (ایسے لوگ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی)

مصنف کا یہ نظریہ درست نہیں کہ زکوٰۃ کا مال ان صوفیا و درویشوں پر صرف کیا جائے

تاکہ وہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر خدا کی عبادت میں لگے رہیں۔ خدا نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تندرست و توانا اشخاص اپنی روزی کے سامان پیدا نہ کریں۔ خود کچھ نہ کمائیں اور دوسروں کی کمائی پر گذارہ کریں۔ اس طرح تو یہ لوگ سماج کے دوسرے افراد پر بوجھ بن جائیں گے۔ اگر انسانی زندگی کا مقصد صرف عبادت ہی تھا تو فرشتے بھی اس مقصد کے لئے کافی تھے جو ہمہ تن تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے مصارف صدقات میں فقیر، مسکین، مقروض، مسافر، غلام اور مامورین زکوٰۃ کا نام لیا ہے اور یا تالیف قلوب اور راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے فرمایا ہے (سورہ توبہ آیت ۶۰) ہاں اگر اتفاق سے کوئی زاہد یا عبادت گذار فقیر و مسکین ہو جائے تو اس پر خرچ کرنا بھی واجب ہے لیکن یہ ہرگز مقصود نہیں کہ زاہدوں اور عابدوں کی ایک جماعت بن جائے جو حجروں اور خانقاہوں میں الگ بیٹھی رہے اور اپنی معاش کا بوجھ دوسرے افراد پر ڈالے۔ مصنف نے اپنے مسلک کے جواز میں جو آیت پیش کی ہے وہ یہاں مناسب نہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تجارت اور کسب معاش سے بے نیاز ہو کر خدا کی عبادت میں لگ جاتے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ جو کاروبار خرید و فروخت میں مصروف رہتے ہیں، کہیں وہ اپنی تجارتوں میں اس قدر نہ ڈوب جائیں کہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ وسائل معیشت بھی پیدا کریں اور اللہ کے ذکر سے غافل بھی نہ ہوں نہ یہ کہ اپنی روزی کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر گوشہ نشینی اختیار کر لیں۔

۸ — مصنف نے ایسے منکرات کا ذکر کیا ہے جن کا روکنا واجب ہے اور جن پر عمل کرنا حرام ہے۔ (ص ۱۴۴ — ۱۷۶) ممکن ہے مصنف کے اپنے زمانے میں ایسے منکرات پر احتساب ہو سکتا ہو۔ لیکن موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں شاید یہ احکام سخت ناگوار ہوں اور بیگانے ان کو اسلام کی تنگ نظری پر محمول کریں۔ ان میں سے بعض چیزیں بے ضرر ہیں اور موجودہ عہد کے ارتقائی دور میں اخلاقی یا دینی نقطہ نظر سے انکو ضرر رساں

خیال نہیں کیا جا سکتا اور شاید نئے فقہی قوانین وضع کرنے والے ان کو موجب تعزیر نہ ٹھہرائیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ

۱۔ حیوانوں کے کھلونے جو عید کے موقع پر بچوں کے لئے خریدے یا بیچے جاتے ہیں یا کھیلنے کے آلات ان سب کا توڑنا واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کے وہ تمام کھلونے جن پر حیوانات کی تصویریں ہوں یا خود ان کے مجسمے ہوں شرعی لحاظ سے سب ممنوع ہیں۔

۲۔ پرانے کپڑوں کو دھو کر یا رفو کر کے بیچنا حرام ہے۔ یعنی لنڈے بازار میں کاروبار کرنے والے سب حرام اور ناجائز کام کرتے ہیں۔

۳۔ جس حمام میں انسانوں، فرشتوں، جنوں یا حیوانوں کی تصویریں ہوں اس میں داخل ہونا حرام ہے۔ آج کل اورپائی ممالک میں حماموں کو تصاویر سے مزین کرنا ذوق وحسن نظر کا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ (۱) تار و چنگ و رباب کا گانا سننا ممنوع ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ سازوں کی موسیقی کا لعدم۔

(۲) عورتیں کوٹھوں پر یا عمارتوں پر چڑھ کر مردوں کو نہ دیکھیں۔ اس کا مطلب یہ کہ جشن استقلال کے موقعوں پر جلوس کا دیکھنا عورتوں کے لئے شرعاً منع ہے۔

(۳) اگر فاسق کسی فسق کا مرتکب ہو رہا ہو تو اس کے پاس بیٹھنا حرام ہے۔

۹۔ عصر حاضر سائنس کا زمانہ ہے۔ تجربات اور مشاہدات کا وقت ہے جو چیز عملی آزمائش سے ثابت ہو جائے اس کو نہ ماننا بے علمی اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ مثلاً چیچک ایک متعدی مرض ہے اگر ایڈورڈ جنر کے دریافت کردہ ٹیکوں سے حفظ ماتقدم کی رو سے بچاؤ نہ کیا جائے تو یہ موذی مرض جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہر صاحب علم و صاحب ہوش شخص پر واجب ہے کہ اس کا تدارک کرے اور چھوت چھات سے

پرہیز کرے۔ لیکن مصنف ایک حدیث نقل کرتے ہیں (ص ۲۳۹) کہ ایک مرتبہ ایک شخص رسولؐ کے پاس آیا جس کے جسم پر آبلہ کا مرض تھا اور اس کے تمام اعضاء کی جلد اکھڑی پڑی تھی۔ پیغمبرؐ خدا اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ وہ شخص جس کے پاس بیٹھا وہ اپنے آپ کو اس سے دور کھینچ لیتا لیکن رسولؐ اللہ نے اسے اپنے پاس بلایا۔ بٹھایا اور اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ حاضرین میں ایک شخص نے اس کو ناپسند کیا خدائے بزرگ و برتر نے اس کو اس مرض میں مبتلا کر دیا۔" اب سوال یہ ہے کہ کیا رسولؐ اللہ کا یہ فعل موجودہ علم کی روشنی کے باوجود ہمارے لئے قابل عمل ہے یا نہیں۔ کیونکہ رسولؐ خدا کا ہر عمل ہمارے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

۱۰ - ذخیرۃ الملوک بڑی اچھی فصیح زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ مصنف نے اکثر شاعرانہ اسلوب بیان سے کام لیا ہے۔ تشابیہ و استعارات کا استعمال بھی جا بجا کیا ہے۔ عبارت میں پختگی ہے۔ مصنف چونکہ شاعر ہیں اس لئے انہوں نے کہیں کہیں مسجع و مقفیٰ نثر لکھنے کا التزام بھی کیا ہے لیکن خواہ مخواہ تکلف یا تصنع پیدا نہیں کیا اور نہ ہی یہ عبارت آرائی اطناب و ابہام کا باعث ہوئی ہے مثلاً یہ ٹکڑے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) این عالم را منزل گاہ مسافران عالم بقا و گذرگاہ طالبان سعادت لقا گردانید۔

(۲) این معانی را کسی فہم کند کہ چشم شیطان وہم را بہ تیر توحید دوختہ باشد و خاشاک حرص و حسد را بآتش سوختہ۔ نفس اعمارا در میدان حیرت پایمال ریاضت کردہ، روضۂ روح را بروح و ریحان معارف مزین کردہ۔

یہ کتاب آٹھویں صدی ہجری کی نثر فصیح کا اچھا نمونہ ہے۔ تمام الفاظ اپنے مروجہ معنوں میں آج بھی سمجھے جاتے ہیں لیکن مصنف نے مصدر ماندن کو متعدی کے

معنوں میں استعمال کیا ہے جو غیر معمولی ہے۔ ماندن کے معنی باقی چھوڑ دینا کے لئے ہیں۔ مثلاً

ہمیں مقدار بجہت عیال ماندہ ام، ص ۳۷۔ یعنی اتنی مقدار بال بچوں کے لئے چھوڑی ہے۔ عام طور پر ماندن کے معنی باقی رہنا ہے۔

۱۱۔ یہ کتاب افغانی پریس شہر امرتسر میں ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی، لیکن ناشر نے اس کی صحت کتابت وطباعت پر توجہ نہیں دی۔ تمام کتاب اغلاط سے اٹی پڑی ہے۔

چہل اسرار ــــــ سید علی ہمدانی کی چالیس غزلوں کا مجموعہ ہے جس کا نام چہل اسرار مشہور ہوگیا ہے یہ یقینی نہیں کہ سید صاحب نے خود یہ نام رکھا ہے۔ اگر انہوں نے یہ نام خود رکھا ہوتا تو شاید وہ معدود کو جمع نہ لکھتے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ چالیس مریدوں نے سید صاحب کو افطار روزہ کی دعوت دی۔ سید صاحب اپنی کرامت سے چہل وجود کی صورت میں ہر مرید کے پاس گئے اور ایک ہی وقت میں سب جگہ روزہ افطار کیا، اور ہر شخص کے لئے یادگار کے طور پر ایک غزل چھوڑ آئے۔ یہ چالیس غزلیں وہی ہیں جن کا نام بعد میں چہل اسرار مشہور ہوگیا[۵]۔ یہ وجہ تسمیہ خواجہ مستان شاہ کابل کے دیوان آتشکدہ وحدت میں مذکور ہے کیونکہ اسی صوفی بزرگ نے چہل اسرار کی تضمین میں مخمس لکھے ہیں لیکن تعجب ہے کہ وہاں اکتالیس غزلیں ہیں۔ اور اکتالیس ہی مخمس ہیں۔

ان غزلوں میں مسائل تصوف ہیں لیکن یہ مضامین ایک پیر و مرشد نے شعر کی چاشنی سے بیان کئے ہیں۔ اس لئے ان میں اثر و خلوص زیادہ ہے۔ جن اشعار میں تشبیہ و استعارہ سے کام نہیں لیا ان میں بحر کا آہنگ ایسا ہے کہ مضمون ترنم کے ساتھ ذہن نشین ہوتا ہے،

۵۔ آتش کدہ وحدت، دیوان خواجہ مستان شاہ لاہور ۱۳۱۵ھ ص ۴۴۴

اکثر غزلوں میں اتنی نغمگی ہے کہ وہ محفل سماع میں پڑھی جائیں تو ارادت مندوں کو وجد میں لے آئیں۔ اگرچہ بعض اشعار میں صنائع وبدائع سے کام نہیں لیا اس کے باوجود وہ پھیکے اور سپاٹ نہیں ہوئے۔ مثلاً ؎

عاشقان عکس رخت در ہمہ اشیاء بینند   سر سودای تو در سینہ ہویدا بینند
سالکان توشۂ این رہ ز قناعت سازند   دولت آخرت از محنت دنیا بینند

روحانیان علوی در رشک وغیرت افتند
چون بیدلی نشیند با یاد تو زمانی

ای علی لفظ ما و من حق است   چون ز ما بگذری چہ ماند حق

سید علی صوفی پہلے ہیں اور شاعر بعد میں۔ ان کے مقابل میں حافظ شاعر پہلے ہیں اور صوفی بعد میں۔ ہر تذکرہ میں حافظ کا نام شاعر کی حیثیت میں ملے گا لیکن سید علی کو تذکرہ نگاروں نے شعراء میں شمار نہیں کیا، اس لئے خیال تو یہی ہوتا ہے کہ ان سے محاسن شعری کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے لیکن ان کی غزلوں کے مطالعہ سے جان پڑتا ہے کہ وہ شاعری کی تلمیحات و مصطلحات سے آشنا ہیں اور ان کو سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان کے اچھے اشعار الگ کر کے پیش کئے جائیں تو ان کو ایک پختہ گو شاعر کا کلام سمجھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

در ملاحت گہ عشاق کہ دیوان قضاست   پاکیٔ یوسف جان را ز زلیخا شنوند
مصرِ دل را چو ز فرعونِ ہوا پاک کنند   صدقِ موسیٰ ہدیٰ از یدِ بیضا شنوند

گر دمی وصلش بصد جانت میسّر می شود
رو گران جانی مکن چون دوست ارزان میکند

چون همای قاف قربی بال همت بر گشای
در فضای لامکان با قدسیان انباز شو

بعض اشعار میں تکرار مضامین ہے۔ مثلاً

ولی نابود تو شرط است اینجا
که هرگز آفتاب و شب بهم نیست

حجاب تست این هستی موهوم
که هرگز نور با ظلمت بهم نیست

بیا در عشق محرم باش زیرا
ره نامحرمان اندر حرم نیست

تو محروم نیستی محروم از آن آنی
ره نامحرمان اندر حرم نیست

ان غزلوں میں ایسے اشعار بھی نظر پڑتے ہیں جن میں فصاحت کے نقطۂ نظر سے اصلاح کی گنجائش ہے۔ دو تین مثالیں دیکھیے!۔

۱۔ آب حیوان بایدت در ظلمتی نابود شو
کانکه چشم از خود بپوشد چون خضر بینا شود

اس شعر میں خضر کو حرفِ مغضوب سے باندھا ہے حالانکہ ساکن ہونا چاہیئے۔

۲۔ چون جمالش جلوه بر خورشید تابان میکند
آفتاب از رشکِ حسنش روی پنهان میکند

دوسرے مصرعے میں "آفتاب" خورشید کے لیے" اور "حسن" جمال کے لئے لائے ہیں جو محض تکرار ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی دوسری چیز ہے جو اس کے حسن سے متاثر ہو رہی ہے۔ ضمایر کے بجائے ہم معنی الفاظ دہرائے ہیں۔ نثر میں اس کی مثال یوں ہوسکتی ہے۔ اگر اس کا حسن سورج پر جلوہ فگن ہو تو سورج اس کے رشکِ حسن سے منہ چھپالے۔

دوسرا جملہ تو بالکل غیر فصیح ہے۔ اگر دوسرے مصرعے میں الفاظ بدل کر یوں کہا جائے کہ :۔
تو آفتاب اس کے جمال سے منہ چھپالے، تو پھر بھی غیر فصیح رہے گا۔
(۳) جفت الجنہ چو کردہ است علائی تحقیق۔ کز پس رنج و تعب گنج مکافا بینند۔
'جفت الجنہ' کا استعمال بالکل غریب ہے اور گنج مکافا' بھی عجیب غیر واضح ہے اور تعقید لفظی کا موجب ہے۔

مجمع النفائس[1] میں ان کی مندرجہ ذیل دو رباعیاں بھی لکھی ہیں۔

نی دیدہ بود کہ حب و خویش نکند نی گاو زبان کہ گفت گویش نکند
ہر دل کہ درو مہر الٰہی نبود گر پیش سگ افگند بویش نکند

٭

غمناکم و از در تو با غم نروم جز شاد و امیدوار و خرم نروم
از درگہ ہمچو تو کریمی ہرگز نومید کسی نرفت من ہم نروم

٭

چہل اسرار' امرت سر میں ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوئی تھی۔

ہمدانیہ

کتابی تقطیع میں سات صفحے کا ایک رسالہ ہے۔ اصل موضوع شہر ہمدان کے تلفظ کا اختلاف تھا۔ معلوم ہوتا ہے بعض اس کو سکون میم سے اور بعض مفتوح پڑھتے ہوں گے۔ مصنف نے توضیح کی ہے کہ ہمدان دو ہیں ایک یمن میں اور دوسرا عراق میں۔ پہلا سکون میم سے ہے،

---

[1] مجمع النفائس' تذکرہ شعراء، سراج الدین آرزو، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری

دوسرا زبر کے ساتھ۔ اس ضمن میں ثبوت فراہم کرنے کے لئے امام فخرالدین رازی کا مندرجہ ذیل قطعہ نقل کیا ہے جس میں ہمدان کا تلفظ میم پر زبر کے ساتھ ہے ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ نداند — در مسند خود را بسر صدر نشاند
وآنکس کہ نداند و بداند کہ بداند — در جہل مرکب ابدالدہر بماند
وآنکس کہ نداند و بداند کہ بداند — بیدار کنش زود کہ در خواب نماند
آنکس کہ بداند و بداند کہ نداند — او خویشتن از دست ضلالت برہاند
آنکس کہ بداند و بداند کہ بداند — چون مردہ شمارش کہ کسش زندہ نخواند
اینک بعراق اندر چو شہریست معظم — کورا ہمداں خوانند و او ہیچ نداند
آنکس کہ بداند و بداند کہ نداند — آنکس ہمہ داند ہمہ داند ہمہ داند

علم تصوّف کی رو سے 'ہمدانی' کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے، کہ اگر ایک شخص انتیس حروف تہجی جانتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے میں جانتا ہوں تو اس نے ایک لحاظ سے سچ کہا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کتابوں میں سے نام لکھ کر کہتا ہے کہ میں عالم ہشیار ہوں تو وہ بھی ایک لحاظ سے سچ کہتا ہے لیکن جب ان دونوں شخصوں سے کتابوں کے مضامین و مطالب پر گفتگو ہوگی تو ان کی ہمہ دانی ظاہر ہو جائے گی۔

سیّد صاحب نے رسالے کے باقی حصے میں یہ بتایا ہے کہ اصل علم وہ ہے کہ انسان اپنے تمام وساوس اور خارجی تاثرات کو زائل کر کے معرفت خداوندی میں اپنے آپ کو اس طرح غرق کرے کہ ہستی مطلق میں فنا ہو جائے اور خدا کی زبان آنکھ اور کان بن جائے اور حق کہے، حق دیکھے اور حق سُنے۔ پھر وہ شخص عالمیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

اس رسالے کی عبارت پُر تصنع ہے۔ ایک ایک جملے میں احادیث و اقوالِ دلیلہ

اور قرآنی آیات کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً

برمرگ صبر واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه سوار شد و عقبات علائق زین للناس حب الشهوات من النساء قطع کند و گلیم سیاه الفقر سواد الوجه فی الدنیا بر دوش جان بندد و بر خاک مذلت من احب اخوته ضرب لباه نشیند و باشارت قل الله ثم ذرهم روی دل از التفات کونین بگرداند۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ملا احمدؒ

سلطان زین العابدین کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ اس کے دارالترجمہ اور دارالتصانیف میں بھی کام کرتا تھا چنانچہ اس نے سنسکرت سے مندرجہ ذیل کتابیں فارسی میں ترجمہ کیں۔

وقائع کشمیر — ترجمہ راج ترنگنی۔ — مصنفہ پنڈت کلہن

ترجمہ مہابھارت

ملفوظات نورالدین ولی کا ترجمہ کشمیری سے فارسی میں کیا۔ نورنامہ اصل نام تھا۔ ملا احمد نے اس کا نام مرآۃ الاولیاء رکھا[1]

وہ بادشاہ کا مصاحب تھا۔ شاعری اور ظرافت ندیمی کا خاصہ ہوتا ہے۔ وہ ان سے بھی بہرہ ور تھا۔ اس کی عادت تھی کہ پگڑی کا طرہ پیشانی پر چھوڑتا تھا۔ ایک دن سلطان زین العابدین نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ؎

شاخ پیشانی ملا احمد کشمیر بین — گرندیدستی تو در آفاق انسان شاخدار

ملا نے فی البدیہہ جواب میں کہا ؎

شاخ پیشانی خدایا، گرگ واری داشتم

تا نیایم در میان مادہ گاوان در شمار

---

[1] واقعات کشمیر، محمد اعظم۔ ص ۵۱، تاریخ بڈشاہی، محمد الدین فوق لاہور ۱۹۴۲ء، ص ۳۹۳ - ۳۹۵

بادشاہ خوش ہُوا اور اس کو انعام واکرام سے نوازا۔

اس کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے متعلق ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ نوشہرہ میں بادشاہ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ ایک فقیر نے نہایت بے باکی سے اپنا کشکول بادشاہ کے سامنے رکھدیا۔ بادشاہ کی پیشانی پر شکن آگئے، غضبناک ہوکر اس سے پوچھا یہ کشکول تمہیں کس نے دیا۔ فقیر تو خاموش رہا لیکن ملاّ صاحب نے فی البدیہہ کہا ؎

ای آنکہ ترا تاجوری داد و سری داد　　در دست گدا کوزہ و دریوزہ گری داد

ایک مرتبہ بادشاہ نے کسی قصور کی بنا پر مولانا کو دربار سے نکال دیا اور تکھلی بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے لئے ملاّ صاحب حیران و پریشان رہے۔ آخر ایک رباعی لکھکر سلطان کے پاس بھیجی ؎

نی بنجوم از مبتدا خبری　　نی بمنطق ز جنس و کل اثری
بر من این کسرہ و جر چرا رانند　　احمد را غیر منصرف خوانند

ملاّ کے متفرق اشعار یہ ہیں ؎

تا خبر دار شدم بی خبر خویشتنم　　نیستم نیستم ار در نظر خویشتنم

از کوی کہ شد موج خیالم کہ کز انجا　　ہر کاوش دل گل یکبار است درین باغ
مرہون رگ گل شدہ ہر نالۂ بلبل　　زان سان کہ صدا در پی خار است درین باغ

سیّد محمد امین منطقی بیہقی معروف بہ بابا میر اویسی

سید محمد امین سید حسین بیہقی کے بیٹے تھے وہ بڑے پایے کے بزرگ گزرے ہیں۔ ظاہری وباطنی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ ان کی مدح میں کسی نے کہا ہے ؎

مدح بابای میر اویسی کنم | تا زبان راست در دہان دارم
ہست فرزند پیشوای رسل | وصف او بیحد و بیان دارم
او ولی از رہ اویس شدہ | خبر از پیر و از جوان دارم
بی زن و بی ولد چو عیسیٰ بود | یاد از پیر باستان دارم
فاضل وقت بود و عارف دہر | این سخن ہم از ترجمان دارم

چونکہ بچپن سے ہی بزرگی کے آثار نمایاں تھے۔ سلطان زین العابدین نے میر اویسی کو ان کے والد سے مانگ لیا اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ علوم ظاہری اور تعلیم قرآن میں بابا حاجی ادہم اور طریقت میں سید بلال کے زیر تربیت رہے۔ ان کی فضیلت اور ہوش وخرد دیکھ کر سلطان نے چاہا کہ امور مملکت کے نظم ونسق میں ان کو بھی کوئی کام سپرد کریں۔ لیکن انہوں نے کام لینا قبول نہ کیا اور علائق دنیا سے کنارہ کش ہو کر کوہ ماران کے دامن میں گوشہ نشین ہو گئے۔ گاہے گاہے بادشاہ کی درخواست پر ملاقات کے لئے جاتے تھے۔ سلطان نے جب تالاب 'ولر' کے درمیان 'عمارت لنگ' تعمیر کرائی تو ایک شاہانہ جشن منایا۔ عیش وطرب کے سامان مہیا کئے۔ سلطان اور مقربین دربار کے اصرار پر میر صاحب بھی حاضری کے لئے مجبور ہوئے۔ انہوں نے جب مجلس میں غیر شرعی امور کو دیکھا تو غیرت وجلال میں آکر پانی میں چھلانگ لگا دی۔ حاضرین حیرت میں رہ گئے۔ غوطہ خوروں اور ملاحوں نے ڈھونڈ نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن ان کا کہیں نشان نہ ملا۔ سلطان مغموم ہوا اور جشن برہم۔ بادشاہ

اپنے مصاجوں کے ہمراہ شہر کی طرف لوٹ آئے۔ باغ شنگر و پشنو بار کے نزدیک گزر رہے تھے کہ دریا کے کنارے میر صاحب کو دیکھا کہ بیٹھے اپنا پیراہن سی رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے کشتی سے اتر پڑے اور ان کے قدموں میں گر پڑے۔ بڑی منت و لجاجت سے ان کو کشتی میں لائے وہ محلہ ملچھر میں پہنچکر اتر گئے اور وہیں منزل بنالی۔ آخر عمر تک وہیں قیام فرمایا اور عبادت میں مستغرق ہو گئے۔ بادشاہ نے موضع اٹھم میں ان کے اور ان کے ہمراہیوں کے لیے ایک شاندار خانقاہ بنوائی لیکن وہ ادھر ملتفت نہ ہوئے۔

سادات بیہقی کو بادشاہ کے دربار میں بڑا دخل تھا۔ میر اویسی کے ماموں سید میرک معروف بہ سید حسین سلطان کے وزیر تھے۔ امرائے کشمیر کے دلوں میں رقابت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ انہوں نے فتنہ برپا کیا اور بادشاہ کے محل میں ناگہاں ٹوٹ پڑے۔ اور ان کو چودہ دوسرے اقربا کے ہمراہ قتل کر دیا۔ میر اویس کی خانقاہ میں بھی یہی فسادی گھس آئے اور ان کو زخمی کر دیا۔ آخر وہ اسی جہلک زخم سے وفات پا گئے۔ سال ۹۸۹ اور ذی القعدہ کی آخری تاریخ تھی۔ شہید کشمیر سے تاریخ نکلتی ہے۔

جن دنوں میر اویسی عشق باطن میں غرق تھے وہ کسی سے نہیں ملتے تھے۔ ان کا ایک دربان تھا جب کوئی صاحب ملنے آتے تو وہ کہتا "میر با خدا است" اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی اور جب وہ کہتا کہ "میر با خدا و خود است" پھر لوگ اندر آجاتے اور ان سے گفتگو کر سکتے۔ ارادت مندوں نے بتایا ہے کہ مرنے کے بعد ان کے روضہ قدسہ کا جلال قائم تھا۔ اگر کوئی شخص وہاں سے گزرتا جھوٹی قسم کھاتا بے ادبی کرتا یا ان کا نام گستاخی سے لیتا تو اس کو تنبیہ ہو جاتی۔ میر اویس نقشبندی سلسلۂ صوفیا سے متعلق تھے۔ ان کے روحانی فیض کی حکایات بھی مشہور ہیں۔ واقعات کشمیر کے مصنف نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔

میر اویسی شاعر بھی تھے اور طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ "واقعات کشمیر" میں جتنے

اشعار درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت موزوں تھی اور زبان میں استحکام تھا ان بزرگوں کی باقی ماندہ جو چیزیں بھی دستیاب ہو جائیں وہ تاریخ ادبیات کے لئے غنیمت ہیں۔ ان کو محفوظ کر لینا بھی بڑی خدمت ہے کیونکہ جید فضلاء اور بلند پایہ مصنفین کے آثار باقیہ کالعدم ہو گئے ہیں۔ میر صاحب نے مرنے سے پہلے زخمی حالت میں مندرجہ ذیل اشعار کہے۔ ؎

رباعی۔ منم آن رند جہاں گرد مسیحا نفسی　　کہ من این ہر دو جہان را بشمارم نجسی
گر از عشق تو ام سر برود گو برود　　ہرگز این سر نہان تو نگویم بکسی

فارغم ز مصلحتِ اہلِ روزگار　　میدان بیقین کہ کشتن من ہست بگناہ
اکنوں بیا و شعر بخوان بر مزار من　　تا روی ظالمان ستمگر شود سیاہ

دیگر اشعار ؎

صورت قبرم ز بعد مرگ ویران خوشتر است
نامرادی ہمچو من با خاک یکسان خوشتر است

گناہ ما ز عدم گر نیامدی بوجود　　وجود عفو تو در عالم عدم می بود

زما سوای تو آنانکہ فارغ البال اند　　بعالمی نفروشند ذوق تنہائی

ترک علائق پر ان کا ترجیع بند مشہور ہے ؎

عاشقان ہمی کردم ناز　　رخت بر بستم از مقام نیاز
عارفان رحمتی ز راہ کرم　　کہ ندارم بجز شما ہمراز
واصلان جذبہ از علیین رضا　　تا شوم باشما دمی دمساز
حاضران التماس تکبیری　　کہ رہ سخت و منزلیست دراز

راه صدق و صفا گرفتم پیش   میل مهر و وفا نمودم باز
از مخالف همی کنم آهنگ   تا رسم با نواز راه حجاز
همچو شمعی ز جمع دلداران   میروم با هزار سوز و گداز
مرکبم همت است و عشق دلیل   همرهم آه و ناله ام دمساز
بار هجران و کار درد و فراق   کار خردان خوردم نشیب و فراز
خاکپای شمایم ای رندان   چونکه گردید با من این آغاز
شمهٔ میکنم به بند اخیر   از مقامات خویشتن ابراز
حالیا چون طریق در پیش است   کردم اطناب قصه را ایجاز
چونکه این منزل اقامت نیست   گو نیامیکنم همین آواز

بعد ازین ولیس ترک گفت و شنود

گنج کوه و عبادت معبود

منکه در اصل بوده ام عنقاء   قلهٔ قاف داشتم ملجاء
این زمان من باصل خویش شوم   که اصل است مرجع اشیا
گنج وحدت قرارگاه من است   زانکه کنج است گنج را ماوی
آمده بر طریق مهمانی   پنج روزی برین سپنج سرا
میزبانان دهر را دیدم   هر یکی بلسان اژدرها
نوش ندهند غیر نیش بکس   بی سم ذل نوالهٔ حلوا
چون بدیدم براه معنی نیست   بادل خسته گفتم ای شیدا
کاب حیوان کس نسازم نوش   گو بمیرم برنج استسقاء
گنج مقصود کائنات منی   بر درت گر فتاده ام چو گدا
با توام اتحاد روحانیست   چون بدیدی مرا ز خویش جدا

خبر بادی بگفتم و گفتم　　گر کند بخت یاوری بخدا
کرده ام عهد و بسته ام پیمان　　که بتوفیق ایزد دانا

بعد ازین و پس ترک گفت و شنود
کنج کوه و عبادت معبود

آزمودم جهان و اهل جهان　　آنچه هستند آشکار و نهان
همه در بند خویشتن مشغول　　همه در کار خویشتن حیران
بی ترحم بحال غم زده　　نی تکلف بلطف یا احسان
جمله در قصد خون یکدیگر اند　　اوفتاده چون موش در انبان
کارشان نی بغیر کذابی　　بارشان نی بخلق جز بهتان
درمیان شان هر آنکه کهتر تر　　سر در عصر و اعظم دوران
نکند و التفات رنجوری　　ور دم عیسوی بود دم شان
هر کرا گر می زسر ببینند　　بر قدومش کنند سر قربان
گر بود کار ساحری او را　　می بدانند موسی عمران
کس نگوید که این خران تا کی　　جان دهند از برای یک لب نان
چون به بینند آشنای درش　　همچو سگ می برانندش دربان
روشنم گشت چون حقیقت حال　　ای دل و جان بگو بجان جهان

بعد ازین و پس ترک گفت و شنود
کنج کوه و عبادت معبود

ننمودیم عجز خود با کس　　ننشسته بخوان کس چو مگس
بی طمع از در صغار و کبار　　بی خصومت بهر کس و ناکس
نی امیدی زکس هواخواهی　　نی هراسی ز کذب دون و دکس

نی خیالی به کاروبار جهان　　نی حجابی به جستجوی عسس
بوده قانع بطعمه چو همای　　نی پی لاشه مانده چون کرگس
هر خدنگی که آمد از دوران　　بنموده بچشم من چون خس
بهر ادراک معنی مصنوع　　شد سایه بهر طرف بهوس
من گرفتار آنچنان حالی　　که امیدم نبود غیر نفس
چون یقین شدم که خلق زمان　　بجفایم کشاده همچو جرس
گاه گاهی گذر کند در دل　　که چه خوردم چه برده ام از کس
منکه شهباز حضرتم هیهات　　چند باشم دگر به بند قفس
بگسلم بند و بشکنم زنجیر　　باز رانم به آستانه فرس
هر کسی را بخویشتن کاری　　من و سودای یار دارم و بس

بعد ازین و بس ترک گفت و شنود
کنج کوه و عبادت معبود

گر نجوی چنین تنم بیمار　　همچون دل میشدم بجان بیزار
از جمیع خلایق عالم　　تا نه بیدی ز من کس آثار
گر کنم در خرابیش تعجیل　　بود از جملهٔ ذنوب کبار
زان سبب مانده ام میان شما　　بهر نانی چنین بزاری زار
آبرویم نماند از پی نان　　کاشکی خاک خود می یا نار
از دل من وقوف کس را نیست　　زانکه دل نیست در میان کنار
اندر آنجا که کذب و بهتان است　　حسد و حرص و بخل کرده قرار
نیست آن دل که نزد اهل خرد　　بجز از گوشت پارهٔ بشمار
من غلام دلم اگر دانی　　دل چه باشد خزانهٔ اسرار

دل مومن چو عرش رحمانست　　دل مرنجان بگفتمت زنهار

نیست آن بد که من شهید شوم　　یا بسوزم وجود را به شرار

حالیا گر نشد میسر من　　می کنم فکر دین به لیل و نهار

کین دغل دوستان دشمن جو　　چون بخواهند کشتنم بر دار

بعد ازین ویس ترک گفت و شنود

کنج کوه و عبادت معبود

غزل

بدست نگاری فتاده دیگر بار　　ستمگری صنمی سرو قد لاله عذار

مهیکه بر رخ او آفتاب حیران است　　شهیکه میکند از غیر خویش روح شکار

نه طاقتیکه توان صبر کرد در غم او　　نه نیز در نظرش هیچ قوت گفتار

مرا وصال تو باید نه دنیا و عقبیٰ　　که منی خدای پرستم نه خانه و دیوار

بغیر دوست نخواهم بحق صحبت دوست　　بغیر یار نخواهم بحق صحبت یار

اگر نا قابل قتلم مرا می کرد مکش　　وگرنه در غم هجران مرا چنین بگذار

اگرچه جملهٔ عالم غلام تست ای شوخ　　چو ویس منطقی در قرنها نیابی یار

بعاشقانت فراق و وصال یکسانست　　نه شادمانی وصل و نه بیم هجرانست

ز پیش مردم عارف چه مسجد و چه کنشت　　بچشم اهل نظر خوب و زشت یکسانست

جهان و اهل جهان پر ز معنی ازلیست　　بچشم سر بنگر کان همه در انسانست

اگر ز مذهب و ملت بپرسی از ویسی　　بدین عشق سر خیل حق پرستان است

شیخ یعقوب صرفیؒ[1]

شیخ یعقوب صرفی کشمیر کے ایک صوفی، عالم اور شاعر شمار ہوتے ہیں۔ صرفی ان کا تخلص ہے۔ ان کے القاب میں حضرت ایشاں، گنائی اور عاصمی بھی شامل ہیں۔ عاصمی حضرت عاصم بن عمر فاروق سے نسبت ہے۔ گنائی کا لفظ گنی سے مشتق ہے جس کے معنی صاحب قلم یعنی منشی ہے۔ خواجہ محمد اعظمؒ واقعات کشمیرؒ میں لکھتے ہیں کہ "گنائی در عرف آنوقت نویسندہ را می گفتند، از مفتی گرفتہ تا پٹواری ہمیں لقب بود"۔ شیخ یعقوب کے پردادا خاص طور پر میر بایزید گنائی عاصمی مشہور تھے جنہیں سلطان زین العابدین بادشاہ کے دربار سے امیر القوم کا خطاب ملا تھا۔ شیخ یعقوب ۹۲۸ھ میں پیدا ہوئے "شیخ حی" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ باپ کا نام میر حسن تھا جو اپنے زمانے میں بڑے اچھے خوش نویس تھے۔ شیخ یعقوب کے چھ اور بھائی تھے۔ خود انہوں نے مغازی النبی میں ان کا ذکر کیا ہے ؎

ہمہ ہفت تن اور ابودہ پسر	ہفت اختر آسمان جلوہ گر
کمالش بہر فن و نامش کمال	کمالاتش افزوں ز حد مقال
مرا زان میان رتبۂ حد وسط	کلاں تر زمن لیک یک کس فقط
زمن خورد تر آن بفطرت لطیف	کہ نام وی آمد محمد شریف

---

[1] حیات صرفی۔ محمد شاہ سعادت ؛ مغازی النبی، صرفی۔

از و خورد تر شاہ نوروز نام   بکسب کمالات عالی مقام
پس از وی محمد کہ آمد بمن   ازان جملہ ہم صحبت و ہم سخن
براہیم از و خورد تر آمدہ!   ز اسرار دین باخبر آمدہ
از و خورد تر حیدر نیک خوست   فرشتہ خصال ملک خوی اوست

اگرچہ سب بھائی نیکوکار اور صاحب فضیلت تھے لیکن شیخ یعقوب نے دین ودنیا کے اعتبار سے بڑا نام پایا۔

تعلیم ــــ صرفی بچپن سے ہی علم و عرفان کے شائق تھے۔ شروع میں ہی قرآن مجید حفظ کیا اور درس و مطالعہ میں مصروف رہنے لگے۔ شاہی مدرسہ میں تعلیم شروع ہوئی۔ مولانا محمد آنی جیسے فاضل استاد کے درس میں شریک ہوئے۔ مولانا آنی. مولانا عبدالرحمٰن جامی کے معروف فارغ التحصیل شاگردوں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے شاگرد کو جامی ثانی کا لقب عطا کیا۔ صرفی سات سال کے تھے کہ شعر موزوں کرنے لگے اور اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے خود فرمایا ہے ؎

چو در سال ہفتم نہادم قدم   ز طبع روان گشت شعر عجم
پدر کردی اصلاح اشعار من   باصلاح بودی مددگار من

ان کی یہ غزل سنکر ہی مولانا آنی نے پیش گوئی کی تھی کہ یہ لڑکا شہرت دوام پائے گا۔

؎

ای رخ مہ طلعتان آئینہ روی توام
میس خوبان در ہوای روی نیکوئی توام
گر بوئیم عنبر سارا وگر مشک ختن
در دماغ جان نمی آید بجز بوی توام

آرزوی تست در جان و تمنایت بدل
ایکه از هر سو روی جان و دلم سوی توام
از کشاکش ہای حج و عمرہ فارغ گشتہ ام
من کہ در احرام طوفِ کعبۂ کوی تو ام
گرچہ می سازد پری دیوانہ مردم را ولی
گویدت دیوانۂ زنجیر گیسوی تو ام
من کہ جز محراب نبود سجدہ گاہِ دیگرم
نیست مقصودی ازان جز طاق ابروی توام

مولانا صرفی کے علاوہ صرفی کے ایک اور ماہر استاد اخوند ملا بصیر خندہ بونی تھے۔ جنہوں نے سرینگر میں تارہ بل کے سامنے ایک مسجد اور ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا۔ اگرچہ بصارت سے محروم تھے لیکن صاحب بصیرت تھے۔ شیخ داؤد خاکی اور ملا شمس الدین پال بھی ان کے مشہور شاگردوں میں سے تھے ۹۴۶ھ میں وفات پائی۔ صرفی نے تاریخ کہی ؎

آن حافظ علم و ادب بصیر از فضل رب
تاریخ فوتش زان سبب شد عالم تفسیر دان

لوگوں نے الزام دھرا کہ ملا بصیر بھی مایل بہ تشیع ہیں تو صرفی ان کے مدرسے سے اٹھ آئے اور قطب الدین پورہ کے شاہی مدرسہ میں مولانا میر رضی الدین کے درس میں شریک ہوئے۔ مولانا رضی کی وفات پر بھی صرفی نے تاریخ کہی۔ ؎

بیرو در سجدہ جان سپرد بحق
۹۵۶ھ

تعلیم سے فارغ ہوئے تو زمینداری کا کام سنبھالنے کے لئے باپ نے گاؤں بھیجدیا۔ جوانی کا زمانہ راحت و فراغت، عیاش نوجوانوں نے آگھیرا لیکن خبر پاکر باپ نے بلاکر تنبیہ کی

کہتے ہیں کہ خوب ندامت اٹھائی۔ خانقاہ معلیٰ میں نماز ادا کی کہ امیر کبیر شاہ ہمدان کا فیض ہوا وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے۔ آخر ایسی لگن لگی کہ علم و عرفان کے اشتیاق میں سفر کی ٹھانی۔ اپنے چار ہمراہیوں کے ساتھ بانہال کے دشوار گزار پہاڑوں سے گزر کر خراسان اور ماوراالنہر کی طرف روانہ ہوئے۔ بدخشان۔ بلخ اور غورستان کے شہروں سے ہوتے ہوئے سمرقند میں پہنچے۔ اور مخدوم شیخ کمال الدین حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کی۔ صرفی نے مسلک الاخیار میں اپنے مرشد کے لئے ان الفاظ میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

بار چون در خدمتِ او یافتم | روی دل از غیر خدا تافتم
چون نظری کرد بایں خاکسار | زورقِ من محیط آمد از کنار
نآمده زورق بمحیط الحستم | بلکہ محیط آمده در زورقم

محو بدریا نشدم قطرہ وار
بلکہ محیط است مرا در کنار

وہ شیخ خوارزمی کو مرشد کامل لکھتے ہیں اور اپنی روشن ضمیری کو انہیں کا صدقہ سمجھتے ہیں۔ ریاض و چلہ کے بعد ہدایت و ارشاد کی اجازت پاکر وطن واپس آگئے۔ کچھ عرصہ کے لئے محلہ درگجن میں شیخ سلطان کی خانقاہ میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا تھوڑی مدت بعد پھر مرشد سے ملاقات کا شوق ہوا۔ سمرقند پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو چلے گئے ہیں۔ اس لئے صرفی بھی وہاں سے چل دیئے۔ عراق و عرب کی سیاحت بھی کی۔ مکہ میں مشہور محدث ابن حجر سے درس حدیث کی سند حاصل کی۔ ابن عربی کی فصوص الحکم شیخ محمد حسن شافعی مکی سے درساً پڑھی۔ اور شیخ فتح اللہ مدنی سے فتوحات مکیہ کے اسرار و رموز سمجھے۔ حرمین شریفین سے واپسی پر ایران سے ہو کر ہندوستان آئے، ایران میں شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں اہل تشیع علماء کے ساتھ خلافت و افضلیت

حضرت علیؓ کے بارے میں مباحثہ ہُوا۔ اور انہوں نے رسولِ اکرمؐ سے منسوب حدیث 'انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ' کا مفہوم اس انداز سے سمجھایا کہ بادشاہ بھی متاثر ہوئے۔ ہندوستان میں بھی نامور علماء اور صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر تبادلہ خیالات کیا اور بزرگوں کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے۔ فتحپور سیکری میں شیخ سلیم چشتی اور سرہند میں حضرت مجدّد الف ثانی اور نارنول میں شیخ نظام الدین۔ قاضی محمد صالحؒ۔ علامہ شاہ ابوالخیرؒ کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ خود انہوں نے اپنی سیر و سیاحت کا ذکر کیا ہے ؎

سیاحت بعالم بسی کردہ ام ملاقات باہر کسی کردہ ام
درین راہ ہر جا کہ بودہ است کس نگاہے ازو کردہ ام ملتمس

سیر و سیاحت کے بعد وطن میں آ کر مقیم ہو گئے اور اپنے کمالاتِ معنوی سے لوگوں کو مستفید فرماتے رہے۔ حضرت شیخ احمد مجدّد الف ثانیؒ کو بھی سلسلۂ کبرویہ سے ارشاد و احادیث کی اجازت دی۔ ۹۵۳ھ میں سید علاؤالدین کی صاحبزادی سے شادی کی۔ ایک لڑکا پیدا ہُوا تھا جو جوان ہو کر عالمِ فانی سے رحلت کر گیا۔

اس زمانے میں کشمیر میں چک خاندان حکمران تھا۔ یعقوب خاں چک متعصب شیعہ بادشاہ تھا۔ اس نے جبراً شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت شروع کی۔ بہت سے علماء اور صوفیاءؒ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ میر موسیٰ قاضی القضاۃ کو مجبور کیا کہ وہ فتویٰ دے تاکہ مؤذن اذان میں علی ولی اللہ کا کلمہ شامل کریں۔ اس نے انکار کیا تو سازش کے بہانے اس کو قتل کروا دیا اور اس کی لاش ہاتھی کی دم سے بندھوا کر شہر میں پھرائی۔ جب لاش اس کے گھر کے سامنے گزری تو اس کی ماں نے اپنا دوپٹہ اس کے جسم پر ڈال کر کہا: الحمدللہ میرا بیٹا خدا کی راہ میں شہید ہُوا۔ مولانا صرفی ان حالات کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ آخر بابا داؤد خاکی حیدر چک۔ بہرام نایک اور فتح خان کو اپنے ہمراہ لے کر جلال الدین اکبر مغل بادشاہ کے پاس

پہنچے اور کشمیر کی حالت زار سے آگاہ کر کے اس کو فتح کشمیر پر آمادہ کیا اور مندرجہ ذیل شرائط پر مدد دینے کا وعدہ کیا۔

۱۔ حکام مذہبی امور میں مداخلت نہ کریں۔

۲۔ کشمیری ہندو یا مسلمان میں سے لونڈی غلام نہ بنائیں۔

۳۔ کشمیریوں کو بیگار میں نہ پکڑیں۔

۴۔ جب تک امرائے کشمیر فساد و عناد سے باز نہ آئیں امور مملکت میں انہیں کوئی منصب نہ دیں۔

۵۔ تجارت اور اجناس کی خرید و فروخت میں دخل نہ دیں۔

۶۔ شیعہ چک کشمیر میں نہ رہیں۔

اکبر نے میرزا قاسم میر بحر کو ۲۴ ہزار کی فوج دے کر تسخیر کشمیر کے لئے بھیجا۔ ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) میں کشمیر مغلیہ حکومت کے زیر اقتدار آ گیا۔ اکبر صرفی کی زندگی میں دو مرتبہ کشمیر گیا۔ ۹۹۷ھ میں اور ۱۰۰۱ھ میں۔ بدایونی نے لکھا ہے "صرفی بادشاہ کے منظور نظر تھے۔ ان کو معزز و محترم رکھتے تھے"۔[1]

کشمیر کی اس مہم سے فارغ ہو کر شیخ صرفی دوبارہ زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے واپسی پر بہت سی مذہبی کتابیں اپنے ساتھ لائے اور وطن میں پھر سے دین کی نشر و اشاعت میں خوب حصہ لیا۔ چک بادشاہوں کی زبردستی سے بہت سی مذہبی کتابیں نابود ہو گئی تھیں۔ مولانا صرفی نے گویا پھر سے اپنے دینی عقاید کی تبلیغ کی۔ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کے متعلق سید بلبل شاہ۔ سید علی ہمدانی اور شیخ حمزہ کے نام صف اول میں آتے ہیں۔ ان بزرگوں کے بعد مولانا صرفی کا نام لیا جاتا ہے۔ جن کی کوششوں سے از سر نو دینی استحکام میں مدد ملی۔

---

[1] منتخب التواریخ ج ۳، ص ۱۴۲

صرفی نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۰۰۳ھ جمعرات کے دن وفات پائی اور زینہ کدل میں دفن ہوئے۔ شعرا نے نوحے اور تاریخیں لکھیں، ان میں سے ایک یہ ہے ؎

شیخ یعقوب صرفی از دنیا ارجعی خواند و رفت در مینو
سنۂ وصل و عمر و مولودش کرد موزوں حسن ز طبع نکو
شیخ حی زاد و کرد عمر عجب رحلتش افضل انام بگو

عبدالقادر بدایونی نے "شیخ امم" تاریخ کہی۔

تصانیف و تالیفات

خمسہ نظامی کی تقلید میں مثنویاں

۱۔ مسلک الاخیار ۴½ ہزار اشعار ۹۹۳ھ
۲۔ وامق عذرا۔ آخر ۹۹۳ھ ۳۔ لیلیٰ مجنوں ۴۲۰۴ شعر۔ ۹۹۸ھ میں تمام ہوئی۔
۴۔ مغازی النبی ۳۳۸۰ شعر ۱۰۰۰ھ ۵۔ مقامات مرشد ۱۰۰۰ھ
۶۔ شرح ثلاثیات بخاری ۷۔ شرح صحیح بخاری
۸۔ مناسک الحج (عربی) سال تحریر ۹۹۲ھ ۹۔ حاشیہ توضیح
۱۰۔ پنج گنج در معما ۱۱۔ رباعیات۔ تعداد ۱۱۰ سال تحریر ۹۶۲ھ
۱۲۔ شرح رباعیات ۱۳۔ تفسیر مطلب الطالبین (عربی)
۱۴۔ شرح اربعین ۹۷۲ھ ۱۵۔ روایح ۹۷۶ھ
۱۶۔ دیوان صرفی ۱۷۔ تقریظات بر سواطع الالہام
۱۸۔ مناقب الاولیاء ۱۹۔ تفسیر فارسی ۲۰ رسالۂ اذکار

معما گوئی

صرفی کے رسائل معما ابھی دستیاب نہیں ہوئے۔ انہیں تو ہم ان کی مہارت کا اندازہ لگا سکتے۔ لیکن ان کو خود اس فن پر ناز تھا۔ یہ فن انہوں نے اخوند محمد آفی

سے سیکھا اور پھر اپنی ذہانت سے اس میں مہارت حاصل کرلی۔ اپنے شعروں میں انہوں نے جہاں کہیں کسی اہل فن کے سامنے معمے کہے، اسکو اپنی اعجوبہ استعداد پر حیران کردیا۔
مغازی النبی میں انہوں نے اپنے اس کمال فن کا ذکر کیا ہے ؎

بشہر ہری مثل جمشید کس | نبود ست خوش فہمی اوبود و بس
معمائشی نزد آن نکتہ دان | بدیہہ بگفتم دو صد یک زمان
تعجب بسی کردہ آنخوردہ بین | کہ ہرگز ندید از کسی این چنین

شیدا کے نام سے یہ معمّا انہی کا ہے [1]

ماہ من از رخ نقاب انداختہ | وہ کہ عمر او روز را شب ساختہ

مذہب

حرفی صوفی اور درویش مشرب تھے۔ ان کا مذہب صلح کل کا مذہب ہے وہ فرقہ داری سے محترز رہتے ہیں۔ ان کا شمار ان صوفیا میں سے ہے جو شریعت اور طریقت کو الگ الگ نہیں رکھتے بلکہ دونوں کا امتزاج لازمی سمجھتے ہیں۔ مذہب کی عمومی اور رسمی رجحانات کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت سے منسلک کرتے ہیں۔
اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ مثلاً

گر خود ز خدا اعانت نبود | باللہ کہ عادت تو طاعت نبود
راہی کہ صراط مستقیمش گویند | جز مذہب سنت وجماعت نبود

اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ شیعی عقاید کے حامی نہیں ہو سکتے۔ لیکن مغازی النبی میں رسالہ 'اوراد و مراقبات' ص ۱۹-۲۰ میں ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شیعہ عقاید کو اپنا لیا تھا۔ یہ تبدیلی سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم نے مسلک الاخیار کے تبصرے میں ان اشعار کو درج کیا ہے۔

---

[1] منتخب النوادر نخ ج ۳، ص ۱۴۳

صرفی شاعر

صرفی کا دل عشقِ خدا میں سرشار ہے۔ وہ غمِ جاناں، دردِ ہجراں اور آتشِ نہاں کا بار بار ذکر کرتا ہے اور اپنے عشق پر ناز کرتا ہے ؎

ز آتشِ غم سوختم در ہجر عشقت چو عود　　سوخت چون من عالمی ہر جای بوی من رسید

ہرگز نمی نہم ز سر خویش بارِ عشق　　کارِ من است عشق و دہم سر بکارِ عشق

درد و بلای عشق چہ پرسی ز بیغمان　　این قصہ را ز صرفیِ خونین جگر بپرس

اس کا عشق کامیاب بھی ہے اور جس آگ میں وہ خود جلا ہے اس کی حرارت سے دوسروں کے دلوں کو بھی گرماتا ہے ؎

تا گشتہ ایم ساقیِ میخانہ شہود　　محروم ہیچکس نشد از فیضِ عامِ ما

چونکہ صرفی کا دل و دماغ ان سچے عشقیہ جذبات سے مالامال ہے اس لئے اشعار میں بھی وہ سوز، لذت اور حلاوت موجود ہے۔ بعض شعراء نے روایتاً اور تکلفاً مضامین تصوف کو اپنایا ہے۔ چونکہ وہ حقیقی جذبات و کیفیات سے ناآشنا ہیں اس لئے ان کے اشعار میں بھی تکلف و تصنع پایا جاتا ہے لیکن صرفی کے ہاں یہ بات نہیں۔ اس کا عشق خالص ہے اس لئے ان کے اشعار میں بھی اخلاص ہے۔

اکثر صوفیہ کی طرح صرفی بھی اس بات کے قایل ہیں کہ عشقِ حقیقی کے ساتھ ساتھ عشقِ مجازی بھی ہوتا رہے اور محبوبِ حقیقی کا جلوہ محبوبِ مجازی میں بھی نظر آتا رہے لیکن عشقِ بتان میں ہوا و ہوس کا شائبہ نہ ہو۔ یعنی پھول دیکھ کر اس کے خالق کا جلوہ نظر آئے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

بجز عشقِ بتان ہنر نداریم　　صرفی بہ ازین ہنر چہ باشد

مبادا یہ شعر پڑھ کر کسی کو شبہ ہو کہ صوفی پاکباز بھی ناز کیدنوں کے لئے جان دیتے ہیں، اس لیے کہا ہے کہ ہمارا عشق اپنے لئے نہیں ہے بلکہ ؎

بہر خداست مارا سودای خوبرویان ایشان اگرچہ ہرگز پروای ماندارند

عشق بتان سے اصل غرض یہ ہے ؎

از روی بتان دیدہ ام انوار مقدس المنتہ للہ تعالیٰ و تقدس

ویسے بھی سچے عاشق کا شیوہ ہے کہ جب بھی کوئی حسین چیز دیکھتا ہے تو اس میں خدا کا حسن ہی دیکھتا ہے۔ صرفی نے ایک شعر میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے ؎

گرہی گل رخسار او بینم سوی گلزار ھا
یارب کہ خار گلہا شود در چشم من چون خارھا

صرفی کے تمام دیوان میں عشق مجازی کی بہت کم باتیں ہیں۔ ایک صوفی درویش کو بازاری معشوق سے کیا واسطہ پڑا ہوگا لیکن بعض شعرا روایتاً بھی تغزل کی خاطر فرضی محبوب کے نازو انداز، جور و جفا، حسن و دلکشی، رقیبوں کے حسد و رقابت وغیرہ کے مضامین باندھتے ہیں۔ لیکن صرفی کے ہاں ایسے مضامین نہیں صرف ایک غزل ہے جسے ان خیالات کی نمایندہ غزل کہہ سکتے ہیں ؎

تو بکنار دگران تا بکی من کناری نگراں تا بکی
جان بلب آمد ز جفایت مرا لطف برای دگران تا بکی
روی تو کآئینہ نور خداست در نظر بی بصران تا بکی
منتظر سرمہ خاک درت دیدہ صاحب نظران تا بکی
ترک من از تیغ تمنت چاک چاک سینۂ خونین جگران تا بکی
بلبل و گل بی رخ تو در چمن نالہ کنان جامہ دران تا بکی
چہرۂ تو زرد چون زد صرفیؔ در ہوس سیمبران تا بکی

صرفیؔ ان صوفیہ میں سے ہیں جو طریقت کے ساتھ شریعت کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں لیکن محض شرع کا پابند عبادت گذار ان کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے بے چارہ زاہد ان کے تیر ملامت کا ہدف ہے، یہ بھی ان پر فقرے کسنے سے نہیں چوکتے۔

صرفیؔ بفضل دوست اگر بنگری بحیست   اعمال خوب زاہد وافعال زشت ما

بطعن عشق معذور است زاہد   چہ داند لذت می ناچشیدہ

صرفیؔ کی غزلیں چھوٹی بحروں میں زیادہ ہیں۔ اسلوب بیان سادہ اور صریح ہے۔ صنایع بدایع سے کام لے کر اشعار کو مشکل نہیں بنایا، وہ سبک ہندی کی دقت گوئی اور مضمون آفرینی سے بھی محفوظ ہیں جو ان کے معاصر عرفی اور نظیری کے کلام میں آ گئی تھی لیکن نظیری کی طرح یہ بھی کہیں کہیں تمثیل سے کام لیتے ہیں۔ شعر کے پہلے مصرع میں ایک بات کہتے ہیں۔ پھر اس کی وضاحت کے لیے یا اپنے بیان کی تقویت کے لیے تمثیل لاتے ہیں۔ مثلاً

زبانم خشک شعرم تر زہی قدرت کہ اے صرفیؔ

زشاخ خشک انیدہ ساختہ خرمای تر پیدا

واعظ از بیند لب برمن ملامت می کند

محتسب گر می خورد معذور دارد مست را

صرفیؔ نے جامیؔ کی غزل کا انداز سامنے رکھا ہے چنانچہ ایک غزل میں اس کا اظہار بھی کیا ہے ؎

صرفیؔ ہمہ تتبع جامی درین غزل   کردست والسلام علیٰ تابع الہدیٰ

ویسے صرفیؔ اپنی لطافت طبع کے مقابلے میں انوری اور ظہیر کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ لیکن انوری اور ظہیر کو غزل کے اعتبار سے تو کوئی یاد نہیں کرتا۔ صرفیؔ کہتے ہیں ؎

لطف طبع تو صرفیا در شعر   از ظہیری و انوری عجب است

صرفی عربی میں بھی شعر کہہ سکتے تھے۔ ان کی ایک غزل بدایونی نے لکھی ہے[1] جس میں ایک مصرع فارسی اور ایک عربی میں ہے۔

درد می کین نامہ میکردم رقم | یجری الدمع ممزوجا بدم
ہر رقم کز خامہ ظاہر شدی | کاد یمحوا معنی ذالک الرقم
محو حرف اشتیاق از لوح دل | لیس فی وسعی وقد جف القلم
در بلای ہجر حکمتہا بود | لیتنی کوشفت عن تلک الحکم
صرفی از دریای اشکم از محیط | لیس الا مثل رشف من دیم

مسلک الاخیار

یہ مثنوی نظامی کی مخزن الاسرار کو مدّ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ نظم ۹۹۳ھ میں تمام ہوئی۔ مصنف نے خود تاریخ کہی ہے۔ ؎

مسلک الاخیار چو کردم رقم | نام رسالہ شد و تاریخ ہم

صرفی نے فقط مخزن الاسرار کی تقلید ہی نہیں کی بلکہ خسرو کی مطلع الانوار اور جامی کی تحفۃ الاحرار کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہ دونوں معروف مثنویاں بھی نظامی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ مشمولات سے مقابلہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نے اپنے متقدم سے بڑھ کر کسی نہ کسی چیز کا اضافہ کیا ہے اور زورِ قلم دکھانے کی بھی کوشش کی ہے مگر نقش اول اپنی تمام دلبستگیوں کے ساتھ اپنے صانع کی یاد دلا رہا ہے اور اب تک اس کی آب و تاب ماند نہیں پڑی۔

مثنوی کی ہیئت پر نظر رکھ کر دیکھ لیجیے کہ استاد کی تقلید میں متاخرین نے کیا کیا

---

[1] منتخب التواریخ ج ۳، ص ۱۴۸

تبدیلیاں کیں اور کیا کیا اضافے کئے۔ چاروں مثنویوں میں ابتدائیہ یعنی بسم اللہ اور حمد و ثنا یکساں ہیں۔ اس کے بعد مخزن میں دو مناجاتیں ہیں۔ مطلع الانوار میں تین، تحفۃ الاحرار میں چار اور مسلک الاخیار میں پانچ۔ یعنی ہر بعد کے مقلد نے اپنا زورِ بیان دکھانے کے لئے ایک ایک مناجات کا اضافہ کیا ہے۔ مناجاتوں کے بعد نعتوں کی باری ہے مخزن میں فی النعت اور بیان معراج کے چار مختلف عنوانات کے تحت نعتیں بیان کی گئی ہیں مطلع الانوار میں تین، تحفۃ الاحرار میں پانچ اور مسلک الاخیار میں بھی پانچ نعتیں ہیں۔ نعت کے بعد نظامی نے توشاہ وقت ملک فخر الدین بہرام کی مدح لکھی ہے۔ خسروؒ نے اپنے مرشد خواجہ نظام الدین اولیاء کی مدح کے بعد سلطان علاؤ الدین کی ستائش کر کے اس کے حق میں دعا کی ہے۔ جامی نے بادشاہ کی مدح نہیں کی بلکہ بہاء الدین محمد بخاری کی تعریف کی ہے اور صرفی نے جامی کی تقلید میں اپنے مرشد ماضی سید علی ہمدانی اور مرشد حالی کمال الدین حسین خوارزمی کی مدح میں اشعار لکھے ہیں۔ ان تمہیدات کے بعد ابھی اور مقدمے ہیں۔ نظامی نے نظم و نثر کی حقیقت بیان کر کے دل کی ماہیت واضح کی ہے اور پھر تین 'خلوتین' یعنی صفت ریاحین وصف یار دلدار اور طریق عشرت پر روشنی ڈالی ہے۔ خسروؒ نے بھی تین 'خلوت' کے تحت فضل تعبد، حال سماع اور احرام کعبہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ جامی نے کلام موزوں کی فضیلت بیان کرنے کے بعد دل کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد 'خلوت' کے بجائے 'صحبت' کا عنوان رکھا ہے اور پیر روشن ضمیر سے 'علم الیقین'، 'عین الیقین' اور حق الیقین کے مسائل دریافت کئے ہیں۔ صرفی نے جامی کی تقلید میں 'صحبت' کے بجائے 'مجلس' کا عنوان منتخب کیا ہے۔ اور اپنے پیر کی زبان سے سالک طریقت کی رہنمائی کے لئے تصوف کے مراحل بیان کئے ہیں۔ ان تمام مقدمات کے بعد چاروں مثنویوں کی ایک شکل قائم رہتی ہے یعنی ہر ایک نے بیس عنوانات کے تحت ایک ایک دو دو صفحوں میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ پھر ایک ایک کہانی بیان کی ہے یعنی

بیس ہی مضامین ہیں اور بیس ہی کہانیاں۔ تمین اوّل الذکر نے تو ہر مضمون کو مقالہ کہا ہے لیکن صرفی نے اس کو مسلک کا عنوان دیا ہے۔

پہلی تین مثنویوں کے مصنفین چونکہ اپنے ہمعصر سلاطین سے کسی نہ کسی طرح متوسل رہے ہیں۔ اس لئے ان میں عدل و انصاف کی ضرورت اور بادشاہ و رعیت کے حقوق کے بارے میں نصیحتیں کی گئی ہیں۔ علم کی فضیلت۔ عقل کی بزرگی۔ انقلابات زمانہ، ناسازگاری روزگار اور شکایت دوران کے مضامین پہلی دو مثنویوں میں ملتے جلتے ہیں۔ چاروں مثنویوں میں بے ثباتی روزگار، غفلتِ آدم، سیرت نیک، اور آخرت سے آگہی اور نجات عقبیٰ کے مضامین یکساں ہیں۔ چاروں مصنفوں نے مثنویوں کے آخر میں خاتمۂ کتاب لکھا ہے۔ صرف خسرو نے ختم کتاب سے پہلے بیٹی کو اور جامی نے بیٹے کو نصیحتیں کی ہیں۔

مضامین کے لحاظ سے صرفی نے جامی کا زیادہ تتبع کیا ہے۔ ارکین اسلام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر دونوں نے لکھا ہے اور تصوف، سکوت، عزلت اور عشق بھی مشترکہ موضوعات ہیں۔

صرفی کو مطلع الانوار اور مخزن اسرار کے نام بڑے عزیز ہیں۔ مثنوی کے آغاز میں ہی خدا کی حمد میں ان مرکبات کو استعمال کیا ہے ؎

مطلع انوار جمال احد   مخزن اسرار ازل تا ابد

دوسرے مقامات پر بھی یعنی ایک مرتبہ مرشد کی تعریف میں   دوسری مرتبہ دل کی حقیقت کے بارے میں ان دو مثنویوں کے نام کو مناسب معنوں میں استعمال کیا ہے ؎

۱۔ مطلع انوار الٰہی دلش   مخزن اسرار الٰہی دلش

۲۔ مطلع انوار الٰہی دل است   مخزن اسرار کماہی دل است

ان ناموں کی تکرار سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ان سے ضرور استفادہ کیا ہے لیکن

ایک موقع پر تحفۃ الاحرار کا تو ذکر نہیں کیا۔ اس کے مصنف جامی سے استفادے کا ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں مصنف اس کے مدِنظر تھے ؎

عرفی اگر سُفتہ دُرِ ناب نظم پیروی کردہ بار باب نظم
ہمت این طایفہ اش گشتہ یار زان شدہ در فن سخن سحر کار
یافتہ از بحر نظامی نمی ساختہ سیراب ازان عالمی
بندۂ خسرو زرہ معنوی است حاصل ازان بندگیش خسرویست
جرعہ کش ساغر جامی شدہ
ساقی این بزم گرامی شدہ

مسلک الاخیار کے اکثر مضامین تصوف اور اخلاق سے متعلق ہیں۔ حقیقت وحدت وجود، ذکر ارباب سلوک، ربط قلب بمرشد۔ تفکر۔ سکوت اور عزلت قسم کے ایسے مضامین ہیں جو اہل تصوف سے متعلق ہیں جن اخلاقی صفات کو موضوع شعر بنایا ہے۔ وہ بھی صوفیانہ اور درویشانہ ہیں۔ مثلاً تواضع۔ رضا۔ شکر۔ توکل۔ قناعت۔ جو لوگ دنیاوی جدوجہد میں حصہ نہیں لیتے۔ حرص و آرزو کے پاس نہیں جاتے۔ ارتفاع وارتقاء کے منصوبے نہیں باندھتے۔ ان کے لئے یہی اخلاق موزوں ہیں تاکہ وہ قناعت و توکل سے کام لیں شکر کریں۔ تقدیر سے راضی رہیں۔ سکوت و عزلت سے زندگی گزاریں اور خدا کے ذکر و فکر میں مشغول رہیں۔ مخزن الاسرار اور مطلع الانوار میں بے وفائی رُوزگار اور شکایت دوران کے مضامین بھی ہیں لیکن عرفی نے ان کے خلاف لکھا ہے ؎

گر ز قضا شکوہ کنی واز دہر شہد نیابی چو نصیب است زہر
ہر چہ بتو کلک قضا زد رقم از گلہ ھایت نشود بیش و کم

اسی مثنوی سے مصنف کے مذہبی عقاید پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے خلفائے راشدین کی مدح کے ساتھ ساتھ بارہ اماموں کی منقبت بیان کی ہے۔ وہ

خروج دجال اور امام مہدی کے ظہور پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کے رسالہ اوراد و مراقبات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عقیدۂ اہل سنت والجماعت کے پیرو ہیں جیسا کہ ان کی اس رباعی سے ظاہر ہے ؎

گر خود ز خدا اعانت نبود   باللہ کہ عادت تو طاعت نبود
راہی کہ صراط مستقیمش گویند   جز مذہب سنت و جماعت نبود

(ص ۱۹، ۲۰)

لیکن مغازی النبی میں انہوں نے جن عقاید کا اظہار کیا ہے وہ یقیناً تشیعی عقاید ہیں مثلاً ؎

رسولِ خدا نے فرمایا:- علی از من است منم از ولی
پس از من علی مر شما را ولی   ص ۱۳۶
نبی با علی گفت تو آن کسی
کہ بر کوثر اوّل تو پیشم رسی ص ۱۴۲

شیعہ علماء جس حدیث کی سند پر حضرت علی کو رسولِ خدا کا جانشین مانتے ہیں اس کا ذکر مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجئے۔ ؎

زہی رفعت رتبۂ مرتضیٰ   کہ وصفش بدینساں کند مصطفیٰ
بملک ولایت شہنشاہ اوست   مر او ج من کنت مولاہ اوست ص ۱۲۷

شیعی تفاسیر میں آیت لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (۴۲/۲۳) میں مودت قربیٰ سے مراد اہل بیت سے محبت مراد لی ہے چنانچہ ان اشعار میں اس کا اظہار کیا ہے ؎

اجر و مکافات تو آید ز کس   اجر تو لا اسئلکم اجر بس
اجر تو بس دوستی آل تو   وارث علم و ادب و حال تو

اس مثنوی کا اسلوب بیان سادہ و رواں ہے۔ ہر جگہ گرمیٔ اخلاص موجود ہے۔ کہیں کہیں آیات کو خوبصورتی سے نظم کیا۔ مثلاً ؎

منفعت خویش چہ خواہی ازان　　اثمھما اکبر من نفع دان
کار تو دشوار بود ای سفیہ　　یوم یفر الرجل من اخیہ

ساری مثنوی میں جملوں کی بندش یکساں نہیں۔ الفاظ و تراکیب کا استحکام بھی مساوی اور متواتر نہیں ہے۔ ایجاز و اعجاز جو مثنوی کا طرۂ امتیاز ہے اس کا بھی ہر جگہ لحاظ نہیں رہ سکا۔ مثلاً مولانا رومی نے اس خیال کو ایک شعر میں ادا کیا تھا ؎

علم چون بر دل زنی یاری شود　　علم چون بر تن زنی ماری شود

اس کو صرفی نے دو شعروں میں کہا ہے ؎

علم نہ آنست کہ بر تن تند　　علم ہمانست کہ بر دل زند
علم کہ بر تن تند آن مار ست　　علم کہ بر تن زند آن یار ست

اتنا ضرور ہے کہ وہ نصیحتوں کو خلوص سے کہتے ہیں۔ ان کے دل میں سوز ہے وہ عشق کے گداز سے مالامال ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ؎

عشق تو خواہم کہ بود کار من　　ہمنفس و مونس و غمخوار من
عشق تو خواہم کہ بہر دو جہان　　قوت جسم بود و قوت جان

اسی لئے اپنے اشعار کے بارے میں وہ کہتے ہیں ؎

نغمۂ من نالہ و افغان خوش است　　تار رباب رگ جان خوش است

دوسروں کو نا و نوش اور نغمہ و ساز سے منع کرتے ہیں وہ بھی سن لیجیے۔ وہ کس طرح زور و روں سے بیان کرتے ہیں ؎

از جگر خویش اگر خون خوری　　بہ کہ می بادۂ گلگون خوری
زمزمہ چنگ و رباب بگوش　　پنبۂ غفلت زدہ در گوش ہوش

گوشش بصوت نی و طنبور چپند   غافلی از غلغلہ صور چپند

وامق و عذرا

صرفی کی یہ مثنوی نظامی کی تقلید میں ہے۔ نظامی نے شیریں خسرو کی رومانوی داستان کو موضوع شعر بنایا تھا۔ خمسہ کے بعض مقلدین نے شیریں خسرو کا قصہ تو وہی رکھا لیکن اس کی نوک پلک اپنے طور پر نکالی اور جا بجا اپنی فکری رعنائیوں کو جلوہ گر کیا لیکن جامی نے شیریں خسرو کا موضوع چھوڑ کر یوسف زلیخا کی داستان کو منظوم کیا اور صرفی نے وامق و عذرا کا بھولا بسرا قصہ اپنایا۔ صرفی نے اس بات کی طرف خود اشارہ کیا ہے کہ زلیخا، شیریں اور لیلی کا قصہ مشہور ہے ؎

بعالم قصہ آنہا ست مشہور   بجز عذرا کہ حالش ماند مستور

درین ایام میخواہم کہ آنہم   بیابد شہرت از کلکم بعالم

خاتمہ کتاب میں اپنی آشفتہ حالی کا بھی ذکر کیا ہے اور اپنے متقدمین سے اپنی حالت کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وقت کے بادشاہ نظامی کے مرید تھے اور اسے سکون قلب حاصل تھا۔ اگر وہ چاہتا تو پانچ کے بجائے پچاس مثنویاں لکھ لیتا۔ امیر خسرو بھی بادشاہوں سے متوسل تھے۔ اور فارغ البال تھے۔ جامی کے بھی عقیدتمند موجود تھے، اس لئے انہوں نے اطمینان سے خمسہ کے جواب میں ہفت اورنگ لکھا۔ اگر وہ ہمارے زمانے میں ہوتے تو ؎

نماندی طبع ایشان راست ہرگز   ز سعی شعر میبودند عاجز

نشستی زنگ بر آئینۂ دل   شدی تالیف یک مصراع مشکل

آخر میں صرفی کہتے ہیں ؎

بحمد اللہ کہ شد نامہ مرتب   بترتیب خوش و طرز مہذب

یہ مثنوی ۹۹۳ھ میں مکمل ہوئی۔ صرفی نے خود تاریخ لکھی ہے ؎

بچشم شیخ صرفی دید لایق کہ تاریخش بود معشوق و عاشق

۹۹۳ھ

وامق و عذرا مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۱۸۸۹ء میں چھپ چکی ہے۔

قصہ

صرفی نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ انہوں نے وامق و عذرا کی کہانی کہاں سے اخذ کی ہے کیونکہ وامق و عذرا کے نام سے اب جو مثنویاں موجود ہیں ان کی کہانی صرفی سے مختلف ہے ممکن ہے صرفی کے پاس اس کا کوئی ماخذ موجود ہو یا پھر خود اس نے مختلف اجزاء کو موجودہ شکل دی ہو۔ محترم ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین اگست ونومبر ۱۹۵۴ء اور فروری ۱۹۵۵ء کے شماروں میں وامق و عذرا کے متعلق مختلف قصوں کا خلاصہ بیان کیا اور اصل مثنویوں کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں۔ فارسی میں سب سے پہلی مثنوی عنصری (م - ۴۴۰ھ) نے لکھی جو اب ناپید ہے۔ فرہنگ اسدی اور دوسری کتابوں میں وامق و عذرا کے اشعار سند کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ ان کو مرتب کرنے سے جو قصے کی شکل پیدا ہوتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ یونانی الاصل قصہ تھا۔ عنصری کے بعد فصیحی جرجانی نے پانچویں صدی اور امیر فرخاری نے چھٹی صدی کے اواخر میں اس کہانی کو نظم کیا لیکن یہ دونوں مثنویاں موجود نہیں۔ نویں دسویں صدی ہجری میں اس قصے کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ ترکی میں محمود لامعی۔ متوفی ۹۳۷ھ، معیدی، بہشتی، اور قاضی قادری چلپی نے ترکی زبان میں اس قصے کو منتقل کیا۔ لامعی کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عنصری کی مثنوی دیکھی تھی کیونکہ بعض اشعار عنصری کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں لیکن لامعی کا قصہ عنصری کی داستان سے مختلف ہے اس میں وامق کا باپ

شہنشاہِ چین ہے جو خاقان توران کی بیٹی سے شادی کرتا ہے۔ وامق جوان ہوتا ہے تو ایک خوبصورت لڑکی عذرا اس پر عاشق ہو جاتی ہے اور وہ اپنی تصویر بھجواتی ہے جس کو دیکھ کر وہ بھی عاشق ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے عشق میں جنگلوں میں آوارہ پھرتا ہے آخر اپنے دودھ بھائی بہمن کو ساتھ لے کر اس کی تلاش میں جاتا ہے۔ دونوں کوہ البرز میں پریوں کے بادشاہ لاہیجان کے پاس پہنچتے ہیں۔ وامق کہیں زخمی ہوتا ہے، کہیں گرفتار ہوتا ہے۔ کبھی آگ میں ڈالا جاتا ہے لیکن آخر بادشاہ طوس مرزبان کی مدد سے بچ کر عذرا سے ملنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ عذرا اپنی دایہ کے ساتھ وامق کی تلاش میں نکلتی ہے شاہ طوس بھی اس کی تصویر دیکھ کر عاشق ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وامق کی تلاش میں شاہ حبشہ کے ملک میں پہنچتی ہے جہاں وامق پھرتا پھراتا پہنچ چکا ہے۔ آخر دونوں کا ملاپ ہو جاتا ہے اور طوس میں آکر شادی ہوتی ہے۔ وامق و عذرا کے ساتھ عشق کی ایک اور تکلڑم چلتی ہے۔ شاہ اردشیر کی لڑکی "دلپذیر" بہمن پر عاشق ہے۔ دایہ حکیم پیر کے ساتھ وابستہ ہے شاہ حبشہ کشمیر کی شاہزادی ہما پر مرتا ہے آخر ایک ہی جشن میں ان چاروں کی شادیاں ہوتی ہیں۔

فارسی مثنویوں میں قتیل بخارائی کی مثنوی قابل ذکر ہے جو اس نے شاہ ابوالمظفر یعقوب (۸۸۴ تا ۸۹۶ھ) کے نام سے منسوب کی۔ اس مثنوی کا مختصر قصہ یوں ہے۔ وامق یمن کے امیر کا بیٹا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کے گرد گھوما۔ تعبیر ہوئی کہ اس کی شادی شہزادی سے ہوگی۔ وامق نے اپنے دوست شیدا کو اس کی تلاش میں بھیجا۔ شیدا نے قرعہ ڈالا تو طائف کا نام نکلا۔ وہ ادھر روانہ ہوا۔ راستے میں زنگی ڈاکوں نے شیدا کو گرفتار کر لیا۔ قیدیوں میں ایک حکیم بھی تھا جس نے لٹیروں کو بے ہوشی کی دوا پلا کر نجات پائی۔ شیدا کو ساتھ لیا دونوں طائف

یمن پہنچے۔ ادھر شاہ کی بیٹی عذرا نے دو مرتبہ خواب میں دیکھا کہ یمن سے ایک قاصد آیا ہے اور اس نے ایک حسین نوجوان کا ذکر کیا ہے۔ بادشاہ نے خواب سنکر شیدا کو پیش کیا اور اس نے وامق کا حال بتایا پھر اس کے کہنے پر شیدا اور حکیم وامق کو لینے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں زنگی ڈاکوؤں نے شاہ بغداد کی مدد سے حملہ کر کے شاہ طائف کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف جب باپ کو وامق کے شوق کا علم ہوا تو اس نے وامق کو قید کر دیا۔ آخر شیدا کی مدد سے رہائی پا کر وامق اپنے دوستوں کے ساتھ طائف روانہ ہوا۔ راستہ بھول جانے کی وجہ سے وامق کے دونوں رفیق دریا میں غرق ہو گئے اور وامق کو ایک رئیس دہقان کے گھر میں ٹھہرنا پڑا۔ جس کی بیٹی اس پر عاشق ہو گئی۔ وہاں سے نکلا تو جزیرہ زنان میں گرفتار ہوا جہاں ملکۂ جزیرہ کی لڑکی نے وامق کے عشق میں جان دیدی اور لوگوں نے اس کے قصاص میں وامق کی جان لینی چاہی لیکن حسن اتفاق سے وہ جان بچا کر بھاگ نکلا اور طائف پہنچا۔ یہاں ایک ڈاکو عذرا کو لے بھاگنے کی فکر میں تھا لیکن حسن تدبیر سے ڈاکو مارا گیا اور عذرا صحرا میں ماری ماری طائف پہنچی اور وامق سے ملی۔ اتنے میں وامق کا باپ وفات پا گیا اور اس کو واپس جانا پڑا۔ بعد میں عذرا سے اس کی شادی ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد عذرا نے وفات پائی اور وامق ترک دنیا کر کے عاقبت کو سدھارا۔

دسویں صدی ہجری میں قتیل کی متذکرہ صدر مثنوی کے علاوہ ضمیری اصفہانی (م۔۹۷۳) اور محمد علی قسمتی استرآبادی نے بھی وامق و عذرا لکھی لیکن یہ مثنویاں ضائع ہو چکی ہیں۔ صرفی کے معاصرین میں سے خواجہ شعیب جوشقانی اور صلحی نے بھی اسی نام کی مثنویاں لکھیں لیکن اول الذکر نے ۱۰۳۴ھ میں اپنی مثنوی لکھی لیکن مؤخر الذکر کی تاریخ تحریر معلوم نہیں۔ جوشقانی کی کہانی بھی مختلف ہے۔ اس میں وامق ساسانی نسل کے ایک بادشاہ فلاطوس کا بیٹا ہے جو ایران میں حکمران ہے اور عذرا والی خلخ قدرخان کی بیٹی ہے۔ آخر میں شادی ہو جاتی ہے اور انجام بخیر ہوتا ہے۔ البتہ صلحی کی داستان کے کچھ خد و خال صرفی کی مثنوی سے ملتے جلتے ہیں۔

مختصراً اس کا قصہ یوں ہے۔ عرب کے ایک بادشاہ کے ہاں اولاد نہ تھی۔ ایک بزرگ کی دعا سے بیٹا پیدا ہوا یعنی وامق۔ جوان ہوا تو ایک محبوبہ کو دل دے بیٹھا لیکن وہ ملتفت نہ ہوئی۔ ایک دن اس نے خواب میں ایک لڑکی کو دیکھا اور اس کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ آخر ایک قافلے کے ساتھ کشمیر پہنچا جہاں اس نے عذرا کو پایا جو محبوبۂ خواب سے عین مشابہ تھی۔ دونوں میں محبت ہو گئی۔ وامق اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے باغبان بن گیا لیکن جب ماں کو ان کی ملاقاتوں کا علم ہوا تو چچیرے بھائی کے ساتھ عذرا کی شادی کر دی گئی۔ لیکن آخر طلاق پر نوبت آئی۔ ماں باپ نے عذرا کو گھر میں بند رکھا۔ وامق نے اس کے فراق میں جان دے دی۔ عذرا باغ میں پہنچی اور اس کو مرا پا کر خود بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

اب آخر میں سنئے مثنوی صرفی کا قصہ۔ اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ صرفی اور دوسروں نے کن مشترک اجزا کی بنا پر قصے کی عمارت کھڑی کی ہے یا صرف وامق و عذرا کا نام لے کر فرضی قصہ مرتب کر لیا ہے اور اپنی اپنی پسند کے مطابق کسی نے اس کو طربیہ اور کسی نے المیہ بنا دیا ہے جس طرح لیلیٰ مجنوں اور شیریں خسرو کی داستانوں میں واقعاتی مماثلتیں ہیں لیکن جزوی اختلافات بھی موجود ہیں۔ اس طرح وامق عذرا کے اتنے قصوں میں بہت کم مماثلت ہے نہ تو وامق و عذرا کی شخصیتیں متعین ہیں اور نہ ان کا وطن ہی مخصوص ہے۔ بہر حال صرفی نے اپنے منہج پر اس قصے کو یوں بیان کیا ہے۔

یمن کا بادشاہ بے اولاد تھا۔ تخت چھوڑ کر فقیرانہ لباس میں ایک بزرگ کی تلاش میں نکلا۔ آخر اس کو ڈھونڈا جس نے دعا کی اور لڑکے کی بشارت دی۔ بچہ پیدا ہوا تو وامق نام رکھا۔ یہ بچہ بچپن سے ہی حسن پرست اور عاشق مزاج تھا۔ عشق سے سرشار دایہ نے دودھ پلایا۔ حسین کنیزوں نے کھلایا۔ مدرسے میں عشق کی ہی حروف ہجا پڑھی جوان ہوا تو عشق کی وارفتگیاں رنگ لائیں۔ ایک دفعہ شکار کو نکلا۔ کوہ مقیبا سے پار ہوا۔ تو شہر استقا میں پہنچا۔ بازار سے گزر رہا تھا کہ دریچے سے دیکھنے والی لڑکی نے تیرِ نظر سے

گھایل کردیا۔ دونوں طرف سے دل چھد گئے۔ ساتھیوں نے مجبوراً وامق کو واپس جانے پر رضامند کیا۔ وطن میں محبوب کی یاد میں اس کا دل اچاٹ رہنے لگا۔ باپ نے شام کی شاہزادی سے بیاہ کر دیا لیکن اصلی محبوب کے سامنے نقلی کا دِیا نہ جل سکا۔ آخر بادشاہ نے ایک شخص کو محبوب کی تحقیق کے لئے بھیجا۔ معلوم ہؤا کہ لڑکی عذرا ہے اور حاکم شہر سہیل کی بیٹی ہے۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا لیکن اس نے انکار کیا۔ شاہ یمن نے چڑھائی کی۔ بادشاہ وہیں مارا گیا۔ فوج پسپا ہوئی۔ وامق وہیں آوارہ کوچہ جاناں رہا اور عذرا عذرا پکارتا رہا۔ سہیل کو خبر ہوئی اس نے وامق کو قید میں ڈلوا دیا۔ زنداں کے نگہبان نے رحم کھا کر اس کو رہا کر دیا۔ وامق ایک غار میں پناہ گزین ہؤا۔ ایک دفعہ عذرا کے استاد موصول کا وہاں گزر ہؤا۔ اس نے محب و محبوب کے وصال کا راستہ نکالا۔ عذرا نے بیماری کا بہانہ کیا۔ موصول نے عذرا کی ماں شہلا کو غار میں مقیم طبیب کا حال بتایا اور علاج کے بہانے عذرا کو لے کر غار میں پہنچا۔ عذرا نے وامق کو یہ مشورہ دیا کہ وہ یمن واپس جائے۔ اور اپنے چچیرے بھائی بہمن باپ کے جانشین کو آمادہ کر کے مقیبا پر چڑھائی کرے اور فتحمند ہو کر اس کو حاصل کرے۔ جب وامق اپنے وطن واپس ہؤا تو اس کو کسی نے نہ پہچانا اور وہ مایوس ہو کر آوارہ و پریشان جنگلوں کی خاک چھانتا رہا۔ آخر ایک بوڑھے نے پہچان کر بادشاہ یمن کو اس کی شناخت کا یقین دلایا اور بادشاہ اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو وطن لے گیا۔

وامق کی خوشحالی کے لئے یہ ضروری ہؤا کہ اشتغا پر حملہ کیا جائے۔ آخر جنگ ہوئی۔ سہیل گرفتار ہؤا۔ اس دار و گیر میں عذرا قمر نامی ایک شخص کے ہاتھ لگی اور وہ اس کو یمن لے آیا۔ وامق عذرا کی تلاش سے مایوس ہو کر آوارہ اور سرگرداں پھرنے لگا۔ قمر نے عذرا سے شادی کی درخواست کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخر وہ اس کو لے کر اشتغا کی طرف گیا۔ راستے میں وامق سے بھی ملاقات ہوئی۔ قمر نے ان کو نہ ملنے دیا۔ عذرا سہیل کو واپس کر دی گئی۔ اس نے

وامق سے کہا کہ اپنے عم زاد پادشاہ سے کہو کہ تمہارے لئے میرے والد کے پاس شادی کی درخواست کرے۔ وامق نے واپس آکر بہمن سے کہا۔ چنانچہ اس کے کہنے پر سہیل عذرا کو لے کر یمن پہنچا۔ وامق بھی راستے میں قافلے سے جا ملا تھا لیکن سہیل نے اس کو قریب نہ آنے دیا اور قتل کرنے کی دھمکی دی۔ وامق پھر جنگلوں میں آوارہ ہوگیا۔ شاہی محل میں بہمن عذرا کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوا۔ اپنے ساتھ شادی کے لئے اصرار کرنے لگا۔ سہیل کو بھی اس کا ملک واپس دینے کا لالچ دیا۔ اس نے بھی عذرا کو یہ رشتہ قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن عذرا اپنے ارادے میں غیر متزلزل رہی۔ اس نے کہا کہ "وامق سے میرا غائبانہ عقد ہو چکا ہے۔" بہمن نے اس کو قید کیا۔ دست درازی بھی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی آخر بہمن نے وامق کا کام تمام کرنے کا عزم کیا۔ شہد میں زہر ملا کر دلوایا لیکن پیالہ گر کر ٹوٹ گیا۔ اس کے ایک آدمی نے وامق پر خنجر سے وار کیا مگر وہ بھی خالی گیا۔ اسی رات بہمن کو خواب میں وہی بزرگ نظر آئے جن کی دعا سے وامق پیدا ہوا تھا۔ انہوں نے بہمن کو ان ارادوں سے باز رہنے کی تنبیہ کی۔ بہمن ڈر گیا اور وامق کو بلا کر عذرا سے اس کی شادی کر دی۔ آدھا ملک بھی اس کو دیا۔ مقیبا کا علاقہ سہیل کو واپس کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد شاہ حبشہ اور شاہ یمن میں لڑائی ہوئی جس میں بہمن مارا گیا اور وامق بادشاہ بن گیا۔

کچھ مدت کے بعد شاہ روم کا بیٹا عشیر وامق سے ملاقات کے لئے آیا۔ لیکن عذرا کو دیکھ کر عاشق ہوا لیکن اس نے اپنا راز مخفی رکھا اس نے چوگان کھیلتے ہوئے اپنے ایک دستے کے ساتھ وامق پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ یہ خبر ملتے ہی سہیل اور اسکے لشکر نے عشیر کو بھی قتل کر دیا۔ عذرا نے یہ خبر سنی تو خنجر سے خودکشی کر لی اور سہیل یمن اور مقیبا کا بادشاہ ہوگیا۔ اس نے وامق و عذرا کا مقبرہ بنوایا۔

کہانی پر تنقید ظاہر ہے کہ یہ قصہ تاریخی نہیں کیونکہ یمن کی تاریخ میں اس نام کے

بادشاہ اور حاکم موجود نہیں۔ اس کہانی سے ظاہر ہے کہ یہ اسلامی عہد سے متعلق ہے۔ کیونکہ وامق مکتب میں قرآن وحدیث اور تفسیر کا درس لیتا ہے، اگر تمام واقعات تاریخی ہوتے تو پھر یہ کہانی جیسے بھی ہوتی اسے ہم حقیقی زندگی کی ایک عبرت ناک تمثیل سمجھ کر اس سے کچھ نتائج نکالتے لیکن چونکہ ایسا نہیں اس لئے ہمیں غور کرنا ہے کہ مصنف نے ایسی فرضی داستان سنا کر ہمیں کیوں غمناک کرنا ضروری سمجھا ہے، اگر مصنف کے ذہن میں کوئی خیال تھا تو یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں محبت والوں کے لئے امن وسکون نہیں۔ مصائب جھیلنے کے بعد اگر عاشق اپنے محبوب کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو قدرتی حوادث ان کی خوشیوں کو پامال کر کے محبت سے سرشار زندگی کو ختم کر دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مصنف یاس پسند ہیں۔ ان کی نگاہوں میں محبت اور مسرت کے لئے دنیا میں جگہ نہیں ایک اور خیال بھی اس قصے سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ حُسن آماجگاہ فتنہ ہے اور خوبصورت عورت کے لئے کئی چاہنے والوں کی زندگیاں برباد ہوتی ہیں۔ خیر حسن کے لئے یہ رقابتیں اور جنگیں تو انسانی تاریخ میں ازل سے ابد تک چلتی جائیں گی۔

یہ کہانی انجام کے لحاظ سے تو دردناک اور غم افزا ہے لیکن فنی نقطہ نظر سے المیہ نہیں، کیونکہ کہانی کے کردار ایسے اوصاف وخصائل کے حامی نہیں کہ ان کی بنیادی خصوصیتوں کی وجہ سے ان کا انجام موت یا فنا ہوتا ہو۔ چونکہ یہ کہانی فرضی ہے اس لئے اگر اس کی ساخت میں خامیاں اور خرابیاں ہیں تو اس میں مصنف کا قصور ہے کیونکہ بیان کئے ہوئے واقعات زندگی میں حقیقی نہیں یا کردار زندگی سے ہم آہنگ نہیں اور مصنف نے اس کو صحیح ماحول میں پیش نہیں کیا۔ کہانی کا جو خلاصہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سب حوادث ممکن الوقوع ہیں لیکن جزئی طور پر ان میں توافق نہیں اور ان کے غیر حقیقی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ چونکہ یہ اسلامی عہد کی داستان ہے اور یمن میں عربوں کی حکمرانی رہی ہے۔ اس لئے

اشخاص قصہ کے نام بھی اسلامی ہونے چاہیئے تھے۔ بہمن۔ شہلا تو قطعاً ایرانی نام ہیں۔

۲۔ وامق کا باپ شاہ یمن جب فقیر کی تلاش میں نکلا تو اپنے بھائی کو کاروبار سلطنت سونپ گیا لیکن اس کی وفات پر اوّل تو وامق کو بادشاہ ہونا چاہیئے تھا۔ خیر اگر وامق نہیں بن سکا تو بادشاہ کا بھائی جانشین ہوتا۔ ابن علم کا جانشین ہونا واقعات سے تطابق نہیں رکھتا۔

۳۔ یہ ناممکن ہے کہ کچھ عرصہ جنگلوں میں رہنے سے وامق کی ایسی حالت مسخ ہو چکی ہو کہ اس کے اپنے مصاحب، دوست، احباب، رشتہ دار یکسر اس کو پہچان نہ سکیں۔ کہانی میں یہی ظاہر کیا گیا ہے۔

۴۔ کہانی کے آخری حصے میں تصنع پایا جاتا ہے۔ مصنف نے قصے کو لپیٹنے اور برا انجام دکھانے کے واقعات جوڑ دیئے ہیں۔ بہمن کو شاہ حبشہ سے مروا کر تخت کو وامق کے لئے خالی کر دایا اور پھر خود وامق کو عشیر سے قتل کروا دیا اور ایک تیسرے شخص کو سلطنت یمن کی حکمرانی سونپ دی۔

کہانی کے بیان میں مصنف نے غیر شعوری طور پر بعض متضاد باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً

۱۔ صفحہ ۵۰ پر وامق کی زبانی لکھا ہے کہ ؎

بیاد تو زمانے زندہ مانم ولیکن چون کنم نامت ندانم

یعنی میں اپنے محبوب کا نام نہیں جانتا لیکن اس سے پہلے مصنف بیان کر آئے ہیں کہ وامق و عذرا کا نام مشہور ہو چکا تھا ؎

ہمہ النساعت کزاں جانب گذشتہ بشہرا اشتقا مشہور گشتہ

کہ از نظارہ گردید عاشق بوامق عذرا و عذرا بوامق

۲۔ ص ۵۹ پر پہلے خود ہی لکھتے ہیں ؎

نہ اسمش دانم، نہ نام اورا نہ اصل و نہ نسب آن تند خورا

اور پھر خود ہی اسی صفحے پر کہتے ہیں۔ ؎

رئیس آن ولایت والد اوست ملیح و والدش اعیان اوست

۳۔ ص ۱۰۷ پر عذرا بہمن سے مخاطب ہو کر کہتی ہے ؎

ولیکن راست می گویم کہ خالق گواہ عقد من آمد بوامق

اور اسی وجہ سے وہ بادشاہ سے دور رہتی ہے اور شادی سے انکار کرتی ہے لیکن جب عذرا بیمار ہے اور بہمن کو اس کی وجہ معلوم ہے پھر اس کی زبان سے یہ کلمات کہلوانا خلاف واقعہ ہے ؎

بگو بہر خدا مقصود تو چیست بگو خیریت و بہبود تو چیست۔ ص ۱۰۹

۴۔ بہمن نے وامق کو قتل کروانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بعد میں غیبی تہدید سے اگر وہ اپنے برے ارادے سے رک گیا تو وہ نیک خو نہیں تھا۔ مصنف نے اس کو نکوخو لکھا ہے ؎

بدپیشاں از ملطف آن نکوخو کلام مشفقانہ کرد یاد و (ص ۱۱۰)

کہنے کو تو یہ عشقیہ مثنوی ہے لیکن عاشق و معشوق کے کردار سے انتہائے شیفتگی کا اظہار نہیں ہوتا۔ جذبات کی تندی و تیزی بھی کہیں نہیں۔ وامق شادی سے پہلے عذرا کو دو دفعہ دیکھ پاتا ہے اور ایک مرتبہ غار میں ملاقات ہوتی ہے عذرا کوئی بات کرتی ہے تو یہ کہ وامق اپنے ملک میں جائے اور فوج لے کر اشتقا کو فتح کرے پھر اس کو لے جائے۔۔۔ یہ درست ہے کہ اس کا عشق صادق ہے وہ باعفت اور وفادار ہے۔ وہ قمر سے اور بہمن سے بیاہ پر راضی نہیں ہوتی لیکن ان دونوں کی ملاقات سے پہلے اپنے ماں باپ کے گھر وامق کے ساتھ اپنے جذبات عشق کا اظہار نہیں کرتی اور نہ اس کے فراق میں رنج و غم کا بیان موجود ہے۔ یہ شاید اس لئے کہ وہ طبعاً حیادار ہے اور اپنے آپ کو روکے ہوئے ہے۔ وامق سراپا عشق و آوارگی ہے۔ کہانی سے تو اس کا درد و سودا نمایاں ہے لیکن اس کے مکالمات سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے تھا۔ مثنوی میں محاکات بہت کم ہیں۔

مصنف نے ایسے مواقع پیدا نہیں کئے جہاں اس کو اپنے فن دکھلانے کے بھی مواقع ملتے۔ اور انسانی احساسات اور روحیات کی ترجمانی ہوتی۔

زبان دبیان کے اعتبار سے بھی اس مثنوی میں جابجا غلطیاں اور خامیاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً الفاظ کی غیر فصیح تکرار۔

نہ اسمش دانم و نی نام اورا　　نہ اصل و نہ نسب آن تند خورا

خیالات کی تکرار ؎

بتاج نیستی کن سرفرازم　　بہ آن تاج بر فرق نیازم　　ص ۲

زتاج نیستی بر فرق تم افسر　　بہ دان تاج را تابندہ گوہر　　ص ۳

تعقید لفظی و معنوی کی مثالیں ؎

قیاسس آن نگر از حال دلمرد　　کہ بی قصدش دہد خاصیت رد

خواص اختران ہم پہلا لنت　　کہ حاصل بے شعور اختر النت

اگر آپ چاہیں تو ذیل کے اشعار میں عیوب قافیہ بھی سمجھ لیں ؎

درون خانہ خون دل ہمی خورد　　لب بینہ سوز دل پنہاں ہمیکرد

کہ شاہا نیستی مملوک و مالک　　نہ حجامی نہ دبائی نہ چابک

غیر بلیغ ؎

ترا من گفتنی ہا جملہ گفتم　　گہر ہا ئیکہ میبایست سفتم　　ص ۱۰۴

یہ عذرا کے الفاظ ہیں بھلا وہ خود کیسے کہہ سکتی ہے کہ میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے اور جو موتی پرونے تھے پرو دیئے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ بہمن سے شادی سے انکار کر کے اس کو وامق کی مدد کرنے کے لئے نصیحتیں کر رہی ہے۔ اور اپنی نجات کی بھیک مانگ رہی ہے۔

صرفی صوفی درویش ہیں اس لئے ممکن ہے انہیں باطنیہ واردات کے بیان کرنے

میں حیا مانع ہو مگر انہوں نے بادشاہ اور دختر عم کی خلوت کا جو بیان کیا ہے (ص ۴۰) وہ عریانی کی حدوں کو چھو رہا ہے اور استعارے کے باوجود اس کا فحش واضح ہے مثلاً ؎

کشادہ گلبنی از باد مستی ؏

؎ میان ہردو شاخش سرو آزاد گہی کج گشتہ گاہی راست زان باد

لیلیٰ و مجنوں

صرفی کی یہ تیسری مثنوی ہے جو انہوں نے خمسہ نظامی کے اتباع میں لکھی۔ خسرو کی مجنوں و لیلیٰ کو بھی سامنے رکھا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں ؎

کردیم درین کلام نامی تبعیت خسرو و نظامی

۹۹۶ھ تاریخ تحریر ہے جو 'شرح عشقبازی' سے نکلتی ہے ؎

در خاتمہ سخن طرازی تاریخ شدہ 'شرح عشقبازی'

صرفی نے لکھا ہے کہ چند دنوں میں یہ مثنوی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ؎

صد شکر خدا کہ یافت اتمام این نامہ من در اندک ایام

ممکن ہے اس کتاب کا اور قلمی نسخہ کسی صاحب کے نجی کتب خانہ میں موجود ہو لیکن دنیا کے معروف کتب خانوں کے مخطوطات میں خمسہ صرفی کا ایک مکمل نسخہ نیشنل لائبریری آف انڈیا کے بوہر سیکشن میں موجود ہے۔ میں نے IASLIC کلکتہ (انڈین ایسوسی ایشن آف سپیشل لائبریریز اینڈ انفرمیشن سنٹرز) کی معرفت لیلیٰ و مجنوں اور مقامات مرشد کے مائیکرو فلم حاصل کئے۔ ۱۹۶۰ء میں اس ادارے کو مائیکرو فلم کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس ادارے نے سات سات آٹھ آٹھ مہینوں کے وقفے کے بعد تین مرتبہ فلم بنا کر بھیجے۔ دو مرتبہ فیلم اس قدر ناقص، مدھم، خارج المیزان تھی کہ وہ پڑھ جگیر کے ذریعہ پڑھی جا سکتی تھی اور نہ اس کا پرنٹ لیا جا سکتا تھا۔ آخر میرے سخت شست لکھنے پر اپریل ۱۹۶۲ء تیسری

مرتبہ کچھ صحیح فلم بنا کر بھیجی۔ ایک ہی فیلم کے لئے دو مرتبہ قیمت بھی وصول کر لی۔ میں نے لکھا تھا کہ فوٹوگرافر نالائق ہے جسے میزان درست کر کے فیلم اتارنا بھی نہیں آتا۔ اس کے جواب میں ادارے کے سیکرٹری نے خفا ہو کے لکھ بھیجا کہ آیندہ وہ میرا کام نہیں کریں گے۔ میں نے یہ واقعہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ آپ ایک سکالر کی مشکلات کا اندازہ کر سکیں لیلیٰ و مجنوں کا نسخہ نفیس نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ کافی قدیم ہے بعض جگہوں سے حروف مٹے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں کاغذ کے پیوند بھی لگے ہیں۔

قِصّہ ——— مجنوں کا نام قیس بن ملوح (بعض کے نزدیک معاذ ہے) وہ بنو عامر بن صَعصَعَ سے منسوب ہے کہتے ہیں۔ اس نے ۸۰ ہجری میں وفات پائی لیکن اس کی تاریخی شخصیت میں شبہ ہے۔ اصمعی نے لکھا ہے کہ قصہ مجنوں عامری اور حکایت ابن القریہ اسم بلامسمیٰ ہے۔ مجنوں کا قصہ کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ۔ اغانی ابوالفرج ' سرح العیون ابن نباتہ، خزانۃ الادب بغدادی، تزیین الاسواق انطاکی اور مجالس العشاق سلطان حسین بایقرا میں تفصیل سے موجود ہے۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں 'مجنون و لیلیٰ اور اخبار مجنوں' دو کتابوں کا ذکر کیا ہے[1]

یہ قصہ بنو امیہ کے عہد کا ہے۔ ابن کلبی نے کہا ہے کہ بنو امیہ کے کسی فرد نے لیلیٰ مجنوں کی داستان بنائی ہے۔ اصل کہانی یوں ہے۔ قیس عورتوں کی ایک مجلس میں لیلیٰ کو دیکھتا ہے اور اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ لیلیٰ سعد کی بیٹی اور قبیلہ بنو عامر سے ہے۔ قیس اس کی دعوت کے لئے ایک اونٹ ذبح کرتا ہے۔ لیلیٰ بھی محبت کا جواب

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

مثنوی ہفت اورنگ، مرتبہ آقا مرتضیٰ مدرس گیلانی، تہران ۱۳۳۷، ص و سہ

محبت سے دیتی ہے لیکن اس کا باپ شادی سے انکار کر دیتا ہے اور اسے ورد بن محمد العقیلی سے بیاہ دیتا ہے۔ مجنوں مایوس ہو کر نجد کی وادیوں میں آوارہ پھرتا ہے۔ اپنی ناکام محبت کے بارے میں اشعار لکھتا ہے۔ لیلی سے بھی کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے لیکن آخر نامرادی میں ہی جان دے دیتا ہے۔

سب سے پہلے نظامی گنجوی نے ۵۸۴ھ میں اس داستان کو نظم کا جامہ پہنایا۔ اس کے بعد اس کی تقلید میں بہت سے شعرا نے طبع آزمائی کی۔ ان میں سے معروف نام یہ ہیں — امیر خسرو۔ اشرف مراغہ ای۔ آذر اسفراینی نیشاپوری۔ مکتبی شیرازی۔ عبدالرحمن جامی۔ سہیل چغتائی۔ میر حاج گونابادی۔ ہاتفی جامی ہروی۔ ہلالی استرآبادی۔ قاسمی گونابادی۔ اسیری تربتی۔ ہدایت رازی۔ ضمیری اصفہانی۔ محمد شریف کاشف۔ روح الامین شہرستانی۔ سالم ترکمان۔ نامی اصفہانی۔ نصیبی کرمانشاہی۔ ناصر سہندی[1]

ترکی زبان میں حمدی اور فضولی نے بھی اس موضوع پر مثنویاں لکھی ہیں۔

کہانی کے بنیادی اجزاء کو ترتیب دے کر نظامی نے قصہ کو یوں صورت دی۔

بڑی منتوں کے بعد عامریوں کے ایک بزرگ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ دس سال کا ہوا تو اسے مکتب بھیجا گیا۔ وہاں لڑکیاں بھی تھیں۔ قیس اور لیلی ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوئے۔ آغاز داستان کے بعد نظامی نے اپنی مثنوی کے مندرجہ ذیل عنوان رکھے ہیں۔ در صفت عشق مجنوں۔ رفتن مجنوں بنظارہ لیلی۔ رفتن پدر مجنوں بخواستاری لیلی۔ زاری کردن مجنوں در عشق لیلی۔ بردن پدر مجنوں را بخانہ کعبہ۔ آگاہی پدر مجنوں از قصد قبیلہ لیلی۔ پند دادن پدر مجنوں را۔ جواب دادن مجنون پدر را۔ در احوال لیلی۔ رفتن لیلی بتماشای بوستان۔ خواستاری ابن سلام لیلی را۔ رسیدن نوفل بمجنون۔ عتاب کردن مجنون

---

[1] مثنوی ہفت اورنگ مذکور

با نوفل جنگ کردن نوفل با قبیلہ لیلی ۔ عتاب کردن مجنون با نوفل ۔ مصاف کردن نوفل بار دوم ۔ رھانیدن مجنون آھوان را ۔ آزاد کردن مجنون گوزن را ۔ سخن گفتن مجنون با زاغ ۔ بردن پیرزن مجنون را در خرگاہ لیلی ۔ دادن پدر لیلی را با بن سلام ۔ بردن ابن سلام لیلی را بخانہ خود ۔ آگاہی مجنون از شوہر کردن لیلی ۔ شکایت کردن مجنون با خیال لیلی ۔ رفتن پدر مجنون بدیدن فرزند ۔ جواب دادن مجنون پدر را ۔ وداع کردن پدر مجنون را ۔ آگاہی مجنون از مرگ پدر ۔ انس مجنون با وحوش و سباع ۔ نیایش کردن مجنون بدرگاہ خدای تعالیٰ ۔ نیایش مجنون با زہرہ ۔ نیایش مجنون با مشتری ۔ نیایش مجنون بدرگاہ یزدان ۔ رسیدن نامہ لیلی بمجنون ۔ مفاد نامہ لیلی بمجنون ۔ نامہ مجنون در پاسخ لیلی ۔ آمدن سلیم عامری خال مجنون بدیدن او ۔ دیدن مادر مجنون را ۔ آگاہی مجنون از وفات مادر ۔ خواندن لیلی مجنون را ۔ غزل خواندن مجنون نزد لیلی ۔ آشنا شدن سلام بغدادی با مجنون ۔ پاسخ مجنون بسلام بغدادی ۔ وفات یافتن ابن سلام شوہر لیلی ۔ صفت خزان و در گذشتن لیلی ۔ زاری کردن مجنون در مرگ لیلی ۔ وفات مجنون بر روضہ لیلی ۔ آگاہی قبیلہ مجنون از وفات وی ۔

امیر خسرو نے ۶۹۷ھ میں نظامی کا خاکہ سامنے رکھ کر مجنون و لیلی کے نام سے مثنوی لکھی انہوں نے اس داستان کو مندرجہ ذیل عنوانات پر تقسیم کیا ۔

آغاز داستان عشق مجنون و لیلی در مکتب ۔ پردہ برداشتن از عشق لیلی و دور کردن پدر از دو دیدہ و لیلی را در گوشہ محنت پای در گل کردن ۔ خرابی مجنون در عشق ۔ بکوہ رفتن مجنون ، پدر بگریہ و زاری پیش مادر باز آوردہ ۔ پند مادر بمجنون ۔ رفتن پدر مجنون بخواستگاری لیلی ۔ شمشیر کشیدن نوفل بر پدر لیلی در حمایت مجنون ۔ مہمان خواندن مجنون زاغان را در خانہ چشم تا ہر دمان فتنہ دیگر را بگاو کاو از خانہ بیرون کنند ۔ قران دختر نوفل با مجنون تاریک اختر ولی رجعت کردن مجنون پیش از استقامت و شوختگی لیلی از خبر تزویج مجنون و نامہ لیلی بسوی مجنون ، جواب مجنون ۔ آوردن مجنون را از کوہ بباغ ۔

دل داد مجنون بہ سگ کوی لیلی ۔ در خواب دیدن مجنون را و ملاقات کردن لیلی با مجنون خستہ در کوہ ۔ بازگشتن لیلی از ویرانۂ مجنون ۔ گریہ لیلی در فراق مجنون ۔ گفتن مجنون سرود حسرت۔ نالۂ پرسوز مجنون ۔ خرامش لیلی با سرو قدان ہمسایہ سوی بوستان ۔ شخصی موافق مجنون حال زار مجنون را بغزلی گفت و جگر لیلی را سوخت ۔ بیمار شدن لیلی از صدمات حوادث ۔ خبر یافتن مجنون از بیماری لیلی و جنازہ لیلی سوی لحد رفتن ۔ مجنون در لحد جست و رو بر روی لیلی نہادہ جان داد ۔

صرفی نے اپنی مثنوی کا تانا بانا نظامی و خسرو کی مثنویوں کے اجزائے ترکیبی سے بنا ہے لیکن بعض جگہ کچھ تغیرات و اضافات کئے ہیں اور بعض مقامات پر شخصی رنگوں سے بھی اس کو سجایا ہے ۔ مثلاً مجنوں اور لیلی کے تولد پر الگ الگ اظہار خیال کیا ہے کہ وہ بڑی دعاؤں اور دواؤں کے نتیجے میں والدین کو نصیب ہوئے ۔ فطرت سے ہی ان کے خمیر میں عشق رچا ہوا تھا ۔ مجنوں نے بد وضع دایہ کا دودھ نہ پیا ۔ لیکن جب حسین اناں ل گئی تو پھر خوشی سے اس کی طرف مائل ہو گیا ۔

۲ - مکتب میں جب لیلی و مجنوں کے عشق کا چرچا ہوا تو لیلی کے والد نے لیلی کو مکتب بھیجنے سے انکار کر دیا اور مجنوں افسردہ و غمناک ہوا ۔ استاد کو بھی اس کی حالت پر رحم آیا اور اس نے لیلی کے والد سے جا کر کہا کہ مجنوں کو مکتب میں آنے کی اجازت نہیں اس لئے لیلی کو تعلیم سے نہ روکیں ۔ ادھر مجنوں سے کہا کہ مکتب کے راستے میں ایک چھپر کھٹ بنا کر ٹھہر جاؤ اور آتے جاتے لیلی سے ملاقات کر لیا کرو ۔ لیکن پہلی ہی ملاقات میں یہ راز افشا ہو گیا ۔ لیلی کے والد نے باخبر رہنے کے لئے لیلی کے پیچھے جاسوس بھیجا تھا جب لیلی مکتب میں نہ ملی تو اس کی تلاش ہوئی ، بعد میں لیلی و مجنوں اکٹھے پکڑے گئے آخر لیلی گھر میں بند کر دی گئی ۔

۳ - مجنوں دو مرتبہ گداگر اور ایک مرتبہ اندھا بن کر لیلی کے دروازے پر بھیک مانگنے کے لئے گیا اور اسی بہانے سے ملاقات کی ۔

۴۔ پہلے مجنوں کی شادی ہوئی لیکن وہ ایجاب و قبول کے وقت خاموش رہا اور بیوی کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلا گیا۔ اسی طرح جب لیلی کی شادی ابن سلام سے ہونے لگی تو وہ گھر چھوڑ کر ویران کنوئیں میں جا اتری۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے عشق میں استوار ہے۔ لیلی و مجنوں کے بارے میں یہ زیادہ پاکیزہ تصور ہے۔ نظامی کے ہاں لیلی کا ازدواج ابن سلام سے ہو جاتا ہے۔ بعد میں ابن سلام مر جاتا ہے۔ خسرو نے صرف مجنوں کی تزویج کا ذکر کیا ہے اور لیلی کی شادی کا ذکر نہیں کیا۔

۵۔ صرفی نے مجنوں کی وفات پر دو روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ مرگ لیلی کی خبر پا کر اس نے آہ کھینچی اور ویرانے میں ہی کہیں جان دے دی۔ دوسری یہ کہ وہ شہر کی طرف آیا اور اس نے لیلی کے مرنے کی خبر سنی اور قبر کے قریب پہنچکر قبر میں چھلانگ لگائی اور نعش لیلی پر گرتے ہی جان دے دی۔ بعد میں دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

قصے کے مشترکہ نقائص

تینوں مثنویوں میں جائے وقوع غیر متعین ہے اور پس منظر واضح نہیں۔ تینوں لکھتے ہیں کہ مجنوں صحراؤں اور پہاڑوں میں نکل گیا۔ درندوں اور وحشیوں میں رہا۔ بعض جگہ لکھا ہے۔ وہ باغ میں آیا جہاں سنبل و نرگس جیسے پھول موجود تھے اور جہاں بلبل نغمہ زن تھے۔ دو نے لکھا ہے کہ چار یا پنچسال کی عمر میں لیلی و مجنوں مکتب میں بھیجے گئے۔ نظامی نے لکھا ہے کہ مجنوں دس سال کی عمر میں مکتب بھیجا گیا۔ ایک نے لکھا ہے مکتب مسجد میں تھا۔ مکتب میں لیلی و مجنوں کی عشقبازی، احساسات اور تاثرات کے بارے میں جو تفصیلات لکھی ہیں وہ طفلان مکتب کے متعلق نہیں ہو سکتیں۔ تینوں مصنفوں نے اپنی خوشی سے یا ذاتی فطری رجحان سے اس داستان کو اپنی مثنویوں کا موضوع نہیں بنایا۔ کسی نے محض بادشاہ کی فرمائش پر اور کسی نے محض خمسہ کی تکمیل کی خاطر۔ تینوں نے تھوڑی مدت میں اس کو لکھ ڈالا۔

تینوں مصنف صوفی پاکباز اور دیندار بزرگ ہیں۔ اس لئے ہوس، عشقبازی اور عشقیہ واردات کے بیان میں حیا و حجاب مانع رہا ہوگا۔ ان کے ہاں ہجر و فراق کے تخیلی و تجریدی احساسات کا بیان خوب ہے۔ تینوں پند و موعظت کے بیان میں ماہر ہیں۔ اس لئے جہاں لیلی کے والدین یا مجنوں کے ماں باپ اور اقربا، اپنے بچوں کو عشق سے باز رہنے کی نصیحت کرتے ہیں وہ بیان پختہ اور دنیا دارانہ ہے۔ نظامی اور خسرو نے کم اور صرفی نے زیادہ اس داستان عشق کو جذباتی شدت سے محسوس کیا۔ دوسروں کے ہاں جذبات کی حدت و اخلاص کمتر ہے۔ خسرو کبھی زاغوں کی مجلس جماتے ہیں اور کبھی خیال لیلی سے مخاطب ہو کر مجنوں کی زبانی باتیں کرتے ہیں۔ نظامی اور خسرو کی تشابیہ میں واقعیت اور تصویریت کی بھی کمی ہے۔ ندرت ضرور ہے لیکن تاثر غیر حقیقی ہے۔ مثلاً نظامی نے لکھا ہے

زلفش چو شبی رخش چراغی　　یا مشعلۂ پرنگ زاغی

خسرو نے لیلی کی تعریف میں لکھا ہے

اندر صفت بتان شیرین　　چو زہرہ بہ ثور و مہ بہ پروین

یا

نیلوفر تو کہ تازہ روی است　　از چشمۂ خور نہ ز آب جوی است

صحراؤں میں نیلوفر کہاں اور تاری برج ثور میں زہرہ کا تصور کیسے کرے گا۔

نظامی و خسرو دونوں فن شعر میں ماہر ہیں۔ ذہین و متفکر ہیں۔ اس لئے لفظوں کے نگینے تراشنے میں مرصع ساز ہیں۔ معانی آفرینی میں بھی وہ دقیق النظر ہیں۔ مثنوی کے مستقل روایتی مضامین مثلاً مناجات، نعت، معراج، مدح شاہ، جمال محبوب، ہجر و فراق عاشقی کے بیان میں کہیں ایک بلند ہے کہیں دوسرے کا پلہ بھاری ہے۔ حبیب الرحمن شروانی نے خسرو کی مثنوی مجنوں و لیلی مرتب کرتے وقت 'دیباچے میں' دونوں مثنویوں کے متحد الموضوع اشعار کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو رکھ کر قارئین کو محاکمہ کی دعوت دی ہے۔ صرفی نہ متفکر

ہیں نہ مرصّع ساز ۔ اس لئے لفظوں کے در و بست میں ان کے ہاں صناعی یا معانی آفرینی میں وہ دقت نظر نہیں جو نظامی و خسرو میں ہے ۔

مثنوی صرفی کی خصوصیات

صرفی نے جس طرح قصے کو ترتیب دیا ہے اس میں حرکاتی عنصر کافی ہے ۔ محاکات اور ڈرامائی مواقع زیادہ آگئے ہیں ۔ اس لئے دلچسپی میں اضافہ ہوگیا ہے مجنوں لیلی سے ملنے کے لئے بیتاب ہے ۔ لیلی مجنوں کی ملاقات کے لئے آتش زیر پا ہے نوفل مجنوں کے لئے قبیلہ لیلی سے برسر پیکار ہے ۔ بیاہ کے لئے مجلسیں آراستہ ہو رہی ہیں ۔ مجنوں گداگر بن کر کوچے جانی میں جارہا ہے لیلی اپنی ہمجولیوں کے ساتھ یار کی تلاش میں جارہی ہے، لیلی مجنوں کو آشفتہ حال دیکھ کر کھڑکی سے زمین پر چھلانگ لگا دیتی ہے ۔ لیلی کی مرگ پر واویلا ہے ۔ مجنوں قبر میں چھلانگ لگا دیتا ہے ۔ صرفی نے واقعات قصہ کو زیادہ منطقی صورت میں پیش کیا ہے لیکن کہانی کے آخر میں " در بعضی از احوال مجنوں کہ معیشت او در عشقبازی چوں بود " کا عنوان رکھ کر اشعار لکھے ہیں اور کہا ہے ؎

دیوانہ چنان نبود مجنون ۔۔۔ کز جادہ شرع بودہ بیرون
ہرگز نشدہ نماز او فوت ۔۔۔ من حین بلوغہ الی الموت
در سال تمام روزہ اش بود
خالی ز وضو بہیچ جای ۔۔۔ ہرگز بزمین نساند پای
از قنطرہ مجاز صورت ۔۔۔ بکوشید بساحل حقیقت

مجنوں کے بارے میں اس قسم کے اشعار سے داستان عشق کو صدمہ پہنچا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے صرفی کے ذہن پر درویشی اور دینداری نے غلبہ پالیا ہے ورنہ اس قسم کے بیانات سراسر اصل قصہ کے منافی ہیں ۔ مجنوں جو اپنی وارفتگی اور شوریدہ سری میں پہاڑوں اور صحراؤں میں آوارہ پھرتا رہا ۔ بھلا اسے روزہ نماز کی کیا فکر رہی ہوگی ۔

وہ دیوانوں کی طرح سگ کوئے لیلی کو گلے لگائے پھرتا تھا۔ایک دفعہ اس نے اپنی ران کا گوشت کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ بھلا اس قسم کا وارفتہ مزاج شخص فرائض شرعی کی کیا پروا کرتا ہوگا۔صرفی نے خود لکھا ہے کہ لیلی و مجنوں ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے آغوش میں پڑے تھے لیکن وہ عصمت کے حدود سے متجاوز نہیں ہوئے۔ لیکن کیا ایک غیر محرم عورت کے حصول کے لئے سر بازار مجنونانہ حرکات دینداری ہے؟ صرفی نے روحانی قوتوں کے پیش نظر مجنوں کو فوق الفطرت کرامات کا اہل بھی قرار دیا ہے۔ایک مرتبہ جب مجنوں کوئے لیلی میں گیا تو رقیب نے غضب ناک ہو کر اس پر تلوار سے وار کیا لیکن کیا اُس کا ہاتھ ہوا میں ہی شل ہو گیا۔ اس قسم کے بیانات بالکل زاید ہیں اور انسانی زندگی کے عادی واقعات کو خواہ مخواہ غیر حقیقی بناتے ہیں۔

صرفی کی مثنوی کو اپنے اسلاف کی نظموں پر اس لحاظ سے امتیاز حاصل ہے کہ اس نے نفسیاتی نقطۂ نظر سے احساسات و جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ماں باپ کے تأثرات اور خاص طور پر عاشق و معشوق کے جذبات بیان کرتے وقت دِقت نظر کا ثبوت دیا ہے۔صرفی کے بیان میں وضاحت و صراحت ہے۔لفظی تکلفات بہت کم ہیں۔تعقیدات بھی نہیں۔اشعار میں روانی ہے۔اس لئے مطالب سریع الفہم ہونے کی وجہ سے جلد متأثر کرتے ہیں۔جذبات میں حدت اور اخلاص ہے۔اور یہی مثنوی کی جان ہے۔مثلاً ایک خط کی چند سطریں دیکھئے۔مجنوں لیلی کو اپنے ثبات و استقامت کا یقین دلا رہا ہے ؎

دل در بر من چو غیر یک نیست | دلدارم اگر یکست شک نیست
یکدل کہ مراست آن پر از تست | تنہا نہ دلم کہ جان پر از تست
یکدوست مراست در دل و جان | باللہ کہ دو گوہست نامسلمان
جز تو دگری مرا گر بہ بینم | یارب کہ مراد خود نہ بینم
گر غیر بود چو آب حیوان | نزدیک منست آب عمان

گر غنچہ بود بہار عالم | پیشم چو خزان محنت و غم
هستم بوفائی تو شیدائی | طعنم چه زنی به بیوفائی
نی از سر من رود هوایت | نی سر کشم از ره وفایت
در راهت اگرچه تیغ و خنجر | بر سر شدم نمی کشم سر
دور از تو من و قرار هیهات | هیهات هزار بار هیهات
سازندم اگر هزار پاره | صد پاره و هزار پاره
گوید بدو صد زبان بصد ره | هر پاره که لا اید غنچہ
در عشق تو ام چکار با غیر | شد تم کتابتی مع الخیر

عرفی کی ایک اور امتیازی خصوصیت بیان میں تسلسل و صراحت ہے۔ واقعیت اور تصویریت کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ نمونے کے لئے یہ ٹکڑا دیکھئے ؎

در راه چو قیس دیداد را | بر جانب خود کشید او را
در کلبہ اش آمد واز خود رفت | . . . .
بیخود شده قیس نیز افتاد | بر کف پای آن پری زاد
این صحبت نهان کشید پر دیر | مستسقی از آب کی شود سیر
چون والد لیلی آن بد اندیش | پر وسوسہ داشت خاطر خویش
جاسوسی را بکتب از پی | کرد ست روان بدیدن وی
در مکتبی او ندید برگشت | از کلبہ قیس نیز بگذشت
والد چو شنید از و چو مکتب | خالیست ازان بت شکر لب
خود در طلبش بهر طرف رفت | دامان صبورش از کف رفت
چو رفت بکتب ندیدش | جان از غم او بلب رسیدش
پرسید ز استاد و استاد | زین واقعہ در تعجب افتاد

برگشت درون کلبہ اش دید — چون مار بخود زخشم پیچید
زان کلبہ برون کشید او را — یک لطمہ زناں رخ نکورا
نیلوفر ازان شد از غو انش — بر لالہ بنفشہ شد عیانش
آن پنجہ کہ در رخ وی افتاد — یارب کہ ز دست وی جدا باد
بیہوش درون کلبہ مجنون — او آتش زد بران ز بیرون
گردید بران خلیل کردار — آتش ز . . عشق گلزار
آتش چو بکلبہ اش در افتاد — کو نی بردا" تسلیش داد
چون داشت طبیعت سمندر — آتش بمزاج بود درخور
لیلی چو بخانہ باپدر رفت — بستند بروره بدر رفت

مغازی النبی

نظامی کی تقلید میں صرفی کی یہ چوتھی مثنوی ہے۔ خود دیباچے میں لکھتے ہیں ؎

بدانسان کہ از پنج گنجش سہ گنج

عیاں کردہ گشتم در ناب سنج

دو گنج دگر ہم توانم نمود — گہرہای معنی توانم فزود

بظاہر یہ مثنوی سکندر نامہ کے جواب میں ہے چونکہ صرفی ایک صوفی درویش تھے اس لئے انہوں نے کسی بادشاہ کی مدح وثنا لکھنا اور اسکی فتوحات بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
یہ مثنوی ۱۰۰۰ھ میں تصنیف ہوئی۔ مصنف نے خود تاریخ لکھی ہے ؎

چو کردم طلب سال ختم الکتاب — مرا گفت پیر خسرد درجواب
طلب گر تو خواہان این مطلبی — ز حرف دوم از مغاز النبی

مثنوی کا نام تو مغازی النبی ہے جس سے جان پڑتا ہے کہ اس میں پیغمبر کے صرف ان معرکوں کا ذکر ہوگا جن میں وہ خود شریک ہوئے اور اس ضمن میں مجاہدوں کی سرفروشیاں اور غازیوں کے ولولوں کا بیان ہوگا اور شاعر کو رزمیہ لکھنے میں اپنا کمال دکھانے کے مواقع میسر ہوں گے مگر ایسا نہیں ہے۔ اس میں صرف نبی اکرمؐ کے غزووں کا بیان ہی نہیں بلکہ تمام و کمال رسولؐ خدا کی زندگی یعنی پیدائش سے لے کر وفات تک کا حال بیان ہے اس میں ان تمام لڑائیوں کا ذکر ہے جن میں خواہ پیغمبرؐ خدا شریک ہوئے یا نہیں ہوئے۔

مثنوی کے آغاز میں مناجات اور نعت کے بعد خلفائے راشدین اور ائمہ معصومین کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ عموماً اہل سنت حضرات صرف خلفاء کی ستائش کرتے ہیں اور اہل تشیع تو قطعاً ان کا نام نہیں لیتے لیکن صرفی نے قابل تقلید روش اختیار کی ہے تاکہ ان کی پاک منشی اور صوفیا کی ہمہ گیر محبت اور صلح کل کا اظہار ہو۔ اس کے بعد امیر سید علی ہمدانی مرحوم روحانی مرشد اور شیخ حسین خوارزمی اپنے زندہ مرشد کی تعریف کی ہے۔ اس تعریف و توصیف کے بعد نو دس صفحوں میں اپنی تعلیم و تربیت کا حال لکھا ہے اور اپنے استادوں اور روحانی بزرگوں کا ذکر کیا ہے اپنی طویل سیاحت کے دوران میں جن جن شہروں میں ٹھہرے اور جن جن اولیاء اللہ کی صحبتیں میسر ہوئیں۔ نام بنام ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ حصہ مصنف کے سوانح حیات معلوم کرنے کے لئے بڑا اہم ہے۔ آپ بیتی کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے۔ پھر اصل مثنوی شروع ہو جاتی ہے اور رسولؐ اکرم کی پیدائش سے مسلسل واقعات کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ جوانی اور تزوج تک چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر ہے۔ بعثت کے بعد مشہور مشہور واقعات بیان کئے ہیں لیکن ہجرت کے بعد تقریباً سال بسال کی روئداد تفصیل سے لکھی ہے۔ آخر میں وفات اور اس کے اثرات بیان کرنے کے بعد سلوک و طریقت کے مسائل کا ذکر چھیڑ دیا ہے۔ تصفیہ قلب کے ذرائع یعنی ریاضت، عزلت، کم خوابی و کم خوری، تسخیر نفس اور اطاعت مرشد کے بارے میں نصایح لکھے ہیں۔

مصنف نے رسولِ خدا کے سوانح حیات مرتب کرنے کے لئے یقیناً تاریخ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن اپنی عقیدت اور ارادت کی بنا پر روایات پر بھی بھروسہ کیا ہے کیونکہ بعض چیزیں تحقیق و تدقیق کی روشنی میں صحیح معلوم نہیں ہوتیں لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جو معجزہ و کرامات سے تعلق رکھتی ہیں اور صوفیہ کے نزدیک اکثر اعتقاد و ایمان کی چیزیں بن گئی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ اوّلِ مخلوقات نورِ محمدؐ ہے اور یہی نور حضرت آدم، نوح، ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہوتا ہوا آنحضرتؐ کے والد عبداللہؓ تک پہنچا اور پھر بطنِ مادر میں پہنچ کر محمدؐ میں نمودار ہوا۔

۲۔ روزِ پیدائش بت سرنگوں ہوئے۔

۳۔ بچپن میں جبرئیل و میکائیل آئے اور انہوں نے رسولِ اکرمؐ کا سینہ چیر کر آنتیں نکالیں برف کے پانی سے دھوئیں اور پھر پیٹ میں رکھ دیں۔

۴۔ آسمان تک جسمانی معراج کا بیان۔

۵۔ خسرو پرویز نے حضور کا تبلیغی خط پھاڑ ڈالا اور حضورؐ کی بد دعا سے اس کے بیٹے نے اپنے باپ کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔

یہ مثنوی زیادہ طویل نہیں۔ تمام حالات مختصراً بیان کئے گئے ہیں ساری مثنوی تیئیس سطری چہار ستونی تقطیع میں ۱۵۷ صفحات میں آگئی ہے۔ بیچ بیچ میں عنوانات کے لئے بھی جگہ مخصوص ہے۔ کل اشعار کی تعداد ۳۳۸۰ ہے۔

یہ مثنوی شعری اعتبار سے کوئی اہم مقام نہیں رکھتی۔ اکثر مقامات پر مصنف نے واقعات صرف نظم کرنے کا اہتمام کیا ہے اور شعری محاسن کی طرف کم توجہ دی ہے۔ صنایع بدایع کا بھی بہت کم استعمال مدِّ نظر رہا ہے۔ بعض اشعار کے دروبست میں بھی سقم نظر آتے ہیں بعض الفاظ کے استعمال سے معانی میں تعقید بھی نظر آتی ہے اور عربی کے غریب اور نامانوس الفاظ تو اکثر نمایاں نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان خامیوں کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے۔ –

ثنای خداوند ارض و سما — چہ امکان کہ آید زما فیہما
خدای کہ در دیدہ مرہم نہاد — خدا شبکہ با مردم آن دیدہ داد
زتلوین عالم بجری فنگن — کہ برمن بود دمبدم موج زن
نزولِ مسیح و ظہور امام — تمنای صرفی کن و والسلاً
چو صرف عنانِ من و ذی دل — ہمو کمرد از شہوتِ آب و گل
مرا در سمرقند باحق حضور — دل از احمد جندیم پرنور
زحد خرد عد آلاے تو — نہ در دستش احصائے نعمائے تو
اگر نفخی او عطسہ بر زند — ہزاران چو عیسی ازان سرزند
ز فتلای کفار بد روزگار — صنادید شان بیست بودند چار

ان فروگذاشتوں کے باوجود اکثر ضمنی علمی اشارات سے مصنف کی فضیلت ظاہر ہے۔ نظم میں ان کا جوش و اخلاص واضح ہے...... وہ ہر بات کو ذہنی خلوص کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہیں کہیں اچھی سی تشبیہ اور استعارے کی بھی جھلک ملتی ہے اور تجنیس و ایہام سے بھی بات کو خوب سنوارا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے ؎

ہمہ سنگ بر مصطفیٰ میزدند
گہ از پیش گہ از قفا میزدند
جبین و رخ او پر خون از آن
مہ و مہر انور شفق گون ازان
دو دندانِ او ہر یکی گوہری
شکستست از سنگ بد گوہری

مقاماتِ مرشد

صرفی کی یہ پانچویں مثنوی ہے جو انہوں نے نظامی کی ہفت پیکر کے جواب میں لکھی ہے۔ وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

چہ نظامی چہ خسرو از بہرام　　قصہ کردند ادا بحسن کلام
مدح بہرام گور من نکنم　　...... مثال او سخن نکنم

دل سے مشورہ کیا تو جواب ملا۔

کہ چو گفتی سخن ز پیغمبر　　در جواب حدیث اسکندر
ران در احوال پیر خویش کلام　　در جواب حکایت بہرام

یہ مثنوی ایک ہزار ہجری میں مکمل ہوئی۔ مصنف نے خود تاریخ کہی ہے ؎

سال تاریخ ختم این نامہ　　خواستم تا نویسدش خامہ
گفت تابندہ طبع نادر گو　　از مقامات پیر راہ بجو

۱۰۰۰ھ

شروع میں مروجہ دستور کے مطابق مصنف نے مناجات، نعت، ذکر معراج لکھ کر امیر کبیر سید علی ہمدانی کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ اس کے بعد سبب تالیف کتاب بیان کر کے اپنے مرشد شیخ حسین خوارزمی کے حالات لکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ سوانحی تفاصیل کا بہت کم ذکر ہے۔ مصنف نے بعض اطلاعات خود جمع کی ہیں اور خود ہی بیان کی ہیں لیکن اکثر واقعات ...... اپنے مرشد کی زبانی بیان کئے ہیں۔ اکثر مرشد کی ریاضات، عبادات، اشعار اور خوارق کا ذکر ہے۔

آخر میں بعض مسائل تصوف پر مرشد کے اقوال و فرمودات نظم کئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔ I.A.L.I.C. Calcutta.

نے ڈیڑھ سال کے بعد اس کی مائیکرو فلم بنا کر بھیجی۔ دو مرتبہ بالکل ناقص اور خراب تھی یعنی نہ فیلم پروجیکٹر کے ذریعے پڑھی جا سکے اور نہ کاغذ پر چھاپی جا سکے۔ اس ادارے نے دو مرتبہ قیمت وصول کی۔ . . . . ۔ تیسری مرتبہ کچھ ٹھیک فلم بنا کر بھیجی۔ میں نے ان کے فوٹو گرافر کی نااہلیت پر ایک جملہ لکھا تو آتش زیر پا ہوئے اور لکھا کہ وہ آیندہ سے میرا کام نہیں کریں گے۔ اتنی ردوکد کے بعد اس کتاب کا نسخہ ہاتھ آیا اور وہ بھی ناقص۔ بہرحال بڑی مشکل سے اس کے مشمولات کی فہرست مرتب کی ہے تاکہ کتاب کے مضامین سے اطلاع حاصل ہو سکے۔

نظامی کی تقلید میں بعض عنوانات کے تحت بیان شروع کرنے سے پہلے دو تین اشعار ساقی کو مخاطب کر کے لکھے ہیں۔ ان کی شراب 'شراب عشق الٰہی' ہے جو نفس کو پلیدیوں سے پاک کرتی ہے مثلاً دو موقعوں پر اس قسم کے اشعار لکھے ہیں۔

ساقیا بادہ بدہ کہ بنور　　　نفس امارہ را کند مقہور

دارد امارہ مرا در رنج　　　تا دھد استقامتش بر رنج (؟)

برگ ۱۷ ب

ساقیا بادہ بدہ کہ برد　　　رخت ما را برون زکوی خرد

بلکہ جامی بدہ کہ بلبل جان　　　برھد از قفس آتشی آن

برگ ۲۵ ا

فہرست مطالب، مقامات مرشد از یعقوب صرفی

مناجات

حکایت بر سبیل تمثیل در آن امیر ہندوستان بہ مجرد شنیدن نام جانان روان جان داد

گفتار در نعت سید ابرار

کلام در انتظام معراج نبی علیه الصلوٰة

در التماس ادوار فیض سید دو عالم

گفتار در مدح ..... علی ثانی امیر کبیر.

افتتاح سبب کتاب که مقصود ازان تبیین احوال آن عالیجناب قطب الاقطاب.

کلام در ارتقام تمهید این که تنفیذ آن بغیر توحید نیست و آنچه بدان مناسبت دارد

آغاز کتاب و بیان احوال آن خلاصة الاولیاء.

در بیان رسیدن آن سلطان پیش جاهل از بخارا (؟)

گفتار در آنچه بآن سلطان عالمیان قدس سره در اوان طفولیت بدرویش خرقه پوش گذشته بود.

گفتار در آنچه آنحضرت قدس سره در جماعت رجال الغیب افتادن.

گفتار در صحبت .... بار دیگر بجمع مجانین.

رجوع آنحضرت، پیش دانشمندی برای طلب علم و آخر ازان مراجعت نمودن.

در بیان ریاضت آنحضرت که هر نمازی را غسل در میان میکردند.

کردن آنحضرت استخاره و اشاره یافتن بر قد حکیم و اربعین نشستن و رفتن آنحضرت ازانجا (؟)

در جدا شدن آنحضرت شیخ و رفتن در بخارا بخدمت شیخ جمال الدین .....

در انتباه دادن بحضرت و ارشاد بآنکه می باید که مرید حتی الامکان از صدق نیت کوشش کند.

در افتادن صحبت آنحضرت جماعتی که از زاهدان زمان غافلان راه عرفان بودند

گفتار در خلاص یافتن کشتی از موج بدعای آنحضرت.

گفتار در بیان آنکه آنحضرت گرفتار شدن بعشق مجازی جوانی را در مشهد و آخر بر آمدن ازان. رفتن آنحضرت از خوارزم بجانب ابیورد از جهت شنیدن خبر حضرت عماد الدین فضل الله.

گفتار در استغسار کردن احوال حضرت قدس سرهٗ پیش مرشد.

در آنچه درویش را باید همگی خود را بهمت بلند منعقد سازد

گفتار در اشتغال نمودن آنحضرت قدس سرهٗ بعمارت خانه برای حضرت پیر بامر حضرت پیر با تمام رسانیدن عمارت آنحضرت قدس سرهٗ.

گفتار در اربعین نشستن آنحضرت بامر مرشد.

گفتار در مجلس داشتن آنحضرت قدس سره با پیر

گفتار در سفر کردن برخصت مرشد بجانب مرد.

در بیان اشعار آنحضرت قدس سره که از خانقاه گاه گاه برخصت حضرت پیر می فرمودند.

در بیان عالم غیب آنحضرت قدس سرهٗ

گفتار در آنچه آنحضرت را واقعات بیان کردن احوال آن درویش . . . . . غریبه در هرات رو نمود

فیض یافتن جوانی از آنحضرت و مجذوب شدن.

در بیان اختیار مسافرت در موسم زمستان و مشقت و شدت.

در بیان افتادن میان قلندران.

در بیان خوارق عادات که بر اهل عالم بیش و کم عیان شد.

در بیان زنده شدن درویشی از دعای آنحضرت قدس سره.

در بیان مشاهده نمودن درویش صافی از آنحضرت قدس سره تصرف باطنی را

دربیان خارق آنحضرت از پسر حاکم خبوق

دربیان خارق آنحضرت در جوار روغن گر

حضرت ایشان ـ پیرزالی را نرم ساختن

دربیان آنکه چند مجنون صاحب حال ـ آنحضرت ابیرم کشی کردند

دربیان آنکه سگ در سفر منقشلاق چگونه خدمت کرده.

دربیان مردن سگ تولد و آفت رسیدن و تعریف افیونی.

دربیان آنکه درویشی یحیی که نام دیپدر؟ بود از برکت پاس آنحضرت قدس سره چگونه از مرض سخت خلاص شد

دربیان آنکه درویش آن محمد نام که ناگهان نابینا شده بود چگونه بینا شد.

رهانیدن کشتی را از طوفان دریا آنحضرت در عالم غیب

رهانیدن آنحضرت درویش را از بلای . . . در عالم غیب

گریختن شاهباز و مدد کردن آنحضرت از راه باطن و یافتن شاهباز

مدد کردن آنحضرت بپادشاه در لشکر هندوستان

مدد نمودن آنحضرت از راه باطن بملا محمد رومی

دربرطرف کردن آنحضرت مرض جوع

شفا دادن آنحضرت یک گنگ را و یک شل را

بدعای آنحضرت باران باریدن

دربیان مدد آنحضرت بمرید خود جنید نام را

دربیان آنکه اهل سمرقند با آنحضرت حسود شدند در واقعه دیدن آنحضرت امیرالمومنین شاه اولیاء

مسألت نمودن دانشمندان از آنحضرت که نبوت فضل است یا ولایت

دراعتراض کردن ملا احمد جندی

درجواب آنحضرت که اوّل عزلت است بعد ازان صحبت

فرمودن معنی جهاد

جواب آنحضرت بآن عزیز درباب وجد

درجواب آنحضرت آنچه عبداللہ خان درباب لباس کعبه گفت

.... فضیلت اولیاء در فضیلت کعبه

جواب درباب اہل قال واہل حال

در تعبیر خواب مرد شیعه

در حل مشکل آن جماعت که در خانقاه بود

نکته فرمودن درباب تجلیِ ذات و تجلیِ صفات

در اختتام مقامات و اتمام این کلام

پہلی مثنویوں کے مقابل میں اس مثنوی کے اشعار بہت پختہ ہیں۔ الفاظ کا دروبست ڈھیلا نہیں۔ بیان میں تسلسل ہے۔ مقامات مرشد بیان کرنے کی وجہ سے اس میں دلگرمی اور اخلاص موجود ہے۔ بعض اشعار میں ہمت بلند اور استقامت حق کے سبق دیتے ہیں مثلاً یہ اشعار دیکھیے۔

صرفیا قدر تو بہمت تست — در خور ہمت تو قیمت تست
اگر افتاد ہمت تو بلند — کنگر عرش افتدت بکمند
مثلی است در جہان مشہور — که درین صحیفه بیادمش مذکور
گر کسی را گلیم بخت سیاه — بافت نساج صنعت او را
دارم از ہمت بلند امید — که شود روزی آن سیاه سفید برگ ۱۶ ب

من که بر قول حق بنا بنہم — جان دہم لیک ترک حق ندہم برگ ۲۳ ا

رسالہ در تصوّف

صرفی کی ایک تصنیف "رسالہ در تصوّف" کے نام سے معروف ہے مگر اسے تصوّف کا رسالہ نہیں کہنا چاہیئے۔ مصنّف نے اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ اس میں چند اوراد و مراقبات ہیں جو انہوں نے صاحبدل بزرگوں سے سنے، سیکھے اور ان پر عمل کر کے بھی آزمایا پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس رسالے کا جو نسخہ موجود ہے وہ ایک کتابچے کی صورت میں ہے۔ اس کے ۶۹ اوراق ہیں۔ ہر صفحے میں گیارہ سطریں ہیں۔ ہر سطر میں نو دس لفظ ہیں۔ جیبی سائز ہے۔ اس کتاب میں نثر بھی ہے اور نظم بھی۔ جا بجا مصنّف کی اپنی رباعیات ہیں۔ کہیں کہیں غزلیں بھی ہیں۔ بعض مقام پر فارسی نثر کے بجائے عربی نثر خود بھی لکھی ہے اور دوسروں سے بھی نقل کی ہے۔

کتاب کا موضوع جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ اوراد و مراقبات ہیں یعنی مصنّف کی نظر میں معرفت حق کے دو طریق ہیں۔ ایک طریق ذکر اور دوسرا طریق توجہ و مراقبہ۔

طریق ذکر جلی بھی ہے اور خفی بھی۔ اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کا ذکر جہری بھی ہے اور سرّی بھی۔ توجہ اور مراقبے میں صرف الفاظ کا اعادہ نہیں بلکہ شیخ یا مرشد کا تصوّر یا اللہ اور کلمہ طیبہ کے نقوش قوتِ خیال سے دل پر مرتسم کئے جاتے ہیں۔ مصنّف نے ایک جگہ ذکر بالجہر کے حق میں دوسروں کے دلائل نقل کر کے ذکر بالخفی کے بارے میں بھی اپنے دلایل پیش کئے ہیں اور ذکر بالخفی کو ہی ترجیح دی ہے۔

مصنّف نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

نوادر الفتاوی ص ۶۰، تیسیر الاحکام ص ۴۱، تکملہ نفحات الانس از مولانا عبدالغفور لاری، ص ۵۳، ص ۶۱، لطایف قشیری ص ۵۴، ص ۶۷ ب۔ ص ۶۸، املاء التفسیر ص ۵۴، رسالۃ الاوراد یۃ العربیہ از سید علی ہمدانی ص ۵۴ ب، رسالہ

ذکریہ فارسیہ از سید علی ہمدانی ص ۵۷ ب، ص ۶۰ ؛ رسالہ اجرا لوحی فی ذکر الخفیہ از علاء الدولہ سمنانی ص ۶۰ ب، تفسیر زاہدی، فصوص الحکم۔ تصانیف علاء الدولہ سمنانی

مصنف نے جن اوراد اور مراقبات کا ذکر کیا ہے اور ان کی مشق کے جو مختلف طریق بتائے ہیں ان کے بارے میں صوفیا اور سالکان طریقت کا تو یہی خیال ہے کہ یہ اسرار ہیں اور ان کو درویشوں کے حلقے تک ہی محدود رہنا چاہیئے۔ اور جب تک مرشد کی اجازت نہ ہو ان پر عمل کرنا بھی مفید نہیں اور خطرات سے بھی خالی نہیں۔ کیونکہ طریق تصوف میں شیخ کا تصور بہت اہم ہے۔ ذکر جلی میں تو شیخ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اپنے کام کا گواہ رکھا جاتا ہے اور توجہ و مراقبہ میں تو شیخ کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ مصنف نے دینی نقطہ نظر سے اس طریق معرفت کے لئے قرآن کی ان آیات سے استدلال کیا ہے :۔

۱۔ افضل الذکر لاالٰہ الا اللہ ذکر سے مراد اللہ یا کلمہ طیبہ کا اعادہ اور دل میں اس کا رچاؤ ہے۔

۲۔ فاذکرونی اذکرکم۔ خدا کہتا ہے تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرتا ہوں ۔ تیسری آیت یہ پیش کی ہے کہ انی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان میں قریب ہوں جب کوئی پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں۔ صوفیا کہتے ہیں کہ انسان کا منتہائے زندگی یہ ہے کہ وہ خدا کے قریب ہو جائے۔ ایک لمحہ اس سے غافل نہ رہے۔ ہمہ تن اس کی یاد میں مصروف رہے اور عشق و ریاضت کے جو طریق انہوں نے بتائے ہیں ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایک شخص ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر کے صرف اللہ کا ہو جائے۔

جب ایک غیر صوفی ان ریاضتوں اور چلہ کشیوں پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل جوگ اور موجودہ ہپنوٹزم کی مشقوں میں موجود ہے مثلاً یہ کہ مربع بیٹھنا۔ گھٹنوں پہ سر رکھنا۔ زانو کے بل بیٹھنا۔ کھڑے ہونا۔ کبھی سامنے منہ کرنا کبھی آسمان کی طرف اور کبھی زمین کی طرف۔ ناف کو اندر کھینچکر ناک کے راستے سانس لینا اور زبان کو حلق کے ساتھ

چپکانا۔ سر بائیں سے دائیں لے جا کر پھر دائیں طرف لوٹا کر دل کے قریب زور سے مارنا ان کے علاوہ سانس روک کر کلمہ طیبہ کو اکیس بار دوہرانا۔ کلمہ اللہ کو ایک سانس میں ڈھائی سو مرتبہ کہنا اور ھو ھو کو ایک سانس میں تین ہزار بار کہنا۔ ایسی مشقیں ہیں جو طریق یوگ سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ جو سننے میں آیا ہے کہ وظیفہ الٹ گیا اور وہ دیوانہ ہو گیا یعنی اس کا دماغ چل گیا تو بعض حالات میں انہی ریاضتوں کا ردعمل سمجھنا چاہیئے۔ جب ایک شخص تاریکی میں اپنے اعضاء کا ایسا شکنجہ کش استعمال کرے گا تو دل و دماغ کا متاثر ہونا کوئی بعید نہیں۔ طریق توجہ و مراقبہ میں تو یقیناً ہپنوٹزم کی وہی مشقیں ہیں جو تمرکز نظر اور تمرکز توجہ کے لئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ وہاں دوسرے الفاظ کاغذ پر لکھ کر نظر جمانے کی مشق کرتے ہیں۔ یہاں اللہ یا کلمہ طیبہ لکھ کر نقوش مرتسم کرائے جاتے ہیں۔

اگر اللہ کا تصور اور اس کی یاد مقصود بالذات ہو تو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی محنت و مشقت کا جواز بھی نکلتا ہے لیکن بعض ایسے بھی اوراد رائج ہو گئے ہیں جن میں خدا کے سوا دوسروں کو بھی پکارا جاتا ہے۔ مثلاً صفحہ ۸۴ حاشیہ پر پنجتن کا ذکر ہے بتایا ہے کہ یا حسنؓ دو زانوؤں کے درمیان، یا حسینؓ ناف پر۔ یا فاطمہؓ دائیں کندھے پر، یا علیؓ بائیں کندھے پر اور آخر میں یا محمدؐ کہہ کر اپنے اوپر ضرب کرے تو ان کی ارواحِ مقدسہ حاضر ہو کر امداد کرتی ہیں اور طالب کو مطلوب تک پہنچاتی ہیں۔ ایک اور وظیفہ بھی لکھا ہے جو یا روح اللہ۔ یا روح القدس سے شروع ہوتا ہے اگر کسی قبر کے نزدیک بیٹھ کر پڑھا جائے تو کشف القبور اور کشف الارواح جیسے تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ جو آجکل تھیوسفیکل سوسائٹی کا عام مشغلہ بن چکے ہیں وہ بھی ارواح کو بلا کر ان سے ہم کلام ہونے کے تجربے کر چکے ہیں۔

مصنف نے ذکر خفی کے مراتب اور ارتقاء کے متعلق ایک خاص چیز بتائی ہے جو سننے کے لائق ہے۔ ایک شخص جب ذکر کے مراحل طے کرتا ہے تو وہ مختلف رنگین نوروں اور

لذت بھری صداؤں سے آشنا ہوتا ہے۔ جب وہ ذکر زبانی کی تکمیل میں ہوتا ہے تو سبز رنگ کا نور دیکھتا ہے جب ذکر قلبی میں جاتا ہے تو نور کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور آواز قمری کی سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح ذکر روحی میں نور کا رنگ زرد اور آواز خالی برتن میں دودھ دوہنے سے مشابہ ہوتی ہے۔ ذکر خفی عالم جبروت میں نور سیاہ اور آواز مکھی کی بھنبھناہٹ کی سی معلوم ہوتی ہے۔ آخری مرتبہ ذکر غیب الغیوب کا ہے جو عالم بے رنگی ہے۔ یہ تجربے کی چیز ہے اور ایک عامی کی عقل سے بالا۔

مصنف نے مندرجہ ذیل ایسی احادیث نقل کی ہیں جو محل نظر ہیں۔

۱۔ ستفرق امتی من بعدی علی ثلث و سبعین فرقۃ، اثنی وسبعین منھم اھل بدع والضلال ومصیرھم الی النار و فرقۃ واحدۃ من اھل السنۃ والجماعۃ ص ۲۰۔ پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ تہتر کی گنتی کوئی یقینی پیش گوئی نہیں۔ اگر فرقے گننے پر آؤ تو ہو سکتا ہے کہ چھوٹے بڑے ملا کر تہتر سے بھی بڑھ جائیں اور خواہ مخواہ اس پیش گوئی کے غلط ہونے میں اغیار کے دل میں شبہ پیدا ہو۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ خدا نے جب کوئی تعیین نہیں کی تو اس کے نبی تعداد بتا کر کوئی خاص حکم کی اشاعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول کریم کے زمانے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے کوئی فرقہ موجود نہیں تھا جس کی صداقت کو آنحضرت تصدیق کرتے۔ چوتھا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اسلام تو فرقوں کو مٹانے آیا تھا اور ایک امت واحدہ تشکیل کرنے آیا تھا۔ فرقے پیدا کرنا سراسر احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہے اور اس کا نتیجہ عذاب عظیم ہے (۳/۱۰۴)

فرقہ بندی شرک ہے اور پھر خدا نے رسول خدا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیئ (۶/۱۶۰) جو لوگ اپنے دین میں فرقے پیدا کریں اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں، اے رسولؐ! تجھے ان سے کوئی تعلق

نہیں۔ اس آیت کی رو سے فرقہ بند لوگوں کو امت رسولؐ میں کہنا ہی ناجائز ہے۔ پانچواں اعتراض یہ ہے کہ خدا نے کہا ہے۔ کل حزب بما لدیہم فرحون (۳۰۔۳۱۔۳۲) ہر فرقہ اس بات پر خوش ہے کہ وہی حق پر ہے، اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ کسی الگ جماعت کا اپنے آپ کو فرقہ قرار دینا اور اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں سچا کہنا بھی درست نہیں۔

۲۔ اللّٰہم اجعلنی من امۃ محمد (ص ۲۱ ب)

اے اللہ مجھے محمدؐ کی امت میں سے بنا دیجیے۔ لکھا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک پیغمبر خدا کا پیغام اپنے بندوں تک پہنچا کر اس دنیا سے رحلت کر جائے اور پھر وہ آرزو کرے کہ وہ کسی آنے والے پیغمبر کی امت بن جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں زندہ ہو کر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت بننا چاہتا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دنیا میں دو دفعہ آئے، خدا نے کہیں اس امر کی توضیح نہیں کی، یہ حدیث وضعی ہے اور کسی متعصب مسلمان نے حضرت موسیٰ کا مرتبہ گھٹانے اور حضرت محمدؐ کا رتبہ بڑھا ہوا ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کی زبان سے ایسے کلمات کہلوائے ہیں۔

اس کتاب کا اسلوب نگارش سادہ پختہ رواں اور واضح ہے لیکن کہیں کہیں عبارت آرائی سے بھی کام لیا ہے، مثلاً سادہ اسلوب کی مثال دیکھیے:۔ یک لحہ از مقصود اصلی غافل نباشی، یکساعت بما سوای او مایل نشوی و یک نفس از ذکر او باز نمانی و شرف مجالست اصحاب ذکر از دست نگذاری و صحبت ارباب جمعیت غنیمت شماری۔

دوسرا نمونہ دیکھیے:۔ کلمہ طیبہ سکنجبینی است مرکب از سرکہ نفی و شکر اثبات تا مادہ صفرای نسیان ما کہ بیماری فی قلوبہم مرض، از انست، قلع کند (ص ۲۵ ب)

روائح

تصوف و عرفان کے مسائل پر صرفی کی تالیف ہے انہوں نے جامی کی لوایح کو پیشِ نظر رکھا ہے ۔ خاکہ اسی کا ہے لیکن مضامین میں ان کی خاص تقلید نہیں کی ۔ دونوں کا موضوع تصوف ہے ۔ جامی نے پہلے تو چند سطروں میں اصل مضمون کو بیان کیا ہے پھر تین تین چار چار رباعیاں لکھی ہیں ، ہر حصے کو لائحہ کہا ہے اور اس طرح کل ۳۴ لائحے ترتیب دیئے ہیں ، ان میں سے بعض مختصر ہیں اور بعض قدرے طویل ۔ عموماً انداز واعظانہ ہے ۔ مطالب میں کسی خاص ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جس سے درجہ بدرجہ مضمون کے سمجھنے میں مدد ملتی ۔ شروع میں ہی مصطلحات تصوف کو استعمال کیا ہے اگر کوئی شخص ان کے مفہوم سے آشنا نہیں تو اس کو مطالب کے سمجھنے میں دقت ہوگی ۔ بعض لائحوں میں مصطلحات تصوف کی تعریفیں بھی کی ہیں ۔

صرفی نے لائحہ کے بجائے رائحہ کا عنوان تجویز کیا ہے اور کل ۱۴ رائحہ لکھے ہیں ۔ خاکہ وہی ہے ۔ پہلے موضوع کے بارے میں نثر لکھی ہے ، پھر اسی مضمون کو رباعیات میں بیان کیا ہے ۔ روایح میں مضامین کی ترتیب بھی ملحوظ رکھی ہے اور سبقاً سبقاً اسرار و رموز تصوف کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اس لئے یہ ایک علمی رسالہ بن گیا ہے ۔ عالم اجسام ۔ عالم مثال ، عالم ارواح ۔ نفسیات ۔ ایمان ۔ تجلیات آثاری ۔ فعلی ۔ صفاتی ۔ ذاتی ۔ فنا ۔ فنائی اللہ ۔ فنائے فنا ، بقا ، نیابت خداوندی ۔ قوت نبوت روحانی ارتقائے رسول وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق وضاحت سے گفتگو کی ہے اور بہت سے نامعلوم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے ، لوایح جامی کے علاوہ فتوحات مکیہ ، رسالہ قدسیہ کے بھی حوالے ملتے ہیں اور بعض مباحث میں ان سے اختلاف کر کے اپنے موقف پر دلائل دیئے ہیں ، معانی کے اعتبار سے روایح کا درجہ

لوایح سے یقیناً بلند ہے اور صحیح معنوں میں یہ اس کا بہتر جواب ہے۔ صرفی کو اس کا خود بھی احساس ہے انہوں نے رسالے کے اختتام پر اس بات کا اظہار بھی کیا ہے ؎

روایح از لوایح کم بمعنی نیامد بلکہ بیش آمد روایح

اور پھر تاریخ بھی ہے

چو جستم سال تاریخش خرد گفت روایح شد لبی پیش از لوایح

۹۷۶ھ

صرفی نے احادیث کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور امام ابن حجر مکی جیسے دقیقہ رس استاد سے علم حدیث حاصل کیا ہے اس کے باوجود احادیث کو روایت و درایت کے اصولوں کو مدنظر نہیں رکھا اور بعض ایسی احادیث نقل کی ہیں جو صوفیاء کے ساتھ خاص منسوب ہیں اور انہیں کے نقطہ نظر کو پیش کرتی ہیں۔ بعض روایات رسول خدا سے بے پناہ عقیدت اور احترام کی وجہ سے وضع کرلی گئی ہیں۔ اور قرآنی احکام کے متخالف و متضاد ہیں۔ مثلاً

ص ۲۳- ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ ظاہری معنوں میں تو یہ روایت غلط ہے۔ اللہ کی تو کوئی صورت نہیں جس کے نمونے پر اس نے آدم کو خلق کیا ہے۔ تاویل سے معنوں کی معقول صورت نکل آئے تو بعید نہیں۔

ص ۲۴-۲۵ - کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین نبی اکرمؐ کی زبانی بیان ہوا ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے اندر تھا- یہ حدیث بیان کرکے پھر تفصیل لکھی ہے کہ رسول خدا کی روح مطہر عالم غیب میں تخت الٰہی پر بیٹھی اور ہر عہد میں کسی نہ کسی نبی کو اپنا جانشین بنا کر بھیجا۔ جب خود وجود میں آئے تو تمام نیابتیں منقطع ہوگئیں اور جب غالب ہوئے تو اپنے بجائے "کمل اولیاء" کو نائب بنایا- اور گویا

هوالاوّل والآخر والظاهر والباطن ان پر صادق آیا۔ پس تمام بیان پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ خدا نے اس امر کے متعلق قرآن مجید میں کہیں کوئی اشارہ نہیں کیا۔ خدا نے یہی کہا ہے کہ پہلے آدم کو پیدا کیا ہے پھر اس کی اولاد سے نسل میں اضافہ کیا ہے اور محمدؐ بھی بشر ہیں اور ابن آدم ہیں۔ وہ رسول بھی ہیں اور نبی بھی۔ متمم دین اور خاتم النبیین ضرور ہیں لیکن یہ کہ وہ آدم سے پہلے بھی نبی تھے یہ محض تصوّر خیال کی باتیں ہیں اور غلو احترام نے خواہ مخواہ یہ عقیدہ وضع کیا ہے تاکہ کل انبیاء پر ان کی فضیلت ثابت ہو سکے۔

ص ۲۷ - لکھا ہے کہ "سید کائنات رسول اکرمؐ نے بعض اسرار و رموز مصلحت کی بنا پر صرف خواص کو ہی بتائے تھے۔ اور بعد میں ان اعزا نے ان کے اخفا میں کوشش کی ہے وجہ یہ بتائی ہے کہ تصفیہ روح کے بغیر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آسکتیں اور لوگ اپنی کوتاہی فکر کی وجہ سے اہل اللہ سے عناد رکھیں گے۔ اس بیان کا آخری حصہ تو شاید درست ہو لیکن پہلا حصہ یقیناً غلط ہے۔ پیغمبر خدا کو وحی کے ذریعے دین و حکمت کی باتیں بتائی جاتی تھیں اور ان پر فرض تھا کہ وہ دوسروں کو بتائیں، پڑھائیں اور سکھائیں یہ شان رسالت کے منافی تھا کہ وہ علم و حکمت کو اعلانیہ بیان نہ فرماتے۔ انسانی ہدایت کے لئے جو کامل دین ہو سکتا تھا اس کی تفصیل، اس کی حکمت خود خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعے قرآن میں محفوظ کرا دیں۔ باقی کونسے اسرار رہ گئے جو خدا کے اشارے سے اس کے نبی نے صرف خواص کو ہی بتلانے مناسب سمجھے۔ یہ محض بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنی ہمت بڑھانے کے لئے یہ بات بتائی ہے کہ وہ نبی کے وارث ہیں اس لئے سینہ بسینہ مخفی باتوں کا انہی کو علم ہے۔

ص ۲۷ - ایک عقیدہ بیان کیا ہے کہ حقیقت محمدی بعض اولیاء کی ذات سے ظاہر ہوتی ہے شاید ایک مرید نے شبلی کو اسی حال میں دیکھ کر کہا تھا۔ اشہد انک رسول اللہ آدمی اندھی ارادت میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے کہ اپنے بزرگوں کو رسول کے درجے تک پہنچانا تو الگ رہا ہے خود ان کو رسول سمجھتا ہے۔ یہ تو گویا حلولیت ہو گئی کہ پیغمبر کی روح کسی

اور ایک جسم میں حلول کر گئی اور دوسرے کو اصلی شخصیت کی بجائے تصوراتی شخصیت ہو بہو نظر آنے لگی۔ کہنے والا ڈرتا تھا کہ اگر میں نے یہ کہا کہ شبلی نئے رسول آئے ہیں تو شاید فتوے کی زد میں آکر سزا کا مستوجب ہوتا ۔ اس لئے اس نے دوسرے لفظوں کی آڑ لی کہ وہ حضرت محمدؐ کی مانند دکھائی دیتے ہیں، اگر ایسا کہا جائے کہ میرے مرشد نے اپنے اندر پیغمبرانہ اخلاق و اوصاف پیدا کر لئے ہیں اور ان کی زندگی نبی کی پیروی کا بہترین نمونہ ہے تو یہ بات معقول ہو سکتی ہے لیکن کسی شخص کو ہو بہو رسولؐ اللہ قرار دینا خطرے سے خالی نہیں۔

ص ۲۸ - علمائے امتی کا بنیاءِ بن اسرائیل۔ یہ حدیث بھی وضعی معلوم ہوتی ہے نبی آخر نبی ہے وہ خدا کی طرف سے منتخب و مبعوث ہوتا ہے، خدا اسے اپنی وحی سے سرفراز فرماتا ہے اور اپنے پیغام کی تبلیغ کے لئے اس کو متعین کرتا ہے۔ عالم کو وحی نہیں آتی۔ اس لئے وہبی علم اور اکتسابی علم کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ رسول خدا کے دنیوی علم اور لدنی علم میں کتنا فرق تھا۔ اوّل الذکر میں غلطی اور لغزش کا امکان ہے اور مؤخر الذکر میں نہیں مسلمان علماء نے اپنا مرتبہ بڑھانے کیلئے اپنے آپ کو نبی اسرائیل انبیاء کے مقابل ٹھہرا دیا۔ کیا حضرت یوسف کسی مسلمان عالم کے مثیل ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

ص ۲۸ - فرمایا ہے کہ انبیاء کو وحی جلی ہوتی ہے اور اولیاء کو وحی خفی۔ یہ جلی خفی کی تقسیم غیر قرآنی ہے۔ اصل وحی وہی ہے جو اللہ کی حفاظت میں الفاظ کا جامہ لئے ہوئے نبی کو بے واسطہ یا باواسطہ پہنچائی جاتی ہے۔ اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے باقی کسی قسم کی وحی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شیطانی وساوس کا دخیل ہو جانا ممکن ہے اس لئے کوئی ولی حتمی طور پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور حق پر ہونے پر بھی اصرار نہیں کر سکتا کیونکہ خدا کی طرف سے اس کی تصدیق کے لئے اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے ولی کی وحی خفی ہمارے ایقان و ایمان کے لئے

ضروری نہیں۔

ص ۳۷، ۳۸ ۔ پرصرفی نے متصوفانہ رنگ میں بعض آیات قرآنی کی تفسیر کی ہے دو تین مثالیں سن لیجئے۔ الم نجعل الارض مهاداً و الجبال اوتاداً لکھا ہے کہ پہاڑوں سے مراد وہ گروہ ہے جس کا ہر ایک شخص کو علم و معرفت ہے اور دنیا میں چار شخص اوتاد ہیں کہ جن کے وجود سے استقرار عالم ہے۔ یہ محض تاویلیں اور خواہ مخواہ کی تعبیریں ہیں۔ ان آیات میں کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ صاف بیان ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح زمین میں گاڑ دیا ہے تاکہ استحکام رہے اور زمین ڈانواڈول نہ رہے۔

ایک اور آیت ہے۔ فلا اقسم بمواقع النجوم۔ نجوم سے مراد سالکان ذوق و عرفان اور سایران منازل کشف و عرفان ہے۔ اور نجوم کی اس تعبیر پر تصدیق ثبت کرنے کے لئے رسولؐ خدا کی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم اور پھر قرآن مجید سے نجوم کے بارے میں یہ آیت بھی پیش کی ہے جعل لکم النجوم لتھتدوا فی ظلمات البر والبحر پہلی آیت میں بھی اور دوسری میں نجوم سے مراد آسمان کے ستارے ہیں جو واقعاً خشکی و تری میں مسافروں کی رہنمائی میں مدد دیتے ہیں۔ رسولِ خدا نے جو مثال دی ہے وہ درست ہے کہ جس طرح ستارے رہنمائی کرتے ہیں اس طرح میرے برگزیدہ صحابی تمہاری رہنمائی کر سکتے ہیں لیکن قرآنی آیات میں نجوم سے مراد اولیاء اللہ نہیں جیسا کہ صرفی صاحب نے بیان کیا ہے۔

ص ۴۶ ۔ آیت وَالنجم اذا ھویٰ کی ایک عجیب عرفانی تفسیر یہ کی ہے کہ نجم سے مراد وہی مرشد ہے جو اوصاف طبیعی سے گزر کر صفات الٰہیہ کے آسمان پر اقامت پذیر ہوا۔ یہ تفسیر بالکل غیر ضروری ہے اور قرآنی آیت کے سیاق و سباق

سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس رسالے کا اسلوب بیان عالمانہ اور ادیبانہ ہے یعنی مطالب کی تفہیم کے ساتھ ساتھ عبارت آرائی بھی موجود ہے۔ مثلاً یہ ٹکڑا دیکھئے

"اگر سالک این طریق و عطشان دین رحیق بتوفیق ربانی و تائید سبحانی بدان مقام عالی رسید و ازان میخانہ شراب ناب کشید فطوبیٰ لہٗ ثم طوبیٰ لہٗ" (ص ۷۰)

چونکہ کتاب کا موضوع عالمانہ اور فلسفیانہ ہے بعض جگہ اصطلاحات کا استعمال ناگزیر ہے اس لئے بیان میں صراحت کم ہو گئی ہے۔ مثلاً یہ عبارت دیکھئے۔

"ہر کدام ازان صور طالب استیلائے سلطنت خود و اجرائے احکام خویش آمدہ و این طلب مقتضی تنازع و تخاصم بین الاعیان الخارجیہ شدہ لاصحاب کل منہا عن الاسم الظاہر فی غیرہٖ پس حکمت متعالیہ اقتضائے مدبری کامل و حاکمے عادل کردہ بنابریں مصلحت انسان کامل را بوجود آوردہ" ص ۴۳

بعض جگہ فارسی میں لکھتے لکھتے عربی میں لکھنا شروع کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر کتابیں عربی میں پڑھی ہیں اور تشریح یا تصریح کرتے ہوئے اسی زبان میں لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ محض تکلف یا اظہار علم کے لئے لکھنا تو صرفی جیسے عالم کو زیب نہیں دیتا۔

رباعیات اگرچہ تذییل کلام کے لئے ہیں لیکن چونکہ ان کا طرز بیان سادہ اور رواضح ہے۔ اس لئے مطالب کے سمجھنے میں بھی مدد دیتی ہیں۔ اور چونکہ صرفی کے دل سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لئے خلوص کی وجہ سے مزہ بھی دے جاتی ہیں۔ ایک دو رباعیاں سنیے :-

ہر جا کہ شنیدہ ام بتی سیمبری ناز لبدنی غمزہ زنی عشوہ گری

چون کرده ام آنجا من بیدل گذری　　جز تو دگری نبوده جز تو دگری

سودای محبتتم بدل ساخته جا　　هرگز نکنم جز سخن این سودا
دعوی پیمبری ندارم اما　　گویم بخدا این سخن از وحی خدا

داؤد خاکیؒ[۱]

قبیلہ گنائی سے تعلق رکھتے تھے۔ باپ کا نام شیخ حسن تھا۔ محلہ علاء الدین پورہ میں مسکن تھا بچپن میں ہی ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ بچپن سے ہی دراک ذہن پایا تھا۔ نو سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ صرف و نحو۔ منطق۔ فقہ و تفسیر و حدیث وغیرہ علوم میں کمال حاصل کیا۔ میر سید احمد کرمانی۔ شیخ احمد مخدوم قاری اور میر سید اسماعیل شامی جیسے باکمال مشائخ کی صحبت پائی۔ موخر الذکر دو بزرگوں سے قادریہ اور سہروردیہ کی سند اور خرقہ حاصل کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں کتابت کرتے اور اپنے اخراجات پورے کرتے تھے اور ضرورت کی وجہ سے وہ بعضوں سے معاوضہ بھی قبول کر لیتے۔

حضرت شیخ حمزہ اپنے وقت کے بلند پایہ خدا رسیدہ درویش تھے۔ بابا داؤد خاکی کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مرشد کی ایسی نظر ہوئی کہ سب چھوڑ چھاڑ کر پیر کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ جب شیخ کے گھوڑے کی لگام تھامے اور توبرہ اٹھائے بازار سے گزرتے تو لوگ حیران ہو کر کہتے کہ بابا دیوانہ ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ پیر کو معلوم ہوا کہ دنیوی عزت کا خیال ان کے دل سے نہیں گیا کیونکہ شہر میں داخل ہونے سے انہیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ چمڑے کا کرتہ، ٹوپی اور جوتا پہنو۔ اس کے بعد گھوڑے کی لگام دے کر شہر کی سیر کرائی۔ لوگوں نے مذاق اڑایا۔ آوازے کسے۔ گھر پہنچے تو مرشد نے کہا۔ آج بابا داؤد کے دل سے عجب و کبر کا خیال نکل گیا ہے۔ بعد میں کہا۔ جاؤ ایک دو سال گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھرو۔ واپس آؤ تو خلوت میں عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ بعد میں اپنے مرشد کی قیادت میں وہ ریاضت و عبادت کی کہ انوار روحانی سے

---

۱ نور نامہ مصنفہ نصیب الدین کشمیری ۱۰۴۴ھ، مخطوطہ پنجاب پبلک لائبریری ورق ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰

مالامال ہوئے۔

بابا داؤد حضرت مخدوم جہانیاں کے مزار 'اوچ' میں حاضر ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ لاہور کی جانب سے آرہے تھے کہ حاجی احمد قاری سے ملاقات ہوئی جو انہیں کی درخواست پر کشمیر تشریف لائے اور شیخ حمزہ کے کہنے پر کشمیر ہی میں مقیم ہو گئے انہیں کی تعلیم سے ہزاروں مسلمانوں نے صحیح قرأت سے قرآن پڑھنا سیکھا۔

بابا داؤد بڑے کردار کے آدمی تھے۔ مجاہدانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ امر معروف اور نہی منکر کرتے رہے اور اس فرض کی انجام دہی کے لئے اکثر سفر میں رہتے تھے۔ کئی مرتبہ ملتان گئے اور پیروں اور بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ جب یعقوب شاہ چک شیعہ غالی کے ہاتھوں قاضی موسیٰ قتل ہوئے اور ان کی تذلیل اور تشہیر ہوئی تو وہ ہندوستان چلے گئے۔ چکوں کے خلاف بددعا کی اور لوگوں کو ان کے زوال کی بشارت دی۔ پھر شیخ یعقوب صرفی حیدر خاں چک۔ فتح خاں اور بہرام نیا یک امرائے شہر کے ہمراہ اکبر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو کشمیر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور اس سے عہد نامہ کیا۔

ایک مرتبہ پیروں کی زیارت کر کے ملتان سے کشمیر کی طرف آرہے تھے کہ راستے میں بیمار ہو گئے۔ اسی سال کشمیر میں وفات پائی۔

ان کی شادی سید میرک اندرابی کی بیٹی سے ہوئی تھی اور ان سے اولاد بھی تھی۔

تصانیف . ورد المریدین اور اس کی شرح دستور السالکین۔ قصیدہ مسائل ضروریہ و شرح آن مجموعۃ الفوائد۔ قصیدہ جلالیہ۔ رسالہ غسلیہ۔ قصیدہ لامیہ اور شرح قصیدہ لامیہ۔

خواجہ محمد اعظم مصنف واقعات کشمیر ص ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔ بابا داؤد کے اپنے ہاتھ کی تحریر ان کے ہاتھ لگی۔ اس کی نقل یہ ہے۔

"این ذکر یست مشتمل آنکہ در سال نہصد و نود و سوم در دور مبارک سلطنت سلطان محمد یوسف اسعدہ اللہ تعالیٰ در قریہ وارہ پورہ بلدہ کشمیر حفظہا اللہ عن الآفات والتدمیر، مومنی صالح در وقت دمیدن صبح برای استعداد

نماز بر طہارت کردن بر کنارہ جوی رفتہ بود، آنجا مردی معتبر ملبس دید کہ یک پای بر سنگ سادہ و یکپای در آب ماندہ و بعد ازاں پای را نیز بر آب ماندہ چند گام بیشتر رفت و از نظر آن ناظر غائب شد و آن ناظر خیال کرد کہ شاید این عزیز درین قریہ مہمان کسی بودہ باشد کہ بمسجد این قریہ برای نماز رفتہ باشد و من ہم بمسجد بروم تا با او بجماعت نماز ادا کنم۔ چون بمسجد رفت اورا نیافت و تنہا نماز خود ادا کرد۔ باز بہ ہمان جا کہ اورا دیدہ بود تفحص کرد و دید آن سنگ کہ قدم آن عزیز بران رسیدہ بود، معطر شدہ است و نشان قدم در سنگ پارہ فرو رفتہ است و بعد ازان ازیں واقعہ باہل آن قریہ خبر کرد۔ ہمہ کس بوی خوش آن قدمگاہ را شمیدہ اند و اثر قدم را دیدہ اند و ہنوز آن اثر نمایاں است و دو مرد صاحب واقعہ کہ صدق واقعات ایشان اکثر مجرب شدہ بود۔ استخارہ کردہ اند برای تعیین آنکہ صاحب این قدم بزرگوار کہ بودہ ہر دو بشارت یافتند کہ آن عزیز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم بود کہ بقوت اعجاز خود با روح و با بدن بایں ولایت بطریق سیر آمدہ بود موثر و معطر شدن حجر از اعجاز اوست و علما حدیث روایت یافتند کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وفات صوری ہنوز ہم با بدن و روح قوت تصرف سیر کردن ہست، ہر جا کہ میخواہد در اقطار زمین و آسمان سیر میکند واللہ اعلم۔"

داؤد خاکی شاعر بھی تھے۔ خیالات اچھی طرح نظم کر لیتے تھے۔ ان کی غزل تو کہیں نظر سے نہیں گزری۔ البتہ قطعات، قصاید، تذکروں اور تاریخوں میں موجود ہیں۔ مختلف ذرائع سے ہم نے ان کے چند اشعار اکٹھے کئے ہیں۔ جن سے ان کی استعداد

شعر گوئی کا علم ہو سکتا ہے۔

اشعار خاکی

تاریخ وفات حضرت ہروی ریشی۔

شیخ دین بود اندرین کشمیر اندر عہد خویش
بہر خوشش شیخ دین بود آمدہ تاریخ سال
اولین روزی مہ ذی قعدۂ این سال بود
ذکر گویان نیمشب رفتہ بوصل ذوالجلال
بود با ہفتاد سالش ہفت سال و چند ماہ
سالہای عمر او را گر شماری با ہلال

در مدح شیخ نورالدین ریشی، قصیدۂ لامیہ

شیخ نورالدین ریشی پیر جمع ریشان زاہد خوشش بود باحق داشت بسیار اشتغال
بود با تفرید و تجرید اہل صوم دہر نیز تارک لحم و عسل، سیر و بسل بسیار سال
صاحب کشف و کرامت بود و نطق خوب داشت
ہم اویسی بود و گفت این رادی نیکو خصال

در احوال بابا ہروی ریشی

ہر صباحی سالہا اوراد فتحیہ بخواند آن یکی بر راستی اعتقاد اوست دال
باجماعت فرضہا کردی ادا ہر پنج وقت ترک این نعمت نکردی بی ضرورت ہیچ حال
نفلہا در روز و شب کردی ادا خواندی دعا در مناجات الٰہی کردی از دل ابتہال
ذکرہا میکردی اما اکثر اندر ذکر دل پاسداری نفس ہا را نمودی اشتغال
گفتی اکثر دیدہ ام پیغمبر و یاران او نقل میکردی از ایشان پیش ما بعضی مقال
گفت دیدم مرتضےٰ پرسیدم از وی حال رفض
گفت ہست البتہ در سب مسلمان وبال

کرده مسجدها بنا و نیز مهمان خانه ها
مقبره هم او مرتب کرده بر یاد مآل

داد مصحف ها بوقف و خیر جاری دوست داشت
تا قیامت تا بود بر خیر جاری نیک دال

کردن کار زراعت بود اکثر میل او
احتیاط او بسی بوده است در اکلِ حلال

از قناعت ترک زینت در لباس قید بود
پوشش او صوف بود از بهر حق باری تعال

سوی کفش و موزه و سرموزه اش قیدی نبود
گه برفتی پا برهنه گه زکه کردی نعال

چون زبان بگشادی اندر ذکر توحید و فنا
عالمانِ ظاهری ماندندی از وی گنگ و لال

آنچه بشنیدند اسرار و حکم یارانش از و
نیست یارای که گنجد عامیان را در خیال

گاه گاهی مخلصان خویش را اخبار کرد
زانچه میشد با جماد و با نباتش قیل و قال

صاحب کشف و کرامت بوده و با حسن خلق
بود روحش ذات حق را مظهر لطف و جمال

او ز فضل حق بکشف خود قلبی یافتی
حاضران را آنچه بگذشتی میان قلب حال

بعد دفن مخلصان خود بحال قبرشان
مطلع گشته مدد ها کرده شان وقت سوال

هست آن مشهور یاران آنکه صحبت یافتند
پیشتر جا از دعایش صاحبان اعتدال

طالحان صالح شدند از وعظ با تاثیر او
وز دعایش گشته اهل فقر اصحاب مال

شیخ دین بوده است در کشمیر اندر عهد خویش
شیخ دین بود آمده تاریخ سال

اولین روز مہ ذی القعدہ این سال بود
ذگرگویان نیم شب رفتہ مرض بودش سعال

بود با ہفتاد سالش ہفت سال و چند ماہ
سالہای عمر او را گر شماری با ہلال

تاریخ مسجد

شرح وردالمریدین ۹۵

مسجدی ساخت از سر اخلاص
حضرت شیخ حمزہ در کشمیر

شد مجرب بعبادت برکات
دردی از ہمت آن پیر کبیر

ہم درین کار بخدمت بودہ
مخلصش خاکی مسکین فقیر

گفت در تہنیت و تاریخش
مسجد با برکت باوای پیر

تاریخ وفات شیخ حمزہ

شیخ حمزہ مرشد والا گہر
فوت شد در بیست و چہارم از صفر

رفت اکمل بافت فضل کردگار
عاقبت در نہصد و ہشتاد و چہار

پی تاریخ سال وصل مخدوم
مناسب یافتم مخدوم و مرحوم

❊

در مدح سید جلال الدین رح مخدوم جهانیان

علامهٔ عصر خویشتن بود   در فقه و حدیث و علم تفسیر
بعضی ز صفات او مریدان   کردند بچند جلد تحریر
تصنیف خزانهٔ جلالی است   مشحون ز هر آنچه کرده تقریر
چهل سال به بحر و بر سفر کرد   در کسب فضایل او توقیر
بگذارده هفت حج اکبر   از یاری حق حقیق تکبیر
بشنید سلام را جوابی   از قبر نبی بدون تاخیر

در مدح سید اسماعیل شامی رح

خدا را گفته حمد بی تناهی   پس از نعت رسالت دستگاهی
چو آمد میر اسماعیل شامی   بکشمیر از عنایات الهی
مکرر کرد حج کعبة الله   بغیر مرکب و بی زاد راهی
سفر کرده بروم و هند از انست   خبردار از سپیدی و سیاهی
بفقر و فاقه برده زندگانی   نبوده حب مال و میل جاهی
از آن رغبت نکرده همچو عیسی   حضور آمد ز تقدیر الهی
غزا با نفس و شیطان کرد بسیار   گرفته ملک دل را بی سپاهی
بذکر پاس انفاس است مشغول   ز فکر و هوشیاری هست شاهی
بخوش خلقی چو صحب تابعین است   بحکمت چون ابو نصر فراهی
بجای گریه بیند دردمندی   رود پیشش بشوق و نیکخواهی

بخاکستر نشسته بی تکلف | ندارد قبه فرش و پشم و کاهی
خور و نان جوین گویا که باشد | ادام آن ز سبزی و گیاهی
مذاق شربت توحید دارد | بخواهد دیدن اشیا را کماهی
امیر و آمر معروف خلق است | براه شرع ناهی و مناهی
اجازت دارد از شیخان بارشاد | نصیحت گیر از وگر ارشد خواهی
بتلقین نائب است از غوث اعظمؒ | که مخلص بود از مه تا بماهی
اجازت نامه در ارشاد دارد | ز پیران هدایت دستگاهی

تحائف الابرار ص ۵۰

درمدح سید میرک اندرابی

شیخ میرک میر سید هم اویسی بوده است
آنکه در تقوی است حالا مفخر سادات و آل
بارها چون صحبت آن میر و مرشد دست داد
در بیان آورده این حال خود آن صاحب کمال

شرح ورد المریدین ص ۹۵ ل

مسجدی ساخت در ده آهام | شیخ حمزه که شیخ شیخان است
هم عبادتگه رجال الغیب | هم مطاف ملایک و جانست
مسجدش کعبهٔ تن است اما | دل او کعبهٔ دل و جانست
کرده طواف این دو کعبه بجان | هر مریدی که اهل عرفانست
بنده خاکی که از سر اخلاص | حضرت شیخ را ثنا خوانست
گفته تاریخ این عبادتگه | کعبه ثانی مریدانست

وردالمریدین اور شرح وردالمریدین

وردالمریدین ایک قصیدے کا نام ہے جو بابا داؤد خاکیؒ نے اپنے مرشد بابا شیخ حمزہ کی مدح میں لکھا تھا۔ بعد میں اس قصیدے کی خود ہی شرح بھی لکھی ہے (جس کا نام دستورالسالکین رکھا) شرح کے ساتھ ساتھ وردالمریدین کا متن بھی دیا ہے۔ اس شرح کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے کل ۱۱۷ اوراق یعنی ۲۳۴ صفحات ہیں ۱۰" × ۶" تقطیع ہے۔ ہر صفحے پر اٹھارہ انیس سطریں ہیں۔ ورق نمبر ۹ تک ایک کاتب نے لکھا ہے اور اس سے آگے دوسرے کاتب کی تحریر ہے۔ یہ نسخہ آخر سے نامکمل ہے۔ درمیان میں سے بھی اوراق گم ہیں کیونکہ مضمون کا تسلسل ٹوٹتا ہے۔ ورق ۲۶ اور ۲۷، ۴۹ اور ۵۰، ۷۲ اور ۷۳، ۷۸ اور ۷۹ کے درمیان سیاق وسباق میں بے ربطی کا احساس ہوتا ہے۔

شرح وردالمریدین کا ایک مفصل نسخہ اورنیٹیل پبلک لائبریری بانکی پور میں موجود ہے جس کے ۳۷۹ اوراق ہیں (ضمیمہ فہرست جلد دوم ص ۷۱)

یہ قصیدہ بابا داؤد خاکی نے اپنے مرشد کے اشارے سے ہی لکھا تھا (ص ۳۵) مصنف نے خود بتایا ہے کہ اس قصیدے کے چار سو چالیس سے کچھ اوپر اشعار ہیں (ص ۳۵ ل) متذکرہ صدر نسخے میں ۱۳۶ اشعار موجود ہیں اور ۱۳۵ کی شرح لکھی گئی ہے۔ نام کی وضاحت کرتے ہوئے خود ہی لکھا ہے کہ اس قصیدے میں ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ جو مریدوں کے ورد زبان ہونے چاہئیں۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے ؂

شکر للہ حال من ہر لحظہ نیکوتر شد است　　　شیخ شیخان شیخ حمزہ تا مرا رہبر شد است

اس بحر میں اور اس قافیے میں چار سو شعر نکالنا بڑا کٹھن کام معلوم ہوتا ہے ۔ اس لئے بعض جگہ قوافی میں نامانوس اور عربی کے بغلق الفاظ آ گئے ہیں مثلاً اعہر، ایسر، اسہر، اطیر، ابیر، صحبت ور، مُقر، افجر، مُحجر، مکثر، مؤثر ۔

قصیدے کے اکثر مضامین شیخ حمزہ کی زندگی، اس کے کمالات اور کرامات سے وابستہ ہیں ۔ ضمناً تصوف و طریقت اور احوال و مقامات کا ذکر ہے ۔ اشعار میں بعض جگہ اشخاص و مقامات کے نام بھی آئے ہیں ۔ اگر شرح نہ بیان کی جاتی تو بے خبر قاری کے لئے ان تلمیحات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ۔ بعض اشعار میں الفاظ کا دروبست کچھ ایسا ہے کہ تعقید لفظی و معنوی کے نمونے ملتے ہیں ۔ مثلاً

مُحضر ارشد شیر یا صاحبش منت نہ است
گاہ اکل از حفظ حقش عقدہ ہر خنجر شدست

ورنہ عارض زحمتی شد یا صواب صبر آن
یا باستغفار آن نقصان مدم مجبر شد است

بعض اشعار ایسے ہیں جن میں تصوف و طریقت کے ایسے مسائل بیان ہوئے ہیں جن کی تشریح کرنا مصنف کے لئے ضروری تھا ۔ مثلاً

استقامت چون نمود اندر عمل در ما علم
علم ما لم یعلمش حق داد دین پرور شد است

سیر کردہ عالم ملکوت را جبروت ہم
باز در لاہوت مرغ جان او اسیر شد است

گفت مسنون بے تکلف بودن اندر ما اصحاب
ہست ورنہ قصد من فی ابغض وانخضر شد است

قصیدے کے اکثر اشعار میں شعریت کم ہے صرف مطالب کے اظہار کی

کوشش کی گئی ہے۔ اسلوب میں اخلاص اور جذبات میں صداقت ہونا تو یقینی ہے کیونکہ آخر پیرومرشد کی تعریف ہو رہی ہے لیکن شعری لطافت اکثر جا مفقود ہے۔

اشعار سے زیادہ شرح کی زیادہ اہمیت ہے کیونکہ مصنف اپنی تصنیف کو خود بیان کر رہا ہے۔ وہ پہلے مشکل الفاظ کے معنی بتاتا ہے۔ لفظوں کے اصل سے آگاہ کر کے قرآن وحدیث یا کسی واقعہ کی تلمیح کو بیان کرتا ہے اور جا بجا مرشد کی زندگی کے بارے میں تفصیلات ص ۶ اور ۷، ص ۳۲ سے ۳۴ و ۴۶ سے ۵۰ اور ۶۶ پر ملتی ہیں۔ مصنف نے ص ۱۲ پر ایک شعر کے بارے میں لکھا ہے کہ 'در نسخہ دیگر متن این بیت بایں عبارت مسطور بود' اس عبارت سے شبہ ہوتا ہے کہ قصیدے کا شارح خود مصنف نہیں۔ اپنے شعر کے بارے میں تو وہ خود جانتا ہے کہ کونسا صحیح اور کونسا زیادہ موزوں ہے۔ اسے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ ایک شعر کا متن کسی اور نسخے میں اس طرح تھا لیکن دوسرے مقامات پر بعض نجی حالات کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کا مصنف بابا داؤد خاکی خود ہی شارح بھی ہے۔

اس شرح سے شارح کی علمی وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اس نے بعض بیانات کی توضیح کے لئے متقدمین اور معاصر صوفیہ اور عرفا کے مصنفات سے جا بجا اقتباسات پیش کئے ہیں۔ جس سے کتاب کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اس شرح میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ بعض کتابوں سے جا بجا رجوع کیا گیا ہے۔ خاص طور پر شمائل الاتقیا، اور مقامات بہاؤالدین نقشبندی کے دس دس بارہ بارہ حوالے موجود ہیں۔ میں یہاں کتابوں کے سامنے صرف وہی صفحہ لکھوں گا جہاں اس کا پہلی مرتبہ ذکر آیا ہے تاکہ اگر متن کی طرف رجوع کرنا پڑے تو ایک نظر سے اس کو دیکھ لیا جائے۔

شرح فی کتاب التعرف	ص ۱	تفسیر امام القشیری	ص ۱

مرصاد العباد	ص ۵	شرح الآلی بوزه الاکی	ص ۲
خلاصۃ الاسلام	، ۳	شمایل الاتقیاء	ص ۳ ا
احیاء العلوم	، ۹۳	تفسیر الکاشفی، معالم	، ۴
العوارف	، ۴	رسالہ شیخ عثمان مغربی	، ۴ ا
لب الالباب	ص ۴ ا	رسالہ غوث اعظم	، ۵ ا
رسالہ اقبالیہ یعنی شیخ علاء الدولہ سمنانی	ص ۵ ا	کتاب الحقایق	، ۶
رسالہ القشیریہ	ص ۶	تفسیر زبدۃ الحقائق	، ۶ ا
دستور الجمہور یعنی مقامات بایزید بسطامی		فاتحۃ العلوم	، ۶ ا
نفحات الانس	ص ۶ ا	ارشاد المریدین	، ۹
آداب المریدین	، ۶	رسالہ حمیدی	، ۹ ا
شرح لمعات	، ۱۰ ا	نور المعانی شرح امانی	، ۱۲
یوسف زلیخا جامی	، ۱۲ ا	رسالہ محمد بن سید علی ہمدانی	، ۱۳ ا
خلاصۃ المناقب شیخ نور الدین جعفر خلیفہ علی ہمدانی	ص ۳ ا	تمہیدات عین القضاۃ	، ۱۵ ا
رسالہ سلطان ابوسعید، حمید الدین صوفی	ص ۱۵ ا	رسالہ شیخ نجم الدین	، ۱۶
		لوائح	، ۱۷
رسالہ رموز الواہیین	، ۱۶ ا	فواتح الجمال، نجم الکبریٰ	، ۱۷ ا
شرح رباعیات خود از جامی	، ۱۷	سلسلۃ الذہب	، ۱۹
کشف المحجوب	، ۱۸ ا	مقامات خواجہ بہاء الدین نقشبندی	، ۱۹

نقد النصوص	ص ۱۹	مثنوی سلطان ولد	ص ۱۹
تفسیر از یعقوب صرفی	، ۱۹	پندنامہ عطار	، ۲۰ ا
چہل اسرار	، ۲۰	کنز العباد	، ۲۰ ا
منطق الطیر	، ۲۰ ا	نوادر الاصول، محمد علی حکیم ترمذی	، ۲۲
لطیفہ غیبیہ	، ۲۲		
قصیدہ فارضیہ میمیہ	، ۲۲ ا	رسالۃ الوالدیہ	، ۲۳ ا
خزانہ جلالی بہاء الدین یعقوب	، ۲۶	مناقب قطبی	، ۲۷
سراج الہدایہ ملفوظ حضرت مخدوم جہانیاں	، ۲۷	فواید الفواد	، ۳۰
		اوراد فتحیہ	، ۳۴ ا
الٰہی نامہ، عبداللہ انصاری	، ۲۷ ا	توقیع العارفین	، ۳۵ ا
فوائد السالکین ملفوظ خواجہ قطب الدین	، ۳۴ ا	تفسیر الکاشفی	، ۳۶ ا
		اسرار الاولیاء	، ۳۹ ا
سبحۃ الابرار	، ۳۵ ا	ذخیرۃ الملوک	، ۴۰
تذکرۃ الاصفیاء	، ۳۷ ا	فتح نامہ مولانا جامی	، ۴۳
روضۃ الاحباب	، ۴۰	زاد الارواح	، ۵۲
روضۃ الاحباب	، ۴۲	فتاوی فیروز شاہی	، ۵۴
سی نامہ امیر حسین	، ۴۸	شرح شمسیہ اسعد الدین	، ۵۸
شرح اوراد فتحیہ	، ۵۲	اعلام الہدیٰ	، ۶۴ ا
مختصر وقایہ	، ۵۴ ا	شواہد النبوۃ	، ۶۹ ا
التعرف فی علم التصوف	، ۶۴ ا	رسالہ مولانا عبدالغفور	، ۷۰
زاد المسافرین، امیر حسین	، ۶۷	تفسیر معین الدین واعظ	، ۸۸

کیمیای سعادت	ص ۶۸	کتاب جنۃ الفردوس	ص ۹۸
مثنوی معنوی	" ۷۶ ل	مرآۃ الشائبین	" ۱۴ ل
شرح المشارق	" ۸۰ ل	مختار الفتاوی	" ۱۱۴ ل
منہاج العابدین، محمد غزالی	" ۱۰۰ ا	جامع العلوم	" ۱۱۴ ل

عموماً صوفی اپنے مرشد کی ہر بات کی اطاعت اپنا فرض جانتا ہے اور حافظ کی زبان میں ؎

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بی خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

لیکن بابا داؤد خاکی نے جہاں اپنے مرشد کے بارے میں ان کے کمالات معنوی کو بیان کیا ہے وہاں مرشد کے فرائض بھی بیان کئے ہیں، تصوف کے عام رسائل میں یہ بیان منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً انہوں نے لکھا ہے "مرشد کو چاہیئے کہ اچھائی برائی کا راستہ بتائے۔ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو وہ خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہوگا۔ سعادت و شقاوت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے مرشد کے ہاتھ میں نہیں ہے انک لا تہدی من احببت" (ص ۵ ل)، مرشد کے ایک اور کمال معنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"صفت آنست کہ چون مریدان صورت ایشان بحضور دل تصور کنند، بقوہ روحانیت حاضر توانند شد و ہر شیخی کہ این مقدار قوت روحانیت نداشتہ باشد، در اقتدا او چندان فائدہ نیست"۔ ص ۴۴

شارح نے بیان کیا ہے کہ شیخ حمزہ میں یہ قوت موجود تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ دوسروں کے خواب بھی بیان کر سکتے تھے اور پس پردہ بھی دیکھ لیتے تھے۔ ان کی ایک اور خصوصیت کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ وہ بیماروں کی شفا کے لئے دعا

کرتے تھے اور تعویذ نہیں لکھتے تھے۔ عموماً پیروں کے ہاں اپنے مریدوں کے لئے تعویذ لکھنے کا رواج ہوتا ہے۔ شارح نے تعویذ نہ لکھنے کے متعلق دلائل بھی دیئے ہیں۔ لکھا ہے:۔

۱۔ ممکن ہے تعویذ پہنتے وقت بیمار جنابت۔ حدث اور پلیدی کے ساتھ ہو۔

۲۔ وہ بے احتیاطی سے پاؤں کے نیچے آجائے۔

۳۔ اگر خدا کی طرف سے بیمار کی بیماری میں حکمت یا تعذیب مدّ نظر ہے اور اگر تعویذ سے صحت یاب ہوجائے اور تعویذ دہندہ کو شہرت ہو تو وہ مغرور ہوجائے گا جو بری بات ہے۔

۴۔ اگر صحت نہ ہوگی تو شرمندہ ہوگا اور اسماء اللہ کی تاثیر کے بارے میں شک پیدا ہوگا جو کفر ہے۔ (ص ۹۸ ا)

مرشد کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مشہور دعائیں مثلاً ورد اعظم۔ دعائے سیفی، دعای حزب البحر، دعای مونس الارواح۔ چہل و یک اسم وغیرہ مرشد کی اجازت کے بغیر نہیں پڑھنی چاہیئے۔ دیکھ لیجئے دعاؤں پر بھی پہرے ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان پردے حایل ہیں لیکن یہ تنبیہ درست ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر پڑھے گا تو ملائکہ، رجال الغیب اور جن پڑھنے والے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ شارح نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد نے بے اجازت دعائے سیفی پڑھی تھی اس لئے ان کا منہ ٹیڑھا ہوگیا (ص ۱۳۱ ا) اب یہ راز اللہ ہی جانے کہ کس وجہ سے منہ ٹیڑھا ہوا تھا۔ یہ اہل اسرار کی باتیں ہیں مرشد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ" اوراد خاصہ خود مگوئید کہ دریں قصور باشد" (ص ۴۴ ا)

شارح نے دو ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن کو پڑھ کر تعجب ہوا۔ ص ۶۷ ا۔ تذکرۃ الاولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ معروف کرخی کی وفات پر یہودی، عیسائی اور مسلمان ان کے جنازے کو اپنے اپنے طریق پر دفن کرنا چاہتے تھے۔ خادم نے کہا جو جنازہ اٹھائے وہی لے جائے۔ اس قسم کا واقعہ سید علی ہمدانی کے بارے میں بھی

بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی وفات پر تکرار ہوئی کہ ان کو کہاں دفن کیا جائے چنانچہ یہی طے ہُوا کہ جوان کا جنازہ اٹھالے وہی لے جائے۔ اس قسم کا واقعہ باباگورو نانک کے بارے میں بھی مشہور ہے۔ اصل حقیقت خدا جانے۔ شک ضرور ہوتا ہے کہ مرید اپنے پیروں کا عالی مرتبہ بتانے کے لئے اس قسم کی کرامات کا اضافہ کرتے ہیں۔ ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ ص ۸۱۔ مولانا جلال الدین رومی نے سترہ آدمیوں کے گھر میں ایک ہی رات جانے کی دعوت قبول کر لی۔ وہ اس رات گھر سے باہر نہ گئے لیکن سترہ گھروں میں سترہ غزلیں لکھ کر چھوڑ آئے سب نے کہا کہ مولانا صبح تک ہمارے ہاں مہمان تھے۔ اس قسم کی حکایت سید علی ہمدانی کے بارے میں بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ چالیس اشخاص کے گھروں میں گئے اور غزلیں لکھ کر چھوڑ آئے اور وہ غزلیں چہل اسرار کے نام سے مشہور ہیں۔ ایسے امور کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے کیونکہ اگر یہ بات ایک شخص کے متعلق سچی ہو سکتی ہے تو دوسرے کے بارے میں کیوں سچی نہ مان لی جائے۔

کشف المحجوب پر انتقاد کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ فقر و درویشی اگر ترکِ دنیا کی تلقین کرتی ہے تو یہ اسوۂ نبیؐ اور اسلامی اصول زندگی کے منافی ہے۔ اس مترجم کے ایک بیان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ روحانیت کی راہ پر چلنے کے لئے تمام دنیاوی مال و متاع کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ لکھا ہے۔ ص ۲۰۔ بہرام وینہ ایک سوداگر تھا۔ شیخ حمزہ کی صحبت سے متاثر ہُوا۔ اس نے اپنے اوپر صیام دہر واجب کر لیا۔ تجارت چھوڑ دی۔ بیوی کو طلاق دے دی اور گھربار کو ورثا میں تقسیم کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے اپنی روحانی ترقی کی خاطر کتنے دوسرے اشخاص کی زندگی کو متاثر کیا۔ اس نے معاشرے میں ایک خلا پیدا کر دیا اور اپنے متعلقین کی زندگی میں خلل ڈال دیا۔

کشمیر میں اسلام آیا تو شاید فرقہ بندی بھی ساتھ لایا یا بعد کے علماء نے یہ خیال پھیلایا

دسویں صدی ہجری ہیں کہ بابا داؤد خاکی کا زمانہ ہے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ چار مشہور فقہی مذاہب یعنی مالکی، حنبلی، شافعی اور حنفی میں سے کسی ایک کا متبع ضرور ہو۔ ان کی عبارت یہ ہے۔

"در شریعت چہار مذہب مشہور است و ہر کہ مسلمان است میباید کہ یکی ازین چہار مذہب را اختیار کردہ عبادات موافق فرمودۂ امام آن مذہب ادا کنند" ص ۲۵ ا۔ یہ مذہبی گروہ بندی اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا تو ذکر آتا ہے کسی خاص امام فقہ کی تقلید کا تو کہیں ذکر نہیں۔ عرفا کے نزدیک تو اولی الامر منکم سے مراد مشائخ اور پیرانِ طریقت ہیں اور سالک کے لئے ان کی فرمانبرداری لازم ہے۔ ص ۲۶ ا، ہم یہ پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ تصوف۔ فقر، شریعت، طریقت، قطب ابدال، جیسے کلمات وحی خداوندی میں موجودہ اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوئے اور رسولِ خدا نے بھی ان الفاظ کو متصوفانہ معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ اس لئے فقر اور درویشی کے متعلق جو احادیث نبی اکرمؐ سے منسوب ہیں وہ بعد کی وضعی ہیں۔ اس کتاب میں بھی اس قسم کی چند احادیث موجود ہیں۔ مثلاً"

ص ۹۔ قال رسول اللہ صلعم ۔ الشریعت اقوال والطریقۃ افعال والحقیقت احوال۔

ص ۳۷۔ من اراد ان یجلس مع اللہ فلیجلس مع الفقراء جو اللہ کی معیت میں بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ فقراء کی معیت میں بیٹھے۔

ص ۸۷۔ عن انس بن مالک۔ البُدلاء اربعون رجل، اثنان و عشرون بالشام وثمانیۃ عشر بالعراق۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ ابدال چالیس ہیں، بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں۔ ص ۱۹۔ رایت ربی فی احسن صورۃ ۔ میں نے اپنے رب کو سب سے اچھی صورت میں دیکھا ۔

یہ حدیث بھی غیر یقینی ہے کیونکہ خدا کو کسی صورت میں نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ خدا کی کوئی صورت نہیں ۔

کتاب کا اسلوب بیان سلیس و رواں ہے اور افہام و تفہیم کے تعلیمی انداز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مطالب تو یقیناً عالمانہ ہیں، نمونہ کے لئے یہ عبارت دیکھئے ۔

متن بود از ہر خانوادہ مستفید آیا بمی سہروردی را و چشتی مظہر و مظہر شد است

شرح خانوادہ و خاندان اینجا بیک معنی است، مستفید' فائدہ گیرندہ ، سہروردی یعنی خاندان مشایخ سہروردی را و چشتی یعنی خاندان چشت را' مظہر ظاہر کنندہ اسم فاعل' و مظہر جای پیدا ساختن اسم مکان' بیان این بیت آنست کہ چنانکہ در شریعت چہار مذہب مشہور است و ہر کہ مسلمانست میباید کہ یکی ازیں چہار مذہب را اختیار کردہ عبادات موافق فرمودہ امام آن مذہب رواکند۔ ہمچنین در طریقت اہل سلوک چہاردہ خانوادہ معروفست ہر کہ را دار سلوک و ہمت طلب قرب حق تعالیٰ باشد و خواہد کہ بدیں نیت بعضی اذکار و اوراد و نوافل را وظیفہ خود سازد' می باید کہ یک خانوادہ را اختیار کند" ص ۲۵ ، ۱۲۵

حبیب اللہ حُبّیؔ

خواجہ حبیب اللہ گنائی خواجہ شمس الدین کے بیٹے تھے۔ وہ نوشہرہ میں رہتے تھے جو سرینگر سے ۲½ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ انکے باپ تاجر تھے۔ بساطی کی دکان تھی اور نمک فروشی خاص بیوپار تھا۔ حبیب اللہ ۹۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ درسیہ علوم مولانا حسین آفاقیؔ سے پڑھے۔ مولانا صرفی کے سامنے بھی زانوئے ادب طے کیا۔ میر محمد خلیفہ صرفیؔ کی خدمت میں رہ کر بھی استفادہ کیا۔ روحانی فیوض و برکات سے مالامال ہوئے۔ جوانی میں کچھ عرصہ کے لئے باپ کے ساتھ تجارت میں مشغول رہے لیکن بعد میں اللہ کے ساتھ ایسا لگاؤ ہوا کہ دنیا کے تمام مشاغل سے الگ ہو گئے۔ ان کی مجالس سماع کا شور و شغف اور سوز و گداز مشہور تھا۔ اخوند حسین رہنما نے شرعی نقطہ نظر سے ان کے سماع کے خلاف بحث و مباحثے کا ہنگامہ بھی برپا کیا۔ لیکن ان کی محفلیں جمی رہیں اور وہ آخر تک ارشاد و ہدایت کا درس دیتے رہے ۱۰۲۷ھ میں عام وبا پھیلی۔ بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ وہ بھی اللہ کو پیارے ہوئے۔ ۱۹ ماہ ذی الحجہ یوم وفات ہے 'مناجات بشر' سے تاریخ نکلتی ہے۔

ل حیات صرفی، محمد شاہ سعادت

تصانیف

راحۃ القلوب ، رسالۃ الانصاف ۔ مرآۃ الغیب ، تنبیہ القلوب ۔
مقامات صرفی (منظوم) ۱۰۱۱ھ سال تصنیف ہے ؎

گر تو تاریخ این کنی مفہوم　　روضہ ناچار بین وکن مرقوم

دیوان

جُبی کے مختصر دیوان کی ایک نقل پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اوراق اس قدر کِرم خوردہ ہیں کہ مشکل سے ایک غزل سالم رہی ہے۔ جوڑ توڑ کر ایک آدھ شعر نکالا جا سکتا ہے[۱]۔ جبی کے دیوان میں سب عشق حقیقی کی باتیں ہیں۔ عشق مجازی پر شاید کوئی غزل نہیں۔ عشق حقیقی کے بارے میں بھی کھلم کھلا باتیں ہیں، استعارے کنائے کم ہیں۔ تصوف کی مجازی اصطلاحات کو کم استعمال کیا ہے مثلاً

این حسن چہ حسن است کہ بی نام ونشانی
این عشق چہ عشق است کہ بی شرح وبیانی

ائن سر حد وصل است بسی طرفہ مقامی
ہر کس کہ رسید است نیامد خبر او

ذات تو یکتاست ہرگز نیست ہمتایش یکی
ہم صفاتت آنچناں وکائنات اسمای تو

جبی چونکہ خلیفہ صرفی کے مرید تھے اس لئے پیرو مرشد کی جتنی اداتیں تھیں سب

---

[۱] دیوان جبی کا ایک اچھا نسخہ مولانا فضل صمدانی ساکن مجانہ ماڑی پشاور کے پاس محفوظ ہے۔

حجیؔ نے بھی اپنے ساتھ وابستہ کرلیں چنانچہ وہ بھی یعقوب صرفی، ان کے مرشد حسین خوارزمی اور پھر ان سب کے مرشد امیر کبیر علی ثانی شاہ ہمدانی سے ارادت رکھتے ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل رباعیات میں اس کا اظہار کیا ہے ؎

من بندہ شاہ ہمدان ہستم — پروردۂ آن علی ثانی ہستم
ہر کس کہ محبا دشدست از دل وجان — از صدق دلش محب جانی ہستم

این راہ حسین است نہ راہ دگری — وہ وہ چہ حسینی کہ شد بحر دوری
خوارزم بود مولد پاکش زجہان — مقصود من از صد کرمش یکنظری
ای دل مسند از ثانی یعقوب طلب — این نسبت از ان سالک مجذوب طلب
در بیت حزن مقام کن از غم عشق — آنگاہ ز دل یوسف مطلوب طلب

حجیؔ بھی صرفیؔ کی طرح جذبۂ عشق سے سرشار ہیں۔ گداز روح سے باتیں کرتے ہیں۔ ہر غزل میں اسرار عشق کا بیان ہے۔ اس کے اشعار میں صرفی سے زیادہ حدت جذبات محسوس ہوتی ہے زبان وبیان میں بھی زیادہ حلاوت ہے۔ یہ درد و تاثر اس لئے زیادہ ہے کہ حجی بالکل ترک علائق کر کے محفل جذب و سماع میں منہمک رہتے تھے چنانچہ جو غزلیں اسی ذوقی و سرمستی میں نکلی ہیں۔ وہ یقیناً اپنے اندر جذب و سوز رکھتی ہیں۔ اور محفل سماع میں وجد آور ہوسکتی ہیں۔

حجیؔ کی نگاہ میں ایک عارف باللہ کا درجہ بہت بلند ہے جس کا دل تجلیات الٰہی سے منور ہے۔ وہی اس کے مرتبے کو پہچانتا ہے حجیؔ، عالم دل کی کیفیتوں سے آشنا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فرشتے اس آسمانِ دل سے ناآشنا ہیں ؎

جبرئیل اگرچہ محرم اسرار عالم است — لیکن بجبر تست ازین آسمانِ دل
سیمرغ قاف قدس ندیدیم ہیچ جا — الّا درین پردۂ آن آشیانِ دل
در روضۂ بہشت نیابم ای حبیب — ہر میوۂ کہ ہست درین بوستانِ دل

عظمت آدم کے بارے میں بھی حبیؔ کے خیالات سن لیجیے ؎

ہر دو عالم غرق آدم یافتم بلکہ آدم اسم اعظم یافتم
آدم و فرزند آدم دیدہ ام مردم چشم دو عالم یافتم

تقریباً تمام غزلوں میں تصوف کے مضامین ہیں۔ انداز بیان علمی و اصطلاحی نہیں بلکہ سادہ رواں اور دلنشین ہے۔ ان کا مخاطب محبوب ہے۔ اس کی محبت کے جذبات کو پیارے اسلوب میں بیان کیا ہے۔ مندرجہ ذیل غزل نمایندہ حیثیت رکھتی ہے۔

من خاک شوم کاش دران رہگذر او باشد کہ ہر آن خاک فتد گہ نظر او
آن سرحد وصل است بسی طرفہ مقامی ہر کس کہ رسید است نیامد خبر او
ہر سالک راہی کہ درین راہ در آمد جز عشق ندیدم کس راہبر او
ہر کنگرۂ عرش پریدست ہمان کس کز ہمت عالی بود آن بال و پر او

از دیدۂ حبیؔ است روان اشک ہمیشہ
جز آن نبود ہیچکس ہمسفر او

ذرا ان دو شعروں میں جوش و ولولہ ملاحظہ فرمائیے۔ قوال جب عاشقانہ انداز میں جوش سے پڑھتے ہوں گے تو حاضرین مجلس پر کیا سماں بندھتا ہوگا ؎

در راہ مولا تعجیل فرما
راہیست دور و عمریست کوتاہ
شد زندہ حبیؔ از حب مولا
الحمد للہ الحمد للہ

مظہری کشمیری[1]

مظہر یا مظہری، نام بھی ہے اور تخلص بھی مظہری کشمیر میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں ۹۵۰ھ کے لگ بھگ اندازہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ جوانی میں ایران گئے انہوں نے سلطان ابراہیم مرزا کی مدح میں قصاید لکھے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل دو قصاید جن میں ابراہیم مرزا کا نام اس طرح آیا ہے ؎

چراغ انجمن کائنات ابراہیم　　کہ شود آب زخش آتش تجلی را

گرفت کون ومکان را بزیر سایہ جاہ　　ہماری دولت سلطان دین خلیل اللہ

نصر دین محمد مسمیٰ ابراہیم　　ولی حضرت حق محرم حریم اللہ

یہ ابراہیم ۹۸۴ میں قتل ہوئے اور شاہ اسماعیل صفوی تخت پر بیٹھے۔ اس لئے اتنا یقینی ہے کہ مظہری ۹۸۴ھ میں ایران میں موجود تھے ۹۸۸ھ میں واپس آگئے۔ کیونکہ یوسف خاں چک کی مدح میں ایک قصیدہ ہے جو ۹۸۸ میں دوبارہ کشمیر پر قابض ہوئے چنانچہ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ؎

گرفت کشور کشمیر باز شاہزادہ　　چہ شاہزادہ کہ سرمایہ زمین وزمان

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳، ص ۱۷۳۰، ۱۷۲۲؛ نشتر عشق مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ ج ۴، سفینۂ خوشگو قلمی ص ۷۷؛ آئین اکبری ص ۱۸۶؛ تاریخ کشمیر اعظمی

Persian Poets of Kashmir. by Dr. Zafar Khan. Ms. P.U.L.

مآثر رحیمی میں لکھا ہے کہ جب وہ ہرات میں پہنچے تو اس زمانے میں خواجہ حسین ثنائی میرزا قلی میلی۔ ولی دشت بیاضی اور محمد میرک صالحی جیسے نامور شعراء کا چرچا تھا۔ مظہری نے قصیدہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

چہ حالت است ندانم جمال سلمی را　　که بیش دیدنش افزون کند تمنّیٰ را

بہ بست دیدۂ مجنون زخویش و بیگانہ　　چہ آشنا نگہی بود چشم لیلیٰ را

یہ قصیدہ سن کر سب کے دل میں ان کی صلاحیتوں کی قدر ہوئی۔ انہوں نے مشہد میں زیارت روضہ امام ضامن سے فیض حاصل کیا۔ اور دار السلطنت قزوین میں پہنچے۔ وہاں مولانا ضمیری اصفہانی۔ محتشم کاشی۔ وحشی یزدی۔ قاضی نورالدین اصفہانی روزبہان۔ حزنی اصفہانی اور هلاکی ہمدانی جیسے با کمال شعراء کا مجمع تھا۔ مظہری کے اشعار سن کر سب نے تعریف کی اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا۔ میر تقی الدین کاشی کا بیان ہے کہ مظہری جب کاشان میں آیا تو میری اس سے ملاقات ہوئی۔ بڑا خوبصورت جوان تھا۔ ذہین اور نیک سیرت۔ بڑے اچھے شعر کہتا تھا۔

عموماً خیال یہی ہے کہ ایران میں مظہری کی بڑی عزت ہوئی لیکن اسے اطمینان نصیب نہ ہوا اور انہیں پردیس میں غربت کا احساس رہا۔ چنانچہ امام رضا کی منقبت کے ضمن میں اپنا حال لکھتے ہیں ؎

نہ ہمدمی کہ غم ہم خوریم در غربت　　نہ مشفقی کہ کند چارۂ من رنجور

ایرانی شعراء کی بعض باتیں مظہری کو پسند نہیں آئیں چنانچہ لکھتے ہیں ؎

چنان خود را اشنا سانند کہ در دنیا ازیں حرفہ

کسی چون من بذکر شعر کم رطب اللسان آمد

مظہری ہندوستان واپس آئے تو دربار اکبری سے متوسل ہونے کی بڑی آرزو رہی ؎

عمر باشد کہ آرزو دارم   آرزوی بدین شایہ عظیم
کہ ز مقیمان آستاں باشم   گہ بیارم شدن بزرم ندیم

معلوم ہوتا ہے دس سال تک دربار سے دور رہے ہے

کہ دہ سال نزدیک شد تا کہ دورم   ز درگاہ دارای دوران داور

آخر دربار میں رسائی ہوئی اور اکبر کی طرف سے کشمیر میں میر بحری کے عہدے پر سرفراز رہے ۱۰۰۲ھ تک تو ضرور یہ خدمت انجام دیتے رہے کیونکہ بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ وہ اس وقت میر بحری کے عہدے پر فائز ہیں۔ یہ کتاب ۱۰۰۴ھ میں تمام ہوئی۔ زندگی کے آخری سالوں میں گوشہ نشینی کی اجازت لے کر وطن میں مقیم ہو گئے۔ ۱۸-۱۷-۱ھ میں وفات پائی۔

صاحب نشتر عشق نے بتایا ہے کہ مظہری امامیہ مذہب رکھتے تھے اور ان کے والد اہل سنت تھے اس لئے ان کے درمیان اکثر تکرار ہوتی تھی اور تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ چنانچہ مظہری نے اپنے باپ کی ہجو میں اشعار بھی لکھے ہیں۔

مظہری کے ممدوحین میں سے شاہ اسماعیل صفوی۔ سلطان ابراہیم۔ جلال الدین اکبر شاہزادہ سلیم۔ یوسف خاں چک۔ ابوالفتح گیلانی۔ محمد قلی خان اور عبدالرحیم خانخاناں نمایاں ہیں۔

دیوان ـــ محمد اعظم نے واقعات کشمیر میں لکھا ہے کہ مظہری کے دیوان میں چھ ہزار اشعار موجود ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی لائبریری میں دیوان مظہری کا ایک نسخہ موجود ہے۔ ڈاکٹر ظفر خان کی گنتی کے مطابق اس میں تقریباً ۲۲۰۰ اشعار ہیں۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱ ـــ در مدح رسول   ۳ ـ در منقبت امام رضا و در مدح شاہ اسماعیل

مدح سلطان ابراہیم مرزا : ۲ ، مدح یوسف خاں چک : ۱ ، ومدح اکبر بادشاہ ۸
شاہزادہ سلیم : ۲ ، ترکیب بند۔ حکیم ابوالفتح : ۱ ، محمد قلی خان : ۱
خانخاناں : ۱ ، ثانی بلقیس حضرت خانم : ۱ ، غزلیں : ۲ ، قصاید ممدوح
نامعلوم : ۳ ، بیان عمارت : ۱ ، ردیف سایہ ۔ قصیدہ تصوف ۔ ردیف۔
میگو یزم۔ ظفر خاں صاحب نے گلِ رعنا۔ سفینۂ خوشگو، واقعات کشمیر اور
آئین اکبری سے ۳۳ شعر اور اکٹھے کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور اشعار بھی تذکروں
میں بکھرے پڑے ہیں۔ خانخاناں کی مدح میں طویل قصیدہ اس دیوان میں شامل نہیں۔
وہ مآثر رحیمی میں محفوظ ہے۔ اس کے پہلے دو شعر یہ ہیں ؎

بس کہ امسال خرم است بہار | غنچہ روید بشکل خندہ ی یار
چہ عجب گر ز خوشدلی عاشق | عشوہ فہمد ز غمزہ ی دلدار

جستہ جستہ جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ممدوحین نے ان
کے اشعار کو خوب پسند کیا اور ان کو انعامات سے بھی نوازا۔ خانخاناں کی مدح میں جو طویل
قصیدہ لکھا تو اس کے عوض مناسب انعام پایا۔ سفینۂ خوشگو میں لکھا ہے کہ بادشاہ
سے خلعت پاکر اس کے شکریے میں یہ رباعی لکھی ؎

از شادی جامہ کہ وی پوشیدم | چون چرخ بگرد خویش گردیدم
پامال بزرگیم فلک میشد و من | در جامۂ آسمان نمی گنجیدم

اکبر نے مندرجہ ذیل دو شعر سنکر دو بار اس کا منہ سونے سے بھر دیا۔ (نشتر عشق:
ص ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷)

قسمت نگر کہ در خود ہر جوہری عطاست | آئینہ یا سکندر و با اکبر آفتاب
او گرد گر مشاہدۂ خلق ز آئینہ | این می کند مشاہدہ ی حق در آفتاب

مظہری کی طبیعت میں بڑی اپج تھی اور اسے اپنی معانی آفرینی پر بڑا ناز تھا۔ اس لئے

خود پسند اور خود آرا نظر آتے ہیں۔ عرفی کی طرح بڑے بڑے استادانِ فن کو خاطر میں نہیں لاتے مثلاً یہ اشعار دیکھئے ؎

دران زمان کہ زبانم مدیح سنج بود　　چہ حد نطق بود خیرہ فاریابی را
منم کہ کلک بدایع نگار من امروز　　در آب شست ورقہای مانی را
بمطلعی کہ نمایم بیان سحر حلال　　بد بہر تازہ کنم معجزات موسیٰ را
بمقطعی کہ برآید بمظہری نامم　　کسی چہ راہ دہد در خیال اعشی را

ذرا خود پسندی ملاحظہ کیجئے ؎

امروز شہنشاہ منم ملک سخن را　　تیز است مرا تیغ زبان سخن آرا
در ملک بلاغت مرا رتبہ حسان　　بر تخت کمالست مرا پایہ اعشا
با تیغ زبان بی مدد خیل و سپاہی　　چون مہر گرفتم ہمہ عالم تن تنہا

مظہری طبع سلیم رکھتے تھے۔ ایک قصیدے میں کہا ہے ، بندہ صاحبم بطبع سلیم ۔ اور رموز سخنوری سے واقف تھے اور اس بات کے قائل تھے کہ شاعری ایک الہام ہے۔ مضامین مثل وحی قلب شاعر پر القا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا قول ہے　مراہست شعری چو تنزیل صادق ۔ بمعنی مدح و ثنایت مفسر۔ جس طرح الہام سے نئے سے نئے مضامین ابھرتے ہیں اسی طرح وہ کہتے تھے کہ تازہ افکار اور دوشیزہ مضامین کی تخلیق کرتا ہوں۔ ایک قصیدے میں اپنے دل و قلم کا حال بیان کیا ہے اور اپنی معانی آفرینی کی طرف اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں ؎

نہفتہ وام از دیدۂ معانی غیر　　بنام مدح تو چندین عرایس ابکار
مگر کہ آدم و حواست خاطر و قلمم　　کہ ہر شکم دو خلف آورد بیک ہنجار
قلمم آستی مریم و زبان عیسی ست　　چہ این دو دعوی از خویش بر دو معنی دار
کہ این برآید با آنکہ ہست دوشیزہ　　کہ آن بگوید با آنکہ نیستش گفتار

ایرانی شعراء جو ہندوستان میں آئے اور یہاں کی علم پرور فضا سے متاثر ہوئے۔ یہاں کے لوگوں کی نازک خیالیاں اور معانی آفرینیاں دیکھیں تو بعض شعراء نے ایران میں مروجہ سبک شاعری کو چھوڑ کر سبک ہندی کو قبول کر لیا۔ عہد اکبری میں ہی بعض شعراء نے مضمون یابی اور دقت گوئی کی راہ اختیار کر لی تھی مثلاً نظیری اور عرفی نے تخیل کا تانا بانا تننے میں بعض گرہوں کو الجھا کر بات کہی تاکہ مضمون پانے کے لئے فکر کی ضرورت پڑے۔ مظہری کو بھی اسی زمرۂ شعراء میں سمجھنا چاہیئے لیکن وہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ زیادہ پیچیدہ نہیں ہوا۔ مثال کے طور پر اس کے یہ دو اشعار ملاحظہ کیجئے۔ جو اسی سبک کے آئینہ دار ہیں ؎

فدای آئینہ گردم کہ داستان مرا   درون خانہ بگلگشت بوستان دارد

لالہ طورم نہ ہمچو غنچہ گلبن زادہ ام   شعلہ جای بخیہ بر چاک گریبان میزنم

اگرچہ مضمون آفرینی کی کوشش میں اکثر بیان میں الجھاؤ پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے اور پھر سلاست و فصاحت کا راستہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن اگر مضمون بھی پیدا ہو جائے خیال بھی نہ الجھے اور زبان کی خوبیاں بھی قائم رہیں تو ظاہر ہے کہ شاعر کو کلام پر قدرت حاصل ہے۔ گرمی کے بیان میں مظہری کے یہ دو شعر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ اس کا بیان کس قدر کامیاب ہے ؎

بنوعی باز تاثیر ہوا آتش فشان آمد
کہ گاہ آب گفتن آتش دل بر زبان آمد

چنان اندیشہ گرما درو نہا شد گداز ندہ
کہ یاد یار نتواند دگر در دل نہان آمد

ابوالفضل نے اس کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ اس میں صنعت تضاد بھی ملاحظہ کیجئے۔

محاورہ کی معنی خیزی بھی دیکھیے اور ساتھ ہی مضمون آفرینی کی شگفتگی کا بھی مزہ لیجیے ؎

ہر کس کہ بچشم ما سبک شد بر خاطر آسمان گران آمد

مظہری کی شاعری کا زیادہ حصہ قصاید پر مشتمل ہے۔ اس نے انوری، خاقانی، عرفی اور دوسرے اساتذہ فن کی تقلید میں بھی قصاید لکھے ہیں، زبان کی سادگی کے ساتھ ساتھ مضامین کی شگفتگی ہر جگہ ظاہر ہے، اس کی طبیعت میں دلولہ ہے۔ اس لئے بات دل سے پھوٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں انبساط پیدا کرتی ہے۔ ہند و پاک کے فارسی ادب میں یہ بات مشہور ہے کہ ایرانی صرف امیر خسرو اور فیضی کے کلام کو کچھ مستند مانتے ہیں۔ اور در خود اعتنا سمجھتے ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ اب تیسرے شخص مظہری کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے کہ اہل زبان نے اس کے کلام کو بھی سراہا اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے

غزل و رباعی کا زیادہ حصہ محفوظ نہیں رہا اس لئے ان کے بارے میں حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن خیال یہی ہے کہ وہ بھی مذکورہ بالا خوبیوں سے مالامال ہوں گے۔ آئین اکبری میں ان کی ایک رباعی درج ہے جس سے اس کے خیالات کا رخ پہچانا جا سکتا ہے ؎

دنبالہ او خاطر خود رای خودم بی زحمت رہ آبلہ پای خودم

صد پردہ درم ز خود نیایم بیرون صد مرحلہ پیمایم و بر جای خودم

گل رعنا، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مظہری کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ ہیں۔ اس نسخے کا بالائی حصہ دیمک کی نذر ہو گیا ہے۔ اس لئے بعض اشعار ضائع ہو گئے ہیں۔

گل ناشگفته دهر ز دیوانه پر شده است
حرفی نگفته شهر ز افسانه پر شده است
یک قطره از شراب ساقی فرو چکید
چندین هزار ساغر و پیمانه پر شده است
در خون خویش دست زد از غصه مظهری
کز شاخ سنبل تو کف شانه پر شده است

میانهٔ من و تو، ماجرای هست
چنان بپرس که نه سیخ سوزد نه کباب

آن شوخ که نیست گل بلطف بدنش
شیرین نشود کام هوس از دهنش
آتش بدلم فگند و دامان زد و سوخت
از آمدن و رفتن و نا آمدنش

از شادی آن جامه که دی پوشیدم
چون چرخ بگرد خویش میگردیدم
پامال بزرگیم فلک می شد و من
در جامهٔ آسمان نمی گنجیدم

مجمع النفایس مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۳۶۰ پر ذیل کے اشعار درج ہیں۔

کسی کہ زہر ز دست تو چون شکر بخورد

حرام باد برو لذت گرفتاری

اگر بکشتن من مایلی من از رغبت

بخون خویش نویسم ہزار فتوی را

بیتو قطع نظر از سیر گلستان کردم

رفتم از خون دل آرایش دکان کردم

خواہ با مظہری و خواہ بیگانہ نشین

من ہمین شرم ترا بر تو نگہبان کردم

منتخب التواریخ میں ذیل کے اشعار درج ہیں (ج ۳) ص ۲۴۴)

اقبال حسن کار ترا پیش می برد   ورنہ صلاح کار ندانستہ ای چیست

تو عہد راستوار ندانستہ کہ چیست

بودن بیک قرار ندانستہ ای کہ چیست!

فدای آئینہ گردم کہ داستان مرا

درون خانہ بہ گلگشت بوستان دارد

مظہر بجہان چو بی نصیبان می باش

در گل منوای عندلیبان میباش

با دیدنی از خوبی عالم می ساز

مہمان نظارہ چون غریبان میباش

روز روشن میں مندرجہ ذیل اشعار مندرج ہیں۔

ما سر بسر جراحت و دردیم مظہری
رحم ست بر دلیکہ درو یاد ما ردد

مرا گوئی بخود پرداز ای گرد مسرت گردم
بخود پردازم از شغلِ توام گر فرصتی باشد

وہ چہ خونہا کہ توان در دلِ نومیدی کردم
مظہری یار اگر کامروائی تو بود

دل از غمت پرست یرد آستین مزن
پیمانۂ حیات مرا بر زمین مزن

آتش بجای خون جہد از زخم مظہری
زنہار بر جراحت من آستین مزن

محمد امین مستغنی ۹۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ذوق سلیم پایا تھا۔ علم و فضل بھی رکھتے تھے۔ یوسف شاہ کے عہد سلطنت میں عزت و امتیاز پایا۔ آستانہ حضرت سید جلال الدینؒ کے باہر محلہ آرودت میں مدفون ہیں۔ ستر سال کی عمر پائی۔

اشعار۔ درین چمن ہمہ بیگانہ ہم اند ولی زبانِ سخن آشنا بگوش آمد

رباعی

من خندہ نیم بطبع عاشق ناساز یا آب کہ بر ردی دوم چون غماز
یا نالہ کہ سرگوشش بیگانہ نہم من دردِ دلم خلوتی، محرم راز

ای سینہ زد سواس توام مارستان رگہای وجودم ز تو نارستان

عیسی کدہ وز چشم تو بیمارستان ناز تو ز کائنات در کارستان

رباعی :- دوشینہ بہ چشم دل نہاں از مردم دیدم نہ بہشت بلکہ کشمیر درم
خاکی ہمہ عبیر و مشک آگندہ خمیر آبی ز صفا و جود خرد یافتہ کم

گل رعنا میں اس کے یہ اشعار محفوظ رہ گئے ہیں :-

من و تو بروز حشر دست و گریبان زدیم
تو زپی دست من، من زپی خون بہا
با پریشانی خاطر بہمین دل جمع کز پریشانی ہیچ دل در ہم نیست
سیاہی شب ما را نبرد پرتو مہر رخی کہ در رہ ما می نہد چراغ کجاست
برہمن گرد تو گردم رہ کفر بنما کہ ز ایمان خودم شرم لبی می آید
ای آنکہ سمہی ز شوق مسندت دادند
حبانی و دلی مہر پرستنت دادند
یک جرعہ سبیل ساز بر تشنہ لباں
شکرانہ جامی کہ بدستنت دادند

اس دور کے مندرجہ ذیل اشخاص بھی شعر کہتے تھے : تاریخوں اور تذکروں میں ان کا ایک آدھ شعر مذکور ہے۔ ان کے بقائے نام کی خاطر ہم نے ان کو محفوظ کر لیا ہے۔

لے مجلہ ہلال - اکتوبر ۱۹۶۱ء

مولانا میر علی[1] ـــــ شاعر بھی تھے اور اہل فن بھی۔ خط نستعلیق لکھنے میں بے نظیر زمانہ تھے۔ کشمیر میں آئے اور حسین شاہ کے مقرب ہو گئے۔ ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد بوتہ کدل میں نوشہرہ کے قریب بنائی تھی۔ یہی وہ جگہ ہے جہان باغ علی مردان خان واقع ہے۔ مولانا کا یہیں مسکن اور یہیں مدفن ہے۔

اشعار یہ ہیں ؎

گل بدستم چہ نہی در کف من خار خوش است
این گل تازہ بران گوشہ دستار خوش است
سبو سبو دہ و خم خم دل تو نند مرا
قدح قدح چہ آب زندہ آتش ملبذ مرا

مولانا نامی[2] ـــــ ایک فقیر اور نامعروف شخص تھا۔ حسین خان چک (۹۷۰ - ۹۷۸ ھ) کا مصاحب تھا۔ می و مینا کا ہمدم۔ اس کے اشعار یہ ہیں: ؎

عروسیت می شادی آئین او
کہ نتوان ردان داد کابین او
بخاموش چہرہ زبانی دہد   بفر توت روز جوانی دہد
چو پیداست چون عود تن راگہر۔ آ
می آتش کہ پیدا کند شان ہنر

---

[1] تاریخ کشمیر اعظمی۔ ص ۱۱۵، [2] تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۱۵، ہفت اقلیم قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ورق ۶۰۰،

ہرگز دلم بغیر تو مائل نمی شود — در دیدہ نقش روی تو زائل نمی شود
از دو ریت چہ باک کہ از بعد ظاہری — اصلاییان یاد تو مائل نمی شود

دستم بریدہ باد چہ کار آیدم بگور
در گردن بتان چو حمائل نمی شود

ملا نامی ثانی[1] عہد حسین شاہ چک (۹۷۰ - ۹۷۸) کا شاعر اور بادشاہ کا مصاحب تھا۔ گستاخیاں بھی کر جاتا تھا۔ ایک دفعہ اسپ و زین کے لئے استدعا کی۔

ع خلعت شاہی، مرا اسپی رسد یا زین رسد

بادشاہ نے جواب دیا ؎

این چنین کم فہم را نہ آن رسد نہ این رسد

مولانا مہری[2] عہد علیشاہ (۹۷۸ - ۹۸۷) کا شاعر تھا۔ استاد خوش فکر۔ حضرت علی کی منقبت میں اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

مرتضیٰ پادشہ مسند عالی نسبی ست
آفتابیست کہ برج شرفش دوش نبی است

---

[1] [2] تاریخ کشیر اعظمی ص ۱۱۶، ۱۱۷۔

کفایہ منصوری

یہ ایک مختصر لیکن جامع طب کی کتاب ہے جس کے مصنف کشمیر کے نامور شاہی طبیب منصور بن محمد بن احمد بن یوسف بن الیاس ہیں۔ یہ کتاب سلطان زین العابدین (۸۲۷ — ۸۷۸ھ) کے نام منسوب کی گئی تھی — یہ کتاب کافی مقبول رہی ہے کیونکہ ہندوستان میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

مطالب کی فہرست سے اس کی جامعیت واضح ہے۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں طب نظری پر بحث ہے اور دوسرے حصے میں طب عملی پر۔ دونوں حصے مقالات پر مشتمل ہیں۔ پھر ہر مقالے میں الواب ہیں اور الواب فصلوں میں منقسم ہیں۔ پہلے حصے میں چار مقالے ہیں۔ پہلے میں اسباب مادی صحت، دوسرے میں اسباب صوری صحت، تیسرے میں اسباب فاعلی صحت۔ چوتھے میں احوال و عوارض و علامات بیان کئے گئے ہیں — دوسرے حصے میں پانچ مقالے ہیں۔ پہلے میں حفظ صحت، دوسرے میں امراض اور ان کا علاج۔ تیسرے میں بخار۔ چوتھے میں جلدی امراض۔ پانچویں میں زہر اور حیوانات زہردار کا بیان ہے۔ طب نظری و طب عملی کو فن اول قرار دیا ہے اور فن دوم میں مفرد و مرکب ادویہ کا ذکر ہے۔

وضاحت کے لئے کتاب میں پانچ نقشے بھی شامل ہیں۔ (۱) استخوان ہائے بدن (۲) سر اور ریڑھ کی ہڈیوں کے اجزا (۳) اعضائے بدن (۴) تشریح شرائین (۵) تشریح خفین۔

کتاب کا اسلوب بیان واضح اور صریح ہے۔ عبارت فاضلانہ ہے۔ عربی وفارسی کی اصطلاحات یکجا استعمال کی ہیں۔ علم طب کے فاضل طلبہ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ طرز نگارش جاننے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے عشق کے بارے میں مصنف کی رائے پڑھیے۔

عشق نیز از مالیخولیا شمردہ اند۔ وسوسہ باشد کہ مردم را بر فکر صورتی خوب دارد، علامت آن صفرت لون وغفلت وحیرت وسکوت وکثرت فکر و بیخوابی و سرعت وصفر و صلابت بغض بود ودایما آہ سرد کشد۔ علاج او آنست کہ بکارھای بزرگ وسفر وصید اشغال نمایند و ترطیب دماغ بادہان وتطولات کنند وتقویت قلب بشراب حماض وصندل وسیب ومفرح یاقوتی۔ وغذا خورند و ترک دیدن محبوب و ذکر او کنند و اگر وصال ممکن باشد بہترین علاج بود الا بنصیحت وتقبیح معشوق او سرزنش و امثال آن سعی کنند کہ ازان باز آید وکثرت مجامعت با غیر محبوب نیز مفید بود۔

کتاب ۴۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ سائز ۷×۴ ہر صفحے میں سترہ سطریں ہیں۔ منصور شاعر بھی تھے۔ بادشاہ کی مدح میں ان کے چند اشعار اسی کتاب کی زینت ہیں ؎

آنکہ از دور فلک اکنون غرض دوران اوست
آیت اقبال نصرت دائما در شان اوست
کشف اسرار قضا موقوف بر فرمان اوست
عقل کل فضل دبیرستان ابجد خوان اوست

جام جم رشحی ز ملک خاطر رخشان اوست
گوی دولت دائما اندر خم چوگان اوست

ستاره جیش به هیبت زحل سہیل مکان
شہاب رمح و سہاناوک و ہلال کمان

بزرگ ہمت و قدر بلند افسر و تخت
خجسته رایت و رای گزیده نام و نشان

تاریخ رشیدی[1]

یہ کتاب کشمیر میں ۱۵۴۴ سے فروری ۱۵۴۷ کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی اس کے مصنف حیدر مرزا دُغلات نے کشمیر میں ہی وفات پائی۔ اس لیئے ہم اسے اپنے ملک کی تصنیف شمار کرتے ہیں۔

مرزا حیدر چغتائی خاندان کی ایک شاخ دُغلات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ حیدر مرزا بن محمد حسین کورکان بن محمد حیدر مرزا بن امیر کبیر سعید علی بن امیر احمد بن خدای داد بن امیر بلاجی بن بن اردوبو بن بابے داغان میرزا حیدر ۹۰۵ ہجری تاشقند میں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ خوب نگار خانم کے رشتے سے شہنشاہ بابر سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ یہ خانم یونس خان کی بیٹی اور بابر کی والدہ قتلغ نگار خانم کی بہن تھی۔ میرزا حیدر کے والد محمد حسین سازشی ہونے کی بنا پر شاہی بیگ اوزبک کے اشارے سے ہرات میں قتل کر دیئے گئے۔ اس کے کچھ اعزا حیدر مرزا کو بخارا لے گئے۔ اس وقت مرزا کی عمر نو سال تھی۔ مولانا محمد پاس وفا کی خاطر مرزا کو مخفی طور پر بچا کر بدخشان لانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں سے بابر نے ان کو کابل میں بلوایا اور شاہی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے پرورش کی، بابر اوزبکوں سے مڈھ بھیڑ میں مشغول رہا اور میرزا حیدر بھی ساتھ ساتھ فوجی چپقلشوں میں بابر کے ساتھ ساتھ رہے۔ ایک معرکہ میں بابر ازبکوں کے مغل سپاہیوں سے

---

[1] تاریخ رشیدی بہ ترجمہ E. Denison Ross مع تعلیقات لندن، ۱۸۹۸

شکست کھاکر کابل واپس آ گئے۔ میرزا حیدر کو اس کے چچا سلطان احمد نے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ اس وقت فرغانہ کے دارالسلطنت اندیجان کا حاکم تھا۔ میرزا حیدر ۱۵۱۴ سے ۱۵۳۳ تک سلطان سعید خان پسر سلطان احمد کی معیت میں رہے اور عسکری زندگی کی تمام خدمات انجام دیتے رہے۔ یہی زمانہ اس کی اصلی تربیت کا ہے۔ مرزا نے اپنی تاریخ کے دیباچے میں ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک طرف تو خوشنویسی، نقاشی، تذہیب کاری ...... انشا اور شاعری میں مہارت پیدا کی اور دوسری طرف تیراندازی۔ شکار۔ نظم ونسق حکومت اور فنون جنگ کے تمام شعبوں میں عملی سبق سیکھے۔ ۱۵۲۷ میں اس نے ہنزہ، گلگت، چترال اور دوسری ملحقہ ریاستوں پر حملہ کیا۔ ۱۵۲۹-۳۰ میں بدخشان کے معرکہ میں شرکت کی اور ۱۵۳۱ میں لداخ۔ بلتستان۔ کشمیر اور تبت پر چڑھائی کی۔ لیکن سخت وتند سرد موسم نے واپسی پر مجبور کیا۔ ۱۵۳۳ میں لاسا د تبت کا مندر مسمار کرنے کے لئے لشکر کشی کی۔ مگر راہ کی دشواری۔ موسم کی خرابی اور خوراک کی نایابی نے اس مہم کو کامیاب نہ ہونے دیا اور میرزا صاحب لداخ لوٹنے پر مجبور ہوئے۔ جان ومال کی اس قدر تباہی کی وجہ سے اس کے ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ مٹھی بھر رفیقوں کے ہمراہ بدخشان پہنچے۔ ۱۵۳۶-۱۵۳۷ء کا موسم سرما وہاں گزارا۔ پھر کابل اور وہاں سے لاہور پہنچے۔ جہاں میرزا کامران فرزند بابر نے ان کی عزت افزائی کی۔

جب سام مرزا اور طہماسپ نے قندھار کا محاصرہ کیا تو کامران اس کے بچاؤ کے لئے ادھر گیا اس وجہ سے میرزا حیدر ایک سال تک نائب کی حیثیت سے ممالک محروسہ کے نگران رہے۔ میرزا کامران واپس ہوا تو ۱۵۳۸ میں ہمایوں شیرخان سے شکست کھاکر پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس نے امداد کے لئے کامران کو بلایا۔ میرزا حیدر

بھی ساتھ گئے، لیکن بھائیوں کے اختلاف کی وجہ سے مرزا کامران خرابی صحت کا بہانہ بنا کر لوٹ آیا لیکن میرزا حیدر ہمایوں کے ساتھ رہ گئے۔ قنوج کی لڑائی میں میرزا حیدر مشیر اور کمانڈر کی حیثیت سے شریک تھے۔ لیکن بے تربیت فوج اور غیر متحد افراد غنیم کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور شکست کھا کر آگرہ پہنچے۔ پھر لاہور آئے اور فوج کی تنظیم کے مشورے کرنے لگے۔

میرزا حیدر نے مشورہ دیا کہ کشمیر کو فتح کر لینا چاہیے تاکہ شہنشاہ اور اس کے افراد خاندان کے لئے ملجا و ماویٰ مل جائے۔ اسی سال کشمیر کے معززین موجودہ حکمران کشمیر کی زبردستیوں کے خلاف امداد کی اپیل لے کر آئے تھے۔ ہمایوں خود تو سندھ کی طرف پیچھے ہٹ گئے اور اپنے دو افسروں خواجہ کلاں اور سکندر توپچی کی معیت میں میرزا حیدر کو مختصر سی فوج دے کر فتح کشمیر کی اجازت دے دی۔ یہ دونوں افسر تو وادی کشمیر کے درون تک پہنچنے سے پہلے میرزا کا ساتھ چھوڑ کر لوٹ گئے، میرزا حیدر ثبات و استقامت سے پونچھ کا درہ پار کر کے ۱۲، نومبر ۱۵۴۰ء کو کشمیر میں داخل ہوئے اور کسی مزاحمت کے بغیر کشمیر پر قابض ہو گئے۔

میرزا حیدر گیارہ سال تک کشمیر کا حکمران رہا۔ خود تو وہ محفوظ ہو گیا لیکن کاشغر اور بدخشان میں اعزا و اقربا کی فکر دامنگیر رہی اور ان سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھنا پڑا اور اپنے دشمنوں کے خلاف بھی دفاعی سامان کرنا پڑا۔

میرزا حیدر نے شہزادہ نازک شاہ پسر فتح شاہ حکمران کشمیر کو اپنی حفاظت

میں لے لیا۔ قاچی چک کشمیریوں کا سردار تھا اور نمائندہ بن کر ہمایوں کے پاس گیا تھا تاکہ موجودہ حکمران کو الٹ کر اپنے اقتدار کی راہ نکال سکے جب اس نے دیکھا کہ میرزا حیدر اپنا آپ سنبھال کے بیٹھ گیا ہے تو وہ شیر خاں کے پاس امداد کے لئے پہنچا جس نے دو ہزار افغان فوج فوراً بھیجدی۔ میرزا حیدر تین مہینوں کے لئے اندرون ملک میں پناہ گزین ہو گئے۔ آخر اس نے ۲ اگست ۱۵۴۱ء (۸ ربیع الثانی ۹۴۸ھ) کو دشمن کا مقابلہ کیا اور ان کو مار بھگایا۔ ایک دو سال امن سے گزرے، ایک سال وبا پھیلنے سے اس کے تین زبردست دشمنوں کا صفایا ہو گیا۔ بعد کے معرکوں میں اس نے راجوری۔ پکھلی لداخ۔ بلتستان کا علاقہ بھی اپنے تصرف میں کر لیا۔

۱۵۴۵ء میں شیر شاہ کے بعد سلیم شاہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ پنجاب میں نیازی افغانوں نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ جب وہ ان کی سرکوبی کے لئے پہنچا تو نیازی کشمیر کی طرف بڑھے۔ میرزا حیدر نے ان کو آنے سے روکا اور شکست دی۔ پھر سلیم خان سے سمجھوتہ کر لیا۔

۱۵۵۱ء میں میرزا حیدر نے مغل فوج کے ایک دستے پر کرن بہادر کو کمانڈر بنا دیا اور ایک ضلع کی حکومت اس کے سپرد کی۔ یہ بات کشمیریوں کو ناگوار گزری اور وہ اس پر حملہ آور ہوئے۔ میرزا حیدر خود مغلوں کی قیادت میں مرکز فساد میں پہنچے لیکن راستے میں ایک رات دشمن حملہ آور ہوا اور اندھیرے میں میرزا کو ایسا تیر لگا کہ وہیں ہلاک ہو گیا۔

میرزا حیدر نے کشمیر کی آبادی اور خوشحالی کے لئے مناسب انتظام کیا۔ اور عدل و انصاف سے حکمرانی کی۔ اگرچہ وہ نازک شاہ کے نام سے حکومت چلاتا رہا لیکن جب ۱۵۴۵ میں ہمایوں قندھار اور کابل پر قابض ہوا تو میرزا حیدر نے

اس کو خط لکھا اور کشمیر میں آنے کی دعوت دی اور اس کے نام خطبہ پڑھا اور سکہ رائج کیا۔ برٹش میوزیم میں چاندی کا ایک سکہ موجود ہے جس پر ہمایوں کا نام لکھا ہے اور ۹۵۳ یا ۹۵۴ (۱۵۴۵ یا ۱۵۴۷ء) کا سال درج ہے۔

بہارستان شاہی کے مصنف نے لکھا ہے کہ میرزا حیدر نے انتظام مملکت میں اچھی کوشش کی۔ اطراف وجوانب سے اہل صنعت وحرفت کو بلا کر فنون کو رواج دیا۔ خاص طور پر موسیقی کو بڑا فروغ ہوا۔ مختلف ساز استعمال میں آنے لگے۔ اس تعریف کے بعد لکھا ہے کہ میرزا حیدر نے تعصب سے بھی کام لیا۔ شیخ دانیال عراقی (اہل تشیع) کو تبت سے بلا کر آگ میں جلوا دیا۔ اسی طرح شکلی رشی کے اعضائے بدنی کو بند بند کر کے نذر آتش کر دیا۔ قاضی میر علی کو شہر بدر کر کے اس کے گھر کو غارت کرا دیا۔ ملا حاجی خطیب کو بھی تشیع کی تہمت پر قتل کروا دیا[1]

مندرجہ بالا بیان مبالغہ آمیز ہے اور مصنف خود تعصب کا شکار ہوا ہے انہی واقعات کے بارے میں نوادر الاخبار کے مصنف کا بیان زیادہ قابل قبول ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ شیخ دانیال والد شمس الدین عراقی، شکلی ریشی، بابا علی نجار کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ رفض اور ناسزا گوئی کے الزام میں معتبر شہادتوں کی بنا پر تہ تیغ کرنے کا حکم دیا گیا[2]

اس قسم کے افسوسناک واقعات متعصب حکومتوں کے زیر اثر ہوتے رہتے ہیں۔

__تاریخ رشیدی__ چغتائی مغلوں کی دو شاخیں تھیں۔ ایک تو ماوراء النہر پر حکمران تھی۔

---

[1] بہارستان شاہی۔ مائکروفلم کراچی یونیورسٹی لائبریری ص ۹۰

[2] نوادر الاخبار۔ رفیع الدین مائکروفلم کراچی یونیورسٹی لائبریری۔ ص ۷۱

دوسری شاخ جدا ہوکر مغولستان میں جا بسی اور تقریباً اڑھائی سو سال تک مشرقی ترکستان میں حکمران رہی یہ تاریخ اسی مشرقی شاخ کی تاریخ ہے۔

یہ تاریخ دو حصوں میں منقسم ہے۔ دفتر اول میں صرف چغتائی خاندان کے افراد کی تاریخ ہے جو مصنف نے روایات سے مرتب کی ہے۔ کچھ حصہ شرف الدین یزدی کے ظفر نامہ سے ماخوذ ہے۔ اس حصے میں دو خاندانوں کے حالات کا بیان ہے پہلے میں خانان مغولستان کا حال ہے جو تغلق تیمور سے شروع ہوا جس نے ۱۳۴۷ سے ۱۳۶۲ تک حکومت کی اور اس کا باپ ایسان بوغا پہلا شخص تھا جو چغتائی کی اصلی شاخ سے جدا ہوا دوسرے حصے میں مشرقی ترکستان کے دغلات امرأ کا حال ہے۔ جس سے جد اعلیٰ امیر بولاجی نے تغلق تیمور کو خان کا منصب عطا کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خاندان دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک مغولستان اور مشرقی ترکستان پر قابض ہوگیا۔ کاشغران کا صدر مقام تھا۔ دوسرا ایغورستان پر مسلط ہوگیا جس کا دارالسلطنت تورفان تھا۔ مصنف نے اپنے زمانے تک کے حکمرانوں کا حال بیان کیا ہے۔ پہلا دفتر ۱۵۴۴ سے ۱۵۴۶ تک کے عرصے میں تمام ہوا۔

دوسرا دفتر پہلے سے دگنا ہے۔ اس میں مصنف نے اپنی زندگی اور اپنے عہد کے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ اس دفتر کو اپنی پیدائش کے بیان سے شروع کرکے ۱۵۴۱ تک کے حالات پر ختم کردیا ہے۔ یہ حصہ اس نے ۱۵۴۱ – ۱۵۴۲ میں لکھا اس حصے میں مصنف کے پیر طریقت مولانا محمد قاضی کے لکھے ہوئے بادشاہوں کے لئے اصول و قواعد بھی درج ہیں۔ ایک اور رسالہ ' اخلاق مصنفہ خواجہ نورا بھی تتماً شامل متن ہے۔

یہ تاریخ سلطان عبدالرشید خان بن سلطان سعید خاں کے نام سے منسوب ہونے کی وجہ سے تاریخ رشیدی کے نام سے معروف ہے۔

کتاب کا اسلوب بیان پیچیدہ نہیں اور نہ ہی پُر تکلف ہے۔ مروجہ دستور کے مطابق مصنف نے جا بجا موزوں اشعار نقل کئے ہیں جس سے پڑھنے والوں کو دلچسپی ہوتی ہے۔ واقعات کے خشک بیان سے طبیعت نہیں اکتاتی لیکن اسکے باوجود طرز نگارش ادیبانہ نہیں۔ واقعات اور شخصیات کا علم نہ ہو تو بعض مقامات پر بیان مطالب میں صراحت نہیں۔ مثلاً نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل عبارت کا ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:-

چندانکہ سخن صلح گفتہ شد برین منوال کہ بعضی از ولایات بدخشان تسلیم نمایند۔ چون زمستان گذرد، خان مراجعت نماید۔ ایشان این معنی را مصداق ندانستند بلکہ پنداشتند کہ مگر این تزویر است۔ آخرالامر کار بر تاخت قرار یافت تا آمدن خان بندہ اطراف قلعہ ظفر را فراہم آوردم و آنچہ از ناطق وصامت کہ اسم شی بر آن توان نہاد، درہم کشیدند۔ بعد از چند روز خان ہم رسید، مدت سہ ماہ قلعہ ظفر را محاصرہ نمودند و اطراف آنرا آنچہ از بندہ باقی ماندہ بودند، مردم خان بردند۔ چون زمستان بآخر رسید، اکثر امراء کہ کس فرستادہ بودند، در مبادرت ملازمت بعذر پیش آمدند۔

یہ کتاب ماخذ کے اعتبار سے بڑی اہم ہے کیونکہ مغولستان کے حکمرانوں کا حال کسی اور جگہ یکجا محفوظ نہیں۔ اس تاریخ کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کا لکھنے والا اس خاندان کا سربرآوردہ شخص ہے۔ کشمیر اور اطراف و جوانب میں مرزا حیدر کے اپنے عہد میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کا بیان بھی ایک عینی شاہد کی حیثیت سے قابل اعتماد ماخذ شمار ہو سکتا ہے۔

حاجی محمد کشمیری[1]

حاجی محمد علم فقہ وعلم حدیث کے بڑے نامی عالم تھے۔ ان کے اب وجد ہمدان سے تھے۔ سید علی بن شہاب الدین ہمدانی کے ہمراہ ہمدان سے کشمیر آئے اور یہیں بس گئے۔ حاجی محمد کشمیر میں ہی پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ تحصیل علم کے لیے دہلی گئے اور اساتذہ سے تکمیل کی۔ شیخ کبیر محمد باقی نقشبندی دہلوی کی خدمت میں رہ کر تصوف و طریقت کے مراتب سے آشنا ہوئے۔ پھر کشمیر لوٹ آئے اور ساری زندگی درس وافادہ میں بسر کی۔ جمعرات کے دن انیس صفر ۱۰۰۶ ہجری میں وفات پائی۔ خواجہ محمد باقی کے ایک مرید مولانا حسن نے ان کی تاریخ وفات اس طرح لکھی۔

نوزدہ از ماہ صفر رفتہ بود کین فلک گشت بزیر و زبر

زیر و زبر ساخت حیات مرا ہمچو حیات نمک اندر جگر

دز سر پرورد ولی نعمتی کز غم او مشتغلم گشت سر

پیر و خرد را دل و جان زین خبر خون شد و پیوست بجان جگر

سال و مہ و روز ازین واقعہ

نوز دہم بود ز شہر صفر (۱۰۰۶ھ)

ان کی تالیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

---

[1] نزہتہ الخواطر، عبدالحی، ج ۵، ص ۱۲۵ - ۱۲۶، مفتاح التواریخ نولکشور، ص ۲۰۲

شرح شمائل النبی للترمذی (فارسی[1]) کتاب فضائل القرآن۔ شرح عقاید الحنفیہ۔ شرح المجرد۔ کتاب مصباح الشریعۃ فی مذہب امام الشافعی۔ شرح مشارق الانوار۔ خلاصہ کتاب الاوضاح فی بیان مذاہب الاربعہ۔ قید الکتب الثلٰثہ الی کتاب البیوع۔ کتاب خلاصہ المجامع فی جمیع الاحادیث، منتخب شرح الاوراد الفتحیہ شرح الاوراد العصریہ۔ کتاب معجزات النبی المشتمل بالعقاید المدینسنہ والعقاید المنظومہ۔ رسالہ ذکر بجہر۔ رسالۃ الاسم اعظم۔ شرح حصن حصین (فارسی) تفسیر القرآن (فارسی)

ان تمام تالیفات کا ذکر خود مصنف نے شرح حصن حصین کے آخر میں کیا ہے ان کتابوں میں سے شرح حصن حصین کا قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی موجود ہے۔ مخطوطہ پشاور ۱۷۵ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں ہیں اور ہر سطر میں بارہ تیرہ الفاظ۔ سائز ۶×۹ ہے۔

"حصن حصین من کلام سید المرسلین" عربی میں علامہ شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن یوسف الجزری الشافعی کی تالیف ہے۔ کتاب کے آخر میں مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ اس نے یہ کتاب ۷۹۱ھ میں مرتب کی جب کہ دشمن نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سب دروازے بند تھے اور رسد کے تمام راستے مسدود تھے۔ لوگ خدا کے حضور دعائیں مانگتے تھے۔ اس لئے ان دعاؤں کو جمع کیا اور اس حصن حصین میں پناہ لی"

یہ کتاب بڑی مقبول رہی ہے۔ اس کے بے شمار قلمی نسخے ملتے ہیں۔ مصر میں

---

[1] محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب مؤلفہ خدا بخش میں اس کا ذکر موجود ہے۔

۱۳۴۹ھ میں چھپ چکی ہے۔ اس کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ ملا علی قاری کی شرح حرز ثمین مشہور ہے۔ مولانا عبد العلیم ندوی نے اس کو مع ترجمہ و شرح اردو شایع کیا ہے۔

مؤلف نے اذکار و ادعیہ کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند احادیث جمع کی ہیں۔ شروع میں فضیلت دعا، آداب الدعا، اوقات اجابت، اور مقامات کا بیان ہے۔ اس کے بعد اسم اعظم اور اسماء حسنی کا ذکر ہے۔ پھر صبح شام آغاز زندگی سے وفات تک کی تمام دعاؤں کو بیان کیا ہے۔ آخر میں قرآن عظیم پڑھنے اور مختلف سورتوں اور آیتوں کی خصوصیات اور برکات بیان کی ہیں۔ اس میں اکثر ایسی دعائیں ہیں جو روزمرہ زندگی میں اکثر کام آتی ہیں۔ نماز، روزہ، حج، قربانی، وضو، نماز کے علاوہ، پیدائش، نکاح موت، رنج و غم کے اوقات میں پڑھنے کے لئے دعائیں موجود ہیں۔ علاج امراض کے لئے بھی دعائیں لکھی ہیں۔ مثلاً

جن، آسیب، دیوانگی، بچھو کاٹنے، پیشاب بند ہو جانے، آنکھ دکھنے اور بخار دور کرنے کے لئے بھی دعائیں جمع کی ہیں۔

مولانا حاجی محمد نے زیر نظر کتاب میں ترجمہ کے ساتھ ساتھ بعض اوقات تشریحات لکھی ہیں اور تعلیقات کا اضافہ کیا ہے۔ بعض الفاظ کے اصل ریشے اور مصادر بتائے ہیں۔ اور اعراب لگا کر ان کی تشریح کی ہے۔ مثلاً خُطبہ اور خِطبہ۔ قرآن اور قرأت وغیرہ۔

ترجمہ اور شرح کے نمونے ملاحظہ کیجئے۔

ترجمہ: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، میت متقی

عبادت. مگر خدای عزّ و جل در حالتی که یگانه است. نیست انبازی مراورا و مراوراست
بادشاهی و مراوراست ثنای جمیل و بوهر مخلوق تواناست.

شرح: وانا علی عهدك ما استطعتُ.

من عهد تو ام و وعدهٔ توام آنچه توانستم یعنی اینقدر که
توانستم بر عهد و وعده ایکه کرده بودم و فا کردم و بجا آوردم
و تواند بود که مراد از عهد و وعده روز میثاق باشد و تواند
بود که بطریق تمثیل باشد یعنی چون حضرت حق سبحانهٗ
و تعالیٰ بنده را قابلیت و استعداد قبول دین حق
و استعداد طاعت داد گویا که بنده عهدی و وعدهٔ
ای با خدای تعالیٰ محکم کرد و تواند بود که اضافت در
عهدک اضافت بسوی فاعل باشد یعنی امر یکه مرا فرموده
من بر آن اعتقاد دارم و آنرا تعدد طاعت تصدیق
میکنم"

مرکز ادب

وادی پشاور

وادی پشاور

قدیم تاریخ میں مغربی پاکستان کا شمالی مغربی علاقہ گندھارا یا وادی پشاور کے نام سے مشہور تھا۔ یہ علاقہ یونانی اور بدھ تہذیب کا بڑا مرکز رہا ہے۔ سوات۔ ویھنڈ لاہور اور چارسدہ کے قریب پشکلاوتی کا قدیم شہر گندھارا تہذیب و فنون کے مرکز تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے یہاں ہندوشاہیہ خاندان حکمران تھا۔ امیر سبکتگین سلطان غزنہ کے بڑھتے ہوئے ارادے دیکھ کر جے پال ہندوشاہ نے اس کو روکنے کے لئے لشکر بڑھائے لیکن منہ کی کھائی۔ دوسری مرتبہ سبکتگین نے ۳۳۶ھ (۹۸۶ء) اپنی فوج میں خلجیوں اور افغانوں کی خدمات حاصل کر کے جے پال کو لغمان کے مقام پر شکست دی۔ بت خانوں کو جلایا اور بت پرستوں کو تہس نہس کر دیا۔ لغمان کے علاوہ دوسرے شہر اور قلعے بھی فتح کئے اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔[1]

سبکتگین کے بیٹے محمود غزنویؒ نے ۳۹۲ ہجری (۱۰۰۱ء) میں پرشور (پشاور) کے مقام پر جے پال کو شکست دی اور وہ گرفتار ہو کر دربار میں پیش ہوا۔ اس کو قیدی بنا کر افسروں کے سامنے تشہیر کیا گیا۔ آخر جے پال نے اپنے بیٹے انند پال سے پچاس ہاتھی منگوا کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے اور رہائی حاصل کی۔ تاریخ یمینی میں ہم سلطان محمود غزنوی کی ایک اور جنگ کے بارے میں پڑھتے ہیں جو برہمن پال خلف انند پال کے خلاف 'ویھنڈ' کے مقام پر ہوئی اور ہندو بادشاہ بری طرح پٹا۔ ۴۱۸ھ تک ہندوستان کا تمام شمالی علاقہ غزنویوں کے تصرف میں آ چکا تھا۔ وادی پشاور میں ہندو شاہیہ سلطنت ختم ہو جانے

---

1. Tarikh-i-Yamini - E&D. Vol. II p. 24.

سے اس علاقے میں اقتدار قائم رکھنا ضروری ہوگیا۔ اس لئے امراد کا تقرر ہوتا رہا۔ سلطان مسعود غزنوی (۴۲۱ھ - ۴۳۲ھ) کے عہد میں جو شخص پشاور کی حکومت پر مامور ہو کر رجب ۴۲۹ھ میں آیا اس کے ساتھ دو سو آراستہ غلام تھے[1]

غزنویوں کے آنے سے اس سرحدی علاقے میں اسلام تو پھیل گیا لیکن یہاں کے رہنے والوں کی کوئی کیفیت معلوم نہیں۔ غزنویوں کے بعد معزالدین محمد بن سام نے ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں فرشاور (پشاور) فتح کیا[2] غوری اور خلجی یہاں کے سرحدی دروں سے ہندوستان جاتے اور آتے رہے ہیں۔ کوہ سلیمان کے جنوبی علاقوں کے خلجیوں نے دہلی میں سلطنت کی بنیاد رکھی اور اٹک کے اس پار کا علاقہ خود مختار ہو کر رہ گیا۔ ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں چنگیز نے حملہ کر کے کچھ دیر کے لئے اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ لیکن بعد کے مغلوں نے غیاث الدین تغلق سے شکست کھا کر اپنے خیمے اکھاڑ لئے۔ فیروز شاہ تغلق تک اس علاقے میں امن رہا۔ چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں تیمور کا طوفانی حملہ اپنے ساتھ بربادی کی آندھیاں لے کر آیا اور ویران چھوڑ کر چلا گیا۔ الغ بیگ پسر تیمور کے عہد سلطنت میں کابل کے بعض قبائل مثلاً یوسف زئی۔ گگیانی اور محمدزئی وہاں سے اٹھ کر وادی پشاور کی ویران بستیوں میں آباد ہو گئے۔

سیدوں اور لودھیوں کے عہد سلطنت میں بھی سرحدی علاقے میں امن و امان کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ عالم خاں لودھی حاکم پنجاب کابل گیا اور اپنے بھتیجے ابراہیم لودھی کے خلاف ظہیرالدین بابر حاکم کابل سے استعانت

---

[1] تاریخ بیہقی ص ۵۳۵

[2] E&D. vol II p. 204

[2] E&D. vol I. p. ۲۰۴

کی درخواست کی۔ بابر نے لاہور پر حملہ کیا اور عالم خان کو حکومت دلا کر کابل واپس آگیا۔ بیس سال بعد ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کو پانی پت کے مقام پر شکست دے کر دہلی اور آگرہ پر قابض ہوگیا۔ وادی پشاور میں اس نے یوسف زئیوں کو شکست دی اور پشاور کو بھی غارت کیا۔ بابر کے بیٹے ہمایوں بادشاہ کے عہد میں یہ علاقہ اس کے بھائی میرزا کامران کے تصرف میں تھا اور بعد میں اس کے بیٹے میرزا حکیم کے قبضے میں رہا۔ جلال الدین اکبر نے ۱۵۸۱ء میں حملہ کر کے کابل پر تصرف کر لیا۔ وادی پشاور میں قبائلیوں میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے اسے کچھ رکاوٹیں پیش تھیں۔ اس کے انجینئر قاسم خاں نے اٹک پر پل باندھا اور قلعہ بنایا اور درہ خیبر سے کابل جانے والی سڑک کی تعمیر کی تاکہ گاڑیاں آسانی سے گزر سکیں ۱۵۸۱ء میں ہی اکبر نے یوسف زئیوں اور مندڑ کو تسخیر کرنے کے لئے راجہ بیربل، حکیم ابوالفتح گیلانی اور زین خاں کوکہ کی سالاری میں ایک فوج مرتب کر کے بھیجی۔ ایک تو راستے کڈھب۔ درے اور گھاٹیاں۔ دوسرے سالاروں کی نااتفاقی اور ناتجربہ کاری۔ فوج پہاڑوں کے درمیان ایسی جگہ گھر گئی کہ قبائلیوں نے چٹانوں کی پناہ لے کر ایسا مارا کہ راجہ بیربل اور آٹھ ہزار سپاہی پتھروں کے ساتھ پتھر ہو گئے۔ اس شکست کے بعد اکبر غضبناک ہوا اور ۱۵۸۵ء سے ۱۵۹۲ء تک فوجیں آتی جاتی رہیں۔ اور فتح و شکست کے تبادلے ہوتے رہے۔ لیکن سوات، دیر، بنیر۔ باجوڑ اور جنوبی اضلاع میں مغلوں کا تصرف نہ ہو سکا۔ بنوں، دوڑ اور عیسیٰ خیل کی وادیاں صوبہ کابل کی سرکار میں شامل رہیں۔

۱۵۸۱ء میں ہی بایزید انصاری پیر روشن کا نوجوان بیٹا جلالہ گرفتار ہوا اور اکبر کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ لیکن چودہ سالہ کمسن جوان ہونے کی وجہ سے اس کی جان بخشی ہوئی مگر اس نے رہا ہوتے ہی آفریدیوں۔ خلیلیوں اور مہمندوں کو ملا کر

بغاوت کا پرچم بلند رکھا اور کابل کو جانے والی شاہراہ یعنی درہ خیبر کو روکت رہا۔ دو تین دفعہ اس کے خلاف مہمیں گئیں۔ آخر ۱۵۹۲ء میں اس کے بیوی بچے اور چودہ ہزار پیرو گرفتار ہوئے اور وہ خود غزنہ میں ایک سپاہی کے ہاتھوں تیر کا نشانہ بن گیا۔ اس شکست کے باوجود قبائل کامل طور پر مفتوح نہ ہوئے انہوں نے جابجا اپنی آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھا۔[1]

فارسی زبان و ادب کا رواج

وادی پشاور کی اصلی زبان پشتو یا پختو ہے جو ہندی آریائی زبانوں کی ایک شاخ ہے۔ اس کے ڈانڈے سنسکرت اور اوستا سے ملائے جا سکتے ہیں۔ دوسری قوموں کے اختلاط کے ساتھ ساتھ اس میں غیر زبانوں کی آمیزش بھی نظر آتی ہے ایران و کابل کی سرزمین سے پیوستہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ ارتباط رہا۔ وہیں کے قبایل یہاں آکر بس گئے۔ یہاں کے مقامی باشندوں نے اسلام قبول کیا انوان کے توسط سے زبان کا دخیل ہونا یقینی تھا۔ اس لئے پشتو میں فارسی عربی کے دخیل الفاظ زیادہ ہیں۔ یہاں کے باشندے تجارتی اغراض کے لئے ہندوستان جاتے آتے رہے۔ دہلی سلطنت میں بھی ان کا دخل دخل رہا۔ یہیں کے افغانوں نے اپنی حکومتیں بھی قائم کیں۔ یہاں کے طالب علم قدیم ہندوستان کے مدارس میں تعلیم و تربیت کے لئے بھی جاتے رہے۔ اس لئے پشتو میں ہندی الفاظ کے عناصر بھی ملتے ہیں۔

مسلم حکمرانوں کی زبان فارسی تھی اور دفتر و دربار سے تعلق کی خاطر زبان

---

1. The Pathans by Olaf Caroe

کا سیکھنا ضروری تھا۔ اس لئے یہاں کے اصلی باشندوں نے بھی یقیناً یہ زبان سیکھی۔ یہ لوگ مسلمان ہوئے تو بستی بستی میں مسجدیں قائم ہوئیں، مسجدوں کے ساتھ ساتھ مدرسے بنے۔ مقدمات فیصلے کرنے کے لئے مفتی اور قاضی مقرر ہوئے باہر کے علماء بھی درس و تدریس کے لئے یہاں مقیم ہوتے رہے۔

۹۳۲ھ سے وادی پشاور میں بابر کی آمد کے بعد اس علاقے کی تاریخ کچھ روشن ہوتی نظر آتی ہے۔ ہمایوں شیر شاہ سوری اور اکبر کے عہد سلطنت میں بعض شخصیتیں ابھرتی نظر آتی ہیں۔ پیر روشن بایزید انصاری (متوفی ۹۳۱ھ) کی تحریک کے ضمن میں ان کے والد شیخ عبداللہ اور ان کے علمی خاندان، سید علی ترمذی اور اخوند درویزہ جیسے علماء اور عرفاء کا تذکرہ آتا ہے۔ اسی زمانے میں اہل خطہ کی اجتماعی دینی اور تعلیمی زندگی کے گوشے ہمارے سامنے ابھر کر آتے ہیں۔ اس علاقے میں بایزید انصاری ہی پہلے شخص ہیں جن کی تصانیف صراط التوحید، خیر البیان، حالنامہ اور دوسرے رسایل سے ہم باخبر ہوتے ہیں۔ اخوند درویزہ کا تذکرۃ الابرار و الاشرار بھی اسی زمانے میں لکھا گیا۔

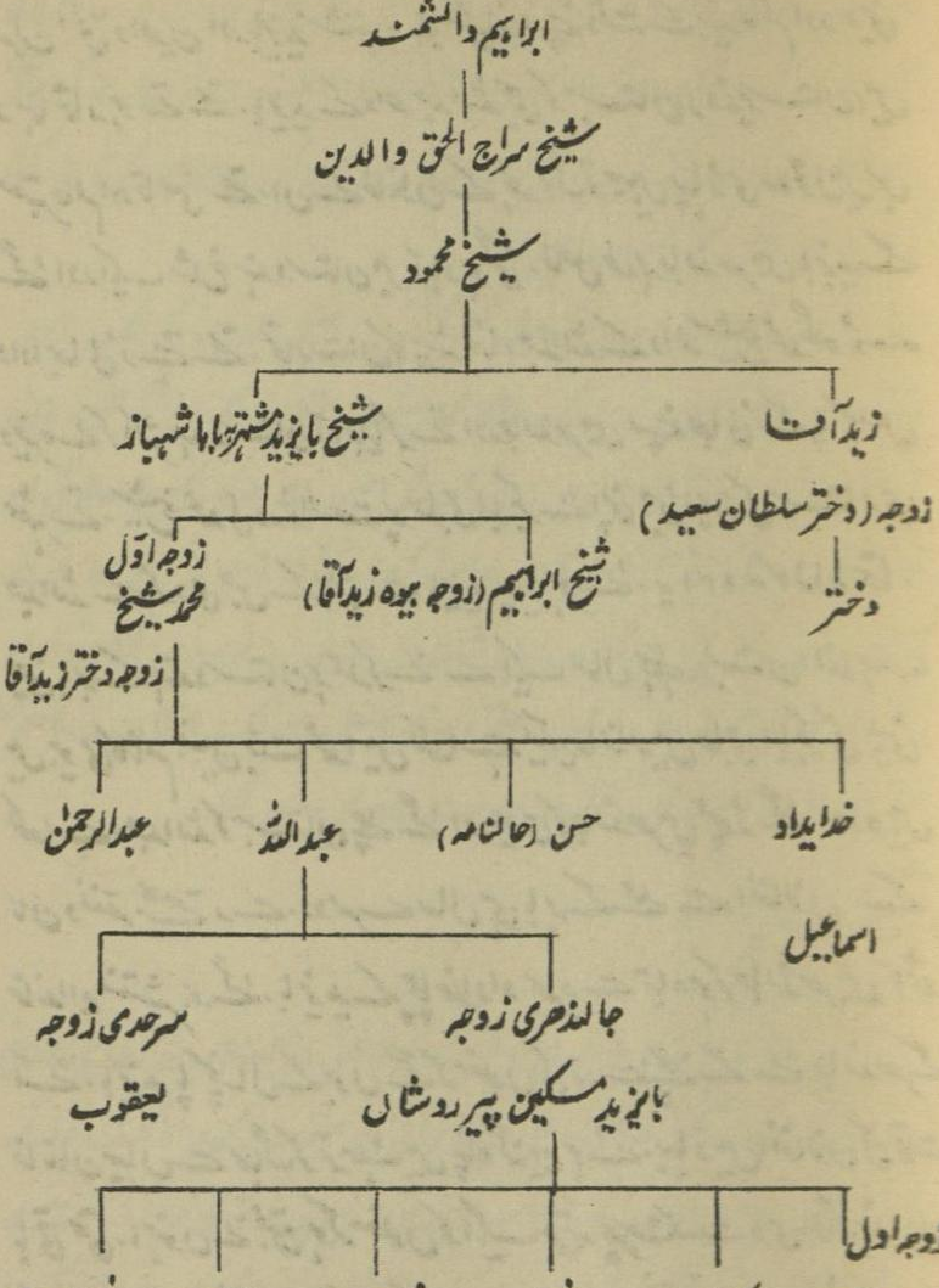
بایزید انصاری

یہ وہی بایزید ہیں جو سرحدی علاقوں میں پیر روشان یا پیر روشن کے نام سے مشہور ہوئے اور بعد میں فرقہ روشنیہ کے بانی بھی بنے۔ حضرت ایوب انصاری رضؓ سے نسبت کی وجہ سے ان کا خاندان انصاری مشہور تھا۔ حالنامہ میں ان کا نسب نامہ اس طرح دیا گیا ہے۔

خاندان

بایزید بن عبداللہ بن شیخ محمد بن شیخ بایزید (پرندہ) بن شیخ محمد بن شیخ سراج الدین۔ بن چراغ الدین، بن شیخ مولانا ابراہیم دانشمند بن شیخ زادہ حمزہ بن خواجہ محمود بن شیخ داؤد بن شیخ شمس الدین بن شیخ خلیل۔ بن شیخ نعمان بن شیخ خداداد بن شیخ منصور بن شیخ محمد بن خواجہ زید احمد انصاری بن شیخ منصور محمد بن شیخ احمد بن شیخ زادہ بن خواجہ ایوب انصاری۔

تذکرۃ الانصار مؤلفہ علی محمد ولد گل محمد انصاری میں چار پانچ پشتوں تک اس طرح نسب نامہ دیا ہوا ہے۔ (دیکھیے اورنٹیل کالج میگزین۔ فروری ۱۹۵۵ء مقالہ از ڈاکٹر محمد جہانگیر)



پیدائش اور بچپن

بایزید کا خاندان ارباب علم وعرفان کے لیے مشہور تھا۔ ابراہیم دانشمند،

سراج الحق والدین اور بایزید مشتہر بہ بابا شہباز اپنے وقت کے جید عالم اور دینی رہنما شمار ہوتے تھے۔ بایزید کے والد عبداللہ بھی کوہستان (وزیرستان) میں معتبر عالم اور قاضی تھے۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگ تو یہیں پہاڑی علاقوں میں بس گئے اور ایک شاخ ہندوستان میں آباد ہو گئی۔ خاص طور پر جالندھر میں بایزید کے دادا بھائی رہتے تھے۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ عبداللہ کے والد شیخ محمد گھوڑے وغیرہ لے کر اکثر ہندوستان آیا جایا کرتے اور جالندھر میں اپنے بھائی کے پاس ٹھہرتے۔ شیخ محمد کی درخواست پر حاجی ابا بکر نے اپنی بیٹی امینہ کی شادی عبداللہ سے کر دی جس کے بطن سے بایزید پیدا ہوئے۔ یہ ۹۳۱ھ کا زمانہ تھا۔ یعنی بابر کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے ایک سال پہلے۔ دبستان المذاہب میں بیوی کا نام بنین بنت محمد امین لکھا ہے لیکن حالنامہ میں حاجی ابا بکر کی بیٹی لکھا ہے۔ عبداللہ کوہستان چلے گئے اور بیوی کو جالندھر میں چھوڑ گئے اور وہیں نان و نفقہ بھیجتے رہے۔ دوسرے سال ہی بابر کے حملے سے افغانوں کے خاندان منتشر ہو گئے۔ بایزید کے چچا خداداد بھیرہ سے تباہ ہو کر جالندھر میں اٹھ آئے۔ بایزید پانچسال کے ہوں گے کہ مغلوں کی زد سے بچنے کے لئے جالندھر کے خاندان یہاں سے بھاگ کر تمرہٹ میں پناہ گزین ہوئے۔ بہار میں افغانوں کی قوت باقی تھی۔ انہوں نے مجتمع ہو کر مغلوں کو ایک مرتبہ پھر شکست دی۔ لوگ خداداد کے پاس نذریں بھیجتے تھے کہ ان کی توجہ اور دعا سے یہ فتح نصیب ہوئی ہے اس طرح ان کے گھر کا گذارہ چلتا رہا لیکن مغلوں نے پھر افغانوں کو شکست دی اور خرچ کی تنگی ہوئی۔ آخر خداداد، بایزید اور اس کی امی ایک قافلہ کے ہمراہ بہار سے چل دیئے۔ قنوج پہنچے تو بابر کے داماد نے راستہ روک کر افغانوں کو قتل کیا۔ شیخ خداداد نے کہا میں انصاری ہوں اور اپنا شجرہ نسب دکھایا۔

اس تدبیر سے باقی ماندہ افغان بھی بچ گئے۔ اس نے بابر کی خدمت میں سات لاکھ ٹنکہ پیش کر کے درخواست کی اور اس نے قافلے کو حفاظت سے گزر جانے کی اجازت دی۔ شیخ خداداد اپنے گھر والوں کے ساتھ راستے کی چوکیوں سے عبور کرتا ہوا کنی گرام میں عبداللہ کے پاس جا پہنچا۔

بایزید کی عمر سات سال تھی جب کنی گرامؒ میں پہنچے۔ عبداللہ کی ایک اور افغان بیوی بھی تھی جس میں سے ایک لڑکا محمد یعقوب تھا اور ایک لڑکی تھی، بایزید کی امی نے کوہستانی ماحول میں اپنے آپ کو اجنبی پایا۔ سوکن کی بدسلوکی اور خاوند کی بے رخی نے بھی اس کا دل اچاٹ کر دیا۔ آخر طلاق ہوئی اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس چلی گئی اور بایزید شفقت مادری سے محروم ہو گئے۔ خداداد ان کے چچا جو بڑے رحم دل محسن تھے وہ بھی غلطی سے ایک افغان کے ہاتھوں قتل ہوئے اور بایزید ایک غمگسار دوست سے محروم ہو گئے۔

تعلیم

عبداللہ کا یہی خیال تھا کہ بایزید لکھ پڑھ کر قاضی اور مفتی بنے اور اپنی خاندانی روایات کو زندہ رکھے۔ چنانچہ وہ بھی اپنے بھائی محمد یعقوب کے ہمراہ مکتب جانے لگے۔ ملا پایندہ، عبداللہ کے خلیفہ، استاد تھے۔ بایزید نے قرآن ختم کیا۔ فقہ و مسائل کی کتابیں مثلاً عمدۃ الاسلام اور غیرہ پڑھیں (حالنامہ ص ۴۶) لیکن وہ علم معاملات نہیں پڑھنا چاہتے تھے کیونکہ قاضی گری سے ڈرتے تھے۔ قدوری اور

ؒ کنی گرام۔ محسود وزیرستان میں شہر تھا۔ تقریباً سات ہزار فٹ کی بلندی پر آج بھی اُدمر لوگ آباد ہیں۔ اُدھری زبان بولتے ہیں۔

لباب الاخبار اپنے باپ سے پڑھیں لیکن ناتمام چھوڑ دیں۔ عربی زبان کی تعلیم بھی ناقص ہی رہی۔ صرف ونحو ضرور پڑھی ہو گی لیکن صحیح زبان لکھنے پر تسلط نہ ہوا۔ ادھوری تعلیم رہ جانے کی ایک وجہ انہوں نے خود بیان کی ہے وہ یہ کہ دستور کے مطابق قرآن مجید ختم کرنے پر ملا کو خلعت دیتے تھے۔ اور مدرسے میں بھی شیرینی بانٹتے تھے لیکن عبداللہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ بایزید ندامت سے مدرسہ نہ گئے ایک مرتبہ قافلے کے ہمراہ حج کو جانا چاہتے تھے تاکہ وہاں جاکر تعلیم حاصل کریں لیکن باپ نے جانے کی اجازت نہ دی۔ باقاعدہ تعلیم نہ ہونے کے باوجود ان کی تالیفات مقصود المؤمنین اور خیر البیان سے ظاہر ہے کہ انہیں قرآنی مطالب پر کافی عبور تھا۔ وہ آیات قرآنی کو سمجھتے اور برمحل استعمال کرتے ہیں۔

جوانی

بایزید جوان ہوئے تو تجارت وزراعت کے کاموں میں لگے رہے۔ باپ کے ہمراہ کئی مرتبہ تجارت کے لیے گئے۔ عبداللہ کی زمینیں تھیں۔ بھیڑ بکریاں اور گھوڑے تھے۔ آٹا پیسنے کی چکی بھی تھی۔ اس لیے بایزید گھر میں بھی کام کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

بایزید کی زندگی ناخوشگوار تھی۔ سوتیلی ماں کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ باپ کا رویہ بھی ہمدردانہ نہیں تھا۔ بایزید ذہین تھے اور حساس بھی۔ اس لئے اداس رہتے تھے۔ ان کی عمر سولہ برس کی ہو چکی تھی۔ ایک مرتبہ ان کی سوتیلی ماں فاطمہ زوجہ عبداللہ نے ان پر چوری کا الزام لگایا۔ ان کو قسم کھا کر اپنی بریت کا یقین دلانا پڑا۔ اس واقعہ سے ان کو بڑا صدمہ ہوا۔ وہ روز روز کے جھگڑوں سے نجات پانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔

وہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ آخر قریہ والوں کی مداخلت سے مال کے پانچ حصے ہوئے اور ایک حصہ بایزید کو ملا۔ ایک غلام بھی ان کے حصے میں آیا لیکن عبداللہ نے عارضی طور پر ان سے لے لیا لیکن بعد میں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس نے واپسی کا وعدہ نہیں کیا تھا اور اپنے داماد عبدالجلیل اور بے پالک بخشی کو گواہ کے طور پر پیش کیا۔ اس بات پر انہیں بڑا دکھ ہوا وہ اپنے باپ سے قدوری اور لباب الاخبار کا سبق پڑھا کرتے تھے لیکن جب معلوم ہوا کہ باپ نے جھوٹ کہا ہے تو پڑھنا چھوڑ دیا۔ (حالنامہ ص ۴۶)

اس کے بعد بایزید نے اپنا الگ گھر بنا لیا اور خود تجارت شروع کر دی اور گھر کا اثاثہ جمع بھی کر لیا۔ اور شیخ حسن، چچا کی بیٹی بی بی شمسو سے نکاح کیا گویا ازدواجی زندگی بھی شروع ہو گئی۔

تلاشِ حقیقت

بایزید جوانی میں ہی تفکر و تدبر کے عادی ہو گئے تھے۔ انہیں ظاہری عبادات میں ایمان کی چاشنی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ علماء کے بے عمل کی رقابتیں ملا، قاضی اور صوفی کی ریاکاری اور عام مسلمانوں کی باہمی لڑائیاں ان کو مغموم رکھتی تھیں۔ وہ چاہتے کہ انہیں ایسا شخص ملے جو انہیں سیدھی اور سچی راہ دکھائے اور ان کے اطمینان قلب کا سبب بنے۔ اس لئے وہ مرشد کامل کی جستجو میں رہنے لگے۔ جب سے انہوں نے رسول خدا کی یہ حدیث سنی۔ کہ لایقبل اللہ تعالیٰ عبادۃ العبد کلہا بغیر معرفۃ اللہ وان کان فی العبادۃ الف سنۃ (اللہ تعالیٰ معرفت کے بغیر کسی بندے کی عبادت قبول نہیں کرے گا خواہ اس کی ہزار سالہ عبادت کیوں نہ ہو)

ان کا دل غمگین ہونے لگا۔ خراسان اور ہندوستان سے جو لوگ آتے وہ ان سے مرشد کامل کے بارے میں خبریں پوچھتے رہتے تھے لیکن ان میں سے اکثر ناقص نظر آتے۔ وہ اسی تلاش میں تھے کہ ان کے گاؤں میں خواجہ اسماعیل انصاری کی درویشی کا چرچا ہوا۔ یہ درویش خداداد کے بیٹے یعنی بایزید کے چچیرے بھائی تھے بایزید صراط التوحید (ص ۳ - ۵) میں لکھتے ہیں کہ "میں ان کے پاس گیا اور درخواست کی کہ وہ مجھے مرید بنالیں اور معرفت خداوندی کی راہ دکھائیں تاکہ ذکر و فکر اور اور مجاہدہ و ریاضت سے میری صفات ذمیمہ صفات حمیدہ میں تبدیل ہو جائیں۔ ایک دن میں نے عبداللہ قاضی سے ذکر کیا[1] کہ میں خواجہ اسماعیل کے ہاتھ پہ توبہ کرنے لگا ہوں۔ عبداللہ نے داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔ میری داڑھی منڈ جائے گی اور میں بدنام ہو جاؤں گا۔ پھر کہا۔ محمد کے بارہ بیٹے تھے۔ ان سب میں سے یک سب سے زیادہ نامور اور فاضل ہوا۔ اگر تم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کر لی تو لوگ کہیں گے پسر عبداللہ نے پسر خداداد کے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ پس میرے نام کو داغ لگے گا۔ اگر تو توبہ کرے گا تو پھر یا تو رہے گا یا میں۔ اور میں تجھ سے ناراض ہو جاؤں گا۔ پھر کہا شیخ بہاؤالدین قدس سرہٗ کے سلسلۂ خاندان سے بیعت کر لو۔ ملتان جاؤ۔ میں توشہ راہ اور شکرانہ پیر دے دوں گا۔" میں نے کہا۔" لوگ وہاں نذرانے لے جاتے ہیں۔ وہاں سے کلاہ۔ شجرہ زنبیل کمربند یا دوسری نشانیاں لاتے ہیں لیکن ذکر و فکر اور شناخت حق کی خبر ان کو نہیں ہوتی۔ یہ جواب سنکر بھی اس نے مجھے اجازت نہ دی لیکن میں خود خواجہ اسماعیل کے پاس گیا اور اپنا حال بتایا اور اس سے کہا خدا کے لئے توبہ کیے بغیر ہی

---

[1] بایزید یہ نہیں لکھتے کہ میں نے اپنے والد سے اجازت مانگی بلکہ ان کا نام لیتے ہیں جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ انکے باپ کا نام عبداللہ ہے وہ سمجھے گا کہ یہ کوئی اور صاحب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ بیٹے میں محبت نہیں رہی تھی۔

مجھے کچھ بتاؤ"۔ اس نے کہا" بے توبہ روا نہیں"۔ میرا دل بڑا غمگین ہوا۔ میں نے بہت سوچا آخر میں نے اپنے دل کو ہی مفتی بنایا۔ اس نے فتوی دیا کہ" قرآن کو امام بناؤ"۔ پس میں نے دیکھا کہ خواجہ اسماعیل اپنے مریدوں کو کم کھانے کم بولنے اور کم سونے کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ میں نے بھی کم سونا اور سوکھا روکھا کھانا شروع کر دیا۔ عبداللہ نے کہا" اب تو جوان ہے خوب کھا۔ جب بوڑھا ہو جائیگا پھر دین کا کام استواری سے کرنا"۔ میں نے کہا" میں کیا جانوں۔ بوڑھا ہوں گا بھی کہ نہیں"۔ آخر میں نے قرآن کو اپنا حکم بنایا۔ قرآن کھولا تو یہ آیت سامنے آئی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ (ہم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی۔ ہاں اگر تم پر سختی کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کرو) پس میں نے عبداللہ سے کہدیا کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔

اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے بایزید لکھتے ہیں ۔" میں نے پہلے ہی چلے میں حضرت خضر کو خواب میں دیکھا اور اس سے استدعا کی کہ مجھے اپنا دینی بھائی بنا لو۔ میرے دل میں شک گزرا کہ شاید یہ خضر نہ ہوں لیکن جب وہ میرے ساتھ چلے تو لوگوں نے ان کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہماری ملاقات حضرت خضر سے ہو گئی۔ تب مجھے یقین آ گیا۔ ہم ایک چشمے پر پہنچے جہاں دو فرشتے آب حیات پلا رہے تھے۔ میں نے حضرت خضر کے ہاتھ سے جی بھر کر پانی پیا۔ اس خواب سے میرا دل خوش ہوا"۔

بایزید اپنی روحانی ترقی اور عبادت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

(حالنامہ ص ۲۰) "میں نے کئی مہینے عزلت میں گزارے۔ جب سامان معاش میں

کمی واقع ہوئی تو بیوی کے کہنے پر تجارت کی غرض سے قندھار گیا۔ وہاں بھی پیر کامل کی تلاش میں رہا۔ قندھار میں ایک واقعہ پیش آیا۔ بیرم خان (اکبر کا باباخان خانان) کے داروغوں نے قافلہ والوں کا مال زبردستی چھین لیا۔ مال کے چھ حصے کیے۔ پانچ حصے خود لے گئے اور ایک حصہ ان کے پاس چھوڑا۔ میرے مال کے تین حصوں میں سے دو حصے خود لے گئے۔ لوگ امیر کے پاس شکایت لے کر گئے۔ میں بھی ساتھ گیا۔ سب نے زانو کے بل جھک کر عرض پیش کی۔ میں بھی جھکا۔ بیرم خان نے کہا "میں تفحص کروں گا" مگر بعد میں وعدہ خلافی کی۔ میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی کہ تو اسم اعظم پڑھتا ہے اور دنیاوی مال کے لیے مخلوق کے سامنے گھٹنے ٹیکتا ہے گھر پہنچا تو پانچ سال کے لیے خلوت نشینی کا عہد کیا۔ پانچ سال کے بعد ایک دن کم یا زیادہ ہوگا کہ میں باہر آیا۔ خدائے رزاق کہیں نہ کہیں سے گھر والوں اور مہمانوں کے لیے رزق کا سامان مہیا کرتا رہا۔ لوگ ہدایت کے لیے میرے پاس آتے رہے اور میں انہیں خیرات و حسنات کی تلقین کرتا رہا۔ اب اکیس سال ہوتے ہیں (۹۷۸ھ)، میں نے رزق کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

تبلیغ اور مخالفت

بایزید کو اپنے اعتقادات پر پختہ یقین تھا۔ وہ بے باکی سے لوگوں کو معرفت حق کی ترغیب دینے لگے۔ مسلمانوں کو بے عمل، بے دین اور منافق کہتے تھے۔ قبائل کے سرداروں، کلانتروں اور آئمہ و علماء میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ لوگ عبداللہ کے پاس جا جا کر بایزید کے خلاف شکایت کرتے کہ اس کو روکے تاکہ وہ دوسروں کو منافق و بے دین نہ کہے۔ بایزید نے باپ سے کہا۔ 'میرے اعمال پر نگاہ کرو اگر میں قرآن و احادیث کے خلاف عمل کروں تو مجھے

روکو۔" باپ نے ذکر خفی کے بارے میں قرآن و حدیث سے دلائل پوچھے۔ بایزید نے قرآن میں سے یہ آیت پڑھی۔ واذکر ربك فی نفسك تضرعاً و خیفة ودون الجهر بالقول و الغدو والاصال اور حدیث یہ پیش کی خیر الذکر الخفی و خیر الرزق ما یکفی۔ باپ خاموش ہو کر چلا گیا۔ بایزید نے وقت کے قاضی، ملّا اور مفتی سے کہا: تم دین کے کاموں سے دنیا حاصل کرتے ہو۔ ومن طلب الدنیا بعمل الاخرة فماله فی الاخرة من نصیب۔ اور جو خدا کی وحی کے مطابق فیصلے نہیں کرتا اس کو یہ وعید سنائی۔ من لایحکم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون عوام سے کہا تم کیا مسلمان ہو جو باہمی جنگ و جدل میں مصروف رہتے ہو اور اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم۔ المسلم من سلم المسلمون من یده ولسانه (حدیث) لوگ اس کا استدلال سن کر حیران رہ جاتے لیکن مخالفت نہ تھمی۔ بایزید کا نام بلند ہو رہا تھا اور مرید جمع ہو رہے تھے اور یہ بات مخالفین کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ علماء، ملکوں اور سرداروں نے کہا کہ بایزید تین باتیں نہ کہے:۔ خلق شرک کرتی ہے۔ منافق ہے اور تاریکی میں ہے۔

اب بایزید کی شہرت آس پاس کے قبائل اور بستیوں میں پہنچ رہی تھی۔ جب کنی گرام والوں نے بہت تنگ کیا تو بعض مریدوں کے مشورے سے وہ شہر ننگرہار میں گئے۔ وہاں کے شیخ اور یا نے مخالفت کا طوفان اٹھایا۔ اس شخص کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اس نے امراء کو اکسایا اور لوگ بایزید کو نکال باہر کرنے کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے بایزید کے والد قاضی عبداللہ کو خط لکھا کہ بایزید دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس کو گرفتار کر کے لے جاؤ۔ آخر بایزید خود ہی اپنے اقربا

کی معیت میں واپس آگئے اور کچھ عرصے کے لئے عبداللہ کے مکان میں رہ کر اللہ داد کے مکان میں اٹھ آئے۔ اس مکان کے ساتھ مسجد بھی متصل تھی۔ وہاں پانچ وقت نماز پڑھاتے تھے۔ قرآن اور دوسری کتابوں کی تعلیم دیتے تھے۔ حجرے میں جاکر ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے۔ یہاں پھر ان کا اثر و رسوخ اور بڑھا۔ قبیلہ برکی کے اشخاص مرید ہوئے۔ ملا مودود اور ملا ارزانی ہندوستان سے آکر مرید ہوئے ملا مودود نے مقصود الطالبین لکھی۔ ملا ارزانی شاعر تھے۔ ان کا دیوان افغانی میں ہے اور مراۃ المحققین ان کی تصنیف ہے۔

مخالفت کے باوجود مریدوں کی اطاعت اور میلان کی وجہ سے بایزید کا حوصلہ بڑھا۔ اب وہ تبلیغ کے لئے گھر سے باہر نکلے۔ تیراہ کی طرف گئے۔ اورک زئی آفریدی اور تیراہیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ تیراہ سے ملک سیرین میں گئے۔ وہاں قبیلہ خلیل، مہمند اور داؤد زئی کے لوگ بھی مرید ہونے لگے۔ گگیانی اور یوسف زئی قبیلے کے آدمی بھی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن حاسدوں کو بایزید کا یہ عروج ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ بایزید کے مرید بھی اب اس کے لئے جان کی بازی لگانے پر آمادہ تھے۔ مخالفین خود تو ان کے خلاف قدم نہ اٹھا سکے۔ انہوں نے سرکاری مداخلت سے کام لینا چاہا۔ حبیب بخیل بارہ ہزار روپیہ لے کر مرزا حکیم کے پاس کابل پہنچا۔ میرزا محمد حکیم جلال الدین اکبر بادشاہ کے بھائی تھے اور کابل پر حکمران تھے پشاور تک کا علاقہ ان کی قلمرو میں شامل تھا۔ حبیب نے بایزید کے خلاف الزامات لگاکر میرزا کو ان کے قتل پر اکسایا۔ وزراء نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ آخر میرزا نے جالس خان حاکم پشاور کو حکم دیا کہ بایزید کو گرفتار کر کے کابل بھیجے۔

جب بایزید کابل پہنچے تو میرزا احترام سے پیش آیا اور بایزید کو قاضی خان قاضی کابل کے پاس مذاکرہ کے لئے بھیجا۔ قاضی خاں نے بایزید سے پوچھا۔ لوگ اعتراض

کرتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو مہدی کہتے ہو"۔ بایزید نے کہا "میں مہدی نہیں بلکہ ہادی ہوں اور گمراہوں کو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہوں" پھر پوچھا:"تم کہتے ہو مجھ پر وحی آتی ہے"۔ بایزید نے اس کا جواب دیا کہ "مجھ پر وحی نہیں آتی بلکہ مجھے الہام ہوتا ہے"۔ اور رسول خدا کی حدیث پیش کی۔ الالہام نور بینزل فی القلب یعرف بہا حقیقۃ الاشیاء کما ھی" قاضی نے پوچھا "الہام رحمانی اور شیطانی میں کیسے تمیز کرتے ہو"۔ بایزید نے کہا۔"جو الہام قرآنی آیت وحدیث کے موافق ہو صرف وہ قابل قبول ہے"۔ اس کے بعد شریعت وطریقت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ پھر قاضی نے پوچھا "کس خاندان کے توسط سے تم نے یہ علم حاصل کیا ہے"۔ بایزید نے جواب دیا کہ "ہمارا طریقہ اویسیہ ہے اور حضرت رسالت پناہ کے طفیل سے بے واسطہ خدا تعالیٰ نے مجھے علم لدنی سے بہرہ مند کیا ہے"۔ قاضی اور دوسرے حاضرین بایزید کے جوابات سن کر مطمئن ہو گئے اور میرزا کے پاس جا کر ان کے معتقدات کو بیان کیا۔ لیکن مخالفین نے ایک اور حربہ چلایا۔ میرزا حکیم سے کہا کہ "افغان اس کے مرید ہیں اور ہمارے باجگزار اور دشمن۔ اس لئے ایسے شخص کا آزاد رہنا خطرے کا باعث ہے"۔ میرزا حکیم نے بایزید سے کہا کہ "تمہیں افغانوں میں نہیں رہنا چاہئے"۔ بایزید نے جواب دیا کہ "جاہلوں اور گمراہوں کی رہنمائی کے لئے ان میں کام کرنا چاہیئے"۔ آخر میرزا ان کی باتوں سے مطمئن ہوا اور ان کو اسپ وخلعت دے کر رخصت کیا۔

بایزید کابل سے پشاور پہنچے۔ وہاں اب جالنس خان کے بجائے معصوم خان حاکم تھا۔ حاسدوں نے اس کو اکسایا کہ بایزید کا کام تمام کرنے کا منصوبہ باندھا لیکن بایزید کے ایک مرید نے بایزید کو اس کی اطلاع پہنچا دی۔ چنانچہ وہ پشاور

سے مہمند زئی میں چلے گئے - اب انہوں نے وسیع پیمانے پر کام شروع کیا۔ اطراف و جوانب میں اپنے خلفاء نامزد کئے۔ اپنے خلیفہ دولت خان کو اپنی تصنیف صراط التوحید دے کر اکبر بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے خوشی کا اظہار کیا اور نذر و تحائف بھیجے۔ خلیفہ یوسف کو مرزا سلیمان کے پاس بدخشان میں رسالہ بحر الطالبین دے کر بھیجا۔ اس نے گھوڑا اور پوستین دی اور خدمت میں حاضر ہونے کی توقع ظاہر کی -

مغلوں سے جھڑپ

حالنامہ (ص ۴۰۰) کا بیان ہے کہ قبیلہ توی کے چند لوگ مرید ہوئے۔ وہ ذکر خفی میں غرق رہنے لگے۔ انہوں نے دنیائے فانی کی بے ثباتی اپنے دلوں میں منقش کی۔ قیامت کو نزدیک جانا۔ دنیا کے کاروا شغال کو بے کار اور مہمل سمجھا۔ ہندوستان سے ایک قافلہ مال لے کر کابل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ان کے پاس رکا۔ انہوں نے کہا یہ لوگ اِدھر سے غلام لے جاتے ہیں یا دوسرا ساز و سامان اور اُدھر سے گھوڑے لاتے ہیں۔ یہ تانتا اسی طرح لگا رہتا ہے۔ ان مجذوبوں نے کہا یہ کیا بے کار مشغلہ ہے۔ یہ کہہ کر قافلہ والوں پر حملہ کر دیا۔ ان کا سارا سامان بکھیر دیا۔ ایک ہدف لگایا اور اس سامان پر گھوڑے دوڑا کر روند ڈالا۔ قافلہ والوں نے سمجھا کہ پٹھان اکٹھے ہو کر ہم پر لوٹ پڑے ہیں۔ انہوں نے کابل پہنچ کر میرزا حکیم سے لوٹ کی شکایت کی۔ اس نے پانچسو سوار متعین کئے۔ انہوں نے آکر قبیلہ والوں پر حملہ کر دیا۔ ادھر سے صرف پندرہ سواروں نے مقابلہ کیا۔ آخر مغلوب ہوئے۔ سپاہی ان کے اہل و اولاد کو گرفتار کر کے لے گئے۔ بایزید نے مرزا حکیم کو چٹھی لکھ کر اصل حال سے آگاہ کیا۔ لیکن وزراء نے ان کے خلاف بیانات دیئے۔ چنانچہ میرزا نے پشاور میں اپنے نائب معصوم خان کو

لکھا کہ بایزید کو گرفتار کر کے تہ تیغ کر دیا جائے۔ معصوم خاں نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا جن میں پہاڑ خاں نامی قبیلہ مہمند کا سردار بھی تھا اور بایزید کا ارادتمند بھی چنانچہ اس نے بایزید کو خبردار کر دیا اور یہ بھی تجویز کیا کہ قبیلہ مہمند بایزید کو لے کر کلپاہی اور توری کی طرف چل دے۔ جب معصوم خاں کو یہ اطلاع ہوئی تو اس نے پہاڑ خاں کو پہاڑ سے گرا دینے کا حکم دیا لیکن جب اس نے وعدہ کیا کہ وہ قبیلے کو واپس اپنی جگہ بلا لائے گا تو اس کی سزا موقوف کر دی۔ معصوم خاں نے بایزید کی گرفتاری کے لئے تمام راہیں مسدود کر دیں۔ اس نے بایزید کو پیغام بھیجا کہ وہ میرزا حکیم کے حکم سے اس کو گرفتار کرنے آیا ہے۔ بایزید اور ان کے ہمراہیوں نے مقابلے کی ٹھانی۔ حالنامہ کے بیان کے مطابق جنگ بدر کی تعداد کے مطابق ان کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ چنانچہ زوردار معرکہ ہوا اور مغل سپاہیوں کو شکست ہوئی جس مقام پر لڑائی واقع ہوئی تھی۔ بایزید نے اس کا نام 'آغاز پور' رکھا (ص ۸۱ھ)

اس واقعہ کے بعد مغلوں اور قبائلیوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت پیدا ہو گئی۔ مغلوں کے دستوں کو آتے جاتے روکنے لگے۔ میرزا سلیمان جب بدخشان سے آیا تو آفریدیوں نے راستہ روکا۔ جب پشاور سے لشکر آیا تو اورک زئی، آفریدی اور تیراہی قبائل مقابلے میں آئے اور لڑائیاں ہوئیں۔ حالنامہ میں لکھا ہے کہ بایزید ان ہنگاموں سے بچنے کے لئے یوسف زئی علاقے میں چلے گئے۔ وہیں انہوں نے ۹۸۰ میں وفات پائی۔ شیخ عمران کے بیٹے اور جانشین نے ان کی میت کا صندوق وہاں سے نکال کر اپنے علاقے میں لیجانا چاہا لیکن مخالفین نے راستہ روکا۔ آخر پہاڑوں اور دریاؤں کی آفتوں سے بچا کر صندوق کو بتپور (!) میں محمد کمال (بایزید کے پہلے خلیفہ) کی قبر کے پاس دفن کیا۔ یہی بیان دبستان المذاہب میں موجود ہے۔

بایزید اور ان کی تحریک کے دشمن اخوند درویزہ نے لکھا ہے کہ محسن خان غازی نے بایزید پر حملہ کیا تو وہ پیادہ پہاڑوں میں بھاگ نکلا۔ گرمی اور پیاس کی شدت سے اشتغر میں مرا اور وہیں دفن ہوا۔ اس کے بیٹے اور جانشین شیخ عمر نے اس کی ہڈیاں صندوق میں ڈالیں اور اپنے ساتھ لئے پھرے تاکہ بڑی مہم میں زندہ ہو کر ان کی مدد کرے۔ یوسف زئیوں نے شیخ عمر کی نعش کو آگ میں جلا دیا صندوق ملعون بھی آگ میں جلا دیا اور بوسیدہ ہڈیوں کو دریا میں بہا دیا۔ ان کے مریدوں نے کانی گرام میں ان کی قبریں بنالی ہیں اور لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ (مخزن الاسلام۔ ص ۱۵۷ - ۱۵۸)

شخصیت و کردار

بایزید دیندار آدمی تھے۔ باپ قاضی اور ظواہر شرعی کا پابند تھا۔ وطن میں بھی یہی ماحول تھا۔ لوگ عموماً نماز روزہ کرتے تھے۔ انہوں نے تعلیم بھی مکتبی حاصل کی۔ اس لئے شروع سے مسجد کے ماحول کا اثر رہا۔ چونکہ زیرک اور تیز فہم تھے اس لئے غور و فکر کرتے تھے اور علم و عمل کا تطابق دیکھنا چاہتے تھے۔ لوگ مسلمان ہونے کے تو مدعی تھے لیکن ان کے اعمال درست نہیں تھے۔ باپ اور سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی کے بُرے سلوک نے بھی ان کو متنفر کیا۔ اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ قاضی رشوت بھی لیتے تھے اور دوسرے علماء کی عملی زندگی بھی دنیادارانہ تھی جیسا انہیں معلوم ہوا کہ ان کے والد بھی جھوٹ بولتے ہیں اور اپنی بیوی کی رضا جوئی کے لئے ان کے ساتھ دوسرے بچوں کا سا مساوی سلوک نہیں کرتے تو ان کا متنفر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ ماں کو طلاق دیئے جانے اور اس سے جدا ہونے کا بھی ان کو ضرور شدید احساس ہوگا۔ اس لئے ان کے دل میں نہ باپ کی محبت رہی اور نہ احترام۔ صراط التوحید میں وہ اپنے والد کا

نام لے کر ذکر کرتے ہیں اور اس کو باپ کہہ کر نہیں پکارتے۔ لیکن اپنی زندگی میں انہوں نے اپنی طرف سے اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا ہے۔ باپ نے انہیں مکہ جانے سے روکا تو رک گئے۔ اسماعیل کا مرید بننے سے منع کیا تو مان گئے۔ جائداد کے حصے بٹنے کے بعد باپ نے اپنی سہولت کے لئے غلام مانگا تو دے دیا۔ تجارت سے واپس آ کر تحائف لاتے تو باپ کو بھی بھیجتے لیکن جب ماں باپ کی روش درست نہ ہوئی تو تحائف بھیجنا ترک کر دیا۔ خیال ہے جب وہ دوسروں کے اعمال کا احتساب کرتے تھے تو ان کو باپ کے ساتھ اپنی اس روش کا بھی خیال آتا ہوگا۔

چنانچہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بارے میں قرآنی حکم ان کے سامنے تھا۔ انہوں نے دین کے معاملات میں باپ سے اختلاف کیا اور ان کی اطاعت نہ کی اس کا جواز بھی ان کی نظر میں تھا۔ قرآن میں ہے ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھدٰک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما (ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں کہ تو اس چیز کو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان)

انہوں نے اپنے عقاید کو برملا بیان کیا اور دوسروں کے عیوب کو بھی آشکار کیا۔ کوہستان جیسے محدود علاقے اور محدود آبادی میں اور پھر افغانوں جیسے درشت مزاج لوگوں کے درمیان رہ کر ان کو منافق اور بے دین کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے کئی مرتبہ ان کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی لیکن انہوں نے اعلانیہ حق بات کہی۔ حاکم وقت کے سامنے جا کر بھی وہ نہیں ڈگمگائے۔ انہوں نے ہر مرحلے پر اولوالعزمانہ صبر کا ثبوت دیا۔ شیخ اودیا نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اور اپنے مریدوں کو ابھار کر بایزید کو سنگ نومی سے نکال باہر کیا۔ بعد میں اس نے ان کے ایک مرید علی شیر پر الزام لگایا کہ علی نے اس کا گھوڑا تیر مار کر ہلاک کر دیا ہے اور خون بہا

کا مطالبہ کیا ہے بایزید اپنے سوتیلے بھائی کے ساتھ دو گھوڑے لے کر شیخ ادریا کے پاس پہنچے۔ اگرچہ بایزید کے جانباز مریدوں نے اس کو توہین مانا لیکن وہ اس کے پاس گئے اور کہا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ تیرے گھوڑے کو علی شیر نے قتل کیا ہے — سرداروں نے زبردستی یہ گھوڑے تمہارے پاس بھیجے ہیں یا رکھ لو یا واپس کر دو لیکن ادریا نے دونوں گھوڑے رکھ لئے۔

بایزید ایک مبلغ اور مصلح اخلاق تھے۔ انہوں نے فکر و تدبر سے اور ریاضت و مجاہدہ سے اپنی شخصیت کی تکمیل کی اور پھر اپنے علم و تجربے سے دوسروں کو بھی مستفید کیا۔ وہ قرآن و حدیث کے مطالب صحیح معنوں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے دل و دماغ کی اصلاح و تربیت کے لئے جو مخفی طریقہ رکھا تھا انہوں نے اپنی تصنیف میں کہیں بیان نہیں کیا، البتہ خلوت میں ذکر خفی اور اسم اعظم کا وظیفہ بتا کر روحانی مدارج سے آشنا کرانا ان کی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ بعض فہمیدہ اور صاحب استعداد مریدوں نے ان کی تقلید میں ان کے بتائے ہوئے علم التوحید کو سمجھا اور پھر دوسروں کو بھی سمجھایا ہوگا وگرنہ عوام تو محض پیر یا رہنما سمجھ کر ان کے گرویدہ ہو گئے ہوں گے اور ان کے مخالفین نے پیر روشن سے نسبت کی وجہ سے ان کو روشنی کہنا شروع کر دیا ہوگا وگرنہ بایزید کسی فلسفہ یا نظریہ کے مبلغ نہیں تھے۔ ان کے خلفاء میں سے بعض نیک بندے تھے جو پیر روشن کی طرح لوگوں میں نیک اعمال کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کے بیٹے بھی صالح تھے۔ بعض مخالفین کی شمشیر حسد و عناد سے کٹ گئے بعض مغلوں کے ساتھ جنگوں اور سیاسی معرکوں میں مارے گئے اور بعض شاہ وقت سے مصالحت کر کے دنیا دار بن گئے اور پیر روشان کی تبلیغی تحریک ختم ہو گئی۔

افکار و عقاید

بایزید کے تقریباً وہی عقاید تھے جو اہل سنت و جماعت کے عقاید ہوتے ہیں وہ اکثر اپنے مباحث میں قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے والد کا بیان ہے (حالنامہ ص ۳۱۴) بایزید قرآن و حدیث کے معانی ایسے بیان کرتا ہے کہ ہم حیران رہ جاتے ہیں، اس کا یہ کام بے حکمت نہیں ہے۔ اس نے کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کہیں اس نے باہر سے سیکھا ہے۔" ان عام دینی عقاید کے علاوہ جن مخصوص افکار کو انہوں نے عام کیا وہ ان کی چاروں کتابوں یعنی حالنامہ، صراط التوحید، خیر البیان اور مقصود المؤمنین میں تشریح و توضیح سے بیان ہو چکے ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ تمام عبادتوں کی غایت معرفت خداوندی ہے۔ انہوں نے اس کو علم التوحید کہا ہے اس کے حصول کے لئے ایک پیر کامل کی ضرورت ہے۔ اس مرشد کامل کی اہمیت پر انہوں نے بہت زور دیا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں جو اہل تصوف کے درمیان مروج ہیں لیکن ان میں سے اکثر مشتبہ اور اور وضعی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً

جعلت فرض علی الانسان ان یطلبو شیخ الکامل لاجل علم الانبیاء و معرفتی ان کان مکانہ فی الصین او فی العجم او فی الشام (حدیث قدسی) (صراط التوحید ص ۴۷)

(میں نے انسان پر فرض کر دیا ہے کہ وہ علم الانبیاء اور میری معرفت کا علم حاصل کرنے کے لئے شیخ کامل کو تلاش کرے۔ اگرچہ اس کا مقام چین۔ عجم اور شام میں کیوں نہ ہو)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ لادین لہ فمن لا شیخ لہ الشیخ ھو الذی یدلہ علی المجاھدۃ ویرشدہ الی اللہ وانقطاعہ عن ماسوی اللہ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا شیخ نہیں ہے ۔ اس کے لئے دین بھی نہیں ہے ۔ شیخ وہ ہے جو مجاہدہ کی رہنمائی کرتا ہے اور اللہ کی طرف اور غیر اللہ سے انقطاع کی طرف ہدایت کرتا ہے ۔ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ (صراط التوحید ص ۶۵) قوم میں شیخ کی وہی حیثیت ہے جو نبی کی امت میں ہے ۔

ان کا اپنا قول ہے ۔ لا شیخ کامل لہ فالشیطان شیخہ (حالنامہ ص ۴۸) جس کا شیخ کامل نہیں پس شیطان اس کا مرشد ہے ۔

الشیخ ھو الذی من یعلم من علم النبی وعمل بہ وعلمہ للمتعلم (حالنامہ ص ۵۰) شیخ وہ ہے جو علم نبی سے باخبر ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور پڑھنے والے کو سکھاتا ہے ۔

ہم بایزید کی نیت پر شک نہیں کرتے کہ انہوں نے اپنے مقصد کی خاطر متذکرہ صدر احادیث کو وضعی جان کر لکھا اور تبلیغ کے لئے استعمال کیا ۔ البتہ اس بات کا امکان نظر آتا ہے اور گمان ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے پیر کامل کے بارے میں اس قدر اہمیت بتائی تو ان کی نگاہ میں اپنی تکمیل شدہ شخصیت کا بھی خیال ہوگا وہ خود کو بھی پیر کامل کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگ اگر پیر کامل کی اطاعت کریں گے تو گویا رسول خدا کے فرمان کی اطاعت کریں گے ۔ بایزید نے تو یہاں تک کہا ہے کہ عہد وبیعت شیخ الکامل کان کالعھد والبیعتہ مع النبی (مقصود المومنین ۔ ص ۴۹) شیخ کے ساتھ عہد وبیعت گویا نبی کے ساتھ عہد وبیعت ہے ۔"

بایزید کے نزدیک شیخ کامل اپنے مرید سے توبہ لے کر اس کو تزکیہ نفس اور تجلیہ روح کے ارتقائی منازل سے گزارتا ہے۔ بایزید نے بھی ان منازل کے آٹھ درجے رکھے ہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، قرب، وصلت، وحدت سکونت۔ شریعت تو فقہی حدود تک قوانین شرعی کی پابندی ہے۔ نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا اور فرشتوں کی طرح عبادت و اطاعت میں مشغول رہنا فعل طریقت ہے۔ ہمیشہ اللہ کی یاد میں رہنا۔ غیر اللہ کو دل سے دور کرنا اور جمال دوست پر نظر رکھنا فعل حقیقت ہے۔ ذات حق کو دل کی آنکھ سے دیکھنا اور نور عقل سے اسکو پہچاننا اور کسی مخلوق کو ضرر نہ پہنچانا فعل معرفت ہے۔ حق کو جاننا اور کائنات میں اس کی تسبیح کی آواز سننا اور سمجھنا فعل قرب ہے۔ ترک وجود کرنا اور سب کام خدا کی مدد سے کرنا۔ ہر فضول کام سے الگ رہنا اور وصال خدا کو دلائل سے سمجھنا فعل وصلت ہے۔ اپنے آپ کو فنا فی الحق کرنا، باقی مطلق کرنا۔ موحد با احد ہونا، شر سے بچنا فعل توحید ہے۔ حق مطلق کے صفات سے متصف ہونا اور اپنی صفت بیان کرنے سے پرہیز کرنا فعل سکونت ہے۔

مندرجہ بالا آٹھ ارکان میں سے دراصل چار رکن اساسی ہیں یعنی شریعت طریقت۔ حقیقت اور معرفت۔ اور یہ وہی مراحل ہیں جو عام صوفیا کے ہاں رائج ہیں۔ باقی چار یعنی قربت، وصلت، وحدت اور سکونت کے نام تو ضرور جدید ہیں۔ لیکن معنوی اعتبار سے مروجہ مصطلحات سے مختلف نہیں۔ فنا۔ بقا میں ان چاروں کا مفہوم شامل ہے۔ بایزید نے خود بتایا ہے کہ ان کی ذات درجہ آخر تک پہنچ چکی تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

بہر سو کہ نظر میکردم بچشم و دل بے مثل میدیدم۔ ہیچ چیز از ہستی او جدا نمی دیدم و ہیچ آواز بے تسبیح حق نمی شنیدم (صراط التوحید۔ ص ۱۰)

ہستی من در ہستی او میگداخت وہلاک میگردانید (ص ۲۱) پس حق تعالیٰ مرا تجلی توحید نمود و از کار پنہاں باخبر گردانید۔

انہوں نے اپنی ذات کی تکمیل کے بعد دوسروں سے کہا:۔

"جو شخص میرے پاس آئے وہ یقین کرے اور مجاہدہ اختیار کرے۔ قرآن کی اطاعت، انبیاء کی حدیث، اولیاء و مشائخ کے اقوال کے مطابق میری فرماں برداری میں اخلاص سے کام کرے وہ عنایت خداوندی سے شریعت سے طریقت سے حقیقت سے معرفت اور قربت۔ وصلت اور علم توحید کی خبر سنے گا اور خفی و جلی شرک کی پلیدی سے باہر نکل آئے گا (صراط ص ۲۴) اس کا نفس دل کا مطیع ہوگا۔ دل روح کا مطیع اور اس کی روح صفت حق سے متصف ہو جائے گی۔

بایزید نے اپنی تعلیمات کا خلاصہ صراط التوحید میں ایک اور موقع (ص ۸۳) پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیر اپنے مریدوں کو نصیحت کرے کہ وہ

"ہر قسم کے حرام سے پرہیز کریں۔ حلال میں سے اسراف کے بغیر تھوڑا کھائے تھوڑا پیئے۔ اچھی زبان میں مختصر کہے، بد کلامی نہ کرے۔ تھوڑا سوئے۔ جب رات ہو تو خدا کی یاد میں بیٹھے، جب نیند کا غلبہ ہو تو ذکر خدا کرتا پہلو پر سو جائے۔ رات کے آخری حصے میں اٹھے۔ وضو کرے۔ دو رکعتیں نماز شکر وضو پڑھے۔ مرشد کی طرف منہ کرے اور اس کی صورت کا تصور دل میں کرے۔ صبح صادق ہو تو حضور دل سے نماز پڑھے۔ پھر اللہ کی یاد میں دوسری نماز کا منتظر رہے۔ نیکوں کی صحبت میں رہے

بردوں اور غافلوں سے پرہیز کرے۔ ہمیشہ ذکر خفی میں مشغول رہے۔

جب تک معرفت توحید حاصل نہ ہو جائے آرام نہ لے۔"

مندرجہ بالا ہدایات تقریباً وہی ہیں جو عموماً صوفیا کے ہاں مروّج ہیں۔ خصوصاً سلسلۂ چشتیہ میں ذکر خفی کی تلقین ہوتی ہے۔

بایزید صاحب کے عقاید و افکار کا خلاصہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے خود پڑھ کر دوسروں سے سمجھ کر غور و فکر کر کے محنت و ریاضت کر کے اپنی شخصیت کی تکمیل کی لیکن وہ اپنی تصانیف میں غیبی امداد کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں میں نے خواجہ خضر کو خواب میں دیکھا یا مجھے الہام ہوا یا غیب سے ندا آئی۔ حالنامہ میں ان کی کرامتوں کا بھی ذکر ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کتاب کے اندر دیکھے بغیر صفحات کی تعداد بتا دی۔ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ وہ دیئے کے بغیر اپنے چہرے کی روشنی سے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ ان باتوں کی تصدیق و تحقیق کے لئے ہمارے پاس کوئی معیار نہیں۔ صرف مصنف کا اپنا بیان ہی قابل اعتماد ہو سکتا ہے۔ خواب میں بشارت ملنا یا کسی تدبیر کا سوجھنا یا اچانک دل میں کسی خیال کا پیدا ہونا یہ ایسے امور ہیں جو انسانوں کو پیش آتے رہتے ہیں ان کا سچا ہونا بھی ممکن ہے۔

مخالفین کے اعتراضات

بایزید کے سب سے بڑے مخالف انہیں کے ہم عصر اخوند درویزہ ہیں۔ انہوں نے اپنے مرشد سید علی ترمذی کے ہمراہ اور تنہا بھی ان کے ساتھ مناظرہ کیا۔ اخوند درویزہ سنی المذہب کٹر قسم کے ملا تھے جو قرآن، حدیث اور فقہ کے ذاتی مطالب و معانی سے سرمو انحراف کو بدعت، ضلالت اور کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ

انہوں نے پیر روشان کے بجائے پیر تاریک کا لقب دیا۔ وہ اپنی تصانیف تذکرۃ الابرار والاشرار اور مخزن الاسلام میں ان کو ملعون، کافر، ملحد اور مرتد کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ جہاں اس ملعون کا کوئی رسالہ اہل سنت کے ہاتھ لگے تو آگ میں جلا دیں۔ (مخزن - ص ۱۵۸) اس شدت کا مخالف شخص تو یقیناً متعصب ہوگا۔ اس لئے ان کے بیانات کو احتیاط سے قبول کرنا ہوگا۔ درویزہ صاحب نے جتنے الزامات لگائے ہیں افسوس ہے انہوں نے بایزید کی کسی کتاب یا رسالے کا حوالہ نہیں دیا۔ اس لئے بایزید کی موجودہ تصانیف کی روشنی میں درویزہ صاحب کے اعتراضات صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ جب تک ان کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہیں ہوتیں ہم علمی انداز یہی اختیار کر سکتے ہیں کہ درویزہ صاحب کے اعتراضات کو بایزید کی اپنی تصانیف کے مقابل رکھ کر ان کا تجزیہ کریں اور پھر ان کو ملزم یا بری ٹھہرائیں۔ اخوند صاحب فرماتے ہیں۔ "او (بایزید) مجالست جوگیاں نیز اختیار کرد وعقیدہ تناسخ و اوتار جوگیاں، در دل خود متمکن بساختہ"۔ (تذکرہ ص ۱۳۷) یہ بایزید کی تحریر سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ تناسخ کا قائل تھا۔ جو شخص قرآن و حدیث پر ایمان رکھتا ہو اور دوسروں کو دعوت دیتا ہو کہ اگر اس کے عقاید میں کوئی چیز خلاف قرآن وسنت پاؤ تو اسے ملزم ٹھہراؤ۔ ایسا شخص اس قسم کے خلاف قرآن اعتقاد نہیں رکھ سکتا۔

الزام نمبر ۲ — "کل اشیاء موجودہ را خدا میگفتند و مخلوقات صوری را ذات خدا می دانستند نعوذ باللہ" (تذکرہ ص ۱۳۹) مخزن ص ۱۵۵) یہ الزام بھی کسی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ بایزید کا اپنا بیان یوں ہے (صراط التوحید ص ۹) یقینم چنین بود کہ ہستی من و جملہ موجودات و ذرہ از ذرات از ہستی خدا جدا نیست و نبود (ص ۱۰) بہر سو کہ نظر میکردم بچشم و دل بے مثل میدیدم۔۔

"ہیچ چیز از ہستی او جدا نمی دیدم و ہیچ آواز بے تسبیح حق نمی شنیدم"
اتنا کہہ کر اپنے عقیدے کے ثبوت میں قرآنی آیت لاتے ہیں ۔ ان من شییٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا یفقھون تسبیحھم اس بیان میں اور درویزہ کے بیان میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے ۔

الزام نمبر ۳ : تذکرہ صفحہ ۱۴۶ پر لکھا ہے یہ ملعون خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا اور پیغمبری کا بھی اس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس کی انگوٹھی کے نگین میں یہ عبارت درج تھی سبحان الملک البادی ۔ جدا کرد عالم نوری از ناری ۔ بایزید انصاری ۔ متعصب آدمی تو شاید اس سے نتیجہ نکال لے کہ بایزید اپنے آپ کو خدا کہہ رہا ہے ۔ ورنہ اس عبارت سے تو دعویٰ خدائی ظاہر نہیں ۔ اس زمانے میں نگینوں میں شعر لکھنا ۔ آیت یا عمدہ مقولہ کھدوانا رائج تھا اور ساتھ ہی اپنا نام کندہ کرانا بھی ضروری ہوتا تھا ۔ اس کندہ قول میں صریحاً خدائے پاک کی تعریف کی گئی ہے ۔ جس نے نور کو نار سے الگ کیا یعنی ایمان و کفر میں امتیاز کر کے بتایا قد تبین الرشد من الغی ۔ دوسرا الزام یہ کہ اس نے دوسری مہر میں بایزید مسکین ہادی المضلین لکھوایا تھا اس لئے اس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ۔ ان الفاظ میں دعوی نبوت کا شائبہ تک نہیں البتہ اشتباہ ضرور ہوتا ہے ۔ اس مرکب کے معنی ہیں گمراہوں یا بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانے والا یا ہدایت کرنے والا ۔ یہ کلمات تو خود ملا درویزہ پر بھی صادق آتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں مذہب سے بھٹکنے والوں کو ہی تو دین کی روشنی دکھا کر صحیح راہ پر لا رہے ہیں جو شخص غلط راہ سے ہٹا کر صحیح راستہ دکھائے وہ نبی نہیں ہو سکتا ۔ نبی کا یہ کام ضرور ہے لیکن وہ نبی اس لئے ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کو وحی آتی ہے ۔ بایزید نے مقصود المومنین کے آغاز میں اپنے آپ کو اصغر و اعجز و اضعف من امتہ محمد لکھا ہے ۔ اور کہیں نبی ہونے کا

دعویٰ نہیں کیا۔

الزام نمبر ۴ :۔ ملا درویزہ لکھتے ہیں "وہ لوگوں کو اوامر شرعیہ مثلاً روزہ ۔ نماز۔ حج ۔ زکوٰۃ وغیرہ سے باہر نکالتا تھا اور حرام خوری ناحق قتل ۔ ڈاکہ ۔ لوٹ مار ۔ زنا ۔ بیگانہ عورتوں سے وطی کرنا نکاح شرعی کے بغیر حلال جاننا ۔ شراب پینا ۔ داڑھی منڈوانا ۔ متقدمین انبیاء کو گالی دینا جیسے منہیات کا مرتکب بناتا تھا (تذکرہ ص ۱۴۲) یہ سراسر بہتان ہے ۔ اگر بایزید اس قسم کی تعلیم دیتے تو پٹھان ان کو ایک لمحے کے لئے زندہ نہ چھوڑتے ۔ انہوں نے دینی احکام کی پابندی کے بارے میں اتنی تاکید کی ہے کہ باید و شاید ۔

الزام نمبر ۵ :۔ دبستان المذاہب صفحہ ۳۰۸ میں لکھا ہے "وہ مدتوں اپنے بیٹوں کے ہمراہ راہ زنی کرتا رہا مسلمانوں اور دوسروں کا مال لوٹ کر پانچواں حصہ بیت المال میں رکھتا تھا اور جب ضرورت ہوتی مستحق لوگوں میں تقسیم کرتا"۔ اس قسم کا الزام اخوند درویزہ صاحب نے بھی وارد کیا ہے ۔ مسافروں اور اجنبیوں پر حملہ کرنا ۔ ان کو مارنا اور مال لوٹنا تو ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا اور بایزید کے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکتا ۔ معلوم ہوتا ہے ایک مرتبہ جو قافلہ لٹنے کا حادثہ پیش آیا جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اسی کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور بایزید اور ان کے حواریوں کا مستقل شعار بتایا ہے ۔ یہ ممکن ہے جب مغلوں سے ٹھن گئی یا بایزید کے مخالفین نے ہاتھ اٹھایا اور دست درازیاں کیں تو مرید بھی خم ٹھونک کر سامنے آئے ہوں اور اس گیر و دار میں قتل بھی ہوتے ہیں اور مال بھی ہاتھ آتا ہے خیال ہے کہ اس قسم کی جھڑپیں یا چپقلشیں شاید شروع ہو گئی ہوں اور بایزید نے بھی لڑنے اور مارنے کی اجازت دے دی ہو کیونکہ مدافعت میں لڑنا تو جائز ہے لیکن یہ کہنا کہ بایزید نے عموماً ڈاکہ ۔ لوٹ مار اور قتل و غارت کو جائز قرار دیا تھا ۔ اس کے متعلق کوئی تحریری

ثبوت موجود نہیں۔

الزام نمبر ۶: ملا درویزہ بایزید کے متعلق لکھتے ہیں کہ کالنجر میں ملا سلیمان ملحد سے اس کی ملاقات ہوئی جس نے خیالات فاسد پیدا کئے اور وہ کافر مطلق اور منکر دین ہوگیا (مخزن، ص ۱۵۳) مولانا عبدالقدوس[1] نے Philby[2] کے حوالے سے تحقیق کر کے خیال کیا ہے کہ سلیمان ملحد سے مراد سلیمان بن حسن ہندی ہے جو اسماعیلیہ مذہب کا مبلغ تھا اور جس کے پیرو سلیمانیہ کہلائے اور جنہوں نے ۱۵۶۷ — ۱۶۷۱ء کے درمیان جنوب مغربی عرب میں اسماعیلی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگر اخوند درویزہ نے اسی اسماعیلی مبلغ کی طرف اشارہ کیا ہو۔ تب بھی اس نے اپنے مذہب کی ہی تبلیغ کی ہوگی لیکن بایزید انصاری کے معتقدات میں اسماعیلی عقائد کی جھلک نہیں ملتی۔ ان کا سب سے اہم عقیدہ تاویل ہے۔ قرآن کی ہر آیت کی تاویل کرتے ہیں مگر بایزید نے صریح اور واضح مفہوم میں قرآنی آیات کے ترجمے کئے ہیں۔ دوسرا عقیدہ اطاعت امام کا ہے ممکن ہے بایزید کے مرشد کامل اور امام کے تصور میں مماثلت کی خاطر یہ الزام لگایا ہو کہ انہوں نے یہ تصور اسماعیلیوں سے لیا ہے لیکن صوفیہ کے مرشد اور اسماعیلی امام میں بہت فرق ہے۔

Leyden[3] نے بھی اپنے مضمون میں مخزن الاسلام اور دبستان المذاہب کا ترجمہ کر کے بایزید کو مغضوب و مقہور ٹھہرایا ہے اور اسماعیلی عقاید کا مقلد کہا ہے بدایونی نے بھی سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے ان کو الحاد و زندقہ کے لئے مشہور لکھا ہے[4]۔ فرشتہ نے تو یہ لکھا ہے کہ وہ ایک ہندوستانی شخص تھا جس نے اپنا

---

[1] پشتو سہ ماہی، سال ۲، شمارہ ۲

[2] Arabian High Lands, P. 307

[3] Asiatic Researches Vol. XI P. 363

[4] منتخب التواریخ، نولکشور، ص ۲۵۶

نام پیر روشان رکھ لیا اور افغانوں میں جا کر مرید بنائے۔[1]

مذکورہ صدر سب الزام لگانے والوں نے بایزید کی تصانیف دیکھے بغیر ان پر بہتان تراشے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ہے خصوصاً درویزہ نے تعصب سے کام لے کر ان کے خلاف حقارت و نفرت پھیلائی اور ان کی اولاد اور ان کے پیروؤں کو قتل کروایا۔ بایزید نے اتحاد فکر سے افغانوں میں جو اتحاد و یگانگت پیدا کی تھی اور بیرونی دشمن یعنی مغل کے خلاف انہیں متحد کرنے کی جو کامیاب کوشش کی تھی اس کو سخت نقصان پہنچا اور مختلف قبائل متحد نہ ہو سکے خیبر میں آفریدی۔ مہمند اور کرزئی الگ الگ محاذ بنا کر لڑتے رہے اور دوسری طرف یوسف زئیوں نے معرکے آراستہ کیے۔

بایزید کے معاصر سوانح نگاروں میں سے صرف شیخ فرید بھکری نے بایزید کی تعریف کی ہے کہ وہ جاذب شخصیت کا مالک تھا جو شخص بھی اس سے ملتا وہ ضرور اس کا مرید ہو جاتا۔[2] صاف دل باشندگان کوہستان اس کے کشف و کرامات سے اس کے گرویدہ ہوئے اور تا دم حیات حق اور ترویج سنت نبوی پر حق کرتے رہے امر معروف اور نہی سے انکار نہ کرتے تھے اور ان لوگوں (افغانوں) کو جو حد شمار سے باہر تھے اس نے دین نبوی پر قائم رکھا اور اکثروں کو واصل حق کر دیا۔ اس کے سلسلے کی برکت اس وقت تک باقی ہے۔ اس نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اپنے پیچھے خلفائے موحد کو چھوڑ گیا کہ ان میں کا ہر ایک اسلام کا ستون ہے اور اس وقت تک ان سے ایک دنیا ہدایت حاصل کر رہی ہے۔[3]

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۲۶۶ ۔ [2] ذخیرۃ الخوانین مرتبہ سید معین الحق کراچی ۱۹۶۱ دیباچہ ص ۲۵
[3] ذخیرۃ الخوانین مخطوطہ، بحوالہ یوسف زئی پٹھان مؤلفہ الہ بخش یوسفی ۱۹۶۱، ص ۱۸۵۔

بایزید کی تصانیف

تذکرۃ الانصار[1] کے مصنف نے بایزید کی تصانیف میں سے (۱) صراط التوحید ۲۔ خیر البیان ۳۔ مقصود المومنین۔ اور ۴ حالنامہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ مکتوبات پیر روشان کا حوالہ بھی موجود ہے۔ اول الذکر چار کتابیں تو دستیاب ہیں لیکن مکتوبات کی موجودگی کا علم نہیں۔

صراط التوحید

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ سید فضل صمدانی بانی و مہتمم مدرسہ رفیع الاسلام بھانہ ماڑی۔ پشاور شہر کے پاس موجود تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے پہلے آٹھ صفحے کم تھے۔ چونکہ یہ کتاب نایاب تھی اس لئے محمد عبدالشکور مہتمم عجائب خانہ پشاور کی درخواست پر سید صاحب نے اس کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔ ۱۹۵۴ء میں ادارۂ اشاعت سرحد پشاور نے اس کو شائع کیا۔ قلمی نسخے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

"تصنیف این رسالہ بایزید مسکین انصاری قدس سرہ العزیز در سنۃ ثمان وسبعین و تسعمایۃ (۹۷۸ھ) ونامش صراط التوحید نہاد ہر کہ خواند و بآن عمل نماید، بعلم توحید بہرہ مند شود و مسعود گردد۔ اگر جائے سہوے یا خطائے باشد' باید۔ برائے آن کہ این مسکین بظاہر علم خواندہ است ....

چونکہ اس کتاب کا کوئی اور نسخہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے جوں کا توں شائع

---

[1] مقالہ از ڈاکٹر محمد جہانگیر، اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۵۵ء

کردیا گیا۔ کتاب بڑی ناقص چھپی ہے اور اس میں بے شمار غلطیاں رہ گئی ہیں۔ عربی عبارتوں کے اعراب غلط ہونے کی وجہ سے مفہوم مسخ ہوگیا ہے۔ قرآن مجید کی آیات پر بھی اعراب غلط درج ہیں جو قابل افسوس ہے۔

کتاب ۱۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے متن میں ایک اور جگہ مصنف نے اپنا نام لیا ہے ۔" این مسکین گوید" یا بایزید مسکین گوید' قسم کے جملے آئے ہیں لیکن دو تین جگہ لکھا ہے ۔ قال مصنف رحمۃ اللہ (ص ۹۲-۹۴) مصنف رحمۃ اللہ گفتہ است (ص ۱۰۸) معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اپنی طرف سے ان ٹکڑوں کا اضافہ کیا ہے ۔ ورنہ مصنف تو اپنے آپ کو یوں نہیں لکھ سکتا۔ اور پھر متن میں۔ کسی اور مصنف کے متعلق یہ اشارہ بھی نہیں ہے۔ صفحہ ۲۲ پر اشعار نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے ۔ گفتار شیخ مسکین قدس اللہ سرہٗ این است ۔ عموماً بایزید خود اپنے آپ کو مسکین لکھتے ہیں لیکن اس موقع پر اپنے آپ کو اس طرح لکھنا موزوں نہیں۔ لیکن متن کی عبارت سے ظاہر یہی ہے کہ اپنے بارے میں ایسا لکھا ہے کیونکہ اوپر بیان کیا ہے کہ" پس خواستم کہ بنظم بیان کنم ۔

کتاب کے پہلے ستائیس صفحوں میں مصنف نے اپنے دل و دماغ کی کیفیتوں کا حال بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح حقیقت دین سمجھنا اور معرفت خداوندی حاصل کرنا چاہتے تھے اور کسی مرشد کامل کی جستجو میں تھے جو ان کی رہنمائی کرتا۔ اسی ذکر و فکر میں اپنی پنجسالہ خلوت گزینی کا بھی ذکر کیا ہے اور عالم خواب میں خضر سے ملاقات اور دوسری بشارتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ جن کی رہنمائی میں انہوں نے حقیقت توحید کو سمجھا پہلے خود اپنی تکمیل کی بعد میں دوسروں کے لئے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس متذکرہ صدر خلوت اور ریاضت کے اکیس سال

بعد مجھے خواب میں الہام سے اشارہ ہوا کہ میں ایک رسالہ لکھوں یا خلیفہ بھیجوں تا کہ پادشاہ علم توحید کو جانیں۔ شرک سے باز آئیں۔ برائیاں کم ہوں اور خیرات و حسنات میں اضافہ ہو۔ یہ رسالہ اس اشارے کی بنا پر تحریر میں آیا۔ اس کا متن تائیسویں صفحے سے شروع ہو کر آخری صفحے تک چلتا ہے۔ رسالہ کی صورت ترکیب یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید سے آیات پیش کرتے ہیں پھر احادیث لاتے ہیں بعد میں صوفیہ یا دوسرے بزرگوں کے اقوال لکھتے ہیں یا اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے بعد مختصراً انہی مطالب کو فارسی میں لکھتے ہیں۔ بعض جگہ آیات و احادیث کا ترجمہ بھی کرتے ہیں لیکن بالالتزام نہیں۔ کہیں کہیں مثنوی سے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ سعدی کی گلستان اور دیوان سعدی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے کہ "در امیریہ و درویشیہ بیان است" امیریہ اور درویشیہ سے مراد سید علی ہمدانی کے دو مختصر رسالے ہو سکتے ہیں۔

اس کتاب سے بایزید انصاری کے عقاید واضح ہیں۔ ان کے مسلک اور طریق تبلیغ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ علم توحید اور کشف اسرار کے مقام تک پہنچنے کے لئے جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان کا تفصیلاً ذکر موجود ہے۔

کتاب ابواب و فصول میں تقسیم نہیں۔ نہ مضامین کے بیان میں کوئی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے جابجا بیانات میں تکرار پائی جاتی ہے۔ اسلوب بیان میں واعظانہ و مبلغانہ رنگ نمایاں ہیں۔ بایزید شاعر بھی تھے لیکن اس کتاب کے صفحہ بائیس اور تیئس پر جو غزل کے اشعار لکھے ہیں وہ تو سب غلط سلط ہیں۔ وزن سے خارج اور بے موقع الفاظ سے پُر ہیں۔ مثال کے طور پر پہلے تین شعر سن لیجئے :ـ

در دلم عشق تو چون پیدا شد	نفس من با من دشمن ظہور پیدا شد
چو دل با خلاف نفس پیدا شد	در بدنم غلغلہ بسیار باز پیدا شد

نفس دل در روح در بدن دیدم
صفتے ہر یکے بمن ظہور پیدا شد

مصنف نے اس کتاب میں جو احادیث نبوی بیان کی ہیں ان کے صحیح اور غیر صحیح ہونے پر توجہ نہیں دی بلکہ اپنے مقصد کے پیش نظر جو اقوال صوفیہ میں مشہور چلے آرہے ہیں ان کو اقوال رسول کہہ کر لکھدیا ہے۔ ہم نے اس قسم کی احادیث کے متعلق کشف المحجوب، ذخیرۃ الملوک اور روائح وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تنقید کی ہے۔ چند نئی احادیث یہ ہیں۔

۱۔ من اراد ان یجلس مع اللہ فلیجلس مع اہل التصوف (ص ۵۴)

۲۔ لا دین لہٗ لمن لا شیخ لہٗ (ص ۷۵)

۳۔ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ (ص ۶۵)

۴۔ جعلت فرضا علی الانسان ان یطلبوہ شیخ الکامل لاجل علم الانبیا و معرفتی ان کان مکانہٗ فی الصین او فی العجم او فی الشام (ص ۷۴)

کتاب کے عربی زبان میں تو روزمرہ محاورہ اور صرف و نحو کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ فارسی زبان میں بھی الفاظ و افعال کو اہل زبان کے محاورہ کے مطابق استعمال نہیں کیا بلکہ افغانان کوہستان میں مروجہ اسلوب کے مطابق استعمال کیا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل جملوں کے افعال پر نظر کیجئے۔

ص ۴۔ سوی خواجہ اسمٰعیل رفتم و حال خود بر وی معلوم کردم (بتایا آگاہ کیا)

ص ۵۔ سوئے تو بہ کردن عبداللہ مرا نمی ماند۔ (نہیں چھوڑتا)

ص ۶۔ از تو دعا و تکبیر می جستم چوں کسی را دعا و تکبیر مسید ہی آنکس سبز میشود

ص ۷ باتو شریک دیگی کردہ باشم و برادری توقبول کردہ باشم

ص ۸-۹ بنظرگاہ ہا بہ بلندی گردیدان شد

خیرالبیان

بایزید انصاری کی یہ کتاب بڑی اہم ہے۔ حالنامہ میں بایزید نے اپنے مریدوں سے کہا ہے کہ میری تمام تبلیغ و ہدایت کا خلاصہ اس کتاب میں موجود ہے۔

اس کتاب کا ایک نسخہ برلن میں موجود ہے۔ مولانا عبدالقادر صاحب ڈائرکٹر پشتو اکیڈمی پشاور کی کوشش سے اس کا روٹو گراف حاصل کیا گیا ہے اور وہ فی الحال اکیڈمی کی لائبریری میں موجود ہے سید انوار الحق صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر اکیڈمی کی عنایت سے مجھے وہ روٹو گراف دیکھنے کا موقع ملا۔

کتاب کے ۱۸۱ اوراق ہیں ان میں سے صفحات ۳ ،۴ ،۵ ،۶ ،۷ ،۸ ،۹ ،۱۰ ،۱۱ ،۱۲ ،۱۳ ،۱۴ کے دو دو عکس تھے اس لیے کتاب ۱۷۰ صفحات پر مشتمل ہوئی۔ ہر صفحے میں گیارہ سطریں ہیں اور ہر سطر میں آٹھ نو لفظ، خط جلی نستعلیق ہے۔ تاریخ تحریر ۱۰۶۱ھ ہے۔

یہ کتاب چار زبانوں میں لکھی گئی تھی۔ چنانچہ پہلے نو صفحوں میں یہ التزام موجود ہے۔ پہلے عربی میں ایک مطلب کو لکھا ہے پھر علی الترتیب فارسی، پشتو اور ہندی میں اسی کو دوہرایا ہے۔ موجودہ نسخے میں دسویں ورق سے متن عربی اور پشتو میں ہے، اور فارسی حاشیے پر ہے لیکن وہ کسی اور قلم سے ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ بایزید کا اپنا ترجمہ ہے یا کسی نے اپنی طرف سے بعد میں اضافہ کیا ہے بائیس سے چونتیس صفحے تک حاشیے میں ترجمہ نہیں۔ پینتیسویں صفحے سے عربی عبارت کے نیچے باریک قلم سے ترجمہ لکھا ہے، یہ خط حاشیے کے خط سے مختلف ہے،

بعض صفحوں میں موخرالذکر ترجمہ بھی مفقود ہے۔ ترجمہ کہیں تحت السطور ہے اور کہیں حاشیے پر۔ دسویں صفحے کے بعد ہندی عبارت موجود نہیں۔

خیرالبیان کے کچھ حصے میں ارکان اسلام سے بحث کی گئی ہے۔ نماز، روزہ زکوٰۃ، خیرات، صدقہ حج کے بارے میں ضروری باتیں بتائی گئی ہیں۔ نیک اخلاق سے سنوارنے اور غیبت۔ جاسوسی اور تنابز القاب سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ توحید۔ توبہ۔ صفات خدا اور صفات جنت کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اس اساسی تعلیم کے علاوہ تصوف کے بعض مسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔ خصوصاً دنیا و بے ثباتی اسباب اور لہو ولعب اور متاع غرور کی طرف اشارہ کر کے یاد حق میں مشغول رہنے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ ذکر خفی پر دوام (ص ۲) فنائے نفس در حق (ص ۲) اور شناخت حق (ص ۴۱) کا ذکر کیا ہے۔ صراط التوحید اور مقصود المومنین میں بایزید نے منزل توحید تک پہنچنے کے لئے آٹھ مقامات بتائے ہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، قربت، وصلت، وحدت اور سکونت۔ یہاں انہوں نے صرف پہلی چار منازل کو ہی بیان کیا ہے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ان کتابوں سے پہلے کی تصنیف ہے عین ممکن ہے کہ باقی چار مراحل بعد کے فکر و تامل کا نتیجہ ہوں۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں:—

شریعت مثل شب است۔ طریقت مثل ستارہ ہا و حقیقت مثل ماہ است و معرفت مثل آفتاب و نیست بالای آفتاب چیزی۔ مصنف نے معرفت خداوندی تک تکمیل کے لئے 'پیر کامل' کی ضرورت اور اہمیت پر بڑا زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ عوام مردم بیمارند و پیر کامل طبیب ایشان (ص ۲۴) اور شیخ ناقص کی بری طرح مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ شیخ ناقص کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے (ص ۱۵۲) اور بشیخ ناقص اس عورت کی

مانند ہے جسے حیض و نفاس آتا ہے (ص ۱۰۳) چونکہ مصنف کے زمانے میں جھوٹے پیروں اور ریاکار صوفیوں کا زور رہا ہے اس لئے ان کی مخالفت میں یہ شدت نمایاں ہے۔

اس کتاب کے بعض بیانات سے ظاہر ہے کہ مصنف پاکیزگی کردار، بلندی اخلاق اور خلوص عمل کے بڑے مداح ہیں اور ظاہرداری، ریاکاری اور دنیاداری کے مخالف۔ مثلاً ان کے یہ اقوال ملاحظہ کیجئے۔

ذکر کردن کاہای بدن، تکیہ کردن بر شرافت نسبی، مقصد دل بسوی کار بہشت و دوزخ قرار داشتن در دنیا بی طلب خدا، مکروہ و فساد در ایمان است۔ (ص ۸۵)

۲۔ کسیکہ بجاہد بیاموختن علم دنیا را و بایکدیگر ظاہر کردن و تکبر نمودن، بر می آید آنکس از قبر خود در روز قیامت بصورت خوک (ص ۱۴۳)

ان کے نزدیک ایک مومن کی صفات یہ ہیں۔ حافظ الحدود۔ دائم الفکر۔ کامل العقل۔ لطیف اللسان۔ قلیل الضحک، کثیر البکاء۔ قلیل الاکل۔ کثیر الذکر، دائم الخوف، قاتل الہوئ۔ تارک الشہوۃ، مخالف الشیطان و موافق الرحمٰن۔ زاہد فی الدنیا و راغب فی الآخرۃ، مشغول بعیوب لنفسہ و فارغ عن عیوب غیرہ۔ (ص ۱۳۵)

کتاب کے بعض حصوں میں مصنف نے بڑے جامع اقوال پیش کئے ہیں جو پند و حکمت سے بھرپور ہیں اور جو غور و فکر اور تجربات کا نچوڑ ہیں۔ مثال کے طور پر یہ قول دیکھئے۔ لکھا ہے کہ کردار انسانی میں نو برائیاں ہیں یعنی نو قسم کی آگ انسان کو جلاتی ہے:۔ نار الشہوت، نار الحرص، نار النظر، نار الغفلۃ، نار الجہل نار البطن، نار اللسان، نار المعصیت اور نار الفرج۔ پھر ان کے شعلوں سے

نچنے اور محفوظ رہنے کے لئے باترتیب، نوہی علاج بتلاتے ہیں یعنی صوم، ذکرالموت ذکرالقبور۔ ذکراللہ۔ استماع العلم۔ اکل الحلال۔ صدق۔ ثابت الکلام۔ توبہ اور نکاح حلال (ص ۱۳۶)

ممکن ہے مصنف نے بعض صوفیا یا بزرگان دین کے اقوال سے استفادہ کیا ہو۔ لیکن انہوں نے ان کے نام نہیں لئے۔ صرف ایک جگہ محمد الدینوری کا قول نقل کیا ہے (ص ۱۷۲) انہوں نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں صحیح اور شاذ کا خیال نہیں رکھا۔ لیکن عموماً تصوف کے بارے میں وہی احادیث ہیں جو اخلاق و تصوف کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ احادیث

۱۔ کسیکہ بخواہد بنشیند با خدای تعالیٰ بنشیند با صاحب تصوف (ص ۶۵)

۲۔ الدنیا لکم والعقبیٰ لکم والمولیٰ لی (ص ۱۵۱)

۳۔ اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (ص ۱۷۵)

بایزید نے یہ تو کہا ہے کہ انہیں الہام ہوتا تھا۔ اور یہ کتاب بھی الہام کے زیر اثر لکھی گئی ہے جیسا کہ اس کی ابتدائی سطور سے ظاہر ہے۔ خدا بایزید سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے بایزید لکھ۔ کتاب کے موجودہ نسخے میں اغلب ہے کہ صحیح متن موجود نہ ہو کیونکہ شروع میں ہی عربی کی عبارت میں لکھا ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن فارسی، پشتو اور ہندی عبارتوں میں اس کا ترجمہ موجود نہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ یہ الفاظ الحاقی ہیں۔ کیونکہ متن میں بایزید خدا سے مخاطب ہیں ہم یہاں کتاب کے شروع سے چاروں زبانوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ نمونہ محفوظ رہے۔ ہم نے زبان تصحیح کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعینہٖ متن کی اصل املاء کو قائم رکھا ہے۔

"قال النبی صلی الله علیه وسلم: یا بایزید اکتب حروف الذی ان یقرؤن بکل لسان لاجل منفعت الانسان انت عالم انی لا یعلم بغیر حروف القرآن یا سبحان یا بایزید اکتب الحروف، علیك ظهر علم الاسماء علی، اکتب باخری بمثل حروف القران ووضع علی بعض الحروف نقطة اوجزم وعلامة الاخری لاجل ان یعرفون انسان اکتب بعض الحروف اربع اربعًا عیان سیعلمون اذ یقرؤن یخرجون النفس مع بعض اخر الحروفین انسان

یا بایزید بنویس آن حروفها که بسازند بهر زبان برای منفعت آدمیان تو بی دانا من نمیدانم بجز حروفهاء قرآن یا سبحان، یا بایزید نوشتن حروفها بر تو است ونمودن و آموزانیدن نامها و و حروفها بر من است . بنویس بفرمان من بمانند حروفهاء قرآن و بنه بر بعضی حروفها و نقطه یا جزم یا دیگر نشان برای انکه حروفها بشناسند آدمیان بعضے حروفها، چهار چهار . بنویس عیان زود بیاموزند چون بخوانند و دم بیرون کنند با بعضے دو حروف بسینهٔ آدمیان .

او بایزید وکښیس مخ حرفونه چې په هر ژبه سازیږي د فاید دماږه د آدمیان . ته دانای لره څښتن مانزه و بیرون حرفون د قرآن او سبحان او بایزید د حرفون کښل پتا ری د حرفون ښو کښد ول د نودن د نوم پمادی وکښ د ما پفرمان پمانند د حرفون د قرآن اوکښنید دیدنی حرفون نکی یا غیروندی یا نور لښنان بلحرفون بز روپیږز سے آدمیان بڼے حرفون قلبور څلور وکښ

عیاں بزر ہیں زوک چے بولی سہ ور مر باے بو نود دو دسپنری
حرف سپر آدمیان۔

ای بایزید لکھ وہ اکر جی سب جیب سہن خبر نہیں امکادن
جی نفا پاڈسن ادمیان۔ تون سبحان ہی کچھ کا ہیں ناہیں جانتا
بن قران کی اکر ای سبحان۔ ای بایزید لکھنا اکر کا تج می یے
دکھلاونا اور سکھلاونا مجری ہی۔ لکھ میرے فرمان سہن جیون اکر
قران کی پہن کی پہن لکہ کو بی اکر اد برٹکنک کے جزم کی اور نشان
جیوہ اکر پچانن ادمیان لکہ کو بی اکر چار چار عیاں ار ہال سکتی
جے پرپہن تو سائنس نکالن کوحی دوین بچہ اکر سہن آدمیان۔

اخوند درویزہ نے بایزید پر جو بہتان تراشی کی ہے، اس کا ذکر ہم کر آئے
ہیں۔ خیر البیان کے بارے میں ان کی رائے ہم یہاں درج کرتے ہیں تاکہ ان کی
"حق گوئی" واضح ہوجائے۔ لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الابرار ص ۱۴۸ — ۱۴۹)

"خیر البیان مملو از کفر و الحاد و مشحون از افتراء و فساد بود۔ فقیر
او را شر البیان نامیدہ و اگر خربیان نامیدیم مناسب است۔
او دعوی نمودہ کہ از جانب اللہ تعالیٰ نزول یافتہ"

خدا جانے وہ کونسی خیر البیان تھی جو ملا صاحب کے مطالعہ سے گذری۔ موجودہ
خیر البیان میں کفر و الحاد اور افتراء و فساد نظر نہیں آتا۔ ایک بات جو خیر البیان کے
بارے میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا سے ندائے غیب آئی کہ اے بایزید
لکھ! اس الزام کی وہ تردید کر آئے ہیں کہ ان کو وحی نہیں آتی بلکہ ان کو الہام
ہوتا ہے اور الہام کے بارے میں انہوں نے حدیث بھی بیان کی ہے، یعنی

الالہام نور ینزل فی القلب یعرف بہا حقیقۃ الاشیاء کما ہی ۔

ملا درویزہ نے ایک اور انکشاف بھی کیا ہے کہ خیرالبیان بایزید نے خود تصنیف نہیں کی بلکہ کچھ حصہ شاعر ملحد ملا ارزانی نے لکھا ہے اور کچھ حصہ اس ملعون نے خود جمع کیا ہے ۔

ملا درویزہ نے مخزن الاسلام میں خیرالبیان کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ بایزید کہتا تھا "در تقابل قرآن بر من آمدہ ۔ چنانچہ قرآن بر محمد آمدہ" (ص ۱۵۵) تحریری طور پر اس قول کی تصدیق نہیں ہوتی ۔

معاصر سوانح نگاروں میں سے شیخ فرید بھکری مؤلف ذخیرۃ الخوانین نے خیرالبیان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بڑی عجیب کتاب ہے اگر کوئی شخص بے تعصبی سے اسکو پڑھے تو ضرور مستفید ہوگا ۔ اس میں وحدت الوجود کے ثبوت میں دلایل موجود ہیں اور نصوص احادیث اور صوفیہ کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے [۱]

مقصود المومنین

بایزید کی ایک اور تصنیف ہے جس میں انہوں نے اپنے افکار و عقاید کو واضح طور پر بیان کیا ہے ۔ فی الحال اس کتاب کے دو قلمی نسخوں کی موجودگی کا علم ہے ۔ ایک تو آصفیہ لائبریری دکن میں موجود ہے ، دوسرا پروفیسر مولوی محمد شفیع صاحب صدر شعبہ ادارۂ معارف اسلامیہ اردو پنجاب یونیورسٹی کے پاس ہے ۔ جناب استاذ معظم کی تکلیف فرمائی سے مجھے یہ نسخہ دیکھنے کا موقع ملا ۔ کتاب بیانوے اوراق پر مشتمل ہے ۔ متن عربی میں ہے اور تحت السطور فارسی ترجمہ ہے

---

[۱] ذخیرۃ الخوانین مرتبہ سید معین الحق ، دیباچہ ص ۲۵

یہ نسخہ ۱۲۲۴ھ میں لکھا گیا ہے۔ کتاب میں ۲۱ فصلیں ہیں۔ اسلام کی اساسی تعلیم کے علاوہ علم و معرفت نفس۔ شیطان۔ قلب و روح کے متعلق بھی لکھا ہے۔ اخلاقیات میں سے خوف، رجاء، توکل۔ قناعت اور توبہ وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ آخری چند فصلوں میں اپنے مسلک کے آٹھ مقامات شریعت، طریقت حقیقت، معرفت، قربت، وصلت، وحدت اور سکونت کی تشریح و توضیح کی ہے۔ مصنف نے اپنے بیٹے شیخ عمر کی درخواست پر یہ کتاب لکھی تھی اور کتاب میں جابجا اس کو مخاطب بھی کیا ہے۔

اسلوب نگارش تصوف و اخلاق کی عام کتابوں کی مانند ہے۔ پہلے قرآن مجید کی آیات لاتے ہیں۔ پھر حدیث اور بعد میں صوفیاء کے اقوال جیساکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ احادیث کی صحت و سقم بایزید کی نگاہ میں نہیں۔ وہ اپنے بیان کی تصدیق و توثیق کے لئے احادیث لاتے ہیں۔ لیکن اس میں اکثر احادیث وہ ہیں جو دوسرے صوفیہ کے ہاں بھی مستعمل ہیں۔ صوفیا میں سے اویس، ابا سعید۔ ابراہیم۔ ابن مسعود۔ ابومحمد، رقیم۔ سری سقطی (ص ۴۰) حسن بصری اور ابوسعید (ص ۶۵) کے اقوال پیش کئے ہیں۔ ایک جگہ خلاصۃ الکیدانی سے بھی قول نقل کیا ہے۔

صفحہ ۱۲ پر کسی کاتب کی مہربانی سے یا کسی دشمن کی فتنہ انگیزی سے اسلام کے ارکان خمسہ میں سے چھٹے رکن کو "غسل الجنابت" لکھا گیا ہے حالانکہ صفحہ ۵۲ پر اس کا ذکر نہیں اور کلمہ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ کا غیر مبہم الفاظ میں ذکر موجود ہے۔

صراط، میزان اور شفاعت کے بارے میں جو عقاید، احادیث و روایات میں ملتے ہیں ان کو نہیں لکھا بلکہ یہ کہا ہے کہ الصراط حق والمیزان حق والشفاعۃ حق (ص ۲۵) اور اس کے بعد قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ شاید اس لئے علا درویزہ اور دیگر علماء کو

یہ گمان گزرا ہو کہ وہ حشر و نشر، حساب و کتاب، پل صراط، میزان اور شفاعت رسول کا منکر تھا۔

بایزید پر ترک سنت کا الزام لگایا گیا ہے۔ اس کتاب کے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ تین چار مقامات پر (ص ۵۴ / ۶۵) پر تارک شریعت کو گمراہ کہا ہے اور ترک شریعت کو 'راس الضلالت' لکھا ہے۔

ترجمہ کے بارے میں شک ہے کہ بایزید نے خود کیا تھا یا بعد میں کسی اور مرید نے اضافہ کیا ہے۔ چونکہ موجودہ دونوں نسخوں میں ترجمہ موجود ہے۔ اس لئے یہی سمجھنا چاہیئے کہ کتاب کی تصنیف کے وقت بھی موجود ہوگا کیونکہ یہ کتاب صرف مخصوص علماء کے لئے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ کم لکھے پڑھے مریدوں کے لئے بھی اس کا مطالعہ مقصود نظر رہا ہوگا۔ ترجمہ لفظی ہے لیکن ادائے مفہوم میں کوتاہی نہیں ہوئی عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

"ص ۴۹۔ بہ پیروی رہبر کامل، حاصل می شود توبہ و دوستی حق تعالیٰ۔
بیرون می آید از خوبہای بد (صفات المذمومات کا ترجمہ)
سوی خوبہای پسندیدہ خلاص می شود از شرک پیدا و
پنہاں۔ و آگاہ می شود از ہمہ مقامات و می درآید در نور،
و بیرون می آید از تاریکی۔"

حالنامہ

صاحب دبستان المذاہب نے لکھا ہے کہ حالنامہ بایزید کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی زندگی کے حالات بیان کئے ہیں۔ مذکورہ حالنامہ تو اب مفقود ہے البتہ حالنامہ پیر دستگیر کے نام سے ایک اور کتاب موجود

ہے جس کے مؤلف علی محمد بن ابابکر قندھاری ہیں۔ اس کا ایک نسخہ علیگڑھ میں سبحان اللہ اور نیشنل لائبریری میں موجود ہے۔ اسی نسخے کی نقل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

علی محمد نے کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ اصل حالنامہ تو گردش دوران اور کاتبوں کی غلط نویسی سے متغیر ہوگیا اور اس کی صحت سقامت میں تبدیل ہوگئی۔ اس لئے اس نے مختلف ذرائع سے اس کو از سرنو مرتب کیا ہے یعنی یہ بایزید کا اصل حالنامہ نہیں ہے جو انہوں نے خود واحد متکلم میں بیان کیا ہوگا علی محمد بایزید کا عقیدت مند ہے اور ان کے خاندان سے وابستہ رہا ہے۔ اس کا باپ ابابکر بچپن میں جلال الدین پسر بایزید کے ساتھ رہا۔ پھر احمد داد، بایزید کے پوتے کے تحت فوج میں کماندار بھی رہا۔ علی محمد خود جلال کے بیٹے نواب رشید خاں کے ہمراہ خدمات بجالاتا رہا۔ اس لئے کتاب میں بعض مقامات پر ارادتمندی کی وجہ سے مبالغہ موجود ہے۔ چونکہ علی محمد شاعر بھی تھا اور مخلص تخلص کرتا تھا۔ اس لئے اس نے جابجا بایزید کے افکار کو نظم میں بھی لکھا ہے موجودہ حالنامہ صرف بایزید کی زندگی کے حالات پر مشتمل نہیں بلکہ اس میں ان کی اولاد اور ان کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کا حال بھی لکھا ہے۔ اس میں بعض چشم دید حالات کا تذکرہ ہے اس لئے قابل اعتماد ہے۔

دبستان میں حالنامہ کا جو اقتباس موجود ہے وہ موجودہ حالنامہ کی عبارت سے مطابقت رکھتا ہے۔

کتابیات

۱ حالنامہ۔ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری

۲ مقصود المومنین۔ مخطوطہ مملوکہ پروفیسر محمد شفیع صاحب۔

۳ صراط التوحید۔ مطبوعہ ادارۂ اشاعت سرحد۔ پشاور

۴ خیر البیان۔ روٹوگراف مملوکہ پشتو اکیڈیمی۔ پشاور

۵ دبستان المذاہب۔ لکھنؤ ۱۸۸۱

۶ مخزن الاسلام۔ اخوند درویزہ۔ مطبع فاروقی۔ دہلی ۱۳۰۰ھ

۷ تذکرۃ الابرار والاشرار۔ ادارہ اشاعت سرحد۔ پشاور

۸ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ لیڈن۔ نیا ایڈیشن مقالہ بایزید انصاری
از مولوی محمد شفیع صاحب۔

۹ رسالہ پشتو۔ پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی ج ۱۔ شمارہ ۱ ج ۱ شمارہ ۴
ج ۳ شمارہ ۲۔

مرکز ادب

بنگال

امراء وسلاطین بنگالہ

۱:- حکام بنگال

محمد بختیار خلجی	۶۰۰	۵۹۹ھ	۱۲۰۲ء
عزالدین محمد شیران خلجی		۶۰۲ء	۱۲۰۵ء
علاء الدین علی مردان خلجی		۶۰۵ء	۱۲۰۸ء
غیاث الدین عوض خلجی		۶۰۸ء	۱۲۱۱ء
ناصر الدین محمود بن سلطان التتمش		۶۲۴ء	۱۲۲۶ء
علاء الدین جانی		۶۲۶ء	۱۲۲۹ء
سیف الدین ایبک		۶۲۷ء	۱۲۲۹ء
عزالدین طغرل طغان خاں		۶۳۱ء	
قمر الدین تمر خان قیران		۶۴۲ء	۱۲۴۴ء
اختیار الدین (مغیث الدین) یوزبک		۶۴۴ء	۱۲۴۶ء
جلال الدین مسعود ملک جانی		۶۵۶ء	۱۲۵۸ء
عزالدین بلبن اوزبکی		۶۵۷ء	۱۲۵۹ء
تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی		۶۵۷ء	
محمد ارسلان تتار خان		۶۵۹ء	۱۲۶۰
شیر خان			

معیث الدین طغرل	۶۷۷ھ	۱۲۷۸ء
ناصرالدین بغراخان	۶۸۱ء	۱۲۸۲ء
نصیرالدین		
رکن الدین کیکاؤس	۶۹۱ء	۱۲۹۱ء
شمس الدین فیروز شاہ	۷۰۲ء	۱۳۰۲ء
شہاب الدین بغرا شاہ (مغربی بنگال)	۹۱۸″	۱۳۱۸″
غیاث الدین بہادر شاہ (مشرقی بنگال)	۷۱۰″	۱۳۱۰″
غیاث الدین بہادر شاہ (تمام بنگال)	۷۱۹ء	۱۲۱۹ء
ناصرالدین لکھنوتی	۷۲۳-۷۲۶ء	۱۳۲۳-۱۳۲۵
بہرام شاہ	۷۳۱-۷۳۹ء	۱۳۳۰-۱۳۳۸ء
قدر خان	۷۲۶-۷۴۰ء	۱۳۲۵-۱۳۳۹ء
عزالدین اعظم الملک (ست گاؤں)	۷۲۴-۷۴۰ء	۱۳۲۳-۱۳۳۹

ب: سلاطین بنگال

فخرالدین مبارک شاہ (مشرقی بنگال)	۷۳۷-۷۵۰ھ	۱۳۳۸-۱۳۴۹ء
اختیارالدین غازی شاہ (مشرقی بنگال)	۷۵۰-۷۵۴ء	۱۳۴۹-۱۳۵۲ء
علاؤالدین علی شاہ (مغربی بنگال)	۷۴۱-۷۴۹ء	۱۳۳۹-۱۳۴۵ء

خاندان الیاس

شمس الدین الیاس شاہ (مغربی بنگال)	۷۴۶ھ	۱۳۴۵ء
″ ″ (تمام بنگال)	۷۵۳-۷۵۹ھ	۱۳۵۲ ۱۳۵۸ء

سکندر شاہ اول بن الیاس	۷۵۹-۷۹۲ھ	۱۳۵۸-۱۳۸۹ء
غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر	۷۶۸ - ۷۷۵	
سلطان السلاطین پسر	۷۷۵ - ۷۸۵ء	
سلطان شمس الدین پسر	۷۸۵-۷۸۸ء	
سیف الدین حمزہ شاہ بن اعظم شاہ	۷۹۹ھ	۱۳۹۶ء
سیف الدین بن حمزہ شاہ	۸۰۹ء	۱۴۰۶ء

خاندان راجہ کانس

راجہ کانس	۷ سال	
شہاب الدین بایزید شاہ (راجہ کانس کے عہد میں)	۸۱۲ھ	۱۴۰۹ء
جلال الدین محمد شاہ بن راجہ کانس	۸۱۶ء	۱۴۱۴ء
شمس الدین احمد شاہ بن جلال الدین محمد	۸۳۵ء	۱۴۳۱ء

خاندان الیاس (دوبارہ)

			(طبقات اکبری)
ناصر الدین محمد شاہ اول	۸۴۶ھ	۱۴۴۲ء	۸۶۰-۸۶۲ھ
رکن الدین باربک شاہ بن محمود	۸۶۴ء	۱۴۵۹ء	۸۷۹ء
شمس الدین یوسف شاہ بن باربک	۸۷۹ء	۱۴۴۷ء	۸۸۶ء
سکندر شاہ ثانی بن یوسف	۸۸۶	۱۴۸۱ء	۸۸۷ء
جلال الدین فتح شاہ بن محمود اول -	۸۸۶ء	۱۴۸۱ء	۸۹۶ء

سلاطین حبشی

(طبقات اکبری)

سلطان شاہزادہ باربک	۸۹۲ھ	۱۴۸۶ء	۸۹۶ھ
سیف الدین فیروز شاہ اوّل	۸۹۲″	۱۴۸۶″	۸۹۶″
ناصر الدین محمود شاہ ثانی بن فتح شاہ (خاندان الیاس)	۸۹۵″	۱۴۸۹″	۹۰۰″
شمس الدین ابوالنصر مظفر شاہ	۸۹۶″	۱۴۹۰ء	۹۰۳″

خاندان حسین شاہ

علاؤالدین حسین شاہ	۸۹۹ھ	۱۴۹۳ء	— ۹۲۹ھ
ناصر الدین (نصیب) (طبقات) نصرت شاہ بن حسین	۹۲۵″	۱۵۱۸ء	۹۴۰ —
علاؤالدین فیروز شاہ بن نصرت	۹۳۹″	۱۵۳۲ء	
غیاث الدین محمود شاہ ثالث بن حسین	۹۳۹+۹۴۴ھ	۱۵۳۲-۱۵۳۷ء	

(ہمایوں نے اس خاندان کو ختم کیا)

خاندان سور

شمس الدین محمد سور غازی شاہ	۹۶۰ھ	۱۵۵۲ء
بہادر شاہ خضر بن محمد سور	۹۶۸″	۱۵۶۰″
غیاث الدین جلال شاہ بن محمد سور	۹۶۸″	۱۵۶۰″
پسر غیاث الدین	۹۷۱″	۱۵۶۲″

خاندان سلیمان قرارانی

سلیمان خان قرارانی (بہادر بنگال)	۹۷۱ھ	۱۵۶۳ء
بایزید شاہ بن سلیمان	۹۸۰ "	۱۵۷۲ "
داؤد شاہ بن سلیمان	۹۸۰-۹۸۴ھ	۱۵۷۲-۱۵۷۶ء

بنگال

قطب الدین ایبک کے ایک امیر اور سپہ سالار بختیار خلجی نے ۵۹۴ھ (۱۱۹۸م) میں بنگال فتح کیا اور ایک ہندو صوبہ پہلی مرتبہ مسلم حکومت میں شامل ہوا۔ اس نے 'ندیا' ہندو دارالسلطنت پر حملہ کیا۔ راجہ لکھنا (لکھن سین) مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا۔ بختیار نے لکھنوتی (لکھنا بتی) کو نیا صدر مقام بنایا۔ اس وقت سے سلطان غیاث الدین محمد تغلق کے عہد تک (۷۲۰ — ۷۲۵ھ) فرمانروایان دہلی کی طرف سے حاکم مقرر ہوتے رہے۔ خطبہ اور سکہ بادشاہ دہلی کے نام ہوتا تھا۔ اگر کوئی حاکم بغاوت پر اتر آتا تو اپنے نام پر بھی سکہ جاری کر لیتا اور سزا بھی پاتا۔ ۷۳۹ھ میں ملک فخر الدین نے الیسی عنان حکومت سنبھالی کر خود مختار پادشاہی کا اعلان کر دیا۔ محمد شاہ' پادشاہ دہلی کو بنگال تک پہنچنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس وقت سے بنگال آزاد ہوگیا۔ شاہان بنگال میں سے سلطان غیاث الدین۔ سلطان سیف الدین۔ جلال الدین پسر راجہ کانس۔ علاؤ الدین ابو المظفر شاہ حسین نصرت شاہ قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے رفاہ عام کے لئے بہت اچھے کام کئے اور ان کے عہد میں علم و فن کو ترقی نصیب ہوئی۔ ۹۸۴ھ (۱۵۷۶م) میں اکبر کی فوجوں نے داؤد شاہ بن سلیمان کو شکست دے کر بنگال اپنے تصرف میں کر لیا۔

بنگال میں چند شہر ایسے تھے جو حکومت کا صدر مقام رہے۔ وہیں شاہی محل رہے وہیں قلعے بنے اور عموماً علم و ادب کے مرکز بھی وہیں تھے۔ ان میں سے سب سے قابل ذکر شہر لکھنوتی یا گوڑ ہے جس کو سب سے پہلے مسلمانوں نے اپنا دارالحکومت

بنایا۔ اس شہر میں سب سے پہلے مساجد اور دوسری اسلامی عمارتیں بنیں۔ جب مسلمان حکمرانوں نے خود مختار ہوکر بنگال کو جداگانہ سلطنت بنالیا۔ صدر مقام گور سے سنارگاؤں اور پنڈوہ میں منتقل کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پنڈوہ کو ترک کرکے گور کو پھر سے دارالسلطنت بنالیا اور سنارگاؤں صرف مشرقی بنگال کا صدر مقام رہا — ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں ایک شہر کے "دو نام لکھنوتی اور گور تھے۔ ہمایوں نے گور کا نام بدل کر جنت آباد رکھدیا تھا۔ سلیمان قرانی کے عہد یعنی ۹۸۳ھ میں مغرب کی طرف ٹانڈہ کو صدر مقام بنایا گیا۔ مغلیہ عہد حکومت میں گور دوبارہ دارالسلطنت بنا۔ منعم خان خانخاناں کے عہد نظامت میں یہاں سخت وبا پھیلی اور ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد راج محل یا اکبر نگر صدر مقام منتخب ہوا ۱۶۱۰ء میں اسلام خاں ناظم بنگال نے صدر مقام راج محل سے تبدیل کرکے ڈھاکہ یا جہانگیر نگر مقرر کیا اور ایک سو سال تک وہیں مستقر حکومت رہا۔ ۱۷۰۴ء میں مرشد قلی خاں نے مرشد آباد اپنا مرکز حکومت بنالیا[1]

زبان فارسی کا رواج

بنگال میں اسلام پھیلنے سے نو مسلموں کی تعلیم کے لئے عربی کا رواج پانا یقینی تھا۔ جلال الدین تبریزی۔ شیخ اخی سراج علاء الحق اور نور قطب عالم جیسے عرفا و صوفیہ کی کوششوں سے اسلامی تعلیم عام ہوئی۔ عربی۔ فارسی الفاظ بنگالی میں داخل ہوئے۔ مساجد و مدارس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ چونکہ حاکموں اور بادشاہوں کی زبان فارسی تھی اس لئے مقامی لوگوں کو بھی ضرور سیکھنا پڑی۔ درباروں میں شعراء موجود رہتے تھے

---

[1] ریاض السلاطین، غلام حسین، کلکتہ ۱۸۹۰، مترجمہ عبدالسلام کلکتہ ۱۹۰۲ء پاورق ترجمہ ریاض السلاطین ص ۲۵-۲۶

علم وادب کے شائق امیر و حاکم اور بادشاہ نامی گرامی علماء، اور شعراء کو اپنے درباروں کی زینت سمجھتے تھے۔ چنانچہ غیاث الدین اعظم شاہ نے حافظ شیرازی کو بنگال میں آنے کی دعوت دی۔ حافظ خود تو نہ آئے لیکن یادگار کے طور پر غزل لکھ کر بھیجدی۔ اور بنگالہ قافیے میں لاکر شعر کے ساتھ نام کو بھی غیر فانی بنادیا۔ متعلقہ اشعار یہ ہیں ؎

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرود
این بحث با ثلاثہ غسالہ میرود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث الدین
خامش مشو کہ کار تو از نالہ میرود

بنگال میں فارسی زبان میں لکھی ہوئی سب سے پہلی کتاب سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے۔ علاؤ الدین مردان خلجی کے عہد حکومت ۶۰۵ - ۶۰۸ھ / ۱۲۰۸ - ۱۲۱۱ م میں ایک جوگی بھوجار برہمن نے قاضی رکن الدین سمرقندی سے مباحثہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس نے سنسکرت کی ایک کتاب بنام 'امرت کُنڈ' قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ قاضی صاحب نے 'جوگی' کے نام سے فارسی و عربی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا۔

ناصر الدین محمود بغرا خاں کے عہد سلطنت میں (۶۸۱ - ۶۹۰ھ) لکھنوتی میں علماء و شعراء کا اچھا خاصا اجتماع ہوا۔ شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر نے اس کی مدح میں بہت سے قصاید لکھے ہیں۔ امیر خسرو بھی چند سال وہیں مقیم رہے۔ سلطان غیاث الدین کے معاصر صوفی بزرگ نور قطب عالم تھے جن کے ملفوظات اور مکتوبات اپنی علمی اور ادبی خوبیوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ انہیں کی ایک کتاب انیس الغربا سالکان طریقت

کے لئے پرتاثیر ہدایت نامہ ہے ۸۶۴ھ (۱۴۵۹م) میں مولانا ابراہیم فاروقی نے شرفنامہ کے نام سے فارسی میں ایک فرہنگ تدوین کی۔ امیر زین الدین ہراتی ملک الشعرا بنگالہ نے اس کام میں مولانا کی مدد کی۔ فرہنگ میں زین الدین کے اشعار بھی سند کے طور پر پیش کئے گئے ہیں[۱] ۸۲۵ سے ۹۲۵ھ تک (۱۴۹۳—۱۵۱۸م) کے درمیان کسی سال میں محمد بدھ نے فن تیر اندازی میں ایک جامع کتاب مرتب کر کے علاؤالدین حسین شاہ سلطان بنگال کے نام منسوب کی۔

---

1. The Cultural Heritage of Pakistan, S. M. Ikram, 1955, P 110 — 113

شمس دبیر[1]

شمس الدین ان کا نام تھا۔ دبیری ان کا عہدہ تھا، اس لئے عموماً شمس دبیر کے نام سے معروف ہوئے۔ بقول فرشتہ سنام وطن تھا حسن سجزی کے ہم قوم تھے۔ ان کو فرید الدین مسعود شکر گنج کی صحبتیں میسر رہیں۔ راحت القلوب میں ۲۷ر شعبان ۶۵۵ھ میں انہوں نے شیخ الاسلام سے سوال کیا کہ اہل سماع کی بیہوشی کہاں سے آئی۔ انہوں نے فرمایا جب سے کہ الست بربکم کی ندا سنی، انہوں نے پھر دریافت کیا کہ جب الست بربکم کی ندا آئی تو کیا سب روحیں یکساں تھیں۔ فرمایا 'ہاں' ۲۵ شوال ۶۵۵ھ کی محفل میں شمس دبیر نے ایک قصیدہ پڑھ کر سنایا۔ شیخ فرید اصلاح بھی کرتے جاتے اور خوشی کا اظہار بھی کرتے۔ شمس نے تنگی معیشت کا حال بیان کیا۔ انہوں نے دعا کی۔ چنانچہ وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے ناصر الدین محمود بغرا خاں کے دبیر مقرر ہوئے اور اس کی ندیمی میں وہ عزت و دولت پائی کہ امیر خسرو جیسے جلیل القدر شاعر نے اس کی ستائش میں قصیدہ لکھا ؎

نافگش مست زگلزار برون آوردند

وزتہ مقنعۂ رخسار برون آوردند

---

[1] بزم مملوکیہ، سید صباح الدین عبدالرحمن اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء ص ۲۶۵ — ۲۷۸

باز کردند گریبانش کہ گرما زدہ بود

سینہ چوگل دگلنار بردن آوردند

شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او

فضل را قیمت و مقدار برون آوردند

ای دبیری کہ بہ پروانہ نوک قلمت

تیغ خورشید ز زنگار بردن آوردند

مولانا شمس دبیر اعزاز و اکرام پانے کے بعد بھی اجودھن (پاک پٹن) میں حاضر ہوتے رہے۔ فوائد الفواد میں ص ۱۲۸ اور سیر الاولیاء ص ۱۷۹ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی۔ شیخ نظام الدین اولیاء اور شمس دبیر شیخ فرید کی مجلس میں حاضر تھے اور وہاں سے وداع ہو کر اکٹھے سفر میں بھی شریک رہے۔ وہ بابا فرید شکر گنج کی وفات کے موقع پر یعنی ۶۶۴ ہجری میں موجود تھے۔ انہوں نے نظامی کی مثنوی سے چند اشعار پڑھ کر سنائے۔ اور آخری شعر یہ تھا ؎

جہان چیست بگذر ز نیرنگ او — رہائی بجنگ آر از چنگ او

نظامی سبک باد یاران شدند — تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

حضرت شیخ نے ان کو اپنی بارانی عطا فرمائی۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے شکایت کی ہے کہ انہوں نے بابا فرید کے اہل و عیال کی خدمت بجالانے کی توفیق نہ پائی یا کسی نے ان کے حالات سے باخبر نہیں کیا۔

جب بغراخاں دہلی سے سامانہ کا گورنر ہو کر گیا تو شمس دبیر بھی اس کے ہمراہ گئے اور عیش و احترام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۶۷۸ھ میں سلطان غیاث الدین طغرل کی بغاوت فرو کرنے کے لئے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ بغراخان

بھی سامانہ سے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ اس سفر میں خسرو اور حسن بھی شریک سفر تھے۔ اس لئے خوب محفلیں رہیں۔ سلطان غیاث الدین بغاوت فرو کرنے کے بعد دہلی واپس ہوئے تو بغرا خاں کو لکھنوتی پر متصرف کیا۔ باپ کی وفات کے بعد وہ بنگال کا حکمران بن بیٹھا۔ اس کے بیٹے کیقباد کو لے کر اودھ کی طرف بڑھے۔ راستے میں باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی۔ امیر خسرو نے اس ملاقات کی یادگار میں مثنوی قران السعدین لکھی۔ مولانا شمس دبیر نے پیغام بری اور پیغام رسانی کے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ امیر خسرو نے مثنوی میں لکھا ہے ؎

چیست رسول کہ گزارد پیام — ہرچہ بگویید بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد — کم نکند ہیچ زنیروی مرد
دید کس نیست زبرنا و پیر
در خود این کار چو شمس دبیر

امیر خسرو اور مولانا شمس میں پرتپاک ملاقاتیں ہوئیں۔ واپسی کے وقت شمس دبیر نے خسرو کو اپنا دیوان خاص عطا کیا اور ۶۸۶ھ میں لکھنوتی واپس چلے گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ روز روشن میں ان کی تاریخ وفات ۷۰۰ھ لکھی ہے۔

امیر خسرو مولانا شمس کی ادبی افضلیت کے قایل تھے وہ ان کو اور قاضی اثیر کو زہرہ و مشتری اور خود کو عطارد سمجھتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے شمس دبیر کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے محامد و محاسن تعریف و توصیف سے بالا ہیں۔

سید صباح الدین نے شمس دبیر کے متعلق اپنے مقالے میں مؤرخین اور دیگر مصنفین کے غلط اور نادرست بیانات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

۱۔ راحت القلوب میں لکھا ہے کہ شمس دبیر سلطان غیاث الدین کے دبیر ہو گئے۔ فوائد الفواد اور سیر العارفین میں ہے کہ غیاث الدین کے بیٹے کے دبیر ہوئے۔

حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ ناصر الدین محمود بغرا خان کے دبیر ہوئے۔

۲- عبدالقادر بدایونی نے شمس دبیر کو عہد ناصری کا ملک الکلام کہا ہے۔ آخر میں ان کا ایک قصیدہ نقل کر کے لکھا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود کی مدح میں ہے پھر یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو مملکت بنگال اور کامرو کا منشی بنا کر اپنے بڑے بیٹے نصیر الدین بغرا کے ساتھ بھیج دیا۔ اس بیان میں کتنی ہی غلطیاں آگئی ہیں۔ غیاث الدین بلبن کا بڑا بیٹا محمد سلطان تھا نہ نصیر الدین بغرا (ناصر الدین) سلطان دہلی ناصر الدین محمود اور ناصر الدین محمود بغرا خاں کو ایک ہی شخص متصور کر لیا گیا ہے۔ قصیدے کا ممدوح ناصر الدین محمود بغرا خان حاکم بنگالہ ہے نہ کہ سلطان دہلی۔

شاید بدایونی کے اس بیان پر ہی فرشتہ اور دوسروں نے لکھا ہے ۔

" زودی شمس الدین وزیر پسر شمس الدین التتمش شدہ "

تذکرہ روز روشن میں ہے " شمس الدین دبیر بتوجہ ناصر الدین غازی منشی ممالک گردید"

نزہتہ الخواطر میں ہے :۔

" وہ سلطان ناصر الدین محمود بن التتمش کے عہد میں دیوان انشاء کے متولی تھے اور انہوں نے اسی کی شان میں پرزور قصاید لکھے "

۳- عبدالقادر بدایونی نے شمس الدین دبیر کے بارے میں خسرو کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

" در دیباچہ غرۃ الکمال و در آخر ہشت بہشت کلام خود را بہ ذکر محامد و نشر مناقب او زیور تمام بخشید" (ج ۱، ص ۹۷)

غرۃ الکمال کے دیباچے میں شمس دبیر کی تعریف ضرور ہے لیکن ہشت بہشت کے آخر میں شمس دبیر کا نہیں بلکہ شہاب الدین مہمرہ کا ذکر ہے۔

۴- پروفیسر محمود شیرانی (رسالہ اردو، جنوری ۱۹۴۳ء) نے لکھا تھا...... کہ شمس نظام الدین اولیا، کا استاد بھی ہے۔ بلبن نے شمس کو اپنے فرزند بغراخاں کا مستوفی بنایا تو تاج ریزہ نے مبارکباد کہی ؎

شمسا کنوں بکام دل دوستان شدی

مستوفی ممالک ہندوستان شدی

شیرانی مرحوم کو غلط فہمی ہوئی۔ نظام الدین اولیا کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی تھے نہ کہ شمس الدین دبیر۔ امیر خسرو کے سوانح نگار محمد سعید احمد مارہروی نے بھی اسی قسم کی غلطی کی ہے۔ جنہوں نے شمس الدین خوارزمی کو امیر خسرو کا استاد قرار دیا ہے۔ اور پنج گنج کی اصلاح کرنے والا بنایا ہے۔

شمس دبیر شاعر ان کا صرف ایک قصیدہ باقی ہے جو عبدالقادر بدایونی نے نقل کیا ہے اور جو ناصرالدین بغراخان کی مدح میں ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

این ہمہ کار دلم از تو بنا دانی خام — دادۂ دوشش مرا وعدۂ مہمانی خام

پختہ دارم دل از اندیشہ رویت کہ چراست — رنگ تو پختہ ہمیں نقرۂ پیشانی خام

گفتیم ہیچ مسلمان نہ خورد خام بہ بین — غم تو می خوردم اینست مسلمانی خام

سحر فرعون چہ آرد وچہ فرو خواہد برد — اژدہای علمی از دم ثعبانی خام

خسروا شمس دبیر است توی پختہ سخن — نیست چون دفتریان سوختہ دیوانی خام

ہست آدیختہ شعرش جو زر پختہ ولیت — سخنش چون سخن پختہ خاقانی خام

ان کا ایک شعر سیر الاولیاء میں منقول ہے ؎

آہ سر بستۂ من اشک مرا در دل گفتہ

خیز بازی تو بردن رو کہ گذر یافتہ

نور قطب عالمؒ

نور الحق نام تھا۔ اپنے والد شیخ علاء الحق کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ راہ طریقت میں بہت مشقت اٹھائی۔ اپنے والد کی خانقاہ میں ہر خدمت بجا لاتے تھے۔ پانی گرم کرنا اور کپڑے دھونا بھی ان کے ذمہ تھا۔ جن دنوں آبخانہ کی خدمت ان کے ذمہ تھی اتفاق سے ایک درویش کو درد شکم اٹھا۔ وہ نادقت آبخانہ میں داخل ہوا۔ شیخ نور حسب مقررہ وقت پر گئے تو ان کے جسم اور کپڑوں پر تمام نجاست گر پڑی۔ شیخ علاء الحق وہاں سے گزرے تو ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ تو نے خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اب کوئی اور خدمت بجا لاؤ۔ شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات "رفیق العارفین" میں لکھا ہے کہ شیخ نور آٹھ سال تک اپنے پیر کے لئے ایندھن اکٹھا کر کے لاتے رہے۔ ایک مرتبہ ان کے بڑے بھائی اعظم خان وزیر سلطنت نے ان کو اس حال میں دیکھا تو کہا۔ قاضی نور! تمہاری سب نعمتیں غارت ہو گئیں۔ ایک دن مرشد نے کہا وہ جگہ جہاں عورتیں پانی بھرتی ہیں نشیبی ہے وہاں سے پاؤں پھسل جاتا ہے اور مٹکا ٹوٹ جاتا ہے۔ تم مٹکا باہر نکال کر پانی گردن پر رکھ کر ان کو دیا کرو۔ چار سال تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے عرس کے موقعوں پر پانی بھرتے تھے۔ دوست ساتھی سر پر پگڑی باندھے مٹکے سر پر

لہ اخبار الاخیار! اخبار الاصفیا، ! ریاض السلاطین

لکھ لاتے تھے اور بنگال کے لوگ ان کو دیکھ کر ہنستے تھے۔

ملفوظات میں یہ درج ہے کہ شیخ نورالحق نے فرمایا:۔ متقدم مشائخ نے اسمائے الٰہی کی تعداد کے برابر راہ سلوک کی ۹۹ منزلیں بتائی ہیں۔ ہمارے مرشد نے پندرہ منزلیں متعین کی ہیں۔ اس فقیر نے صرف تین منزلیں اختیار کیں۔

منزل اوّل:۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اپنا محاسبہ کرو۔

منزل دوم۔ من استوی یوما فھو مغبون۔ ایک دن کے لئے ٹھہر گیا خسارے میں ہے۔

منزل سوم۔ عبادۃ الفقیر نفی الخواطر۔ فقیر کی عبادت تمام وساوس کو ختم کرتی ہے انہیں پر عمل کرنے سے سالک کا کام تمام ہو جاتا ہے۔

شیخ حسام الدین لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ سواری پر نکلے تھے۔ بہت سے لوگ ہمراہ تھے۔ کچھ زیارت کے لیے آئے تھے۔ وہ خود رو رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ اتنے لوگ ہمارے تابع ہیں بعض سجدہ کرتے ہیں بعض پاؤں چاٹتے ہیں اور بوسہ دیتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے روز ہمارا سر ان کے پاؤں تلے روندا جائے۔

حضرت نور قطب عالم کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ عوام اور خواص ان کے عقیدت مند تھے۔ حکام وقت بھی ان کی نظر التفات کے محتاج تھے — جب دیناج پور کے ہندو زمیندار راجہ گنیش نے بنگال کی حکومت سنبھالی تو اس نے علماء و مشائخ پر سختیاں کیں اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہوا۔ حضرت نور قطب عالم نے سلطان ابراہیم شرقی سے امداد طلب کی۔ جب وہاں سے

لشکر آیا تو گنیش ڈر گیا اور ان کے پاس حاضر ہو کر درخواست کی کہ وہ سلطان ابراہیم کے پاس اس کی سفارش کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک کافر ستمگر کی حمایت کیسے کر سکتا ہوں۔ ہاں اگر مسلمان ہو جاؤ تو پھر اور بات ہے وہ خود تو مسلمان نہ ہوا البتہ اس کا بیٹا جدو مسلمان ہو گیا اور حضرت کی سفارش پر فوجیں جونپور واپس چلی گئیں خطرہ ٹلا تو راجہ گنیش نے جدو کو دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کی لیکن اس کے دل پر پیرو مرشد کی روحانی گرفت اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ اس کو اسلام سے روگردانی کی جرأت نہ ہوئی۔ باپ کے بعد وہ جلال الدین ابو مظفر محمد شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا اور اس نے دین اسلام کے فروغ کے لئے بے شمار خدمات انجام دیں۔

نور قطب عالم نے ۸۱۳ھ میں وفات پائی اور پنڈوہ میں مدفون ہوئے۔

کہتے ہیں شیخ کو کشف و فاین حاصل تھا اور وہ بہت مسرف تھے۔ رسیاں میخیں سونے چاندی کی اور خیمے ریشم کے ہوتے تھے۔ ایک دن ایک کافر نے پوچھا کہ آپ خود کہتے ہیں :۔ "دنیا زندان مسلمانان و گلستان کافران است۔" اور حدیث رسول بھی ہے :۔ الدنیا سجن المؤمن وجنت الکافر۔ پس ہم تو اسی گلشن میں مصائب میں مبتلا ہیں اور روزی کے محتاج اور آپ قید خانے میں عیش و عشرت منا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا : ہمارے لئے اس جہان میں اس قدر نعمت و مسرت ہے کہ ہم اس کے مقابلے میں اس دنیا کو زندان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں تکلیف و ذلت کے سوا کچھ نہیں۔

ملفوظات شیخ

ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ جب بھی تو دل کی طرف دیکھے اسے خدائے پاک کی یاد میں مستغرق پائے۔ خواہ نیند میں خواہ بیداری میں جیسا کہ بچہ کسی چیز کی آرزو

میں سو جاتا ہے لیکن انتباہ کے باوجود اسی چیز کو مانگتا ہے۔

سخاوت میں آفتاب کی مانند رہو۔ تواضع میں پانی کی مانند اور تحمل میں زمین کی مانند تکلیفیں اٹھاؤ۔

میرے مرشد کبھی کمبل نہیں اوڑھتے تھے مگر موسم سرما میں اور مصلّیٰ پر نہیں بیٹھتے تھے اور کہتے تھے:۔ سجادہ پر بیٹھنا اس کا حق ہے جو اس پر بیٹھے تو دائیں بائیں نہ دیکھے۔

لوگوں نے پوچھا:۔ مشائخ سلام نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اس میں کیا راز ہے: انہوں نے فرمایا: دستور یہ ہے کہ جب مسافر سفر سے واپس آتا ہے تو دوستوں کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے اور جب درویش نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اتنا محو ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے جب ہوش میں آتا ہے گویا سفر باطن سے واپس آتا ہے اس لئے سلام کہتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے۔

تالیفات شیخ

۱۔ مکاتیب ۲۔ انیس الغربا۔

مکاتیب

شیخ نورالحق کے مکاتیب کے بارے میں شیخ عبدالحق کہتے ہیں کہ وہ نہایت شیریں ولطیف ہیں اور اہل درد ومحبت کی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اخبار الاخیار میں ان کا ایک مکتوب نقل کیا گیا ہے۔ تبرک کے طور پر ہم اس کو یہاں درج کرتے ہیں تاکہ ان کے انداز بیان کا نمونہ محفوظ رہے۔

بیچارہ حزین نور مسکین عمر برباد دادہ و بوی مقصود نیافتہ و

در تیه حیرت و میدان حسرت چون گوی سرگردان شده ؎

همه شب بزادیم شد که صبا نداد بوی
ندمید صبح بختم چه کنم هم صبا را

عمر از شصت گذشته تیر از شست جسته و از شر نفس اماره یکساعت نرسته جز باد در دست و آتش در جگر و آب در دید و خاک بر سر نه پیوسته جز ندامت وخجالت دست آویزی نه وجز درد و آه پای گریزی نه ع درد را باش ای برادر درد را ؎

دل مردان دین پر درد باید ز محنت فرق شان پر گرد باید

هرچند دست و پا زدیم به مقصود نرسیدیم ؎

گفتم مگر که کار بسامان شود نشد یار از جفای خویش پشیمان شود نشد
گفتم مگر زمانه عنایت کند نکرد بخت ستیزه کار بفرمان شود نشد

دنیا جای غرور و نفس حسود و حق غیور و مقصود از دل کی تواند مرور - اوحی الله تعالیٰ الی داود یاداود بشر المذنبین بانی غفور و انذر الصدیقین بانی غیور ؎

راه نا ایمن است و منزل دور مرکبت لنگ و یار سخت غیور

غیرت حق آن اقتضا کرد که غیر در میانی نگذاشت . هرکه بغیر او پرداخت او را گداخت ؎ با بر که انس گیری از دسوخته شوی بنگر که انس چیست مصحف ز آتش است

ای جان برادر سالها نفس اماره را بانواع ریاضت مرتاض کردیم اما یکساعت از شر او نرستیم و یک لمحه از خود نیاسودیم ؎

کردیم بسی سپید سیمی از ما نشد این سیه گلیمی
شستیم بسی بچاره سازی پیراهن ما نشد نمازی

دوسرے مکتوب کا اقتباس یہ ہے۔

قرار درویش در بیقراری و عبادت درویش از غیر حق بیزاری۔ مشغولی بغیر حق گرفتاری و طاعت بی استغراق باطن بیکاری وظاہر آستین بدکاری۔ خون جگر خوردن بزرگواری و چشم از غیر دوختن برخورداری۔ عوام در طہارت ظاہر کوشند وخواص در طہارت باطن۔ از حق تعالیٰ ندا آید و عتاب شود۔ عبدی طہرت منظر الخلائق سنین ھل طہرت منظری ساعۃ فیم افنیت عمرک طہارت ظاہری بخروج حدث بشکند و طہارت باطن بیاد محدث بشکند، مشائخ گفتہ اند ہر کرا اندیشہ دنیا در دل آید غسل جنابت طریقتش پیش آید۔ دل بچیزی مدہ و مہر کس بر دل منہ کہ رقم بیوفائی بر ناصیہ ہر مخلوق کشیدہ اند۔

حضرت نور قطب عالم کے بعض اقوال وارشادات، مسائل المشائخ مصنفہ شاہ قطب الدین حقانی میں محفوظ ہیں[1]۔ ان کی ایک نظم ایسی ہے جس میں مقامی زبان کے الفاظ بھی اشعار میں استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

دہ چہ کردم روئے تو دیدم امت پاگل بھیلوں
ہمچو مجنون بہر لیلا بہا بہت بیکل ہیلوں
موی کشادی جانم بردی بلیا پتھالی موری
شب نخفتم روز نخوردم کینتک مورس موری
جانم بردی از من جاناں موہیں تو ردوس نکیلوں
در دفراقت ہر شب گریم نہار سو خل پاہیلوں

---

[1] روزنامہ پاکستان ٹائمز ۱۴ ستمبر ۱۹۶۳ء

گر تو بیابی زندہ شوم من ششں وہروں نورپائی
میل محبت از سر جویم تجھن جا نور نور ناتی

گر تو بگذارم خلق چہ گویند نہاں چہ توسین کیلوں
مان این دردت پاک کشایم ایالت کینتے تاں میلوں

دیدم روی تو گشتم عاشق چنان شد شہرت بشہری
(چنین مجنوں لیلیٰ) (؟)

طاقت صبر نماند قطب کیتیک دوکھ سیلوں
دو ہر موی سوز دارم و نیک پوری مروں

پروفیسر شہید اللہ نے ان اشعار کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔
آہ! میں نے کیا کیا جو تمہارا چہرہ دیکھ لیا۔ میں تو بری طرح پاگل ہوگیا۔ میں مجنوں کی طرح لیلےٰ کے لئے ہوش کھو بیٹھا۔ تم نے اپنے بال بکھیرے۔ میری جان اڑالی۔ میں رات نہ سویا اور دن کو کچھ نہ کھایا۔ مجھے کب تک جلاؤ گے۔ اے میرے محبوب تم تو میری جان لے گئے پھر میں تمہیں الزام نہیں دیتا۔ میں تیرے درد فراق میں ہر شب روتا ہوں۔ تیری محبت میں مجھے یہی پھل ملا ہے۔ اگر تم آؤ تو میں دوبارہ زندگی پاؤں اور اپنا سر تمہارے قدموں پر نثار کروں۔ میں سر کی بازی لگا کر تمہاری محبت کا طلب گار ہوں لیکن تمہیں اس کا کچھ علم نہیں۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو گے لوگ وہ کچھ کہیں گے جسے میں تم سے چھپاتا رہا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں تمہارے درد سے خالی ہو جاؤں میرا مر جانا ہی بہتر ہے۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا۔ میں اس طرح فریفتہ ہوگیا کہ مجنوں لیلےٰ کی طرح شہروں میں محبت کا چرچا ہوگیا۔ (؟) [1]

---

[1] پروفیسر شہید اللہ نے اس طرح ترجمہ کیا ہے "میں اس طرح شہر بشہر آوارہ پھرتا رہا جیسے مجنوں لیلےٰ کے پیچھے پھرتا تھا۔" یہ مصرع صحیح معلوم نہیں ہوتا ویسے بھی بحر سے طویل ہوگیا ہے۔

اے قطب اب طاقت شکیبائی نہیں رہی ۔ میں کہاں تک دکھ جھیلوں ۔ میرے رو ئیں روئیں میں سوز ہے میں اس طوفانی سوز سے مرا جا رہا ہوں ۔

انیس الغرباء

اٹھاون صفحات کا یہ رسالہ ۱۸۹۹ء میں گلزار احمدی پریس مراد آباد میں چھپا تھا۔ کتاب کے اندر جدول کے اوپر ہر صفحے پر ' انیس الغربا در فن تصوف لکھا ہے ۔ مصنف نے کتاب کے شروع میں ' غربا ' کے بارے میں تشریح بھی کی ہے یعنی انسان اپنے محبوب خداوندی سے جدا ہو کر اس دنیا میں ' غریب ' یعنی مسافر ہے اور درد و غم اور رنج و مشقت میں سرگرداں ہے ۔ یہ کتاب ان کے لئے ' انیس ' ہے ۔

انیس الغربا تصوف کے متعلق علمی کتاب نہیں اور نہ ہی وہ ابواب و فصول میں منقسم ہے ۔ مشمولات کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی نئی بات نہیں ۔ اس کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ایک قید خانہ ہے ؎

ہست دنیا خاکدانی کہنۂ ویرانۂ عرصہ جای محنت آبادی ملامت خانۂ

اس لئے اس میں دل لگانا ، سامان و اسباب اکٹھا کرنا نادانی ہے ۔ زینت و آرائش میں مشغول ہونا غفلت ہے ۔ دنیا میں آدمی ایک سوار یا مسافر ہے جسے چند دنوں کے لئے یہاں ٹھہرنا ہے ۔ یہاں کے اسباب حرص و آز میں اشتغال ، ذکر و شوق و عبادت سے غفلت ہے ۔ آدمی کا فرض ہے کہ وہ ما سوی اللہ سے انقطاع کرے اور صرف خدا کو چاہے ۔

مصنف نے اپنے مخاطب کو اس کی غفلتوں پر تنبیہہ کر کے مشورہ دیا ہے کہ وہ توبہ کر کے شیخ کامل کو مرشد ٹھہرائے ۔ عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جائے ۔ کثرت نوافل ، نماز معکوس اور صوم طے میں سے گزر کر تصفیہ و

تخلیہ اور تجلیہ کی منازل طے کرے تاکہ اسے مشاہدہ و مکاشفہ حاصل ہو۔ یہ راستہ بتلانے کے بعد میدان حشر اور شدت گرما سے ڈرایا ہے۔ قبر کے تنگ و تاریک مقام کا نقشہ دکھا کر خوف دلایا ہے کہ اس کا جسم بچھوؤں اور سانپوں کی خوراک بنے گا۔ اس لئے انسانی شرف و برگزیدگی اس میں ہے کہ دنیائے دنی کو چھوڑ کر خدا کو منتہائے مقصود بنائے۔

یہ رسالہ گویا ایک پرتاثیر وعظ ہے جو مصنف ایک انسان کو 'عزیز' مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ رسالہ کے اختتام میں وعظ کا زور زیادہ ہوتا جاتا ہے پہلے حصے میں دماغ کے ساتھ دل کو بھی سمجھایا ہے۔ آخر میں دنیائے فانی اور عذاب عقبیٰ کے عبرت ناک نقشے دکھا کر دل کو زیادہ مرعوب کیا ہے۔ اس میں فقیری، درویشی اور قناعت کی تعلیم ہے، دنیا سے محبت، حرص اور زینت سے نفرت کا سبق ہے۔

بیان کا طریق یہ اختیار کیا ہے کہ پہلے رسولِ خدا کی حدیث بیان کی ہے پھر اس کا ترجمہ کیا ہے اور بعد توضیحاً اور باتیں کہی ہیں ضمناً موضوع کو پر اثر بنانے کے لئے اشعار نقل کئے ہیں۔ رباعیات، قطعات اور غزل کے اشعار سے اپنے بیان کو تقویت دی ہے۔ اشعار کا انتخاب موزوں اور برمحل ہے اور انتخاب سے مصنف کا حسنِ ذوق ظاہر ہے۔ اکثر اشعار عطّار، عراقی، رومی اور نظامی سے لئے ہیں۔ اپنے مرشد یعنی "پیر دستگیر" کی زبان سے بھی کئی رباعیاں نقل کی ہیں۔ ابوحنیفہ کوفی کے چار شعر بھی مذکور ہیں۔ رسالے میں کسی قدیم کتاب تصوف کا حوالہ موجود نہیں۔ صفحہ ۵۲ پر کتاب طراز الوعظ (عربی) سے ایک ٹکڑا نقل کیا ہے یا صفحہ ۲۳؎ پر کیمیای سعادت میں سے ایک قول منقول ہے۔

اس کتاب میں بعض ایسی احادیث بیان ہوئی ہیں جو نکات تصوف کو واضح

کرتی ہیں اور ان سے ایسی روح کا اظہار ہوتا ہے جو روح عصر نہیں۔ رسول اکرم کا زمانہ مجاہدہ و مقاتلہ کا زمانہ تھا۔ اسلام کے لئے شوکت و حشمت کا عہد تھا۔ اس زمانے میں فقیری، ہلاکت نفس اور مرگ آرزو کی تعلیم دینا گویا روح جہاد کو منقطع کرنا ہوتا۔ اس لئے اس قسم کی احادیث مشتبہ ہیں اور بعد کی ساختہ ہیں۔ عرب کا مزاج ہی ایسا نہیں تھا کہ وہ رمزیہ معانی کا متحمل ہو سکتا۔ ان کے لئے یہ تعلیم بالکل غیر مناسب تھی۔ مثلاً یہ احادیث دیکھئے۔

ص ۸ ۔ عُدَّ نفسك من اصحاب القبور۔ موتوا قبل ان تموتوا

اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔ مرنے سے پہلے مر جاؤ

ص ۲۵۔ من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجه الارض

فلینظر الی ابن ابی قحافہ

اگر کوئی شخص مردے کو سطح ارض پر چلتا دیکھنا چاہتا ہے وہ ابن ابی

قحافہ (ابوبکر صدیق) کو دیکھے۔

صفحہ ۲۳ پر حدیث ہے۔ الدنیا لکم والعقبیٰ لکم والمولیٰ لی یہ قول بھی کسی صوفی کا ہو سکتا ہے۔ قرآنی تعلیم دینے والے پیغمبر کا نہیں ہو سکتا۔ جب خدا اپنے بندوں کو دعا مانگنا سکھاتا ہے کہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة۔ اے رب ہمیں دنیا و عقبیٰ میں بھلائی عطا کر۔ اس کا نبی اس کے خلاف کیسے بات کہہ سکتا ہے۔

صفحہ ۲۲۔ پر یہ حدیث مذکور ہے۔ اکثر اهل الجنة البله یعنی اہل جنت اکثر احمق و نادان ہیں۔ ایسی بات کہنا قرآنی وعدوں کو جھٹلانا ہے۔ خدا نے کلام مجید میں مومنوں مجاہدوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بار بار وعدے کئے ہیں۔ لهم جنت تجری من تحت الانهار ان کے لئے جنت ہے جس کے نیچے

نہریں جاری ہیں ۔ بل خلفھم جنت تجری من تحت الانھار ۔ خدا
ان کو جنت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جو لوگ خدا پر ایمان
لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے ۔ انہیں ہم بہشت میں لے جائیں گے جن کے
درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ ($\frac{14}{24}$) اس قسم کی ہزاروں آیتیں ہیں ۔ اب بتائیے
کیا اہل جنت نادان ہیں کہ دانا ۔

صفحہ ۲۸ پر ایک حدیث یوں بیان کی ہے " ابوہریرہ موت کے وقت رو رہے
تھے ۔ ان سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میں کیوں نہ روؤں جبکہ میں
نے رسول خدا سے سنا ۔ بے شک موت ہنڈیا میں پکانے سے زیادہ سخت ہے
اور آرے سے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے زیادہ سخت اور موت کے بعد ستر
ہول ہیں اور ہر ہول ستر درجہ موت سے زیادہ سخت ہے ۔"

مصنف نے ایک طرف تو یہ بیان کیا ہے کہ مومن کے لئے یہ دنیا قید خانہ
ہے ۔ وہ محبوب خداوندی کے فراق میں یہاں درد و غم میں مبتلا ہے ۔ اس کے
لئے موت تو وصال کا مژدہ لانے والی ہے ۔ اس لئے اسے تو موت کے آنے
سے خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ اقبال نے اس مضمون کو یوں لکھا ہے ؎

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

یا تو حضرت ابوہریرہ کا موت کے خوف سے رونا صحیح ہے یا پھر مصنف کا
نظریہ درست ہے ۔ اور اس حدیث کے لانے سے بیان میں تضاد آگیا ہے ۔

صفحہ ۳۱ - ۳۲ پر یہ حدیث درج ہے اعملوا فکل میسر لما خلق لہٗ
اس کا ترجمہ اور توضیح یوں لکھی ہے ۔ عمل کنید ۔ پس ہر یکی را آسان و میسر کردہ
میشود برای چیزی کہ آفریدہ شدہ او را عمل اہل بہشت آسان و میسر شود ۔

کسیکہ برائے دوزخ آفریدہ شدہ است او را عمل اہل دوزخ آسان و میسر شود.

اس تشریح پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر انسان کے لئے بہشت یا دوزخ پہلے سے متعین ہو چکا ہے تو وہ قطعاً مجبور ہوا جب آفرینش سے ہی اس کے لئے سزا و جزا متعین ہو چکی ہے تو پھر اس کے لئے حساب کیا؟ نیک و بد کام کرنے کا اختیار کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی کسی جبریہ کا کارنامہ ہے.

کتاب کا اسلوب بیان خطیبانہ زیادہ ہے اس لئے جب وہ مضمون کو وعظ کے طور پر جوش و ولولے سے بیان کرتے ہیں تو جملے مسجع اور مقفی لاتے ہیں. بعض جگہ کلمات کی تکرار سے بھی کام لیتے ہیں. اس التزام کے باوجود عبارت میں تکلف و تصنع پیدا نہیں ہوا. روانی موجود ہے. بیان سے اخلاص ظاہر ہے. نمونے کے لئے مندرجہ ذیل عبارتیں ملاحظہ کیجئے.

چون باد روان و تیز رو باش و از آتش شوق جگر بسوز و دیدۂ دل را از غیر حق بدوز. خاک بر سر عالم فشان و دست از ہمہ آفاق بر افشان ساز عشق یگانہ باش واز خود و از خلق بیگانہ باش. دل از درد عشق دوست بخراش. ص ۹۴

ذرۂ درد دوست بکونین نفروشم و از آتش شہوت دوست ہمیشہ در جوشم و از دریای عشق دوست در خروشم. ہر لحظہ شراب مست می نوشم. ص ۴۵

ہمہ دنیا در فیض و تصرف خود آوردہ گیر قصرہا و بارگاہ ہا بعیوق بر آوردہ گیر، آخر شوی حقیر بخاک اسیر و گردی طعمہ کرمان حقیر و از شدت گرما آری نفیر و در مانی در سوال منکر و نکیر. ہیچ چیز ترا نگردہ دستگیر مگر فضل و کرم قدیر. ص ۳۹

جدا از ما بود نہایت او دوزخ بود۔ جائے او زہی شقاوت ابدی زہی قساوت سرمدی زہی درد بے درمان زہی ماتم ہجران زہی حسرت بے پایاں، زہی خسارت فراوان کہ از حق تعالیٰ دور و مہجور مانی و بدنیا فانی مغرور و مسرور شوی ص ۲۶

عادت کنید دل ہای خود را نرمی و بسیاری تفکر کنید یعنی اندیشہ بسیار کنید کہ از کجا ئید و بکجا افتادہ اید از کہ دور و مہجور ماندہ اید و بچہ مشغول گشتہ اید و برای چہ آفریدہ شدہ اید و سرمایۂ عمر درچہ گذرانیدہ اید و از مقصود چہ حاصل کردہ اید و از مطلوب چہ نشان یافتہ اید۔ ص ۲۰

زبان کی خصوصیات میں سے دو ایک باتیں مشاہدہ میں آئی ہیں۔ ایک تو یہ ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً:۔

قناعت آن نیست کہ بستر عورت یا بنگوتہ اکتفا کنی۔ دوسری یہ کہ عربی جمع کو فارسی علامات جمع بڑھا کر پھر جمع بنایا ہے۔ مثلاً یہ دو لفظ اخوانہا اور نظایرہا۔ (ص ۱۲)

ہدایۃ الرّمی

ہدایۃ الرّمی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فن تیراندازی پر کتاب ہے اس کے مؤلف محمد بدھ کے نام سے معروف ہیں۔ انہیں سید میر علوی بھی کہتے تھے۔ ان کی زندگی کے حالات ابھی دستیاب نہیں ہو سکے۔ اتنا یقینی ہے کہ وہ فن تیراندازی میں ماہر ہوں گے اور شاید فوج میں تیراندازی سکھانے پر استاد بھی مقرر رہے ہوں۔ ان کی علمی قابلیت کتاب سے ظاہر ہے کہ وہ لکھے پڑھے آدمی تھے اور مضامین نظم بھی کر سکتے تھے کیونکہ کتاب میں جا بجا اشعار موجود ہیں

یہ کتاب ۸۹۹ سے ۹۲۵ ہجری (۱۴۹۳ — ۱۸۱۸ء) کے درمیان لکھی گئی ہو گی کیونکہ سلطان بنگال علاؤالدین ابوالمظفر حسین شاہ کے نام سے منسوب ہے جس کا عہد سلطنت مذکرہ صدر سالوں کا درمیانی عرصہ تھا۔

کتاب ستائیس ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب میں چار چار پانچ پانچ فصلیں ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے تیراندازی کی اہمیت بیان کرنے کے بعد تیر و کمان کے انواع و اجزاء، ترکیب اور ساخت کا بیان تفصیل کے ساتھ موجود ہے تیر و کمان کو سنبھالنے، رکھنے، پکڑنے، چلانے، کھینچنے کی تمام جزئیات بتائی ہیں۔ تمام ابواب کے مشمولات کا ملخص ذیل میں دیا جاتا ہے جس سے کتاب کی تفصیلات اور اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

فن تیراندازی ہندوستان کا بھی قدیم فن ہے اور گورو شاہزادوں تک کو اس فن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور ممکن ہے ہندی اور سنسکرت میں بان ودیا پر تالیفات بھی موجود ہوں اور شاید ہدایۃ الرمی کے مؤلف نے ان سے استفادہ بھی کیا ہو لیکن اس کتاب کی بنیاد اسلامی تعلیم کے اصولوں پر اٹھائی گئی ہے کمان کھینچنے اور تیر چلانے وقت قرآن مجید کی آیات و ادعیہ کی تلقین کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات کے متعلق بتایا ہے۔ کہ مختلف مواقع پر ان کو پڑھتے ہیں۔

وکان قاب قوسین اوادنیٰ

ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

ما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت

فن تیر اندازی کے وجوب پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی پیش کئے ہیں، مثلاً

من رمی سہما فی سبیل اللہ فکانما اعتق رقبۃ

(جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر چلایا اس نے گویا ایک گردن آزاد کر دی)

من ترک الرمی بعد العلم فقد ترک سنتی ومن ترک سنتی فلیس منی۔

جس شخص نے سیکھنے کے بعد تیر چلانا چھوڑ دیا اس نے میری سنت کو ترک کیا اور جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ مجھ سے نہیں۔

اس فن پر پہلے بھی رسالے موجود تھے ان کا نام نہیں لیا۔ لیکن کہیں کہیں ان کے اقتباسات دیے ہیں۔ اور اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

خدابخش اورنٹیل لائبریری پٹنہ میں ہدایت الرمی کا ایک نسخہ موجود ہے۔ میں اس کا مائیکروفلم حاصل کر کے یہ کتاب دیکھ سکا۔ برلن لائبریری کے نسخے میں کتاب کا نام اساس الرمی ہے اور برٹش میوزیم کی

فہرست میں اس کا نام ہدایت الرّامی لکھا ہے[1]۔
اب اس کے مشمولات پر ایک نظر کر لیجیے۔

باب اول۔ وجوب تیر اندازی
دوم نزول کمانی بر حضرت آدم علیہ السلام چند کلمات و حکایات تیر اندازان۔
سوم در آیتہای قرآن و تعویذات
چہارم در اسامی استادان
پنجم در اسباب تیر اندازی
ششم در زہ کردن و شناختن رخ کمان در چہار فصل شناختن رخ تیر و اسامی تیرہا۔ وصل کردن تیر۔
ہفتم در بیان گرفتن شست و دانستن عیب و ہنر آن۔ در دو فصل۔
ہشتم گرفتن شست در سہ فصل عیب و ہنر و علتہای گرفتن شست۔
نہم اشکال ایستادن استادان و فرستادن تیر۔
دہم کشش کمان و آنچہ بدان تعلق دارد۔ در چہار فصل۔ عیب و ہنر حدود کشش۔
یازدہم نظر تیر اندازی۔ کردن نشانہ و زدن تیر در سمت آواز۔

---

1 Rieu, II, p. 488: W. Pertsch. Berlin Catalogue P. 337-338; I.O. No. 2768-2769; K.B. Oriental Library Catalogue, V. XI, p. 85.

دوازدهم فرستادن تیر یعنی انداختن تیر در دو فصل گندن و گذاردن
و راندن وکشادن تیر.

چهاردهم دربیان آموختن تیراندازی در دو فصل - داشتن مشت
مقداری تیر نشانه.

پانزدهم انداختن تیر دو انگ و تیر بازگشت.

شانزدهم دربیان انداختن تیر بر شکاری و بر جانوری که بر هوا باشد.

هفدهم « تیر پرتاب و قسمت هوا در پنج فصل -
دانستن آن که تیر پرتاب در قسمت هوا رفته تیر پرتاب
از ایستادن - در مقامهای تیر پرتاب - دربیان کمان
و تیر و زه و استوانه تیر پرتاب چگونه باید.

هژدهم دربیان اوصاف روش تیر در سه فصل - درچیدن تیر
آواز کند که نمی کنند.

نوزدهم فرستادن تیر - دو فصل بشناختن اوصاف تیر.

بیستم انداختن تیر ناوک - اوصاف ناوک و سبب وضع آن.
در دو فصل.

بیست و یکم دربیان انواع لکد در تیر.

بیست و دوم انداختن تیر زیر سپری

بیست و سوم معرفت و اوصاف تیر.

بیست و چهارم اجزای تیر و آنچه نسبت به تیر دارد. در پنج فصل. طول
و نهایت درازی تیر. کلک تیر. اسامی نوعهای پیکان تیر و
ساختن و آب دادن آن. سر تیر و بن تیر.

بیست و پنجم۔ در بیان معرفت نمونہای کمان۔ مشتمل بر پنج فصل۔ نشست
و پرشش ہای آن، درازی کمان، محلہای کمان۔ معادت
کردن کمان بہ زور کہ چہ نوع گرفت کنند۔ معرفت ورم سنگ
و چاشنی زور کمان۔

بیست و ششم۔ انواع زہ و وزن آن بر طریق تافتن و لبستن۔ عیب و ہنر
و درازی و کوتاہی آن۔

بیست و ہفتم۔ در بیان اوضاع چوب و شاخ و سریس دلی و طریق
نہادن آن در کمان در دو فصل۔ چیزہا کہ کمان را کمزوری
کنند و تیر انداز را مضرت کنند۔

بیست و ہشتم۔ در بیان متفرقات اسامی چیزہا کہ برو تیر اندازند باصلاح
خراسان و عرب۔ ۲۔ لکہ تیر اندازان۔ ۳۔ فواید مختلف۔
۴۔ داروہا کہ سپاہیان را بکار آید

کتاب کے آخری آٹھ صفحوں پر تیر اندازی کے مختصات پر مثنوی ہے۔ جس
کی ابتدا یوں ہے۔ ؎

ای بنام تو نامہ نامور است

اسلوب نگارش سادہ تدریسی اور تفہیمی ہے۔ کتاب پڑھتے پڑھتے اندازہ
ہوتا ہے کہ فارسی زبان میں مطالب بیان کرنے کی کتنی صلاحیت ہے مصطلحات
کی تفہیم میں بھی بیان میں کتنی وضاحت اور صراحت قائم رہتی ہے۔ عبارت کا نمونہ
یہ ہے :۔

"تیر اندازی برای حرب و شکار است و آن غالب تعلق
بسواری دارد۔ اگرچہ در حالت پیادگی ہم تیر اندازی ممکن است

لیکن باید که تیر اندازی بر پشت اسپ ضبط کند تا وقت کار
در نماند و آنچنانست که چون خواهد که در میدان سواری
تیر اندازد تنگ اسپ را در سینه که تنگ گاه است
قوی بکشد چنانکه پس و پیش نباشد و دوال رکاب
راست برموازنه وارد . دراز و کوتاه نکند و دوال
رکاب چپ را برموازنه دو انگشت ازمعتاد دراز کشد،

مسائل المشائخ

یہ کتاب بنگال میں ۹۰۰ ہجری کے آس پاس تالیف ہوئی ہے۔ اس کے مؤلف شاہ قطب الدین حقانی ہیں جو عزیز الملت مخدوم شاہ عزیز اللہ خلیفہ و سجادہ نشین حضرت نور قطب عالم کے پوتے تھے۔ انہوں نے پیران طریقت سے اپنی روحانی نسبت اس طرح بیان کی ہے۔

مسکین قطب الدین۔ شیخ مطیع اللہ۔ شیخ بابو۔ شیخ محمد۔ شیخ عزیز الملت شیخ خلیل الرحمن۔ شیخ معین الاسلام۔ شیخ حسام الدین۔ شیخ نور قطب عالم۔ شیخ علاء الحق لاہوری۔ شیخ سراج الدین عثمانی اودھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء۔ شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج۔ شیخ قطب بختیار کاکی۔ شیخ معین الدین سجزی چشتی۔

مؤلف نے اس کتاب کے برگ ۱۴۴ - ۱۴۵ پر اپنے روحانی ریاضی کے متعلق لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بارہ سال حضرت حاجی محمد کی خدمت میں رہے۔ ہر سال تین مرتبہ چالیس روزہ چلہ کاٹتے۔ انہیں چودہ روحانی سلسلوں سے خلافت نصیب ہوئی۔ انہوں نے ایک اور مقام پر بتایا ہے کہ تین سو علماء کی موجودگی میں انہیں حقانی کا لقب عطا ہوا۔

مسائل المشائخ کی تالیف کے وقت شاہ قطب الدین لمبی عمر پا چکے تھے، کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کا بیٹا ادریس عالم باعمل تھا۔ اس نے بھی مؤلف کے

بڑے بھائی حضرت شیخ بابو سے خلافت کی فضیلت پائی. وہ شاعر بھی تھے۔ حضرت نور قطب عالم کی تعریف میں ان کی ایک نظم اس کتاب میں مندرج ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے :۔

قطب عالم گمرہان را رہبر است

قطب عالم از دو عالم بہتر است

مسائل المشائخ پچاس مجالس پر مشتمل ہے. تقریباً تمام مسائل تصوف زیر بحث لائے گئے ہیں، مثلاً علم ۔ فنا و بقا ۔ سماع ۔ موت و حیات وغیرہ. کتاب سوالات و جوابات کی صورت میں ہے. ہر مجلس کے آخر میں مؤلف اپنے دلائل کے اثبات میں حضرت نور قطب عالم کے اقوال پیش کرتے ہیں ۔ انہی بیانات سے ظاہر ہے کہ ان کی دو تالیفات اور تھیں ۔ مونس الفقرا ـــــ اور خانوادہ چشتیہ ۔ اس کتاب میں حضرت نور قطب عالم کی ایک نظم کا ایسا نمونہ موجود ہے جس میں فارسی کے ساتھ مقامی بنگالی کے الفاظ بھی لائے گئے ہیں. اس قسم کی مثالیں ہمیں خسرو کے کلام میں ملتی ہیں جہاں انہوں نے فارسی کے ساتھ ہندی کا پیوند لگایا ہے. نور قطب عالم کا ایک شعر درج ذیل ہے باقی اشعار ہم نے انکے تذکرے میں محفوظ کر لئے ہیں۔

وہ چہ کردم روی تو دیدم امت پاگل بھیلوں

ہمچو مجنوں بہر لیلی بہابت بکل بیلوں

بنگالی زبان کی تاریخ و لسانیات کے ماہر پروفیسر شہید اللہ کا بیان ہے کہ بنگالی زبان کا یہ قدیم ترین نوشتہ نمونہ ہے انہوں نے ان الفاظ کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے. مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ یوں ہے ۔

آہ میں نے کیا کیا جو تمہارا چہرہ دیکھا. میں بری طرح پاگل ہو گیا۔

میں مجنوں کی طرح (جذبات کے ہاتھوں) اپنے آپے سے باہر ہوگیا۔

مسائل المشائخ کا مخطوطہ خان بہادر فضل ربی کے صاحبزادہ کے پاس موجود ہے۔ کتاب ۱۶۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ تقطیع ۹ × ۵½ صفحہ میں ۱۸ سطریں۔ خط شکستہ مائل نستعلیق۔

اس کتاب کا تعارف سے۔ علی افضل صاحب نے انگریزی روزنامہ پاکستان ٹائمز مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ میں پیش کیا ہے۔ میں اس نسخے کو نہیں دیکھ سکا۔

اشاریہ

آ

آتشکدہ ۴۸، ۲۲۰، ۲۴۰، ۲۴۵
آتشکدۂ وحدت ۴۲۶ ن
آداب الحرب والشجاعت ۱۶۱، ۱۶۲ ن
۱۶۲-۱۶۹
آداب المریدین۔ ۳۵۵، ۳۶۶، ۵۱۲
آداب الملوک وکفایۃ الملوک۔ ۱۶۹
آرام شاہ ۳۹
آرزو، سراج الدین ۴۲۹ ن
آذر اسفراینی ۴۷۱
آذیلیس ۱۲
آصف خان ۱۱۸، ۳۸۵
آغاز پور ۵۷۱
آفتاب عالمتاب ۲۴۰
آگرہ ۱۹
آلمی ۱۹۹
آئین اکبری، ۱۲۳، ۱۹۷ن، ۶۰۹، ۵۲۶
۵۲۹

ا

اباکبر ۵۶۰
ابافراس ۱۵۳
ابراہیم ۵۹۶
ابراہیم بن ادہم ۱۲۴، ۳۰۸
ابراہیم بن مسعود ۵۰
ابراہیم نبی ۱۴۶، ۱۵۱
ابراہیم دانشمند ۵۶۰
ابراہیم سرہندی ۳۸۶
ابراہیم سلطان ۴۹، ۵۸، ۸۸
۱۹۱، ۵۲۳، ۵۲۵
ابراہیم شرقی، سلطان ۶۱۸، ۶۱۹
ابراہیم فاروقی ۱۶۱
ابراہیم لودھی ۴۳، ۵۵۴، ۵۵۵

ابن ابی قحافہ ۲۲۶
ابن البواب ۲۱۰
ابن التاج ۳۱۸
ابن الخطیب ۸۹
ابن بطوطہ ۳۷۱، ۳۷۲
ابن حجر ۴۴۴، ۴۹۵
ابن حوقل ۱۹۰
ابن عباس ۴۲۰
ابن عربی ۴۴۴
ابن قتیبہ ۴۷۰
ابن مسعود ۵۹۶
ابن مقلہ ۲۱۰
ابن نباتہ ۴۷۰
ابن ندیم ۴۷۰
ابوابراہیم بن اسماعیل بخاری ۱۲۶
ابواسحاق مزنگ لاہوری ۴۶
ابوالحسن زندوسی ۳۱۵
ابوالحسن سالبہ ۱۲۴
ابوالحسن علی ۱۲۰
ابوالحسن لنگاہ ۲۷۹
ابوالخیر شاہ ۲۲۵
ابوالعباس احمد ۲۳۸
ابوالعباس الاشقانی ۱۲۰
ابوالعباس القسم السیّاری ۱۳۰
ابوالفتح ۳۸۶، ۳۸۸
ابوالفتح حسینی ۲۳۹
ابوالفتح دامغانی ۲۸
ابوالفتح گیلانی ۵۵، ۵۲۵
ابوالفتح لاہوری، ملا ۴۶
ابوالفتوح دیکھیے داؤد بن نصر ۱۵
ابوالفرج رونی ۷۱
ابوالفرج نصر بن رستم ۶۶
ابوالفرج کرمانی ۲۸
ابوالفضل ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۶۹، ۳۸۵، ۴۰۹
ابوالفضل محمد الختلی ۱۲۰
ابوالقاسم ۱۵۴، ۲۴۹
ابوالقاسم بن علی گرگانی ۱۲۰
ابوالقاسم خاص ۵۲، ۶۶
ابوالقاسم رفیعی ۳۰۰
ابوالقاسم قشیری ۱۲۰، ۱۲۴
ابوالقاسم محمود ۲۸
ابوالمعالی شاہ ۴۴
ابوالمعالی نصراللہ ۳۷
ابوالمغیث ۱۸۹
ابوبکر ۱۴۹، ۲۹۶، ۳۵۷

ابوبکر الصولی ۳۰۵
ابوبکر بن ابی الحسن ۳۸۱
ابوبکر بن شہاب الدین یزدی ۳۷۸
ابوبکر جوہری ۳۰۰
ابوبکر خسروی ۳۷
ابوبکر شبلی ۱۲۰، ۳۲۳
ابوبکر صدیق ۶۲۴
ابوبکر محمد بخاری کلاباذی ۱۲۶
ابوبکر محمد بن عمر الوراق ۱۳۰
ابوجعفر الصیدلانی ۱۲۰
ابوجعفر عمر ۹۱، ۹۲
ابوجعفر محمد الصیدلانی ۱۳۰
ابوحنیفہ ۱۲۵، ۱۷۴، ۳۱۴
ابودرداء ۴۲۰
ابوسعید ۵۹۶
ابوسعید ابوالخیر ۱۹۲
ابوسعید بابا ۵۲
ابوسعید ہمدانی ۲۰۳
ابوسعید ہجویری ۱۲۳
ابوسعید خراز ۱۳۰
ابوسعید غزنوی ۱۲۷
ابوسلیمان احمد ۲۳۸
ابوصابر ہمدانی ۱۸۹

ابوطالب مکی ۳۱۶
ابوطاہر المطہر ۹۱
ابوطاہر خاتونی ۲۹۹
ابوطاہر یحییٰ ۲۹۴
ابوعثمان سعید الحیری ۱۲۹
ابوعلی الحسن الجرجانی ۱۳۰
ابوعلی المحسن تنوخی ۳۰۵
ابوعلی فارمدی ۱۲۴
ابومحمد ۵۶۹
ابومنصور فارسی، ہبۃ اللہ ۵۲
ابونصر فارسی ۴۶
ابونصر فراہی ۵۰۷
ابوہریرہ ۲۲۷، ۴۰۴
ابویزید بسطامی ۱۲۱
ابی عبداللہ محمد بن خفیف ۱۲۰
ابی نصر سراج ۱۲۹
ابیورد ۴۸۶
اتابک ۵۵۵
اثیر قاضی ۶۱۰
اثیر الدین ۱۹۷
اجراء الوحی فی ذکر النخعی ۴۹۰
اجودھن ۳۱۰، ۳۱۱، ۶۱۳
اچہ ۱۷، ۱۸، ۲۳۸، ۲۸۶، ۲۹۶، ۲۹۷

احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ۱۹۰

احمد، ملا ۳۹۷، ۳۹۹

احمد المدعو بہ بہاء ۳۶۲

احمد برنی ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴

احمد بن خضرویہ ۱۲۹

احمد بن معین سیاہ پوش ۳۶۵

احمد توختہ ۳۳۸

احمد توختہ = دیکھئے توختہ ترمذی

احمد ٹھٹھوی ۳۸۲، ۳۸۹

احمد جمادی سرخسی ۱۲۳

احمد جاگلی، شیخ ۳۹۹

احمد داد ۵۹۸

احمد سامانی، سید ۳۹۶، ۲۹۹

احمد کبیر بخاری ۳۴۶

احمد کرمانی ۵۰۱

احمد لاہوری ۴۱

احمد مخدوم قادری ۵۰۱، ۵۰۲

احمد معین سیاہ پوش ۳۵۱، ۳۵۳

احمد، ملا ۴۳۲، ۴۳۳

احمد میاں اختر ۲۰۱، ۲۷۷

احول، فریدالدین ۲۰۹

احیاء العلوم ۲۵۵، ۳۶۶، ۵۱۲

اخبار الاخیار ۳۰۶ ن، ۳۰۹، ۳۱۱

۲۳۷، ۳۳۶، ۴۳۸، ۴۳۹

۳۴۸ ن، ۶۱۷ ن، ۶۲۰

اخبار الاصفیاء ۶۱۷

اختر رضوی ۲۵۴

اختر شیرانی ۲۹۴ ن، ۲۵۴

اختیار الدین ۲۱۴

اختیار الدین قراقش ۲۹

اخفش نحوی ۲۷۷

اخلاص خان، رکن الدین ۱۸۹

اخی سراج ۶۰۹

ادبیات فارسی در ہندوستان ۸۵ ن

ادراکی نامہ ۱۹۹

ادہم، حاجی ۴۳۴

اردشیر ۱۶۶

اردو، رسالہ ۲۶۵، ۶۱۶

ارزانی، ملا ۵۶۸، ۵۹۵

ارسلان خان ۲۹

ارشاد المریدین ۳۵۵، ۵۱۲

ارغون ۱۸۷

ارغونی ۲۵۲

ارقلی خان ۳۱، ۴۰

ارمغان، رسالہ ۸۵ ن

ارمغان علمی ۲۰۱، ۲۶۰، ۲۷۷ ن

ایارق ۲۸
اذکار، رسالہ ۴۴۷
اذکار الابرار ۳۳۷، ۳۴۰
اسرار الابرار ۳۴۵، ۳۹۹
اسد قصہ خوان ۱۹۸
اسرار الاولیاء ۳۰۶ ن، ۳۱۸، ۳۲۱، ۵۱۳
اسرار العارفین ۳۱۵، ۳۶۶
اسرار النقط ۴۰۷
اسرار تابعین ۳۱۵
اسرار الخرق والملونات ۱۲۶
اسحاق فاروقی ۲۴۹
اسحاق قاری ۳۹۹
اسحاق کاکو لاہوری ۴۶
اسحاق گاذرونی ۲۳۹
اسماعیل بخاری ۳۸
اسماعیل، خواجہ ۵۶۴، ۵۶۵
اسماعیل بن علی، قاضی ۲۸۶
اسماعیل شامی ۵۰۱، ۵۰۷
اسماعیل صفوی ۵۲۳، ۵۲۵
اسناد داد و داد فتحیہ ۴۰۶
اسناد حلیہ حضرت رسالت ۴۰۶
اسیرگڑھ ۲۵۰، ۲۵۱
اسیری تبریزی ۴۷۱
اشرف مراغہ ای ۴۷۱
الشعر والشعراء ۴۷۰
اشکانی ۱۲، ۱۳
اشنغر ۵۷۲
اصطخری ۱۹۰ ن
اصغر علی ۲۳۸
اصمعی ۴۷۰
اصول بزدوی ۳۴۰
اعتماد خان ۱۷۷
اعجاز الحق قدوسی ۲۰۸، ۲۰۹، ۳۱۴
اعز الدین ۳۷۸
اعز الدین محمود ۲۰۸
اعز الدین کبیر خانی ۲۹
اعشی ۵۲۷
اعظم خان ۶۱۷
اعلام الہدیٰ ۵۱۳
اغانی ۴۷۰
افضل، مولانا ۳۸۴
اقبال ۴۰۶
اکبر ۱۹
اکبر جلال الدین ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۶۵، ۳۸۵، ۳۸۷، ۴۴۵، ۴۴۶، ۵۲۵، ۶۰۸

اکبر، جلال الدین محمد ۱۰۵
اکبر نامہ ۱۷۹، ۲۵۰
اکبر نامہ ـ مثنوی ۲۵۴
اکبر نگر ۶۰۹
التعرف فی علم التصوف ۵۱۳
التعرف لمذہب التصوف ۱۲۶
التتمش ۳۹
التتمش ـ شمس الدین ۱۶۲
الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم ۳۴۶ ن
۳۴۹
الرعایہ بحقوق اللہ ۱۲۹
الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ ۱۲۶
الشفاء فی اوصاف المصطفیٰ ۳۵۵
الطحاوی ۳۵۵
العوارف ۵۱۲
الغ بیگ ۵۵۴
الغورستان ۵۴۴
الفاروق ۴۱۹ ن
الفتاوی الغنابیہ ۳۵۴
الفرج بعد الشدۃ ۳۰۵
الفہرست ۴۷۰
القادر باللہ ۱۸۸

المعجم فی معاییر اشعار العجم ۵۵
المحیط ۳۶۶
الناصر الدین اللہ ۸۹
النوازل ۳۵۵
الوالوالجی ۳۵۵
اللہ بخش یوسفی ۵۸۴ ن
اللہ داد کاکالودھی ۴۲
اللہ داد لشکر خوانی لاہوری ۴۶
اللہ دتا، قاضی ۲۴۹
اللہ دیہ ۳۵۵
الٰہی، عماد الدین ۲۶۷
الٰہی نامہ ۱۹۱، ۵۱۳
امام الدین لاہوری، ملا ۴۶
امام گاذرونی ۳۴۶
امرتیسکوند ۶۱۰
املاء التفسیر ۴۸۹
امیری، محمد یوسف ۲۶۰
امین احمد رازی ۷۰
امین الدین گاذرونی ۳۴۶
انڈیجان ۵۴۰
انڈیا آفس لائبریری ۴۰۷
انو ۱۹۵
انسان نامہ ۴۰۷

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۴۷۰ ن
انس بن مالک ۴۲۰
انشائے ماہرو ۳۷۷
انندپال ۱۵، ۱۶۵، ۵۵۳
انوارالحق ۵۸۹
انوری ۵۶، ۵۲۹
انیس العشاق ۲۷۷
انیس الغرباء ۲۲۹-۶۲۴
انیس الواعظین ۳۳۷
انطاکی ۴۷۰
اوچھ ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴
اوحد کرمانی ۳۲۳
اوحدالدین کرمانی ۳۰۹، ۳۱۳
اجھری ۲۶۸
اوراد فتحیہ ۵۱۳
اوراد و مراقبات، رسالہ ۴۴۸، ۵۶۴، ۴۸۹، ۴۹۳
اوریا ۵۷۶، ۵۷۳، ۵۷۴
اورنٹیل پبلک لائبریری بانکی پور ۵۰۹
اورنٹیل کالج میگزین ۱۲۴، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۹۱، ۲۱۱ ن، ۲۵ ن، ۳۱۰ ن، ۴۰۹، ۵۵۸، ۵۸۵
اوزاعی ۳۶۶
اویس ۵۹۶
اویسی، بابا ۴۳۳-۴۴۰
اہلی شیرازی ۲۶۲
ایاز ۲۸
ایران بعہد ساسانیان ۱۲ ن
ایسان بوغا ۵۴۴
ایلتتمش ۱۳۹-۱۸۹
ایلیٹ ۱۷۹
ایمنہ ۵۶۰
ایوانو ۳۷۷
ایوب انصاری ۵۵۸
ایٹے ۳۰۵

ب

بابا ادہم، حاجی ۳۹۷
بابر ۴۳، ۵۳۹، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۶۰
بابک، سلطان ۳۳۹
بابنیہ ۱۹۵، ۳۴۶، ۳۵۸
بابو، شیخ ۶۳۷
باقی ۲۰۰
باقی خان ۲۴۷
بامیان ۸۹، ۴۰۹
بایزید ۳۶۶

بایزید انصاری ۵۵۵، ۵۵۷

۵۵۸ - ۵۸۴

بایزید عرف شاہباز ۵۶۰

بایزید گنائی ۱۱۴

بایسنغر ۲۶۰

بایقرا، سلطان ۲۶۲، ۲۶۳

بٹالہ ۳۴۱

بٹھنڈہ ۴۰

بختیار خلجی ۶۰۸

بختیار کاکی ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۲۰

بختیار نامہ ۱۰۵

بخشی ۵۶۳

بداؤنی، عبدالقادر ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰

۴۵۶، ۴۵۷

بداؤنی ۲۵۱

بدایع الافکار و صنایع الاشعار ۲۷۷

بدایع الصنایع ۲۷۷

بدایونی، عبدالقادر ۶۱۴، ۶۱۵

بدر اسحاق ۳۰۶ ن

بدرالدین اسحاق ۳۲۱

بدرالدین سلیمان ۳۱۰

بدرالسعادة ۳۵۵

بڈشاہ ۳۹۶

براؤن ۴۸ ن، ۶۳ ن

براؤن، ایڈورڈ ۳۰۱

براؤن، ای-جی ۲۹۴ ن

براہیم ۴۴۲

برزویہ، حکیم ۱۳

برنی ۲۱۳ ن، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۶

برہان الدین ۳۰۹

بزم تیموریہ ۳۵۳

بزم صوفیہ ۱۲۲، ۳۰۶ ن، ۱۱۹ ن

بزم مملوکیہ ۱۶۹، ۶۱۲

بشاری ۱۹۰

بصیر، ملا ۴۴۳

بقائی ۲۶۶

بترت ۱۶۵

بکتاش ۱۹۱

بلاذری ۲۸۵، ۴۹۰

بلال ۱۲۵

بلال، سید ۴۳۴

بلبل شاہ ۳۹۵، ۴۴۷

بلگاتگین ۱۶۲

بلوخن ۱۷۹

بلیک ۸۲

بندار ۳۰۰

بنو منبہ ۱۲
بنی شیبہ ۱۲۵
بوڈلین لائبریری ۲۷۶
بوستان خیال ۲۷۲، ۲۷۶
بولاجی، امیر ۵۴۴
بوہر لائبریری ۲۶۵
بہار ۱۳۵
بہار، محمد تقی ۳۰۴
بہارستان ۲۶۴
بہارستان شاہی ۳۹۷، ۵۲۳ ن
بہاء الدین ۲۳۰، ۳۷۹
بہاء الدین بخاری ۳۲۱
بہاء الدین زکریا ۱۷، ۲۰۰، ۲۱۳
۲۳۰، ۲۳۱، ۳۱۱، ۳۱۳
۳۲۳، ۳۳۲، ۳۳۶، ۳۶۱
۵۶۴
بہاء الدین زکریا، کتاب ۳۳۴
بہاء الدین سام ۸۰۱
بہاء الدین متو ۳۹۹
بہاء الدین محمد ۴۵۳
بہاء بن یعقوب ۳۶۲
بحر الاسرار ۱۵۲
بحر الطالبین ۵۷۰

بہو مشتاہ گڑھ ۱۶۴
بہرام گڑھ ۲۷۸، ۲۹۸
بہرام نایک ۴۴۵
بہروز احمد ۵۱
بھوجا برہمن ۶۱۰
بیان آداب المریدین ۱۲۶
بیجہ ۲۶۶
بہرام خان ۲۴۷
بیگلار نامہ ۱۹۸
بھکر ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۹۷، ۳۷۵
بھگوان داس، راجہ ۳۴
بھونگر ۱۹۵
بھیم پال ۴۵
بیربل ۵۵۵
بیرم خان ۵۲۶

پ

پاترہ ۲۴۰
پارس ۱۴۷
پاک پٹن ۶۱۳
پائندہ بیگ ۲۰۵
پختو ۱۶
پرشور ۵۵۳

پسر تیشہ ۳۰۰
پسر درغوش ۳۰۰
پشتو ۱۶
پشتو، رسالہ سہ ماہی ۵۸۳ ن
پشکلاوتی ۵۵۳
پکٹائس ۱۲
پکھلی ۴۰۲، ۴۰۳-۴، ۴۳۳
پنج گنج درمعما ۴۴۷
پندنامہ عطار ۵۱۳
پنڈوہ ۶۰۹، ۶۱۹
پورکہ ۳۰۰
پونچھ ۵۴۱
پہاڑ خان ۵۷۱
پیر محمد ۱۸۹
پیر محمد داد ۲۰۸
پیر محمد جہانگیر ۴۱
پیشداد ۱۶۶
پھتو ۱۹۵

ت

تاتار خان ۳۱، ۴۰
تاتار خان کوسی ۳۳
تلوح الاولیاء ۱۱۹
تاج الدین ۱۵۵، ۲۳۱
تاج الدین حرب ۸۹
تاج الدین یلدز ۳۹
تاج المآثر ۱۷۹
تاج الملک صاحبدیوان ۳۷۹
تاریخ ابراہیم شاہی ۱۷۹
تاریخ ابن اثیر جوزی ۳۸۷
تاریخ ابن جریر طبری ۳۸۷
تاریخ ابن کثیر ۳۸۷
تاریخ ادبیات ایران ۹۳، ۲۹۴ ن
تاریخ الفی ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۸
تاریخ المشائخ ۱۲۹
تاریخ اہل صفہ ۱۲۹
تاریخ بڈشاہی ۴۳۲ ن
تاریخ بنی مردان ۳۰۳
تاریخ بہادر شاہی ۱۷۹
تاریخ بہمنی ۱۷۹
تاریخ حلبیہ ۲۳۰، ۳۴۰
تاریخ حافظ ابرو ۳۸۷
تاریخ خوارزمیان ۳۰۳
تاریخ رشیدی ۳۹۸، ۵۳۹، ۵۴۵
تاریخ سکندر رومی ۳۰۳
تاریخ سلطان نظامی ۱۷۹

تاریخ سندھ ۲۱۹
تاریخ فرشتہ ۳۱۱، ۳۳۲ ن
تاریخ کشمیر ۱۱۹
تاریخ بابری ۱۷۹
تاریخ سندھ ۱۷۹، ۱۹۷، ۲۱۲
تاریخ سندھ معصومی ۱۸۵ ن، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۵ ن، ۲۴۴، ۲۴۹ ن، ۲۵۲-۲۵۴
تاریخ طاہری ۱۹۹
تاریخ طبری ۱۶۶
تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ۱۶۱ ن، ۱۶۲ ن، ۱۷۱
تاریخ فرشتہ ۵۸۴ ن
تاریخ فیروز شاہی ۱۷۹، ۲۱۳، ۲۱۳ ن، ۳۷۱ ن، ۳۷۶ ن
تاریخ کشمیر ۳۹۷
تاریخ کشمیر اعظمی ۳۹۷ ن، ۴۰۲ ن، ۴۰۳ ن، ۵۲۳، ۵۳۴ ن
تاریخ گزیدہ ۴۸، ۲۵۳، ۲۹۴
تاریخ مبارک شاہی ۱۷۹، ۲۵۳، ۳۷۱ ن، ۳۷۲
تاریخ محمدی ۱۷۹
تاریخ محمود شاہی خورد ہندوی ۱۷۹
تاریخ محمود شاہی ہندوی ۱۷۹
تاریخ مظفرشاہ بہجانی ۲۱۴ ن
تاریخ مظفر شاہی ۱۷۹
تاریخ میرزا حیدر ۱۷۹
تاریخ ناصری ۱۷۹
تاریخ نظام ۱۷۹
تاریخ نظام الدین احمد بخشی ۱۷۹
تاریخ یمینی ۱۷۹، ۵۵۳
تان سین ۲۰۶
تحائف الابرار ۳۹۵ ن، ۴۰۲ ن، ۴۰۶، ۵۰۸
تحفۃ الاحرار ۲۲۰، ۲۲۱، ۴۵۲، ۴۵۵
تحفۃ الحبیب ۲۰۴، ۲۴۶
تحفۃ الحبیب فخری ۲۶۸-۲۷۲
تحفۃ الطاہرین ۲۰۸ ن
تحفۃ العارفین ۳۱۵
تحفہ جان ۱۷۴
تحفہ سامی ۲۴۰ ن، ۲۶۲
تخت جمشید ۱۱
ترلوچن پال ۳۵
ترجمہ رسالہ مکیہ ۳۶۴
ترجمہ مہابھارت ۳۹۷

ترخان ۱۸۷
ترخان نامہ ۲۰۸
ترخانی ۲۵۲
ترسل عین الملکی ۳۷۷
ترغیب الصلوٰۃ ۳۵۵
تزیین الاسواق ۴۷۰
تذکرۃ الابرار والاشرار ۵۸۰، ۵۸۱
۵۸۲، ۵۹۴
تذکرۃ الاصفیاء ۳۲۵
تذکرۃ الانصار ۵۵۸، ۵۸۵
تذکرۃ الاولیاء ۵۱۵
تذکرۃ الشعراء ۲۹۹
تذکرۃ العارفین ۳۹۹
تذکرۃ المرشدین ۳۹۹
تذکرۂ دولت شاہ ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۷۸
تذکرۂ جمیدیہ ۲۳۰ ن، ۲۳۱
۲۳۷، ۲۳۸
تذکرۂ صوفیائے پنجاب ۳۵۳، ۳۶۴
تذکرہ صوفیائے سندھ ۲۰۸، ۲۰۹
تذکرۂ قطبیہ ۳۳۷، ۳۳۹-۳۴۴
تذکرہ مراد ۲۰۹
تصحیح الارادہ ۱۲۹
تصوّف اسلام ۱۱۹ ن
تصوف اسلام ۱۲۷ ن
تغلق ۳۰
تغلق نامہ ۱۷۹
تفسیر القرآن (فارسی) ۵۲۷
تفسیر الکاشفی ۵۱۳
تفسیر الکاشفی، معالم ۵۱۲
تفسیر امام القشیری ۵۱۱
تفسیر امام قفال شاشی ۳۵۵، ۳۶۶
تفسیر زاہد ۳۵۴، ۳۶۶
تفسیر زاہدی ۳۱۵، ۴۹۰
تفسیر زبدۃ الحقایق ۵۱۲
تفسیر فارسی، صرفی ۴۴۷
تفسیر مطلب الطالبین ۴۴۷
تفسیر معین الدین واعظ ۵۱۳
تفسیر مولانا فخر الدین رازی ۳۵۵
تفسیر یعقوب صرفی ۵۱۳
تقی الدین علی ۴۰۱
تقی الدین کاشی ۵۲۴
تقی اوحدی ۲۱۹
تقی کاشی ۲۴۰، ۲۵۶، ۲۶۷
تکشی خوانندشاہ ۸۹
تکملہ نفحات الانس ۴۸۹
تکی، ڈاکٹر ۱۳

تلک حجام ۳۵
تماجی ۱۹۵
تمہیدات عین القضاۃ ۵۱۲
تمنا عمادی ۱۵۰
تنبیہ القلوب ۵۲۰، ۴۰
تواریخ قاضی حمیدالدین ناگوری ۳۲۰
تونا کہانی ۱۰۶ ن
توختہ ترمذی احمد ۲۳۰، ۲۳۳
تورخان ۵۴۴
توضیح العارفین ۵۱۳
تیراہ ۵۶۸
تیسیر الاحکام ۴۸۹
تیمور ۱۸، ۴۱، ۴۰۱، ۵۵۴
ٹھٹہ ۱۸۸، ۱۹۶، ۲۰۶، ۲۱۲
تھیوسفیکل سوسائٹی ۴۹۱

ٹ

ٹانڈہ ۲۰۹

ث

ثاتاگوشت ۱۱
ثقۃ الملک طاہر بن علی ۶۷
ثمرات الفلاسفہ ۴۶

ج

جاریجہ ۱۸۹
جام بابنیہ ۱۹۶
جام تماجی ۱۹۵
جام جونہ ۳۴۶
جام سنجر ۱۹۶
جامع الاوحدی ۳۵۵
جامع الرموز ۱۷۴
جامع الصغیر ۳۵۵
جامع العلوم ۳۵۵، ۵۱۴
جامع الفتاوی ۳۵۵
جامع صغیر ۱۷۴
جام علی شیر ۱۹۶
جام فتح خان ۱۹۶
جام فیروز ۱۹۶، ۱۹۷
جام نندہ ۱۹۶
جامی ۱۲۱، ۱۹۲، ۲۱۹، ۲۲۱
۲۴۶، ۲۶۶، ۴۱۱، ۴۴۲
۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵
۴۹۴
جانش خان ۵۶۸
جانی شیرازی میرزا ۳۸۴

جانی بیگ ۲۵، ۱۹۸، ۳۰۷، ۴۱۵
۲۵۲
جدہ ۶۱۹
جسرت گکھڑ ۴۱، ۴۲
جعرانہ ۱۴۸
جعفر ہمدانی ۳۰۰
جغرافیای مفصل ایران ۴۸
جغرافیای مفصل ایران سیاسی ۱۳ ن
جلاب ۱۱۹
جلال الدین ۲۷۸
جلال الدین ابوالمظفر محمد شاہ ۶۱۹
جلال الدین الوالجی ۱۹۴
جلال الدین بخاری ۳۷۸
جلال الدین پسر بایزید ۵۹۸
جلال الدین پسر راجہ کانس ۶۰۸
جلال الدین تبریزی ۲۲۳، ۶۰۹
جلال الدین درّانی ۲۶۴
جلال جہانیاں ۲۱۳
جلال الدین رومی ۳۶۸
جلال سرخ بخاری ۳۴۵
جلال الدین، سلطان ۲۰۹
جلالہ ۵۵۵
جمال الدین ابوبکر ۳۲۹، ۳۴۰، ۳۴۳
جمال الدین ا ۳۴۹
جمال الدین رشید ۲۹۷
جمال الدین سلیمانی ۳۰۸
جمالی لاہوری، ملا ۴۶
جمالی، حماد ۱۹۷
جمشید ۱۶۷
جنت آباد ۶۰۹
جنید ۳۱۵، ۳۶۶
جنید بغدادی ۱۲۰، ۱۲۹، ۳۰۲
جنیدیہ ۱۲۸
جوامع الحکایات ۳، ۵، ۳۰۲، ۳۰۴
جوامع الحکایات و لوامع الروایات ۲۹۴ ن
جواہر العجائب ۲۶۴، ۲۶۸
جواہر القرآن، شرح ۴۲
جواہر جلالی ۳۶۳، ۳۶۴
جوگی (کتاب) ۶۱۰
جوگی نامہ ۳۲۵
جون، قریہ ۱۹۹
جونہ ۱۹۵
جوہری ۳۰۰، ۳۰۰
جہانشاہ، امیر ۴۱
جہانگیر ۲۵۱

جہانگیر نگر ۶۰۹
جہانگیر ہاشمی ۲۱۹، ۲۲۹
جے پال ۱۵، ۱۶۵، ۵۵۴
جیندرت ۱۶۵
جیروم، پادری ۷۴
جھلاواں ۱۹۰

چ

چچ نامہ ۱۸۵ن، ۲۵۳، ۲۸۵–۲۹۳
چندوکہ ۲۵۰
چک ۳۹۸
چنگیز ۱۸، ۲۳۰، ۲۵۴
چمن دین ملک ۱۵۴، ۳۲۵
چنیسر نامہ ۱۹۹
چہار مقالہ ۴۸، ۵۰، ۶۳، ۲۹۹
چہل اسرار ۴۰۷، ۴۲۶–۴۲۹، ۵۱۳، ۵۱۶

ح

حاجی خلیفہ ۳۳۵
حاجی محمد ۲۳۶
حادث ۱۹۱
حافظ ۲۶۹، ۳۲۷، ۶۱۰
حافظیہ ۱۶۴
حاکمان لاہید ۳۱
حاکم حمید الدین ۲۳۰، ۲۳۷
حالنامہ ۵۶۳، ۵۷۱، ۵۷۵، ۵۷۹، ۵۸۹، ۵۹۷، ۵۹۸
حُبّی ۵۱۹، ۵۲۲
حبیب اللہ ۳۹۸، ۳۹۹
حبیب اللہ حُبّی ۴۰۰، ۵۱۹–۵۲۲
حبیب اللہ ساوجی ۲۶۱، ۲۶۸، ۲۶۹
حبیب نجیل ۵۶۸
حبیب عجمی ۱۲۰
حبیب لاہوری، شیخ ۴۶
حجاج بن یوسف ۱۴، ۲۸۷
حجتہ العارفین ۳۲۰
حدائق الانوار ۳۱۵
حدائق السحر و دقائق الشعر ۲۷۷
حدائق العجم ۲۷۷
حسام الدین ۱۵۵
حمزہ اصفہانی ۵۲۴
حسام الدین ترمذی ۳۳۲
حسام الدین راشدی ۲۱۴، ۲۱۹ن، ۲۲۵، ۲۵۴

حسام الدین سرخ، ملا ۴۶
حسام الدین مانکپوری ۶۱۷، ۶۱۸
حسام الدین، ملک ۲۷۹
حسامیہ ۳۵۵
حسان ۵۲۷
حسن ۱۲۰، ۲۴۴
حسن ارغون ۲۲۰
حسن اصغر ۱۲۰
حسن بصری ۱۲۰، ۳۶۶، ۵۹۶
حسن بن صباح ۳۸۶
حسن خان حکیم ۳۸۵
حسن سجزی ۱۷، ۱۹۴، ۶۱۲، ۶۱۴
حسن سر برہنہ ۳۷۸
حسن، شیخ ۵۰۱، ۵۶۳
حسن، مولانا ۵۴۶
حسن، میر ۱۴۴
حسن دنانہ ۲۵۴
حسین آفاقی ۵۱۹
حسین۔ امام ۳۶۹
حسین بایقرا ۴۷۰
حسین بن منصور حلاج ۱۳۰
حسین ثنائی ۵۲۴
حسین خان ۳۴
حسین خوارزمی ۴۸۰، ۴۸۳، ۵۲۱
حسین خوندمیر ۳۲۶
حسین رہنما ۵۱۹
حسین زنجانی ۱۲۳
حسین سابق ۳۹۹
حسین شاہ چک ۳۹۸
حسین شاہ لانگاہ ۳۳۷، ۳۳۸
حسین صفائی ۲۰۸
حسین قلی خان ۳۴
حسین مرزا، سلطان ۲۷۸
حسین ملتانی ۴۷۹
حسین ملک ۳۹۷
حسین واعظ کاشفی ۴۷۷
حصار فیروز شاہ ۳۳۹
حصار ناہی ۶۳ ن
حُصری، شیخ ۱۲۰
حصن حصین ۵۴۷
حکمرانان لاہور ۲۹
حکیم میرزا ۵۵۵
حکیمیہ ۱۲۸
حل الفصوص ۴۰۷
حلم بن شیبان ۱۴
حلولیہ ۱۲۸

حلیۃ العارفین ۳۹۹
حلیمی جانی بیگ ۲۰۵، ۲۰۶
حمدی ۴۷۱
حمزہ، شیخ ۴۴۶، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۶، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۴، ۵۱۶
حمص ۴۲۰
حمیدالدین ۳۴۵
حمیدالدین حاکم ۳۳۷-۳۳۹
حمیدالدین، شیخ ۲۴۹
حمیدالدین لاہوری ۴۱
حمیدالدین مسعود شالی کوب ۹۳
حمیدالدین ناگوری ۲۵۴، ۳۱۵، ۳۲۳، ۴۰۷
حمیدۂ قاضی ۳۹۷
حمیدی لاہوری ۱۰۵-۱۱۸
حیات صرفی ۱۴۴ ن، ۵۱۹ ن
حیدر بخش ۱۰۶ ن
حیدر، برادر صرفی ۴۴۲
حیدر چک ۴۴۵
حیدر علی پسر سلطان ولی ۲۴۶
حیدر کلوچ ۲۴۰-۲۴۶
حیدر مرزا دغلات ۳۹۸، ۵۳۹، ۵۴۳، ۵۴۴
حیدر میر ۳۹۹
حیدر میرزا ۳۳

خ

خافی خان - محمد ہاشم ۱۷۹
خاقانی ۵۲۹
خانجہان وزیر ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶
خانخاناں ۳۸۵
خانخاناں، مرزا خان ۱۷۷، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۵۰
خانوادۂ چشتیہ (کتاب) ۶۳۷
ختلان ۴۰۲، ۴۰۳
خدا بخش ۵۴۷ ن
خدا بخش اورنٹیل لائبریری ۲۷۶
خداداد ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۴
خداداد خان ۲۱۲
خدای نانک ۱۶۶
خرآزیہ ۱۲۸
خزانۃ الادب بغدادی ۴۷۰
خزانۃ الفقر ۳۵۵، ۳۶۶
خزانہ جلالی ۳۴۷
خزانۃ الجلالی ۱۷۳، ۳۶۲، ۳۶۳
خزانۃ المفتین ۱۷۴

خزانہ جلالی بہاء الدین یعقوب ۵۱۳

خزائن الفتوح ۱۷۹

خزینۃ الاصفیاء ۲۱۴، ۲۳۸، ۴۰۱، ۳۱۱

خسرو ۱۷، ۲۲۱، ۲۳۳، ۲۳۴
۱۹۴، ۲۴۴، ۳۶۸، ۳۶۹
۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵
۴۷۱، ۴۷۲، ۵۲۹، ۶۱۲
۶۱۴، ۶۱۵، ۶۳۷

خسرو نوشیروان ۱۶۴

خسرو خان ۳۷۲

خسرو ملک ۳۷، ۹۴، ۱۸۸

خشایرشا ۱۲

خضر خان ۳۱

خضر خواجہ خان ۳۴

خضر شاہ ملک ۴۰۲

خطیب، ملا حاجی ۵۴۳

خفیفیہ ۱۲۸

خلاصۃ الاسلام ۵۰۲

خلاصۃ الافکار ۲۴۰، ۲۶۳

خلاصۃ الجلوۃ ۳۸۸، ۳۸۹

خلاصۃ الکیدانی ۵۹۶

خلاصۃ المناقب ۴۰۱، ۴۰۲ن، ۴۰۳ن، ۵۱۲

خلاصہ جواہر القرآن ۳۸۳
فی بیان معانی لغات القرآن ۳۸۴

خلاصہ کتاب الاوضاع
فی بیان مذاہب الاربعہ ۵۴۷

خلاصہ الجامع
فی جمیع الاحادیث ۵۴۷

خلجی ۳۰

خلعت ۳۰۰

خلیق احمد نظامی ۳۵۳، ۳۵۴

خمسۂ متحیرہ ۲۵۵

خواص خان ۳۳

خوب نگار خانم ۵۳۹

خیرالبیان ۵۸۹، ۵۹۷

خیرالدین ۱۹۶

د

دارا ۱۶۷

دارا شکوہ ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۶

داریوش بزرگ ۱۱

داستان احوال حواریاں ۴۷

داستان مسیح ۴۶

داعی جلالی ۲۰۷

دانیال عراقی ۵۴۳
داؤد پوتہ، عمر بن محمد ۲۴۹، ۲۵۳
۲۹۲
داؤد خاکی ۴۰۰، ۴۴۳-۴۴۵، ۵۰۱
داؤد شاہ بن سلیمان ۶۰۸
داؤد مشکوتی ۳۴۵، ۳۹۹
داہر ۲۸۹
داعی، محمد جمالی ۲۰۷
دانش، محمد رضا ۲۰۸
داؤد ۱۶۷
داؤد بن نصر ۱۵
داؤد طائی ۱۲۰
داہر، راجہ ۲۸۷
دبستان المذاہب ۵۷۱، ۵۸۲
۵۹۷، ۵۹۸
دتہ، قاضی ۲۰۰
دربار ملی ۳۷۷ ن
دربیان آداب مبتدی و طالبان حضرت صمدی ۴۰۶
دربیلہ کاکری ۲۵۰
درحقائق توبہ ۴۰۷
درفیروز فخری ۳۰۰
درمختار ۱۷۴
درمشی خان ۲۶۱
درمعرفت صورت و سیرت انسان ۴۰۶
دستور الجمہور ۵۱۶
دستور السالکین ۴۰۰، ۵۰۲، ۵۰۹
دلاور خان ۴۳
دلیل انسانی ۴۱۵
دمیتہ القصر ۲۹۹
دولت شاہ ۲۹۹
دودا ۱۹۵
دولت خان ۳۲، ۵۷۰
دولت خاں لودھی ۳۴۱
دہ فائدہ ۴۰۷
درویزہ اخوند ۵۵۷، ۵۷۲، ۵۷۹
۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴
۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶
دبدبہ گیر ۳۷۲
دیناج پور ۴۱۸
دھار، ریاست ۶۵۱
دھک ۶۵
دیس کسائیں ۲۳۹
دیندار خان ۲۱۵، ۲۱۶
دیوان حاکم ۱۳۱
دیوان مسعود سعد سلمان ۶۲ ن

ڈ

ڈھاکہ ۶۰۹

ذ

ذبیح اللہ صفا ۶۳ن، ۲۹۴ن

ذخیرہ ۳۵۵

ذخیرۃ الخوانین ۱۷۷، ۲۰۶، ۲۵۰، ۵۸۴ن، ۵۹۵

ذخیرۃ الملوک ۴۰۷، ۴۱۰ح، ۴۲۶، ۵۱۳

ذوالفقار احمد ۳۵۰

ذوالقرنین ۱۶۷

ذوالنون ۳۶۶

ذوالنون بیگ ۱۹۹

ذہنی، محمد روشن ۲۰۷

ر

رابعہ بصری ۳۲۰

رابعہ بنت کعب ۱۹۰، ۱۹۳

راج ترنگنی ۳۹۷، ۴۳۳

راج محل ۲۰۹

راجو قتال ۱۹۴

راجو شیخ ۳۴۱

راحۃ الارواح ۳۱۵

راحۃ الطالبین ۳۹۹

راحت القلوب ۳۱۲، ۳۱۳ن، ۳۱۸، ۳۰۶ن، ۴۰۰، ۴۰۴، ۵۲۰، ۶۱۲، ۶۱۴

راس، ڈینی سن ۷۱

راشدی ۳۰۰

رافعی نشاپوری ۳۰۰

رای صورت ۲۵۵

رباعیات صرفی ۴۴۷

ربیع ۳۶، ۴۹

رتنبو، رابر ۳۹۵

رجب، ملک ۳۱

رحلۂ ابن بطوطہ ۳۷۱، ۳۷۴ن

رسالہ اصطلاحات الصوفیہ ۴۰۷

رسالہ اعتقادیہ ۴۰۶

رسالہ اقبالیہ ۵۱۲

رسالۃ الاسم اعظم ۵۴۷

رسالۃ الانصاف ۵۲۰

رسالہ التنقیتیہ ۴۰۷

رسالہ تنویر = ۳۹۶، ۳۹۹

رسالۃ الاورادیۃ العربیہ ۲۸۹

رسالۃ الوالدیہ ۵۱۳

رسالہ حمیدی ۵۱۲

رسالہ خطبہ امیریہ ۴۰۶

رسالہ خواطریہ ۴۰۷
رسالہ داؤدیہ ۴۰۶
رسالہ در اخلاق ۳۸۵
رسالہ در اسرار حروف و رموز اعداد ۳۸۵
رسالہ در بیان روح و نفس ۴۰۷
رسالہ در تریاق فاروق ۳۸۵
رسالہ در تصوف ۳۹۶، ۳۸۹، ۳۹۳
رسالہ در جمیع احادیث ۳۹۹
رسالہ در شرح شمسیہ ۳۹۶، ۳۹۸
رسالہ درویشیہ ۴۰۶
رسالہ ذکر ۵۴۷
رسالہ ذکریہ فارسیہ ۴۹۰
رسالہ سادات نامہ ۴۰۷
رسالہ سلطان ابوسعید ۵۱۲
رسالہ سلطانیہ ۳۹۹
رسالہ شہاب ثاقب ۳۹۹
رسالہ شیخ عثمان مغربی ۵۱۴
رسالہ شیخ نجم الدین ۵۱۲
رسالہ عمدہ ۳۱۵
رسالہ فتوحیہ ۴۰۶
رسالہ فی الطب ۴۰۷
رسالہ معرفت نفس ۴۰۷
رسالہ ذکریہ امیریہ ۴۰۷

رسالہ غیبیہ ۵۰۲
رسالہ غوث الاعظم ۵۱۲
رسالہ قدسیہ ۴۹۴
رسالہ محمد بن سعید علی ۵۱۲
رسالہ رموز الواصلین ۵۱۲
رسالہ مکتوبات ۴۰۶
رسالہ مشیہ ۴۰۶
رسالہ مناجات ۴۰۷
رسالہ مولانا عبدالغفور ۵۱۲
رسالہ نوریہ ۴۰۶
رسالہ واردات ۴۰۷
رسالہ وجودیہ ۳۲۶–۳۲۸، ۴۰۷
رستم ۴۱
رشید الدین ۱۹۷
رشید خان نواب ۵۹۸
رشید سمرقندی ۷۰
رشید محتاج، ابوالرشید ۵۱، ۵۶
رشید وطواط ۲۰۰
رشید یاسمی ۶۳ن، ۶۴
رضا قلی ہدایت ۲۱۹
رضی ابراہیم ۱۶۱
رضی الدین امیر ۴۴۳

رفیع الدین ۳۷۸
رفیق العارفین ۶۱۷
رکن الدین اخلاص خان ۱۸۹
رکن الدین حاتم ۲۳۰
رکن الدین عالم ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۳۴۹، ۳۶۱
رکن الدین، قاضی ۳۷۸، ۶۱۰
رکن عالم ۳۴۰
رکن الدین مسعود ۲۹۶
روائح ۴۰۰
روح الارواح ۳۵۵، ۳۶۶
روح الامین ۴۷۱
روایح ۴۹۴ـ۵۰۰
روزجہان ۵۲۴
رودکی ۱۹۱، ۱۹۳
روز روشن ۲۴۰، ۳۱۵، ۶۱۴، ۶۱۵
روضۃ الاحباب ۵۱۳
روضۃ السلاطین ۲۰۱، ۲۷۷ـ۲۷۹
روضۃ الصفا ۱۷۹، ۳۸۷، ۳۸۸
روضۃ الطاہرین ۱۷۹، ۱۸۰
روضۃ العلماء ۳۰۳، ۳۵۵، ۳۶۶
روزبہ بن عبداللہ نکتی ۸۵، ۸۷
روکس-ڈیکنسن ۱۶۱
رونی، ابوالفرج ۴۸، ۶۲
رونہ ۴۸، ۴۹
ریاض الاسلام، ڈاکٹر ۳۴۷
ریاض الدین ۳۷۸
ریاض السلاطین ۶۰۹ ن، ۶۱۷
ریاض الشعراء ۲۱۹، ۲۸۰
ریاض العارفین ۲۱۹
رموز العارفین ۲۱۸
ریشیانامہ ۳۹۹

ز

زادالارواح ۵۱۳
زادالمحبین ۳۲۰، ۳۶۶
زادالمسافرین ۵۱۳
زادالمومن ۳۵۵
زاہدہ ۱۵۷
زبدۃ الحقایق ۳۶۶
زراریر شیبانی، بوحلیم ۵۲
زید ۱۲۰
زین الاخبار ۱۷۹
زین الدین ہراتی ۶۱۱
زین العابدین ۱۵۳
زین العابدین ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۳۲، ۴۳۳

زین العابدین، سلطان ۴۴۱، ۵۳۶
زینت الزمان ۲۹۹
زین خان کوکہ ۵۵۵
زوکوفسکی ۱۱۹ ن

ژ

ژوکوفسکی ۱۳۱

س

سادپورہ ۲۵۱
ساروغ ۲۸
ساسانی ۱۳
سالم ترکمان ۴۷۱
سامانہ ۶۱۳
سام مرزا ۲۴۱، ۲۶۱، ۵۴۰
ساموئی ۱۹۷
سامہ بن لوی ۱۴
سبکتگین ۱۵، ۱۶۹، ۱۹۰، ۵۵۲
سبک شناسی ۱۳۵
سبحۃ الابرار ۱۳۰
سپاہی ۲۰۰، ۲۰۳
سپر جگم ۲۶۳
سٹائن، ایم۔ اے ۱۲ ن

سخن و سخنوران ۶۳ ن
سراج الحق والدین ۵۶۰
سراج الدین منہاج ۳۷
سراج الدین منہاج لاہوری ۸۸
سراج الہدایہ ۳۵۲، ۳۶۱، ۵۱۳
سراجی ۱۷۴
سراجیہ ۳۵۵
سرآندیب ۴۰۴
سرح العیون ۴۳۰
سری سقطی ۱۲۰، ۳۶۶، ۵۹۶
سعادت ۷۰، ۸۳، ۱۰۱
سعید الدین حموی ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۲
سعد الدین مسعود دولتیار ۲۶۵
سعد اللہ بنی اسرائیل ۴۶
سعد اللہ لاہوری ۴۶
سعد بن سلمان ۶۳
سعید خان، سلطان ۵۴۰
سعدی ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۴، ۳۰۰
سعید خان ۳۴
سعید سندھی ۲۰۵
سعید نفیسی ۸۵ ن، ۲۰۹، ۲۱۰
۲۹۴ ن، ۲۹۶
" ۳۰۱، ۳۰۴

سفینۃ الاولیاء ۱۱۹
سفیان ثوری ۳۹۶
سفینۃ الاولیاء ۱۲۷ ن
سفینۂ خوشگو ۹۷ن، ۲۴۷، ۲۵۲، ۵۲۶
سفینۂ فرخ ۸۴
سکالکس ۱۲
سکنتان ۱۲
سکندر تحفہ ۳۱، ۴۲
سکندر شاہ سور ۴۴
سکندر لودھی ۲۳۹، ۳۳۷
۳۳۹، ۳۴۰
سکندریہ ۴۰۰
سکھر ۲۵۱
سلک سلوک ۳۱۵
سلسلۃ الذہب ۲۷۸، ۵۱۲
سلطان محمد ۲۶۰
سلطانیہ ۳۹۹
سلیمان ۱۶۷
سلیمان، امیر ۴۱
سلیمان ایناج بیگ ۷۱
سلیمان بن عبدالملک ۲۹۰
سلیمان قرامانی ۶۰۹
سلیمان، ملا ۵۳۸

سلیمان، میرزا ۵۷۰، ۵۷۱
سلیم چشتی ۴۴۵
سلیم خان ۵۴۲
سلیم سلطان ۲۶۳، ۲۶۴
سلیم، شاہزادہ ۵۲۵
سمہ ۱۸۶، ۱۸۹
سنارگاؤں ۶۰۹
سنائی غزنوی ۷۱، ۷۵
سنجر، سلطان ۲۷۸
سندھ ادبی بورڈ ۲۷۶، ۲۷۷
سنگ توی ۵۶۷، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲
سنگھار ۱۹۵
سوال و جواب ۳۹۷
سوانح و کمالات شیخ حمزہ ۳۹۹
سوم پنڈت ۳۹۷
سو ۶۵
سوات ۱۳
سواہ ۱۸۵، ۱۸۹
سوان ۱۹۶
سہیل چغتائی ۴۷۱
سہیلی خونسادی ۶۳ ن
سیادیہ ۱۲۸
سید ۳۱

سبتبدہاشمی ۴۵ ن
سیرالعارفین ۳۱۱
سیرالاقطاب ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۱
سیرالملوک ۳۰۳
سیرالاولیاء ۳۰۶ ن، ۳۰۸، ۳۳۲، ۳۴۳، ۴۱۳
سیرالطالبین ۴۰۷
سیرالعارفین ۶۱۴
سیف الدولہ محمود ۳۶
سیف الدین باخرزی ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳
سیف الدین سلطان ۶۰۸
سی نامہ امیر حسین ۵۱۳
سیلوستان ۳۷۵

ش

شابیہ ۱۱۴
شام ۳۶۹
شاہ ابوالمعالی ۳۴
شاہ بن شجاع کرمانی ۱۲۹
شاہ بیگ ۱۹۸، ۱۹۹
۲۵۲، ۲۷۹
شاہ حسن ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۴، ۲۰۹
۲۴۰، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۶۱
۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۰
شاہ قلی خاں محرم ۳۴
شاہ کاکو ۴۶
شاہ محمد بن مبارک ۲۹۲
شاہ محمد سرنائی
شاہ میر ۳۹۵
شاہنامہ فردوسی ۱۶۲
شاہ نوروز ۴۴۲
شاہی بیگ اوزبک ۳۳۹
شبلی ۳۱۵، ۳۶۶
شبلی، ملانا ۴۱۹
شجاع الدین ۳۴۴
شجرۃ الانوار ۲۳۸
شرح اربعین ۴۴۷
شرح الآمالی بنوط الآلی ۵۱۲
شرح الاسرار ۳۱۵
شرح الطحاوی ۳۵۵
شرح الاورادا لحصریہ ۵۴۷
شرح المجرد ۵۴۷
شرح المشارق ۵۱۴
شرح اولیار ۳۱۵
شرح بدیع البیان ۴۶
شرح تجرید ۳۸۴
شرح تعرف ۱۰۲۶

شرح ثلاثیات ۴۴۷
شرح حرز ثمین ۵۴۸
شرح رباعیات خود از جامی ۵۱۲
شرح شمائل النبی ترمذی ۵۴۷
شرح شمسیہ اسعد الدین ۵۱۳
شرح صحیح بخاری ۴۴۷
شرح مشارق الانوار ۵۴۷
شرح فی کتاب التصرف ۵۱۱
شرح عقاید العضدیہ ۵۴۷
شرح قصیدہ لامیہ ۵۰۲
شرح قصیدہ میمیہ فارضیہ ۳۹۹
شرح کتاب الصلوٰۃ ۳۵۵
شرح لمعات ۳۹۹، ۵۱۲
شرح مشکل حل ۴۰۶
شرح ورد المریدین ۴۰۰، ۵۰۹
شرح وقایہ ۱۷۴
شرح مشارق الانوار ۴۶
شرح مشائخ ۳۱۵
شرف الدین محمود مزدقانی ۴۰۱
شرف الدین یزدی ۵۴۴
شرف بن محمد الرامی ۲۷۷
شرف نامہ ۶۱۱
شریف ابوالفرج ۱۶۱

شریف الدین احمد ۹۱
شرف الدین یزدی ۲۶۲
شریفہ بنت فریدہ ۳۱۰
شعبی ۳۱۶
شعیب جوشقانی ۴۶۱
شفاء الغرام ۱۴۸
شفق رضازادہ ۶۳ ن
شفیق اورنگ آبادی ۲۱۱
شفیق بلخی ۳۱۵
شکایت ۳۹۷
شکر گنج ۳۰۶
شک سپ تتی ۱۰۵
شلانک ۱۲۲
شمائل الاتقیاء ۵۱۱
شمس الدین التتمش ۲۹۷، ۳۰۲
۳۲۳، ۳۲۴
شمس الدین نور خاں ۲۷۹
شمس الدین پال ۴۴۳
شمس الدین خواجہ ۵۱۹
شمس الدین خوارزمی ۶۱۶
شمس الدین خوافی ۳۴
شمس الدین دبیر ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۶
شمس الدین سلطان ۳۹۵

شمس الدین قیس رازی ۵۶، ۵۹
شمس الدین محمد الجزری ۵۴۷
شمس الدین محمد خاں اتکہ ۳۴
شمس الدین محمود قایقی ۱۰۵
شمس الدین محمد کاتب ۱۹۴
شمس الدین محمود ۲۹۹، ۳۰۶
شمس الدین یحیی گمردیزی ۳۷۸
شمس الملک ۳۲
شمس اللہ قادری ۲۶۵
شمس خان کنبوہ لاہوری ۴۶
شمس سراج عفیف ۱۷۳، ۳۰۴
۳۷۷
شمس قیس رازی ۲۷۷
شمسو ۵۶۳
ششنگی رستی ۵۴۳
شواہد النبوہ ۵۱۳
شہاب الدین ۲۳۰
۳۷۸، ۴۰۲
شہاب الدین احمد ۱۷۷
شہاب الدین بخاری ۳۷۰
شہاب الدین غزنوی ۳۱۷، ۳۲۱
شہاب الدین سہروردی ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۴
۳۲۰، ۳۳۲، ۳۳۵، ۴۳۰

شہاب الدین غوری ۱۸۸، ۱۸۹
شہاب الدین گنج العلم ۳۱۰
شہاب الدین مہمرہ ۶۱۵
شہباز قلندر ۲۱۴
شہر اللہ ۲۳۰ ن، ۲۳۱، ۳۷۱
۳۳۷، ۳۳۸
شہید اللہ ۶۲۳، ۶۳۷
شیخا گکھڑ ۳۱، ۵۴۱
شیخ بخاری ۱۲۲
شیخ علی ۳۲
شیدا ۱۹۸، ۴۴۸
شبیر خان ۳۴۰، ۳۴۲
شیرزاد ۲۰۶
شیرشاہ ۳۴۰
شیرشاہ سوری ۴۳
شیری ۹۷، ۱۰۲
شیریں ۳۶۹
شیریں خسرو ۳۶۹

ص

صالح ۷۰
صالح بن عبدالرحمٰن ۲۹۰
صباح الدین عبدالرحمٰن ۱۱۹ن، ۱۶۹

صباح الدین عبدالرحمن ۳۰۶، ۳۵۳، ۶۱۲، ۶۱۴
صدرالدین عارف ۲۳۱، ۲۳۷، ۳۴۹
صدرالدین لاہوری ۴۶
صدر عارف ۳۳۹
صدرالدین قتال ۳۴۵
صراط التوحید ۵۴۰، ۵۷۳، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، ۵۸۹، ۵۹۰
صرفی ۲۲۱-۲۴۱، ۵۰۰، ۵۱۹، ۵۲۱
صفائی ۲۴۹
صلوٰۃ مسعودی ۳۵۵
صلحی ۴۶۱
صمد لاہوری، حاجی ۴۶
صنایع الحسن ۲۷۶، ۲۷۷
صورۃ الارض ۹۰ن

ض

ضمیری اصفہانی ۴۶۱، ۴۷۱، ۵۲۲
ضمیمہ اورئینٹل کالج میگزین ۳۳۴
ضیاء الدین ابوالفتوح ہروی ۴۰
ضیاء الدین برنی ۳۷۱
ضیاء الدین سجزی ۱۹۴، ۲۱۱
ضیاء الدین نخشبی ۱۰۵
ضیاء برنی ۱۷۹

ط

طالب آملی ۱۹۸
طالب اصفہانی ۳۹۸
طاہر بن علی ثقۃ الملک ۴۹، ۶۶
طاہر بن علی مشکان ۵۲
طاہر محمد ۱۸۰
طبقات ابن المعتز ۲۹۹
طبقات ابن سلام ۲۹۹
طبقات ابن قتیبہ ۲۹۹
طبقات اکبری ۹۷ن، ۱۷۸، ۱۸۱، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۵۳
طبقات محمود شاہی گجراتی ۱۷۹
طبقات ناصری ۸۸، ۸۹، ۱۷۹، ۲۵۳
طبقات نظامی بخشی ۱۷۹
طرائف الوعظ ۶۲۵
طغرل ۶۱۳
طغرل بیگ ۲۷۸
طلوع اسلام، ماہنامہ ۱۵۰
طوطی نامہ ۱۰۵، ۱۱۸

طہماسپ ۵۴۰
طہماسپ اوّل ۳۴۵
طہماسپ شاہ ۲۶۵، ۳۴۴
طحاوی ۱۷۴، ۳۰۰
طیفوریہ ۱۲۸

ظ

ظفر خان ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۷۸
ظفر خان، ڈاکٹر ۵۲۵
ظفرنامہ یزدی ۲۷۸
ظفرنامہ ۵۴۴
ظہیر فاریابی ۵۷ ۵۲۷
ظہیری ۱۷۴

ع

عادل خاں (ملک کندھو) ۳۱
عالم خاں لودھی ۴۳، ۵۵۴
عائشہ زوجہ حاکم ۲۳۱، ۲۳۵
عباس صفوی ۲۵۱
عباس مروزی ۲۹۸
عبدالباقی نہاوندی ۱۸۰
عبدالجلیل ۵۶۳
عبدالجلیل لاہوری، ملا ۴۶
عبدالجلیل حادثی ۳۳۹، ۳۴۰
۳۴۱، ۳۴۳
عبدالحق ۳۰۶ ن
عبدالحمید احمد بن عبدالصمد ۵۱
عبدالحق ۶۲۰
عبدالحمید دانا ۱۲۷
عبدالحی ۵۴۶
عبدالحی حبیبی ۸۸ ن، ۱۲۴، ۲۵۵
عبدالحی، شیخ ۹۷ ن
عبدالخالق ۸۸
عبدالرافع طبیب ضیاء الدین ۳۷
عبدالرحمن، سید ۳۹۵
عبدالرحمن لاہوری، ملا ۴۶
عبدالرحمن محمد السلمی ۱۲۹
عبدالرحیم خانخاناں ۲۲۵، ۲۲۶
عبدالرزاق ۱۸۸
عبدالرشید خان، سلطان ۵۴۴
عبدالرشید، شیخ ۳۷۷
عبدالرشید غزنوی ۱۹۵
عبدالستار ۴۶
عبدالستار، آغا ۱۶۹، ۱۷۱، ۲۱۱
عبدالسلام ۶۰۹
عبدالسلام لاہوری، ملا ۴۶

عبدالشکور ۵۸۵
عبدالعزیز محدث ۱۹۷
عبدالعزیز، میر ۳۲
عبدالعلیم ندوی ۵۴۸
عبدالغفور لاہوری ۴۸۹
عبدالقادر ۵۸۹
عبدالقادر بدایونی ۹۸، ۳۸۵
۸۶، ۴۴۴، ۵۲۹
عبدالحق دہلوی ۲۴۹
عبدالقدوس ۳۵۳، ۳۵۰
عبدالقدوس، مولانا ۵۸۴
[illegible] ۵۱۳
عبداللہ ربانی ۲۳۶
عبداللہ، سید ۳۵۲، ۳۵۳
عبداللہ، شیخ ۳۱۰
عبداللہ، قاضی ۵۰۵، ۵۶۰، ۵۶۴، ۵۶۵
۵۹۶
عبداللہ قراتگین ۲۸
عبداللہ متقی ۲۰۵
عبداللہ محدث ۲۴۹
عبداللہ ماہرو ۳۷۱
عبداللہ ہروی ۱۲۴
عبداللہ یافعی ۳۴۵، ۳۶۴

عبدالماجد ۱۱۹ن
عبیداللہ آہی ۱۹۹
عثمان بن ابراہیم، خاقان ۲۹۶
عثمان، سید ۲۱۲
عثمان، شیخ ۳۲۳
عثمان جنتادی ۷۱
عثمان ہرونی ۲۱۲
عجیب نامہ ۱۷۱
عراقی ۱۷، ۳۳۴
عراقی، ابراہیم ۱۹۵
عرفی ۲۳، ۵۲۷، ۵۲۹
عزیز اللہ، شاہ ۶۳۶
عزیز باللہ ۱۴
عسکری، میرزا ۱۷۶
عشقیہ ۴۰۷
عصمت قلی ۳۴
عطاء اللہ مشہدی ۲۷۷
عطار یعقوب ۷۱
عطار، فریدالدین ۱۹۱، ۱۹۲
عفیف الدین عبدالمطری ۳۴۵
عقل رسالہ ۴۰۷
عقیدیہ نصریہ در بحث امامت وخلافت
۳۹۸، ۳۹۹

علاء الحق ۶۰۹، ۶۱۷

علاء الدین ابوالمظفر شاہ ۶۰۸، ۶۱۱

علاء الدین جانی ۳۹

علاء الدین خلجی ۱۹۵، ۳۷۱

علاء الدین، سلطان ۱۸۹

علاء الدین، سلطان ۴۵۳

علاء الدین سمنانی ۴۰۱، ۴۹۰

علاء الدین، سید ۴۴۵

علاء الدین شیرخانی، ملک ۲۹

علاء الدین علی، ابوعبداللہ ۳۴۷

علاء الدین مردان خلجی ۶۱۰

علم القیافہ ۴۰۷

علیؓ ۱۴۰، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۶۷

۲۲۰، ۱۶۹، ۴۴۵، ۴۵۶، ۳۵۷

۳۶۰

علی احمد غوری ۳۳۵

علی بانشتی ۳۰۰

علی بن احمد کوفی ۲۸۶

علی بن ربیع ۲۸

علی بن عمر ۳۷

علی بن موسی الرضا ۳۸۸

علی ترمذی ۵۵۷، ۵۷۹

علی، حکیم ۳۸۶

علی ثانی شیرازی ۲۰۸

علی خاص ۶۵

علی خاں ۱۷۷

علی رینہ، بابا ۳۹۹

علی سپہری ۳۰۰

علی شیر نوائی ۲۶۰ ن، ۲۶۲، ۲۶۳

علی، شیخ ۴۲

علی صوفی ۳۰۰

علی کرماج ۲۹

علی محمد بن ابابکر ۵۹۸

علی محمد راشدی ۲۵۶

علی، میر ۳۹۸

علی ہجویریؒ ۱۱۹، ۱۶۰

علی ہمدانی، سید ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۱

۴۰۱–۴۳۱، ۴۸۰، ۴۸۳

۴۴۶، ۴۵۳، ۴۸۹

۴۹۰، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۲۱

علی نجار، بابا ۵۴۳

علی قاری ۵۴۸

علی محمد ولد گل محمد ۵۵۸

عماد الدین ۳۷۹

عماد الدین فضل اللہ ۲۸۶

عماد الملک ۴۲

عمادی ۱۴۴
عمدۃ الاسلام ۵۶۱
عمران بن حسین ۴۲۰
عمرؓ ۱۶۴، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱
عمر، شیخ ۵۷۱، ۵۹۶
عمر بن اسحاق الواشی ۹۱ - ۹۲
عمر بن داؤد پوتا ۲۸۵
عمر بن عبدالعزیز ۱۶۳
عمر بن مسعود ۲۹۶
عمرؓ بن خطاب ۱۵۱
عمرو بن عثمان المکی ۱۳۰
عمرو بن لیث ۱۴، ۱۸۸
عمید حسن ۷۳
عمید کمالی ۳۰۰
عنصری ۶۰، ۹۳، ۴۵۹
عوارف ۳۴۵، ۳۶۶
عوارف المعارف ۳۱۲
عوفی ۴۸ ن، ۵۰، ۲۰۹، ۲۱۰
عیسیٰ ترخان ۱۹۸، ۲۶۱، ۲۶۵
عیسیٰ برہان پوری ۱۹۷
عین المعانی ۳۶۶
عین الملک ۱۹۴، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱
عین الملک حسین بن ابی بکر ۲۸۶، ۲۹۸
عین الملک ماہرو ۳۷۱ - ۳۸۰

غ

غازی بیگ ۲۱۵
غازی خان ۴۳
غازی ملک ۳۱
غرۃ الکمال ۶۱۵
غزالی ۴۶، ۱۵۵
غزنوی ۱۴
غلام حسین ۶۰۹
غلام دستگیر نامی ۳۲۵، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳۴۴
غلام دستگیر۔ دیکھئے نامی
غلام شاہ کلہوڑا ۲۱۶
غوری ۲۸
غیاث الدین بلبن ۴۰، ۸۸، ۸۹، ۱۹۴، ۳۱۰
غیاث الدین تغلق ۵۵۴، ۶۰۸، ۶۱۰
غیاث الدین غوری ۳۹

ف

فاتحۃ العلوم ۵۱۲

فاطمہ بنت ابوالفتح ۲۳۹
فاطمہ بنت بہاءالدین زکریا ۲۳۰
فاطمہ بنت فرید ۳۱۰
فاطمہ زوجہ عبداللہ ۵۶۴
فتاوی ابواللیث ۳۵۵
فتاوی البدیعہ ۳۵۵
فتاوی الواقعات ۳۵۵
فتاوی برہنہ ۱۷۳ - ۱۷۵
فتاوی خانی ۳۵۵
فتاوی ذخیرہ ۳۵۵
فتاوی سمرقندی ۳۵۵
فتاوی شہابی ۳۹۹
فتاوی ظہیری ۳۱۵، ۳۵۵
فتاوی فیروزشاہی ۵۱۳
فتاوی قاضیخان ۳۵۵
فتاوی اکبری ۳۱۵
فتح اللہ ۱۸۶
فتح اللہ مدنی ۴۴۴
فتح پور سیکری ۲۵۱
فتوحات فیروزشاہی ۱۷۹
فتح خاں ۳۷۰، ۴۴۵
فتح شاہ ۴۰۶
فتح نامہ مولانا جامی ۵۱۳

فتوحات مکیہ ۳۴۴، ۴۹۴
فتوح البلدان ۲۸۵، ۴۹۰
فتوح السلاطین ۱۷۹
فتحنامہ سندھ ۲۸۵، ۲۹۳
فخرالدین امام ۳۷۱
فخرالدین بہرام ۴۵۳
فخرالدین مبارک ۱۹۱
فخرالدین مبارکشاہ ۲۹۵
فخرالدین ملک ۲۷۹، ۶۰۸
فخرالانساب ۱۶۹-۱۷۲
فخر مدبر ۱۶۱-۱۷۲
فخری ۲۰۱
فخری ہروی ۲۶۰-۲۸۴
فرخاری ۴۵۹
فرخی ۶۰
فرخی گرگانی ۳۰۰
فرزدق ۱۵۳
فرشادور ۵۵۴
فرشتہ: محمد قاسم ۴۶
فروزانفر ۶۶۳
فرہنگ جغرافیای ایران ۴۸۰
فریدالدین احول ۲۰۹
فرہاد ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰

فریدالدین شکر گنج ۲۱۳
فریدالدین صاحب دیوان ۳۷۹
فریدالدین عطار ۳۰۶ ن
فریدالدین مسعود شکر گنج ۳۰۶، ۳۳۱
فریدالدین محمد نیشاپوری ۳۰۹
فریدالدین مسعود ۶۱۲، ۶۱۳
فرید بھکری ۲۵۰ ن، ۵۹۵
فرید شکر گنج ۳۴۰
فرید کوٹ ۳۱۰
فصوص الحکم ۴۴۴، ۴۹۰
فصیحی جرجانی ۴۵۹
فضائل القرآن ۵۴۷
فضل اللہ ۳۷۱
فضل المحمد ۳۶۳
فضل بن سہل ۳۸۸
فضل صمدانی ۵۲۰، ۵۸۵
فضلی ۱۹۴
فضل الاذکار ۱۹۵
فضل بخارائی ۲۱۰، ۲۱۱
فضولی ۴۷۱
فغفور گیلانی ۱۹۸
فکرۃ الاصفیاء ۵۱۳
فوائح الجمالی ۵۱۲
فوائد السالکین ۳۰۶ ن، ۳۰۹، ۳۲۲، ۳۲۴، ۵۱۳
فوائد الفواد ۱۲۳، ۳۰۶ ن، ۳۱۱، ۵۱۳، ۶۱۳، ۶۱۴
فوق، محمد الدین ۲۳۲
فولاد، میرزا ۳۸۵
فہرست ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۳۷۱
فہرست مخطوطات فارسیہ ۳۶۴
فہیم چوہان، ملک ۳۴۳
فیروز شاہ ۱۸۹، ۲۱۴
فیروز تغلق ۲۷۹، ۳۴۶، ۳۴۸، ۳۵۲، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۵۵۴
فیروز کوہ ۸۹
فیضی ۵۷
فیضی ۵۲۹
فی منزل الوحی ۱۴۸

ق

قاآن الملک محمد ۲۹
قاچی چک ۵۴۲

قادر چلپی ۴۵۴
قادری ۲۳۹
قادسیہ ۳۸۷
قاسم انوار ۲۱۹
قاسم جہان ۲۹۸
قاسم خان ۵۵۵
قاسم میرزا ۴۴۶
قاسمی گونابادی ۴۷۱
قاضی، قاضی ۲۰۵
قاضی صوفی ۴۶
قاموس الاعلام ۲۶۱
قانغ میر ۲۲۰، ۲۴۸ ن
قتلغ خان ۳۷۲
قتلغ نگار خانم ۵۳۹
قتیل بخارائی ۶۰۴
قندوزی ۵۶۱، ۵۶۳
قران السعدین ۶۱۴
قرآن حکیم اور تصوف ۱۲۷
قرسم خاتون ۳۰۸
قرمزداد ۱۹۰
قسمتی، محمد علی ۴۶۱
قشیری ۱۲۹
قصار ۳۰۰
قصاریہ ۱۲۸
قصدار ۱۹۰
قصیدہ جلالیہ ۵۰۲
قصیدہ فارضیہ میمیہ ۵۱۳
قصیدہ لامیہ ۵۰۲، ۵۰۴
قصیدہ مسائل ضروریہ ۵۰۲
قطب ۳۹۷
قطب الدین ایبک ۳۹، ۱۷۰، ۱۸۹
۱۹۳، ۶۰۱
قطب الدین بختیار اوشی ۳۲۲، ۳۲۳
قطب الدین پودہ ۴۴۳
قطب الدین حقانی ۶۲۲، ۶۳۶
قطب الدین دمشقی ۳۶۴
قطب الدین سرخسی ۲۹۶
قطب الدین شاہ ۳۹۶، ۳۹۷ ن
۴۰۵
قطب الدین لنگاہ ۲۳۹
قطب الدین مبارک شاہ ۳۷۱
قطب الدین ہروی ۲۴۹
قطب شاہ ۳۸۴
قلج طمغاج ابراہیم ۲۹۴، ۲۹۶
قلیج خان ۳۴
قلی بیگ میرزا ۵۲۴

قندھار ۵۳۰
قوام الدین بدخشی ۳۰۳
قوت القلوب ۳۱۶، ۵۰۳
قید الکتب الثلثہ الی کتاب البیوع ۵۴۷
قیس ۴۷۰

ک

کاتبی ترشیزی ۲۶۲
کابلیان، قبیلہ ۹۷
کاشغر ۵۴۴
کاشیر ۳۰۲
کاغان ۱۹۷
کافی ۳۵۵
کالبادیہ ۲۵۱
کالنجر ۵۸۳
کالہ شیخ ۲۰۰
کامران، میرزا ۳۳، ۳۴، ۵۴۰، ۵۵۵، ۵۶۱
کتاب خانہ برلین ۲۴۶
کتاب الاصول ۳۵۵
کتاب الاغانی ۳۰۵
کتاب الانساب ۱۹۳
کتاب الایمان ۱۲۶
کتاب البیان لاہل العیان ۱۲۶
کتاب الاوراد ۳۳۲، ۳۳۶
کتاب الحقائق ۵۱۲
کتاب السیر ۳۵۵
کتاب الشفاء ۳۵۵
کتاب اللمع ۱۲۹
کتاب الوزراء ۳۰۵
کتاب امام محمد شیبانی ۳۱۵
کتاب الفوائد ۳۸۳
کتاب جنت الفردوس ۵۱۴
کتاب خانہ ملی پیرس ۲۴۷
کتاب در شرح کلام حسین بن منصور حلاج ۱۲۶
کتاب روضہ ۳۱۵
کتاب جاما از حکماء ہند ۳۰۴
کتاب فنا و بقا ۱۲۵
کتاب قشیری ۱۲۹
کتاب مفصل ۳۱۵
کتاب مناجیہ فی الرؤیا ۳۰۶
کتاب نافع ۳۰۹
کتاب واردات الغیبیہ والہامات القدسیہ ۳۰۷

کچ نگین ۲۹۷
کربلا ۳۶۹
کرم علی تالپور ۲۱۶
کرن بہادر ۵۴۲
کرشن ۱۲۱
کشف الاسرار ۱۵۱-۱۶۰، ۳۵۵
کشف الحقائق ۴۰۶
کشف الظنون ۳۳۵ ن
کشف الغمہ ۳۸۷
کشف المحجوب ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳،
۱۲۴، ۱۲۵ ن،
۱۲۶-۱۴۹، ۱۵۴، ۵۱۲،
۵۱۶ -
کشف المکتوم ۳۵۵
کعب ۱۹۱، ۱۹۲
کفایہ ۳۱۶، ۳۹۸
کفایۃ الفقہاء ۳۵۵
کفایہ منصوری ۵۳۶-۵۳۸
کفالی ۳۰۰
کلابی ۳۰۰
کلانور ۴۲، ۴۵
کلورج ۲۴۰
کلہن پنڈت ۲۹۶، ۴۴۲
کلیلہ و دمنہ ۱۳
کلیلہ و دمنہ بہرامشاہی ۳۷
کمال الدین جاجرمی ۳۷۹
کمال الدین حسین ۴۴۲، ۴۵۳
کمال الدین شاہ حسین ۲۶۱
کمال الدین طبیب ۴۸۴
کمال الدین علی ۲۳۲
کمال الدین محمد میمی ۳۳۲
کمال، برادر صرفی ۴۴۱
کنزالدقائق ۱۷۴
کنزالعباد ۵۱۳
کنزالعباد فی شرح الاوراد ۳۴۵
کنشکا ۱۳
کنی گرام ۵۶۱، ۵۶۷، ۵۷۲
کوٹ کروڑ ۳۴۱
کوسہ فالی ۳۰۰
کوشان ۱۳
کوکووال ۹۷
کولاب ۴۰۲، ۴۰۳
کوناد ۴۰۲
کوہ مازان ۴۳۴
کوڈوال ۳۰۹
کیمیای سعادت ۵۱۴، ۶۲۵

کیقباد ۶۱۴
کیچ مکران ۲۳۰

گ

گاندارا ۱۱
گل رعنا ۹۷ن، ۱۰۰، ۲۱۱
۵۲۶، ۵۲۹، ۵۳۳
گگوار ۲۳۱، ۲۳۲
گلستان سعدی ۱۰۶، ۵۸۷
گلکنڈہ ۳۸۴
گنج اسرار ۳۲۴، ۳۲۵
گنج بخش ۱۱۹، ۱۶۰
گندھارا ۱۲، ۵۵۲
گندوفارنیس ۱۲، ۱۳
گنیش، راجہ ۶۱۸، ۶۱۹
گور ۶۰۸، ۶۰۹

ل

لاسا ۵۴۰
لاھی ۴۵۹
لاہور ۳۴۱
لاہور وجہ تسمیہ اور تعمیر ۱۶۴، ۱۶۵
لباب الاخبار ۵۶۲، ۵۶۳
لباب الالباب ۴۸ن، ۵۵، ۵۶
۵۸، ۵۹، ۶۳ن
۲۹۷-۳۰۱، ۵۵۴ن، ۱۹۰، ۲۰۹
لب الالباب ۵۱۲
لب تاریخ سندھ ۲۱۸
لداخ ۴۰۲
لطایف الارشادات ۳۰۳
لطایف قشیری ۴۸۹
لطائف قصص الانبیاء ۳۰۳
لطائف نامہ ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۹۰
۲۷۸
لطیفہ بانو ۲۳۰
لطیفہ غیبیہ ۵۱۳
لعل شاہباز ۲۱۴
لقمان ۱۵، ۵۵۳
لکھنوتی ۳۷۸، ۶۰۸، ۶۱۴
لوائح ۴۹۴
لودی ۳۲
لولوی ۳۰۰
لہانور ۳۴۱
لیلیٰ و مجنون ۴۶۹–۴۷۹
لینن گراڈ ۱۱۹

م

مآثر الامراء ۱۷۶ ن، ۳۸۵
مآثر الکرام ۲۱۲ ن
مآثر رحیمی ۱۸۰، ۲۵۳، ۵۲۳ ن
۵۲۴
مآثر لاہور ۴۸ ن، ۶۳، ۱۱۹ ن
۱۶۹
مآثر محمود شاہی گجراتی ۱۴۹
مادھوسنگھ ۴۵
مادلیس ۱۲
مالوہ ۳۷۱
ماہون ۳۸۸
مانڈو ۲۵۱
مائل، غلام علی ۲۱۶
ماہرو ۳۷۱، ۳۸۰
مبارک حقانی ۲۳۹
مبارک شاہ ۱۶۱
مبارک غزنوی ۳۵۲
مبسوط ۳۵۵
مبصر سیاہ پوش ۳۴۱
مثنوی سلطان ولد ۵۱۳
مثنوی معنوی ۵۱۴
مثنوی مولانا روم ۵۸۷
مجالس العشاق ۴۷۰
مجالس المومنین ۳۸۵ ن
مجالس النفائس ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۷۸
۴۲۹ ن
مجدد الف ثانی ۴۴۵
مجدود ۴۸، ۶۳
مجرم ۲۰۴
مجلۂ ہلال ۵۳۳ ن
مجمع الامثال ۳۰۴
مجمع الفصحاء ۴۸
مجمع المسائل ۳۵۵
مجمع النفائس ۱۰۰، ۳۲۱، ۵۳۰
مجمع النوادر ۳۵۵
مجموعۃ الفوائد ۵۰۲
محلاتی ۲۹۶
محاسبیہ ۱۲۸
محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب ۳۴۹ ن، ۵۴۶ ن
محتشم کاشی ۵۲۴
محسن خان غازی ۵۷۳
محمدؐ ۳۲۱، ۳۶۰
محمد ۶۹

محمد آئی ۴۴۲، ۴۴۷

محمد اسماعیل ۳۷۸

محمد اعظم ۲۰۸، ۴۴۱، ۵۰۲، ۵۳۵

محمد اقبال ۱۲ ن

محمد اکرم ۳۷۷

محمد الحسنی، مخدوم ۲۳۸-۲۳۹

محمد الدیوری ۵۹۲

محمد اعظم ۴۳۴ ن

محمد امین مستغنی ۳۹۸

محمد امین منطقی ۴۳۴-۴۴۰

محمد ادریس ۳۹۷

محمد ایوب قادری ۳۶۲ ن

محمد بدھ ۶۳۰

محمد باقی ۱۹۸، ۲۰۵، ۵۴۶

محمد بدھ ۶۱۱

محمد برادر صرفی ۴۳۲

محمد بلخی ۲۱۰

محمد بن ابی بکر نسفی ۲۹۶

محمد بن رشید محتاج، شہاب الدین ۳۷

محمد بن عبدالوہاب قزوینی ۲۹۴، ۲۹۵

محمد بن علی الترمذی ۱۲۹

محمد بن علی سید ۳۹۶، ۳۹۸

محمد بن عمر سمرقندی ۲۹۴

محمد بن غیاث الدین ۲۱۳

محمد بن قاسم ۱۳، ۱۴، ۱۸۸، ۱۸۹
۲۸۶، ۲۸۸، ۲۸۹
۲۹۰

محمد تغلق ۳۴۷، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۷۷

محمد جہانگیر ۵۵۸، ۵۸۵

محمد حسن کمی ۴۴۴

محمد حسن، ملک الشرق ۴۱

محمد حسین والد میرزا حیدر ۵۲۹

محمد حسین ہیکل ۱۴۸

محمد حکیم، مرزا ۴۴، ۴۸، ۵۶۸، ۵۶۹
۵۷۰، ۵۷۱

محمد خاوری ۳۹۶، ۳۹۹

محمد سعید احمد ۲۱۶

محمد سلطان ۴۰۲، ۴۰۳

محمد شریف کاشف ۴۷۱

محمد خان ۱۸

محمد خلیلی ۷۲

محمد سام غوری ۳۰، ۱۶۲، ۱۶۴
۱۶۹

محمد سلطان ۱۹۴

محمد شاہ سعادت ۱۴۲ ن، ۵۱۹

محمد شریف ۴۱۴

محمد شیبانی ۳۶

محمد شفیع پروفیسر ۱۴۴، ۱۶۵، ۱۶۹
۲۷۵، ۳۳۴، ۳۳۵
۴۵۹، ۵۹۵، ۵۹۹

محمد، شیخ ۵۶۰

محمد صادق ۲۴۰

محمد صالح، قاضی ۴۴۵

محمد عباس ۱۱۹ ن

محمد علی حکیم ترمذی ۵۱۳

محمد علی ناصح ۴۸، ۵۰

محمد عوفی ۱۹۰، ۲۹۴

محمد غوث ۲۳۸

محمد غوری ۱۸۸

محمد فاضل ۲۴۹

محمد قادری ۲۰۵

محمد قاسمی ۵۴۴

محمد قزوینی ۴۸، ۵۰، ۵۲، ۶۳ ن
۶۴، ۲۹۸، ۳۰۱

محمد قلی خان ۵۲۵

محمد کشمیری حاجی ۵۴۶، ۵۴۹

محمد کمالی ۵۶۱

محمد مبارک ۳۰۶ ن

محمد مظفر حسینی ۲۴۰

محمد معصوم ۲۱۹، ۲۴۹، ۲۵۹

محمد معین ۴۸ ن، ۵۰

محمد، آقا ۲۴۹

محمد مومن عرشی ۲۱۹

محمد، میر ۵۱۹

محمد میرک صالحی ۵۲۴

محمد نورانی ۴۳۹

محمد یاسقم ۲۱۹

محمد یعقوب ۵۶۱

محمود بن ابراہیم ۵۹

محمود بن غیاث الدین ۳۹

محمود تستری ۳۴۵

محمود حسن ملک ۳۰۱

محمود خان سلطان ۲۵۲

محمود، سلطان ۱۶۳، ۱۸۸

محمود سیف الدولہ ۳۶، ۵۰، ۵۱

محمود سیفی ۳۹۶

محمود شاہ تغلق ۱۸۹

محمود شیرانی ۵۳، ۱۶۵، ۱۹۱، ۲۱۹

محمود غزنوی ۱۵، ۳۶۸، ۵۵۳

محمود، شیخ ۸۴ ن

محمود لاہجی ۴۵۲

محمود لاہوری ۱۰۳، ۱۰۴
محی الدین مسکین ۳۹۵، ۴۰۲
مختار الثقادی ۵۱۴
مختصر النوادر الہشام ۳۵۴
مختصر وقایہ ۵۱۳
مخدوم بلال ۱۹۶
مخدوم جہانیاں ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۰۳، ۳۷۰
مخدوم جہانیاں جہاں گشت (کتاب) ۳۶۲ ن
مخدوم شرقی ۳۸۴
مخدوم نوح ۲۰۸
مخزن الاسلام ۵۷۲--۵۸۰
۵۸۳ - ۵۹۵
مخزن الاسرار ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۵۳، ۲۵۵
محضر مومن ۱۷۰
مدار السعادہ ۳۵۵
مدارک ۳۵۵
مدائح السلطان ۳۰۵
مدائنی ۳۸۷
مرآۃ الاولیاء ۴۳۲
مرآۃ التابعین ۴۰۷، ۵۱۴
مرآۃ الجنان ۲۵۳
مرآۃ الحکماء ۱۲۹
مرآۃ الغیب ۵۲۰
مرآۃ الغیوب ۴۰۰
مرآۃ القدس ۴۶
مرآۃ المحققین ۵۶۸
مراد، شاہزادہ ۱۷۷
مرتضی مدرسی ۴۷۰ ن
مرشد آباد ۶۰۹
مرشد بروجردی ۱۹۸
مرصاد العباد ۳۵۵، ۳۶۶، ۵۱۲
مریخ ۶۶، ۶۷، ۶۸
مروج الذہب ومعادن الجواہر ۱۸۸
مسافرنامہ ۳۶۷ - ۳۷۰
مسالک الممالک ۱۹۰ ن
مسائل المشائخ ۶۲۲، ۶۳۹-۶۳۸
مستان شاہ ۴۲۶
مستغنی، محمد امین ۳۹۲، ۵۳۲، ۵۳۳
مستورات ۴۰۷
مستورہ بنت فرید ۳۱۰
مسجد حبشی ۱۶۵
مسعود بن ابراہیم ۵۱
مسعود بن سعد شالی کوب ۹۳
مسعود بن محمود، سلطان ۱۲۳

مسعود رازی ۵۰

مسعود سعد سلمان ۳۶، ۵۳، ۵۴، ۶۳-۸۴

مسعود، سلطان ۱۶۴

مسعود، علاء الدولہ ۳۶

مسعود غازی ۱۶۲

مسعود غزنوی ۵۵۴

مسعود گیہان ۱۳، ۴۸

مسعودی ۵۰

مسلک الاخیار ۴۲۱، ۴۴۴، ۴۴۸، ۴۵۲-۴۵۸

مشارب الاذواق ۴۰۶

مشائخ کی چادلی ۳۰۸

مصباح الشریعۃ ۵۴۷

مصلح الدین لاری ۲۰۵

مطلع الانوار ۲۶۱، ۴۵۲، ۴۵۵

مظفر گجراتی ۱۷۷، ۲۵۰

مظفری ۳۰۰

مظہر الآثار ۲۱۹ ن، ۲۲۰-۲۲۵

مظہر الاسرار ۲۲۰

مظہر الانوار ۲۲۰

مظہر جلالی ۳۶۴

مظہری ۳۹۸

مظہری کشمیری ۵۲۳-۵۳۳

معارج الولایت ۲۱۴

معاویہ ۳۱۶

معاویہ بن مہلب ۲۹۰

معتضد باللہ ۱۴، ۱۸۸

معتمد عباسی ۱۴

معجزات النبی ۵۴۷

معدن الافکار ۲۵۴

معجم البلدان، ترجمہ ۴۶

معرفۃ المذاہب ۳۵۵

معروف کرخی ۱۲۰، ۳۶۶، ۵۱۵

معز الدین ۳۷۱

معز الدین حاکم اُچہ ۳۷۸

معز الدین غوری ۳۸، ۳۰۸، ۵۵۴

معزی ۷۱

معصوم خان ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱

معصوم، میر ۱۷۹، ۲۰۰

معظم خاں شیر خاں ۲۹

معیار الاشعار ۲۷۷

معیدی بہشتی ۴۵۹

معین الحق، سید ۵۸۴

معین الدین سجزی ۳۲۲

مغازی النبی ۴۰۲

مغازی النبی ۴۴۱، ۴۴۸، ۴۵۶، ۴۷۹-۴۸۲
مغل ۳۲
مفاتیح المسائل ۳۵۵
مفتاح التواریخ ۵۴۶
مقالات الشعراء ۱۹۶ن، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۳ن، ۲۱۰، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۴۸، ۲۵۴ن، ۲۵۵ن
مقالات ۳۹۷
مقامات بایزید بسطامی ۵۱۲
مقامات بہاء الدین نقشبندی ۵۱۱
مقامات حرفی ۴۰۰، ۵۲۰
مقامات مرشد ۳۹۹، ۴۸۳-۴۸۸
مقصود الطالبین ۵۶۸
مقصود المومنین ۵۷۴-۵۹۰
مقیم ہروی ۱۷۶، ۵۹۵، ۵۹۷
مکاتیب نور الحق ۲۲۰-۲۲۴
مکارم اخلاق ۴۰۶
مکتبی شیرازی ۴۷۱
مکتوبات امیریہ ۴۰۶
مکتوبات مخدوم جہانیاں ۳۹۴، ۳۶۷
ملتان ۱۸، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۲۱۳، ۳۷۵
ملفوظات قطب الدین علی ۴۳۲
ملک ارسلان ۶۹، ۷۴، ۷۶
ملک تمرکی ۲۹
ملک کندھو ۳۱
منازل السالکین ۴۰۷
مناسک الحج ۴۴۷
مناقب الاولیاء ۴۴۶
مفتاح ۲۰۶
مناقب الاولیا ۳۹۹
مناقب قطبی ۵۱۳
منتخب التواریخ ۹۶ن، ۳۸۵ن، ۴۴۶، ۴۴۸ن، ۴۵۲ن، ۵۲۵ن، ۵۲۱، ۵۸۴ن
منتخب اللباب ۱۷۹، ۱۸۰ن
منتخب شرح الاوراد الفتحیہ ۵۴۷
منشآت در علم عروض ۲۷۷
منشآت ماہرو ۳۷۱-۳۷۷
منصور بن سعید ۵۲
منصور بن محمد ۳۹۷، ۳۹۸، ۵۲۶
منصور، شیخ ۲۱۳

منصورہ ۱۵
منطق الطیر ۵۱۳
منظور حسن عباسی ۳۶۴
منعم خاں ۲۰۹
منقد، شیخ ۴۶
منہاج الدین ۸۸
منہاج الدین اندر طریق تصوف ۱۲۶
منہاج العابدین، محمد غزالی ۵۱۴
منہاج الدین عبداللہ، قاضی ۳۷۸
منہاج الدین والملک ۲۸۵
منہاج العارفین ۴۰۷
منوچہر ۱۹۷
منیر ۵۹۱
مودود چشتی ۳۱۵
مہ ۲۳۰، ۲۳۱، ۳۳۹
مودود چشتی ۳۲۳
مودود، ملا ۵۶۸
موسیٰ ۳۲۱
موسیٰ آہنگر ۳۴۱
موسیٰ، استاد ۳۴۵
موسیٰ عمران ۱۹۷
موسیٰ، قاضی ۵۰۲
موکل نگر ۴۱۰
مولّد رق ۱۴۰
مولہ نجار ۲۴۱
مومن ۳۴
مونس الفقراء ۶۳۷
مہذب الدین منصور ۲۹۵
مہری ۲۶۵، ۲۶۷
مہری، مولانا ۳۹۸
مہلب ۲۸۸
میران پادشاہ ۲۳۹
میر بزرگ ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۵۴
میر حاج گونابادی ۴۷۱
میر حسینی ۳۳۲، ۳۳۳
میر علوی، سید ۶۳۰
میر علی ۵۳۴
میرک اندرابی ۵۰۲، ۵۰۸
میرک، سید ۴۳۵
میرک، محمود ۲۰۳
میرم، بزاز ۳۹۹

ن

نادری، ملا ۳۹۷
نانک شاہ پسر فتح شاہ ۵۴۱
ناصر، خواجہ ۷۲

ناصرالدین قباچہ ۱۷، ۳۹، ۱۸۹، ۱۹۲
۲۰۹، ۲۱۱، ۲۹۳، ۲۹۷
۲۹۸، ۳۰۵
ناصرالدین محمود بغرا خان ۶۱۰، ۶۱۲
۶۱۳، ۶۱۵
ناصر مہدی ۴۷۱
نامی ۳۹۸، ۵۳۴
نامی اصفہانی ۴۷۱
نامی ثانی ۳۹۸، ۵۳۵
نامی، غلام دستگیر ۲۲۰ ن، ۲۳۱
نامی، محمد معصوم ۲۴۹، ۲۵۹
نائب السلطنت لاہور ۲۸
نجم الکبریٰ ۵۱۲
نجار ساغرجی ۳۰۰
نجیب الدین متوکل ۳۰۸
نحو القلوب ۱۲۶
نخشبی ۱۰۵
نزہۃ الخواطر ۵۲۶ ن، ۶۱۵
نشتر عشق ۵۲، ۲۵۷، ۵۲۳ ن
۵۲۵، ۵۲۶
نصاب الاحتساب ۳۵۵
نصرالدین محمود ۳۷۹
نصر اللہ ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۸۴

نصر بن احمد ۱۹۲
نصر بن رستم، ابوالفرج ۵۴
نصر بن سفیان ۲۸۸
نصرت خان ۱۸۹
نصرت خان گرگ انداز ۳۲
نصرت شاہ ۶۰۸
نصرت گکھڑ ۳۱
نصیب الدین ۵۰۱ ن
نفیسی کرمانشاہی ۴۷۱
نصیر الدین ایتمر ۳۹
نصیر الدین بنی فرید ۳۱۰
نصیر الدین بنیانی ۱۷۳
نصیر الدین حاکم لاہور ۳۷۸
نصیر الدین، سید المجاب ۳۷۹
نصیر الدین طوسی ۲۷۷
نصیر الدین محمود ۳۴۶
نظام التواریخ ۱۷۹
نظام الدین ۳۷۱
نظام الدین احمد ۱۷۶-۱۸۱، ۲۲۹، ۳۸۶
نظام الدین اولیاء ۳۰۶ ن، ۳۴۰، ۴۵۳
۶۱۳، ۶۱۶
نظام الدین بدایونی ۱۹۴
نظام الدین بن فرید ۳۱۰

نظام الدین، شیخ ۴۲۵
نظام الدین ڈاکٹر ۲۹۴، ۳۰۲
۳۰۳، ۳۰۴
نظام الملک محمد بن ابی سعد ۳۰۲، ۳۰۵
نظامی ۲۳، ۲۲۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۶۱۳
نظامی عروضی ۶۵، ۷۷
نظامی گنجوی ۴۷۱
نعمت اللہ لاہوری، سید ۴۶
نعمت اللہ ولی ۲۱۹
نفحات الانس ۱۲۷، ۱۹۲، ن ۵۱۲
نفسی ۲۷۹
نقابۃ الفقہاء ۳۵۵
نقد النصوص ۵۱۳
نقش رستم ۱۱
نقیب خان ۳۸۶
نگارستان سخن ۲۴۶
نند رام، منشی ۲۵۴
نندنہ، قلعہ ۳۵
نوادر الاخبار ۵۴۳ ن
نوادر الاصول ۵۱۳
نوادر الفتاوی ۳۵۵، ۴۸۹
نور احمد فریدی ۳۳۲
نور احمد منشی ۱۵۴
نظا، خواجہ ۵۴۴
نور الدین اصفہانی ۵۲۴
نور الدین بدخشی ۴۰۳
نور الدین جعفر ۵۱۲
نور الدین حاکم ملتان ۳۷۹
نور الدین ربیشی ۵۰۴
نور الدین، شیخ ۲۳۱
نور الدین کمبوہ لاہوری ۴۶
نور الحسن ۲۴۶
نور اللہ شستری ۳۸۵
نور المعانی شرح امانی ۵۱۲
نور قطب عالم ۶۰۹، ۶۴۰، ۰۰
۶۱۷-۶۲۹، ۶۳۶، ۶۳۷
نور نامہ ۴۳۲، ۵۰۱ ن
نوریہ ۱۲۸
نوشہرہ ۴۳۲، ۵۱۹
نوشیروان ۳۷۰
نہروالہ ۲۹۷، ۳۷۸
نیازی ۲۴۶، ۲۴۸
نیالتگین، احمد ۲۸

و

واقعات الکابل ۳۵۵

واقعات بابری ۱۶۹

واقعات حضرت جنت آشیانی ہمایوں ۱۶۹

واقعات کشمیر ۳۹۵ن، ۴۰۳، ۴۳۲ن، ۴۳۵، ۴۴۱، ۵۰۲، ۵۲۳ن، ۵۲۵، ۵۲۶

واقعات مشتاقی ۱۶۹

والہ داغستانی ۲۱۹، ۲۶۱

وامق و عذرا ۴۵۸-۴۶۹

وجیہہ الدین ۳۰۸، ۳۳۲

وجیہ الدین قاضی ۲۳۱، ۲۳۵

وحید تبریزی ۲۷۷

وحید دستگردی ۴۴۰ن

وحشی یزدی ۵۲۴

وحید قریشی ۳۷۷

وحید قریشی، سید الحجاب ۳۷۹

ورد المریدین ۵۰۲، ۵۰۹

ورڈز ورتھ ۸۲

وصاف ۳۸۸

وصایای امام محمد ۳۴۰

وصلی نعمت اللہ ۱۹۸

وقائع خوابان دوازده گانہ ۴۷

وقائع کشمیر ۳۹۷، ۴۳۲

وقاری ۱۹۸، ۲۰۷

ولید بن عبدالملک ۱۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰

ولی دشت بیاضی ۵۲۴

ویہند ۳۵، ۴۰۲، ۵۵۴

ہ

ہاشمی، سید ۱۶۹

ہاتفی ۴۷۱

ہانسی ۱۲۳

ہپنوٹزم ۴۹۰، ۴۹۱

ہجویری ۱۱۹

ہجا منشی ۱۲

ہدایت رازی ۴۷۱

ہدایۃ الرمی ۶۳۰-۶۳۵

ہدایۃ المخلصین ۳۹۹

ہربلس ۹۸

ہروی دلیشی ۵۰۴

ہری باکس ۹۸

ہڈلی ۴۸۸

ہزبرہ ۳۱۰

ہشام بن عبدالملک ۱۵۴

ہفت اقلیم ۹۷ن، ۱۰۳، ۲۱۹، ۲۲۵، ۳۹۸، ۴۰۴، ۵۵۳

ہفت کشور ۲۷۹

ہفت اورنگ ۳۷۰ن، ۳۷۱ن

ہلاکی ہمدانی ۵۲۴

ہلالی ۲۶۶، ۳۷۱

ہمام، حکیم ۳۸۶

ہمایوں ۴۰۹

۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۵۵

ہمدانیہ ۴۰۶، ۴۲۹ - ۴۳۱

ہیندوکس (سند) ۲

ہیاطلہ ۱۳

ہیبت خان نیازی ۳۳

ی

یمینیا ۲۴۰

یزید بن ابی کبشہ ۲۹۰

یعقوب آق قوینلو ۲۶۴

یعقوب بن لیث ۱۴

یتیمۃ الدہر ۲۹۹

یزد ۴۰۵

یزید ۳۱۶

یعقوب صرفی ۳۹۸، ۳۹۹

۴۴۱ - ۵۰۰، ۵۲۱

یوسف ۵۷۰

یوسف بن شاہ محمد ۳۲۵

یوسف بن محمد دربندی ۳۷

یوسف بن نصر، سدید الدین ابوالحسن ۳۸

یوسف خان چک ۵۰۲، ۵۲۴، ۵۲۵

۳۹۸، ۴۴۵

یوسف چشتی ۳۱۵

یوسف زئی، پٹھان ۵۸۴ن

یوگا ۴۹۰، ۴۹۱

یونس خان ۵۳۹

یونس علی، میر ۳۳

tural Heritage of Pakistan P. 611 n.
opeadia of Islam P. 599
S. M. P. 611
ic Culture P.
wan P. 190 n.
niul-Hikayat, introduction P. 294 n.
. S. London P. 55 n
ful Mahjub, English nslation P. 120 n.
k P. 401, 402, 403
tapoff, A. P. 403
e, Past & Present
en
sood Sa'd Salman ... n.
oire on maps illustrating the anceint Geography of Kashmir P. 12 n.
rindle, G. W. P. 12 n.
let, G. G. P. 254 n.
hammad Baqir, Dr. P. 28 n.
Muhammadan Dynastics P. 170,
Muhammad Qizwani P. 55 n.
Nicholson, R.A. P. 120 n.
Nizamuddin, Dr. P. 294 n.
Pakistan Times, 1958, P. 13 n.
The Pathans P. 556 n.
Persian Poets of Kashmir P. 523 n.
Persian Poets of Sind, P. 206 n.
Philby P. 583 n.
Proceedings of Pakistan History Conference P. 349 n.
... 539 n.
P. 206 n.
...53, 264.
Sufi, G. ... D. P. 401, 402, 403.
Tabakat-i-Akbari, English Translation P. 176 n.
Tarikh-i-Rashidi, Translation P. 539 n.
Tucci, Giaseppe P. 13 n.
Zafar Khan, Dr, P. 523 n.